

گشتِ مبارکِ باری

عکسِ تحریکِ الہی باری

جلد چہارم

کتاب دوم

شیخ الاسلام علامہ محمد رفیع الدین

مفت محمد رفیع الدین

مکتبہ دارالافتاء

شاہ فیصل کراچی

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

کتاب العلم جلد چہارم

کشف الباری (جلد چہارم)

افادات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

ترتیب و تحقیق

نور البشر نور الحق

1431ھ / 2010ء

جمہد حقوق بحق مکتبہ فاروقیہ کراچی پاکستان محفوظ ہیں
اس کتاب کا کوئی بھی حصہ مکتبہ فاروقیہ سے تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی
شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کا کوئی اقدام کیا گیا تو قانونی کارروائی کا
مزمع ہوگا۔

جميع حقوق الملكية الأدبية والعلمية محفوظة

لمكتبة الفاروقية كراتشي، باكستان

وہم مطبعہ طبع او تصویر او ترجمہ او إعادة تعظیم الكتاب کمالاً او
سجراً او نسخہ علی شرطہ کاسیت او إدخاله علی الکمیونر او
برمجة علی اسطوانات صوتیة إلا بموافقة الناشر خطياً

Exclusive Rights by

Maktabah Farooqia Khi-Pak.

No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form or by any means, or stored in a data base or retrieval system, without the prior written permission of the publisher.

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

بزرگ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر 4

کراچی 75230، پاکستان

فون: 021-4575763

m_farooqia@hotmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فهرس إجمالى لأبواب صحيح البخاري
في المجلد الرابع من كشف الباري

نمبر شمار	ابواب	صفحة
١	باب عظة الإمام النساء وتعليمهن	٤٦-٣٥
٢	باب الحرص على الحديث	٦١-٤٧
٣	باب كيف يقبض العلم	٨٩-٦١
٤	باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم	١٠٣-٩٠
٥	باب من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه	١١٠-١٠٤
٦	باب ليلغ العلم الشاهد الغائب	١٤٤-١١١
٧	باب إثم من كذب على النبي ﷺ	٢١٥-١٤٥

نمبر شمار	ابواب	صفحة
٨	باب كتابة العلم	٣٨٥-٢١٦
٩	باب العلم والعظة بالليل	٤٠٢-٣٨٦
١٠	باب السمر في العلم	٤٣٠-٤٠٣
١١	باب حفظ العلم	٤٦٩-٤٣١
١٢	باب الإنصات للعلماء	٤٧٧-٤٧٠
١٣	باب ما يستحب للعالم إذا سئل أي الناس أعلم؟ فيكل العلم إلى الله	٥٠٦-٤٧٨
١٤	باب من سأل وهو قائم عالماً جالساً	٥١٥-٥٠٧
١٥	باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار	٥٢٣-٥١٦
١٦	باب قول الله تعالى: ﴿وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾	٥٤٣-٥٢٤
١٧	باب من ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا في أشد منه	٥٦١-٥٤٤
١٨	باب من خص بالعلم قوماً دون قوم كراهية أن لا يفهموا	٥٩٨-٥٦٢
١٩	باب الحياء في العلم	٦٣١-٥٩٩
٢٠	باب من استحيا فأمر غيره بالسؤال	٦٤٧-٦٣١
٢١	باب ذكر العلم والفتيا في المسجد	٦٦١-٦٤٨
٢٢	باب من أجاب السائل بأكثر مما سأل	٦٦٨-٦٦١

فہرست مضامین کتاب العلم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳	کیا عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے؟	۳	فہرست اجمالی
۲۳	امام مالک کے دلائل	۷	فہرست مضامین
۲۴	جمہور کے دلائل	۲۸	فہرست اسماء الرواة
۲۵	امام مالک کے دلائل کا جواب	۳۱	عرض مرتب
۲۵	وقال إسماعیل عن أيوب	۳۵	باب عظة الإمام النساء وتعليمهن
۲۶	مذکورہ تعلیق کی تخریج	۳۵	باب سابق سے مناسبت
۲۶	مذکورہ تعلیق کا مقصد	۳۵	ترجمة الباب کا مقصد
۲۶	تنبيه (علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سہو)	۳۶	حدیث باب
۲۷	باب الحرص على الحديث	۳۷	تراجم رجال
۲۷	باب سابق سے مناسبت	۳۷	عطاء بن ابی رباح
۲۷	مقصد ترجمة الباب	۳۹	عطاء بن ابی رباح پر کلام اور اس کی تردید
۲۸	”حدیث“ کے لغوی، عرفی اور اصطلاحی معنی	۴۰	مراسل عطاء کا حکم
۲۸	حدیث باب	۴۰	قال: أشهد على النبي ﷺ أو قال عطاء:
۲۸	تراجم رجال	۴۱	أشهد على ابن عباس
			لفظ ”أشهد“ کس کا قول ہے؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۲	مقصد ترجمۃ الباب	۴۸	عبد العزیز بن عبد اللہ بن یحییٰ
۶۳	حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ	۵۰	تنبیہ (جرح کی تردید)
۶۹	ابو بکر بن حزم	۵۱	عمرو بن ابی عمرو قرشی
	تنبیہ (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک	۵۲	راوی مذکور پر کلام اور اس کی تردید
۷۰	سبقت قلمی)	۵۵	مذکورہ راوی کے بارے میں معتدل رائے
	انظر ما کان من حدیث	۵۶	أنه قال: قيل: يا رسول الله
۷۱	رسول الله صلى الله عليه وسلم	۵۶	”قيل“ کا لفظ یہاں مصحف ہے
	حضرت عمر بن عبد العزیز	۵۶	من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة؟
۷۱	رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کی تخریج		شفاعت کے بارے
۷۳	تدوین حدیث کی ابتدا اور ایک شبہ کا ازالہ	۵۷	میں اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کا اختلاف
۷۶	ولا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۵۷	شفاعت کی اقسام
	یہ حصہ حضرت عمر بن عبد العزیز		لقد ظننت يا أبا هريرة، أن لا يسألني
۷۶	رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا جزء ہے یا نہیں؟	۵۹	عن هذا الحديث أحد أول منك
۷۷	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کا مقصد	۵۹	”أول“ کا اعراب
۷۸	فإن العلم لا يهلك حتى يكون سرّاً	۵۹	ایک اشکال اور اس کا جواب
۷۸	اثر عمر بن عبد العزیز کی سند	۶۰	اسم تفضیل کا صفت کے معنی میں استعمال
۷۹	تراجم رجال		”مبالغہ“ کے معنی دینے کے
۷۹	العلاء بن عبد الجبار	۶۰	سلسلہ میں زنجیری کا بیان کردہ ایک قاعدہ
۸۰	عبد العزیز بن مسلم قسمی	۶۱	تنبیہ
۸۱	راوی مذکور پر عقیلی کی جرح اور اس کی تردید	۶۱	نکتہ
۸۲	حدیث باب	۶۱	باب کیف یقبض العلم؟
۸۳	تراجم رجال	۶۲	باب سابق سے مناسبت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۵	”واثنین“ میں واو عطف تلقینی کے لئے ہے	۸۴	فائدہ
۹۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اعداد ذکر کرنے کی حکمتیں	۸۵	إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً.....
۹۷	فائدہ	۸۶	رفع علم کی کیا صورت ہوگی؟
۹۷	حجاب بننے کے لئے ایک شرط عدم بلوغ ہے	۸۷	قال الفربري: حدثنا عباس.....
۹۷	”لم يبلغوا الحنث“ میں ”حنث“ کے معنی اور اس قید کو ذکر کرنے کی وجہ	۸۷	اس قول کا مقصد
۹۸	تنبیہ	۸۷	تراجم رجال
۹۸	حجاب بننے کی دوسری شرط احتساب ہے	۸۸	عباس سے کون مراد ہیں؟
۹۹	حدیث باب کے دو طرق		
۱۰۰	تراجم رجال	۹۰	باب هل يجعل للنساء يوم
۱۰۱	ابو حازم سلمان الأشجعی	۹۰	على حدة في العلم؟
۱۰۲	فائدہ (ابو حازم کنیت کے دو راوی اور ان میں وجوہ اشتراک و افتراق)	۹۰	”حدة“ کی تحقیق
۱۰۲	مذکورہ دونوں طرق کو ذکر کرنے کا مقصد	۹۱	باب سابق سے ربط و مناسبت
۱۰۳	تنبیہ (علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا ایک تسامح)	۹۲	مقصد ترجمۃ الباب
	باب: من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه	۹۲	”هل“ کے ساتھ ”ترجمہ“ منعقد کرنے کی وجہ
۱۰۴	باب سابق کے ساتھ مناسبت	۹۲	حدیث باب
۱۰۴	مقصد ترجمۃ الباب	۹۲	تراجم رجال
۱۰۵	حدیث باب	۹۲	ابن الأصبهانی (عبد الرحمن بن عبد الله)
		۹۵	ما منكن امرأة تقدم ثلاثة
		۹۵	من ولدها إلا كان لها حجاباً من النار
		۹۵	كان لها حجاباً من النار کی اعرابی کیفیت
		۹۵	فقلت امرأة: واثنین.....
		۹۵	”امرأة“ سے کون مراد ہے؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۸	یزید کی ولی عہدی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت	۱۰۶	تراجم رجال
	مدینہ منورہ کے والی	۱۰۶	سعید بن ابی مریم (سعید بن الحکم مصری)
	ولید بن عتبہ کی حضرت حسین اور	۱۰۷	نافع بن عمر جمحی
	حضرت عبداللہ بن الزبیر سے بیعت	۱۰۸	راوی مذکور پر ابن سعد کا کلام اور اس کا رد
۱۱۸	لینے کی کوشش اور ان دونوں کی مکہ مکرمہ روانگی	۱۰۹	من حوسب عذاب
۱۱۹	ولید کی معزولی اور عمرو بن سعید کی تقرری		حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
	حضرت حسین رضی اللہ عنہ	۱۱۰	کا اشکال اور اس کا حل
۱۱۹	کی کوفہ روانگی اور شہادت		باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب
	حضرت عبداللہ بن الزبیر	۱۱۱	
۱۱۹	رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر لوگوں کی بیعت		
	عمرو بن سعید کی مکہ پر چڑھائی کی کوشش	۱۱۱	ما قبل کے باب کے ساتھ مناسبت
۱۱۹	اور حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کی نصیحت	۱۱۱	مقصد ترجمۃ الباب
	عمرو بن الزبیر کی سرکردگی میں مکہ پر	۱۱۲	قالہ ابن عباس عن النبی ﷺ
۱۲۰	چڑھائی اور اس کی شکست، رفقاری اور پھر موت	۱۱۲	ترجمۃ الباب میں "العلم" کا اضافہ
	عمرو بن سعید کی دوبارہ	۱۱۳	حدیث باب
۱۲۰	معزولی اور عثمان بن محمد کی گورنری	۱۱۳	تراجم رجال
۱۲۰	اہل مدینہ کا عثمان بن محمد کی بیعت ختم کرنا	۱۱۳	عبداللہ بن یوسف تنیسی
	مسلم بن عقبہ کی سرکردگی	۱۱۵	راوی مذکور پر ابن عدی کا کلام اور رد
۱۲۱	میں مدینہ منورہ پر چڑھائی اور واقعہ حرہ	۱۱۶	حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ
	مسلم بن عقبہ کی موت اور حصین بن نمیر		حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ
۱۲۱	کی جانشینی اور مکہ مکرمہ پر چڑھائی		کی نصیحت کا تاریخی پس منظر
	یزید کی موت اور حضرت عبداللہ بن الزبیر	۱۱۸	
۱۲۲	کے ہاتھوں پر مزید لوگوں کی بیعت		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۷	حدیث باب	۱۲۲	معاویہ بن یزید، مروان بن الحکم اور پھر عبدالملک بن مروان کی خلافت
۱۳۸	تراجم رجال	۱۲۲	حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۳۸	عبداللہ بن عبدالوہاب جہمی بصری	۱۲۲	حضرت ابوشریح کا مؤثر انداز خطاب
۱۴۰	سند حدیث سے متعلق ایک تنبیہ	۱۲۳	إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس
۱۴۰	ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال	۱۲۳	مذکورہ حدیث اور ایک اور حدیث کے درمیان تعارض اور ان کے درمیان تطبیق
۱۴۱	ألا يبلغ الشاهد منكم الغائب	۱۲۴	کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟
۱۴۱	خبر واحد کی حجیت	۱۲۶	کیا حدیث باب کفار کے مخاطب بالفروع نہ ہونے پر دلیل ہو سکتی ہے؟
۱۴۱	وكان محمد يقول: صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان ذلك	۱۲۶	فائدہ
۱۴۲	محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مختلف توجیہات	۱۲۶	حرم مکہ میں قتال کا حکم
	باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم	۱۲۸	حرم مکہ میں قتل و قصاص کا حکم
۱۴۵		۱۳۱	ایک اشکال اور اس کا جواب
۱۴۵	باب سابق سے مناسبت	۱۳۲	حرم مکہ کی نباتات و اشجار کے قطع کا حکم
۱۴۵	مقصد ترجمۃ الباب	۱۳۳	فإن أحد ترخص لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم
۱۴۶	حدیث باب	۱۳۳	مکہ مکرمہ عنوة فتح ہو یا صلحا؟
۱۴۶	تراجم رجال	۱۳۵	لا يعيد عاصيا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة
۱۴۷	ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۵	”خربة“ کی تحقیق
۱۴۸	ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کی عزیمت	۱۳۶	حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد
۱۴۸	موت کے بعد ان کے ہنسنے کا واقعہ		
۱۴۸	ان کے بھائی ربع بن حراش کا عجیب واقعہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۶	کیا اس حدیث میں ”معمداً“ کی قید ہے؟	۱۵۰	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۱۷۷	کیا ”کذب“ کی	۱۵۰	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب
۱۷۷	تعریف میں ”عمد“ کی قید ملحوظ ہے؟	۱۵۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علمی مقام
۱۷۷	حضرت زبیر رضی اللہ عنہ	۱۵۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد
۱۷۷	کو مذکورہ وعید کا خوف کیوں ہوا؟	۱۵۴	شہادت اور مدت خلافت
۱۷۸	فلیتوبوا مقعده من النار	۱۵۵	لا تکذبوا علی.....
۱۷۸	حدیث باب	۱۵۵	کیا تائید شریعت کے لئے وضع حدیث جائز ہے؟
۱۷۹	تراجم رجال	۱۵۶	واضعین کا ایک استدلال اور اس کا رد
۱۸۰	إنه لیمنعني أن أحدثکم حدیثاً کثیراً	۱۵۹	حدیث باب
۱۸۰	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۵۹	تراجم رجال
۱۸۱	حدیث باب	۱۵۹	ابوالولید ہشام بن عبد الملک طرابلسی
۱۸۱	تراجم رجال	۱۶۱	ابوصخرہ جامع بن شداد محارب
۱۸۲	یزید بن ابی عبید	۱۶۲	عامر بن عبد اللہ بن الزبیر
۱۸۳	حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ	۱۶۴	حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ
۱۸۴	فائدہ (ثلاثیات بخاری)	۱۶۴	خصوصیات و مناقب
۱۸۶	ثلاثیات بخاری کی مستقل شروح	۱۶۹	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
۱۸۷	من یقل علی ما لم أقل.....	۱۷۳	حضرت زبیر رضی اللہ عنہ
۱۸۷	”قول“ میں ”فعل“ بھی داخل ہے	۱۷۴	کی شہادت اور قاتل کی عبرتناک موت
۱۸۸	کیا روایت بالمعنی درست نہیں؟	۱۷۵	اسنادی لطائف
۱۸۸	حدیث باب	۱۷۵	أما إني لم أفارقه
۱۸۸	تراجم رجال	۱۷۶	حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی قلت روایت کی وجہ
			من کذب علی فلیتوبوا مقعده من النار

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۳	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ بولنے والے کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟	۱۸۹	ابو حصین عثمان بن عاصم بن حصین
۲۱۴	فائدہ (ترتیب احادیث باب)	۱۹۱	تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی
۲۱۵	فائدہ (حدیث شریف کے جملوں کے درمیان ربط)	۱۹۲	روایت باب کی شان ورود
۲۱۶	باب کتابۃ العلم	۱۹۲	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر نام اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنے کا حکم
۲۱۶	باب سابق سے مناسبت	۱۹۲	علماء کے مذاہب اور ان کے دلائل
۲۱۶	مقصد ترجمۃ الباب	۱۹۵	ومن رآنی فی المنام فقد رآنی
۲۱۷	کتابت حدیث	۱۹۵	خواب کی حقیقت
۲۱۸	حدیث باب (پہلی حدیث)	۱۹۵	خواب کی قسمیں
۲۱۹	تراجم رجال	۱۹۵	کیا مذکورہ حدیث کا مصداق بننے کے لئے آپ کو آپ کے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری ہے؟
۲۱۹	وکیع بن الجراح	۱۹۸	خواب کی حالت میں حضور ﷺ کا ارشاد حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟
۲۲۳	امام وکیع پر محدثین کا معمولی کلام اور اس کا رد	۱۹۹	کیا خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنے والا صحابی ہوگا؟
۲۲۶	یہاں "سفیان"	۲۰۲	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟
۲۲۷	سے کون سے سفیان مراد ہیں؟	۲۰۲	کیا شیطان خواب میں اللہ تعالیٰ کی صورت میں متشکل ہو کر آ سکتا ہے؟
۲۲۷	مطرف بن طریف حارثی	۲۰۵	"من کذب علی متعمداً....." کا تواتر
۲۲۹	امام ابو عمرو عامر بن شراحیل شععی	۲۰۹	حدیث متواتر کا وجود
۲۳۱	حضرت ابو جحیفہ	۲۱۲	واضع حدیث کا حکم
۲۳۱	وہب بن عبد اللہ السوائی رضی اللہ عنہ		
۲۳۳	هل عندکم کتاب؟		
۲۳۳	سوال کا منشا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۵	ابن البیہمانی کی روایت	۲۳۳	أو فہم أعطیہ رجل مسلم
۲۳۶	مذکورہ روایت پر اعتراضات اور ان کا دفعیہ	۲۳۴	کیا ”فہم“ سے مراد کوئی مکتوب شے ہے؟
۲۵۰	ابن البیہمانی کی روایت کی متابعت	۲۳۵	”عقل“ کی لغوی تحقیق
۲۵۲	اعتراضات کا خلاصہ اور جواب	۲۳۶	ولا یقتل مسلم بکافر
	حنفیہ کی دوسری مؤید		کیا مسلمان کو کافر کے بدلے
۲۵۲	روایت (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ)	۲۳۶	میں قصاصاً قتل کیا جا سکتا ہے؟
۲۵۳	اس روایت پر اعتراض اور جواب	۲۳۶	ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہ کے مذاہب
	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۲۳۶	ائمہ ثلاثہ کی دلیل
۲۵۶	کے فیصلہ سے حنفیہ کی تائید	۲۳۶	ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب
	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲۳۷	پہلا جواب
۲۵۷	کے فیصلہ سے حنفیہ کی تائید	۲۳۸	دوسرا جواب
	حضرت علی اور		مذکورہ جواب پر ایک اشکال اور اس کا جواب
۲۵۸	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر	۲۴۱	ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا تیسرا جواب
	عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	۲۴۲	احناف کے دلائل
۲۵۹	کے فیصلہ سے حنفیہ کی تائید	۲۴۲	پہلی آیت
۲۵۹	ابان بن عثمان کے فیصلہ سے حنفیہ کی تائید	۲۴۲	چند اشکالات اور ان کا جواب
۲۶۰	چند اشکالات اور ان کا جواب	۲۴۳	دوسری آیت
۲۶۱	حاصل بحث	۲۴۴	تیسری آیت
۲۶۲	حدیث باب (دوسری حدیث)	۲۴۴	قصاص کے باب میں
۲۶۲	تراجم رجال		امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلی قاعدہ
۲۶۳	ابو معاویہ شیبان بن عبدالرحمن تمیمی نحوی	۲۴۴	حنفیہ کے مذہب کی مؤید روایات
۲۶۵	ابو معاویہ پر کلام اور اس کا رد	۲۴۵	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	کتاب میں اگر غلطی	۲۶۶	فائدہ
۲۸۰	واقع ہو تو اس کو اسی حال پر برقرار رکھا جائے گا یا اس کی تصویب ہوگی؟	۲۶۷	امام یحییٰ بن ابی کثیر طائی
	وسلط علیہم رسول اللہ	۲۶۸	یحییٰ بن ابی کثیر پر تدلیس کا الزام
۲۸۱	صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین	۲۷۰	أن خزاعة قتلوا رجلاً.....
	ألا، وإنها لم تحل	۲۷۰	قبیلہ خزاعہ کے قاتل کا نام
۲۸۲	لأحد قبلي ولم تحل لأحد بعدي	۲۷۰	مقتول کا نام
	کیا اہل مکہ کی بغاوت	۲۷۰	مذکورہ واقعہ کی تفصیل
۲۸۲	پران سے قتال کیا جائے گا؟		قبیلہ خزاعہ کے ہاتھوں
۲۸۲	لا یحتلی شوکھا ولا یعضد شجرھا	۲۷۱	قتل ہونے والے شخص کے نام کی تحقیق
۲۸۲	ولا تلتقط ساقطتها إلا لمنشد	۲۷۲	مقتول کے مختلف نام اور ان میں تطبیق
۲۸۳	لقطة حرم کا حکم	۲۷۲	ایک اشکال اور اس کا جواب
۲۸۳	مذہب علماء ودلائل		مقتول کا تعلق بنو لیت
۲۸۶	لقطة الحاج کے بارے میں ایک وضاحت	۲۷۲	سے تھایا بنو ہذیل سے؟
۲۸۷	فمن قتل فهو بخير النظرين	۲۷۳	قاتل کا تعلق خزاعہ سے تھایا بنو کعب سے؟
۲۸۷	عبارت مذکورہ کی نحوی تحقیق	۲۷۳	تعارض دور کرنے کی رائج صورت
۲۸۸	إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتل		فقال: إن الله حبس عن
	قتل عمد کا موجب	۲۷۴	مكة القتل أو الفيل، شك أبو عبد الله
۲۸۹	احد الامرین ہے یا صرف قصاص؟	۲۷۴	مختلف نسخے اور ان کے مطالب
۲۸۹	مذہب علماء	۲۷۵	وغیره يقول: الفيل
۲۸۹	منشأ اختلاف	۲۷۵	حبس فیل کا واقعہ
۲۹۰	حنفیہ کے دلائل قرآن کریم سے		روایت کے لفظ میں اگر الحن یا غلطی
۲۹۱	حنفیہ کے دلائل روایات و آثار سے	۲۷۸	واقع ہو تو اس کی تصحیح کرنی چاہئے یا نہیں؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۷	ہمام بن منبہ الأ بناوی	۲۹۳	شافعیہ کے دلائل اور ان کا جائزہ
۳۱۷	صحیفہ ہمام بن منبہ	۲۹۸	فجاء رجل من أهل اليمن
۳۱۹	فإنه كان يكتب ولا أكتب	۲۹۸	”رجل“ کا مصداق
۳۱۹	اشکال اور اس کا جواب	۲۹۹	فقال رجل من قريش: إلا الإذخر
۳۲۰	ایک اور اشکال اور اس کا جواب	۲۹۹	فقال النبي ﷺ: إلا الإذخر
۳۲۱	تابعہ معمر عن ہمام عن أبي هريرة		کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۳۲۱	تراجم رجال	۲۹۹	کو احکام میں اجتہاد کا حق حاصل تھا؟
۳۲۱	معمر بن راشد از دی بصری	۳۰۰	مانعین کے دلائل
۳۲۵	مذکورہ متابعت کی تخریج	۳۰۱	مجوزین کے دلائل
۳۲۶	مذکورہ متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد		حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۳۲۶	حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۳۰۵	کے اجتہاد اور امت کے اجتہاد میں فرق
۳۲۶	حدیث باب (چوتھی حدیث)	۳۰۶	مانعین کے دلائل کا جواب
۳۲۷	تراجم رجال		قال أبو عبد الله: يقال: يقاد بالقاف
۳۲۷	ابوسعید تکی بن سلیمان جعفی	۳۰۷	فقیل لأبي عبد الله: أي شيء كتب له؟
	ایتونی بکتاب اکتب	۳۰۸	قال: كتب له هذه الخطبة
۳۳۰	لکم کتابا لا تضلوا بعده	۳۰۸	تنبیہ
۳۳۲	حضور اکرم ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟	۳۰۸	حدیث باب (تیسری حدیث)
۳۳۳	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کیوں کی؟	۳۰۸	تراجم رجال
	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۳۰۹	امام عمرو بن دینار کی جُمحی
۳۳۴	کے ارشادات کی مختلف وجوہ	۳۱۲	امام عمرو بن دینار پر بعض الزامات اور ان کا رد
	مذکورہ موقع پر آپ کا	۳۱۳	تنبیہ (دوہم نام راویوں کے درمیان تفریق)
۳۳۵	ارشاد وجوبی نہیں تھا، اس کے قرائن	۳۱۴	وہب بن منبہ الأ بناوی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۶	ترجمة الباب کا مقصد	۳۳۶	واقعہ قرطاس
۳۸۷	حدیث باب		استحقاق خلافت
۳۸۸	تراجم رجال	۳۳۷	سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۳۸۸	ابوالفضل صدقہ بن الفضل مروزی	۳۳۷	چونتیس روایات و آثار
	تنبیہ (سند حدیث		سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر
۳۹۰	میں ”تکبی“ سے کون مراد ہیں؟	۳۵۹	صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت
۳۹۰	ہند بنت الحارث الفراسیہ	۳۶۶	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات
۳۹۱	تنبیہ	۳۶۹	بیعت عامہ
۳۹۳	ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا		حضرت علی اور
۳۹۷	وعمر و یحییٰ بن سعید		حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت
	ماذا أنزل اللیلة من	۳۷۵	کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ
۳۹۸	الفتن، وماذا فتح من الخزائن؟		نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی؟
۳۹۸	”ماذا“ کی ترکیبی حیثیت	۳۷۸	حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت
۳۹۸	مذکورہ جملہ کی توضیح	۳۸۱	مسئلہ خلافت پر اہل سنت
۳۹۹	أيقظوا صواحب الحجر		اور اہل تشیع کا منشأ اختلاف
۴۰۰	فائدہ	۳۸۳	فخر ج ابن عباس یقول: إن الرزية كل
۴۰۰	فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة	۳۸۴	الرزية ما حال بين رسول الله ﷺ وبين كتابه
۴۰۰	مذکورہ جملہ کی نحوی ترکیب		ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت
۴۰۱	لفظ ”کاسیہ“ کی تحقیق	۳۸۴	فائدہ (ترجمة الباب
۴۰۱	حدیث شریف کا مفہوم	۳۸۶	کے تحت مذکورہ احادیث کا حسن ترتیب)
۴۰۲	حدیث شریف سے مستنبط چند فوائد	۳۸۶	باب العلم والعظة باللیل
			باب سابق سے مناسبت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۱۲	حدیث باب کی ترجمہ الباب سے مطابقت	۴۰۳	باب السمر في العلم
۴۱۲	حدیث باب	۴۰۳	ترجمہ الباب میں سننوں کا اختلاف
۴۱۳	تراجم رجال	۴۰۳	لفظ ”سمر“ کی تحقیق
۴۱۶	الحکم بن عتیبہ الکندی الکوفی	۴۰۳	باب سابق سے مناسبت
۴۱۶	مذکورہ راوی پر تشیع کا الزام اور اس کی تردید	۴۰۴	مقصد ترجمہ الباب
۴۱۶	راوی مذکور پر تدلیس کا الزام	۴۰۴	حدیث باب
	تنبیہ (راوی مذکور کے ہم نام	۴۰۵	تراجم رجال
۴۱۷	ایک دوسرے راوی کے ساتھ ان کی مشابہت)	۴۰۵	عبد الرحمن بن خالد بن مسافر فنی مصری
۴۱۸	حضرت عید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ	۴۰۷	ابوبکر بن سلیمان بن ابی حشمہ
۴۲۰	بیت فی بیت حالتی میمونہ	۴۰۸	صلی بنا النبی ﷺ العشاء فی آخر حیاته
۴۲۰	حضرت ابن عباس کی اس واقعہ کے وقت عمر	۴۰۸	یہ واقعہ وصال سے کتنا عرصہ پیشتر کا ہے؟
۴۲۰	میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا	۴۰۹	أرأیتکم لیلتکم ہذہ
۴۲۲	نام الغلیم		فإن رأس مائة سنة منها
	حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ	۴۰۹	لا یبقی ممن ہو علی ظہر الأرض أحد
۴۲۳	کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی تعداد رکعات	۴۱۰	حدیث شریف کا مفہوم اور مقصد
۴۲۴	تنبیہ		تنبیہ (حدیث باب
۴۲۴	غطیط اور خطیط کی تحقیق	۴۱۰	سے ابن النقاش کا ایک شاذ استدلال)
۴۲۵	حدیث کی ترجمہ الباب سے مناسبت		بعض صحابہ کرام، جن کی
۴۲۵	ابن المنیر اور ان کے تبعین کی توجیہات	۴۱۱	عمریں سو سال سے متجاوز ہوئیں
۴۲۶	حافظ ابن حجر کی مذکورہ توجیہات کی تردید	۴۱۱	مذکورہ پیشین گوئی کا تحقق
۴۲۷	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ	۴۱۱	حیات خضر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۸	مذکورہ راوی پر دیگر چند اعتراضات اور ان کی تردید	۴۲۷	”سمر“ سے متعلق چند روایات
۴۵۰	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت محفوظات کی ایک اور وجہ	۴۲۹	ایک اشکال اور اس کا حل
۴۵۱	حدیث باب کے مختلف طرق میں تعارض اور اس کا حل	۴۳۱	باب حفظ العلم
۴۵۳	ایک اشکال اور اس کا جواب	۴۳۱	باب سابق کے ساتھ مناسبت
۴۵۶	ایک اور اشکال اور اس کا جواب	۴۳۱	مقصد ترجمۃ الباب
۴۵۷	حدثنا ابراهيم بن المنذر، قال: حدثنا ابن أبي ذئب	۴۳۲	علم کو یاد کرنے کی چار صورتیں
۴۵۷	ابن ابي فديك (محمد بن اسماعيل بن مسلم بن ابي فديك ديلي مدني)	۴۳۳	حدیث باب
۴۵۸	راوی مذکور کے بارے میں ابن سعد کا کلام اور اس کی تردید	۴۳۳	تراجم رجال
۴۵۹	اس طریق کو ذکر کرنے کا مقصد	۴۳۶	وإن أباهريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه و يحضر ما لا يحضرون و يحفظ ما لا يحفظون
۴۵۹	اس مقام پر بعض حضرات کا خبط	۴۳۷	شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ ایک مرجوح مطلب
۴۶۱	حدیث باب	۴۳۷	تنبیہ
۴۶۱	عبد الحمید بن ابی اویس اصبحی مدنی	۴۳۸	حدیث باب
۴۶۳	حفظت من رسول الله ﷺ وعائين	۴۳۸	تراجم رجال
۴۶۵	فأما أحدهما فبشته، و أما الآخر فلو بشته قطع هذا البلعوم	۴۴۱	ابو مصعب احمد بن ابی بکر
۴۶۵	نوع ثانی میں کیا تھا؟	۴۴۲	محمد بن ابراہیم بن دینار
۴۶۵		۴۴۲	ابن ابی ذئب (محمد بن عبد الرحمن بن المغيرة)
		۴۴۶	ابن ابی ذئب پر قدری ہونے کا الزام اور اس کی تردید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۷۸	باب ما يستحب للعالم إذا سئل: أي الناس أعلم؟ فيكل العلم إلى الله	۴۶۸	قال أبو عبد الله: البلعوم مجرى الطعام احادیث باب کی ترجمہ الباب سے مطابقت
۴۷۸	ترجمہ الباب کی نحوی تحلیل	۴۶۹	
۴۷۸	باب سابق کے ساتھ مناسبت	۴۷۰	باب الإنصات للعلماء
۴۷۸	مقصد ترجمہ الباب	۴۷۰	باب سابق کے ساتھ مناسبت
۴۷۹	حدیث باب	۴۷۰	مقصد ترجمہ الباب
۴۸۰	تراجم رجال	۴۷۲	حدیث باب
۴۸۱	نوف بن علی (نوف بن فضالہ)	۴۷۲	تراجم رجال
۴۸۳	روایت باب اور سابق روایت میں فرق	۴۷۲	ابو مدرک علی بن مدرک نخعی
۴۸۴	فقال: كذب عدو الله	۴۷۴	أن النبي ﷺ قال له في حجة الوداع
۴۸۵	دور روایتوں کے درمیان تعارض اور اس کا ازالہ	۴۷۴	حضرت جریر رضی اللہ عنہ
۴۸۵	کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ”علم“ کی نفی کرنا درست ہے؟	۴۷۵	حجة الوداع سے قبل مسلمان ہوئے
۴۸۶	فائدہ	۴۷۶	انصات واستماع میں فرق
۴۸۶	فعتب الله عليه إذ لم يرد العلم إليه	۴۷۶	فقال: لا ترجعوا بعدي
۴۸۷	فأوحى الله إليه أن عبداً من عبادي بمجمع البحرين هو أعلم منك	۴۷۶	كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض
۴۸۷	”مجمع البحرين“ کہاں واقع ہے؟	۴۷۷	حدیث باب اور
۴۸۷	حضرت خضر علیہ السلام کے تفوق کی مخصوص حیثیت	۴۷۷	اس جیسی احادیث کے بارے میں مرجعہ کا موقف اور اہل سنت کی توجیہات
۴۸۷		۴۷۷	”يضرب بعضكم رقاب بعض“ کی ترکیبی حیثیت
		۴۷۷	ایک اشکال اور اس کا جواب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۴	قال محمد بن يوسف: ثنا به علي بن خشرم قال: حدثنا سفيان بن عيينة بطوله	۴۹۱	فلما انتهينا إلى الصخرة إذا رجل مسجى بثوب
۵۰۴	کیا حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے؟	۴۹۱	کیا یہ روایت ”وہم“ ہے؟
۵۰۵	کیا احکام شریعت کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہے؟	۴۹۲	فسلم موسى، فقال الخضر: وأنى بأرضك السلام؟
۵۰۶	قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام سے مستنبط چند فوائد	۴۹۳	فقال: موسى بني اسرائيل؟ قال: نعم
۵۰۷	باب من سأل وهو قائم عالماً جالساً	۴۹۳	ایک اشکال اور اس کا حل
۵۰۷	باب سابق سے مناسبت	۴۹۴	يا موسى، إنى على علم من علم الله علمنيه لا تعلمه أنت، وأنت على علم علمكه لا أعلمه
۵۰۷	مقصد ترجمۃ الباب	۴۹۵	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۱۰	حدیث باب	۴۹۶	فجاء عصفور فوق علي حرف السفينة فقال الخضر: يا موسى ما نقص علمي وعلمك من علم الله إلا كنقرة هذا العصفور في البحر
۵۱۰	تراجم رجال	۴۹۷	حدیث کی عبارت میں
۵۱۱	جاء رجل إلى النبي ﷺ	۴۹۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۱۱	رجل مبہم سے کون مراد ہے؟	۴۹۹	فكانت الأرنبي من موسى نسيانا فالتطلقا فإذا غلام يلعب مع الغلمان فأخذوا الحضر برأسه من أعلاه فاقتلعوا رأسه بيده
۵۱۲	احادیث میں مذکور اسباب قتال	۵۰۰	مختلف روایات کے
۵۱۳	قال: وما رفع رأسه إلا أنه كان قائماً فقال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله عز وجل	۵۰۰	درمیان تعارض اور اس کا ازالہ
۵۱۳	یہ آپ کے جوامع الکلم میں سے ہے	۵۰۱	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۱۳	قال میں اعلاء كلمة الله		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۶	حدیث باب	۵۱۴	کے علاوہ کسی اور غرض کی نیت
۵۲۶	تراجم رجال		امام ابو الولید ابن الشخہ
۵۲۶	ابو محمد قیس بن حفص التمیمی	۵۱۵	حلبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ
	بینا أنا أمشي مع النبي		باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار
۵۲۹	صلی اللہ علیہ وسلم فی حرب المدینہ	۵۱۶	
۵۲۹	وهو يتوكأ على عسيب معه	۵۱۶	باب سابق کے ساتھ مناسبت
۵۳۰	فمر بنفر من اليهود	۵۱۶	مقصد ترجمۃ الباب
۵۳۰	دو قسم کی روایات کے درمیان تطبیق	۵۱۷	حدیث باب
۵۳۰	فقال بعضهم: سلوه عن الروح	۵۱۸	تراجم رجال
	واقعة مذكورة مدینہ منورہ	۵۱۸	عبدالعزیز بن ابی سلمہ المباشون
۵۳۱	میں پیش آیا مکہ مکرمہ میں؟	۵۲۰	لفظ ”مباشون“ کی تحقیق
۵۳۳	خلاصہ کلام	۵۲۲	رأيت النبي ﷺ عند الجمرة وهو يسئل
۵۳۳	روح سے متعلق چند مباحث	۵۲۲	ترجمۃ الباب پر اشکالات
	بحث اول (یہودیوں نے جس روح کے	۵۲۳	حدیث باب کا ترجمۃ الباب پر انطباق
۵۳۴	متعلق سوال کیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟)		باب قول الله تعالى: ﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلاً﴾
۵۳۶	حافظ ابن القيم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے	۵۲۴	
۵۳۶	حافظ ابن القيم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر تبصرہ	۵۲۴	باب سابق کے ساتھ مناسبت
	بحث دوم (حضور اکرم ﷺ کو روح کی	۵۲۴	ترجمۃ الباب کا مقصد
۵۳۷	حقیقت بتائی گئی تھی یا نہیں؟)		مذکورہ باب اور گذشتہ
	بحث سوم (آپ نے یہودیوں کے سوال کا	۵۲۵	ایک باب کے درمیان فرق
۵۳۸	جواب عنایت فرمایا یا نہیں؟)		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۹	حجاج بن یوسف کا کعبہ کو منہدم کر کے	۵۳۹	بحث چہارم (خلق و امر میں فرق)
۵۵۸	بنانا اور عبدالملک بن مروان کا افسوس کرنا	۵۴۳	وال الأعمش: هكذا في قراءتنا
۵۵۸	مہدی کا تعمیر جدید کا		
۵۵۸	ارادہ اور امام مالک کا حکیمانہ مشورہ		
۵۵۸	قلت: قالت لي	۵۴۴	باب من ترك بعض الاختيار
۵۵۸	قال أي ابن الزبير: بكفر		مخافة أن يقصر فهم بعض
۵۵۸	”بکفر“ کا لقمہ دینے کا مطلب		الناس عنه فيقعوا في أشد منه
۵۵۹	کیا اس روایت میں ادراج ہے؟	۵۴۴	ترجمہ میں ”الاختیار“
۵۶۱	حدیث باب کی	۵۴۴	کا مطلب اور ترجمہ الباب کی وضاحت
	ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت	۵۴۴	باب سابق کے ساتھ مناسبت
		۵۴۴	ترجمہ الباب کا مقصد
			مقصد ترجمہ الباب پر
		۵۴۵	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۶۲	باب من خص بالعلم قوماً دون	۵۴۶	حدیث باب
	قوم كراهية أن لا يفهموا		تراجم رجال
۵۶۲		۵۴۶	اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سبعی
۵۶۲	ترجمہ الباب میں ”دون“ کے معنی	۵۴۹	اسرائیل پر بعض علماء کا کلام
۵۶۲	باب سابق سے مناسبت	۵۴۹	ان پر جرح کی تردید
۵۶۲	مقصد ترجمہ الباب	۵۵۳	اسود بن یزید بن قیس نخعی کوئی
۵۶۲	اور سابق باب اور اس باب میں فرق		كانت عائشة تسر
۵۶۳	علمی مسائل کے بیان	۵۵۶	إليك كثيراً فما حدثك في الكعبة؟
۵۶۳	میں مخاطبین کا خیال رکھنا چاہئے		حضرت عبداللہ
۵۶۳	بعض حضرات علماء کا مخصوص		ابن الزبير رضي الله عنه کی تعمیر کعبہ
۵۶۳	مخصوص چیزوں کے بیان کو ناپسند کرنا		
۵۶۴	اس سلسلہ میں ایک جامع ضابطہ	۵۵۷	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۱	معاذ بن ہشام	۵۶۴	وقال علي: حدثوا الناس بما يعرفون
۵۷۲	ومعاذ رديفه على الرحل		قتشابہات کو عام لوگوں
۵۷۲	”رحل“ اونٹ کے پالان کو کہا جاتا ہے	۵۶۵	کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے
۵۷۲	آپ اونٹ پر سوار تھے یا حمار پر؟	۵۶۵	حضرت عبداللہ
۵۷۲	آپ کے ”حمار“ کا نام عفیر تھا یا یعفور؟	۵۶۵	ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد
۵۷۵	یا معاذ بن جبل، اس کی اعرابی حیثیت	۵۶۵	حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد
۵۷۵	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۵۶۵	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد
۵۷۹	”لبیک“ کی تحقیق	۵۶۵	حدثنا عبيد الله بن موسى عن معروف
۵۸۰	”سعدیک“ کی تحقیق	۵۶۵	ابن خربوذ عن أبي الطفيل عن علي بذلك
۵۸۰	بار بار ”یا معاذ بن جبل“ کہنے کی وجہ	۵۶۵	یہ سند اثر پر مقدم ہے یا مؤخر؟
	ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن	۵۶۶	اقتدیم متقن علی السند کی وجہ
	محمداً رسول الله صدقاً من قلبه إلا	۵۶۶	تراجم رجال
۵۸۰	حرمه الله على النار		معروف بن خربوذ کی
۵۸۰	”من قلبه“ کا تعلق کس سے ہے؟	۵۶۸	معروف بن خربوذ ضعیف راوی ہیں،
۵۸۱	”صدق“ سے مراد		صحیح بخاری میں صرف اس اثر میں ان کا ذکر ہے
	حدیث باب سے	۵۶۸	معروف بن خربوذ کی صحیح مسلم، سنن
۵۸۱	مرجئہ کا استدلال اور اس کا رد		ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ایک اور روایت
	اہل النیۃ والجماعۃ کی طرف	۵۶۸	امام بخاری کا معروف بن خربوذ
۵۸۱	سے اس حدیث کی چند تاویلات		کے ضعف کی طرف لطیف اشارہ کرنا
	”إذا يتكلموا“ میں	۵۶۹	حضرت ابواطفیل عامر بن وائلہ لیشی رضی اللہ عنہ
۵۸۳	مختلف نسخے اور ان کا مطلب	۵۷۱	حدیث باب
		۵۷۱	تراجم رجال

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۹۷	اس حدیث پر وہ اشکال وارد نہیں ہوتا جو گذشتہ حدیث پر وارد ہو رہا تھا	۵۸۳	مسند بزار میں
۵۹۸	لا، إني أخاف أن يتكلموا	۵۸۴	حضرت ابو سعید خدری کی ایک حدیث
۵۹۸	حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت	۵۸۴	وأخبر بها معاذ عند موته تأثما
۵۹۹	باب الحياء في العلم	۵۸۴	”موتہ“ کی ضمیر غائب کا مرجع
۵۹۹	باب سابق سے مناسبت	۵۸۴	”تأثما“ کی لغوی تحقیق اور اس کا مطلب
۵۹۹	مقصد ترجمۃ الباب		ممانعت کے باوجود
	وقال مجاهد:	۵۸۵	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے
۶۰۲	لا يتعلم مستحي ولا مستكبر	۵۸۵	یہ روایت لوگوں کے سامنے کیسے نقل کی؟
۶۰۲	امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس اثر کی تخریج	۵۸۷	مختلف جوابات اور ان پر اشکال
۶۰۲	مذکورہ اثر کا مطلب	۵۸۷	صحیح جواب
۶۰۳	وقالت عائشة: نعم النساء لساء الأنصار	۵۸۸	ایک اشکال اور اس کا جواب
	حضرت عائشہ	۵۸۸	حدیث باب
۶۰۳	رضی اللہ عنہا کے مذکورہ اثر کی تخریج	۵۸۸	تراجم رجال
۶۰۴	مذکورہ آثار کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۵۹۰	مسدد بن مسرہد
۶۰۴	”نعم“ فعل مدح کا استعمال	۵۹۳	ابو محمد معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی بصری
۶۰۵	حدیث باب	۵۹۶	سلیمان بن طرخان تیمی بصری
۶۰۵	تراجم رجال		ذكر لي أن النبي ﷺ قال لمعاذ
	اليوم معاذ بن محمد بن حازم	۵۹۷	حضرت انس اور حضرت معاذ
۶۰۵	الميمى السعدى الكوفى الضري	۵۹۷	رضی اللہ عنہما کے درمیان واسطہ کون ہے؟
۶۱۰	زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا		من لقي الله لا يشرك به شيئا دخل الجنة
۶۱۱	حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا	۵۹۷	من لقي الله كا مطلب
			”لا يشرك به شيئا“ میں صرف نفی
			شُرک ہی نہیں اثبات تو حید بھی ملحوظ ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۲۴	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح	۶۱۵	إن الله لا يستحي من الحق
	علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ	۶۱۵	حیا کی حقیقت
۶۲۶	کی تاویل کی مرجوحیت		حیا کی نسبت اللہ تعالیٰ
۶۲۷	ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت	۶۱۵	کی طرف، حضرات علماء کی توجیہات
۶۲۸	حدیث باب		حدیث میں جب "لا یستحي" "
۶۲۹	تراجم رجال	۶۱۵	آیا ہے تو پھر تاویل و توجیہ کی کیا ضرورت ہے؟
۶۳۰	حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۶۱۶	فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت
۶۳۱	باب من استحيا فأمر غيره بالسؤال		لفظ "احتلام" کی
۶۳۱	باب سابق کے ساتھ مناسبت	۶۱۶	تحقیق اور یہاں اس سے کیا مراد ہے؟
۶۳۲	ترجمۃ الباب کا مقصد	۶۱۶	إذا رأيت الماء
۶۳۳	حدیث باب	۶۱۷	"ماء" سے مراد
۶۳۳	تراجم رجال	۶۱۷	رویت ماء کی قید کا فائدہ
۶۳۳	عبد اللہ بن داؤد خربی	۶۱۷	کیا عورتوں میں منی نہیں ہوتی؟
۶۳۷	ابو یعلیٰ منذر بن یعلیٰ الثوری	۶۱۷	کیا عورتوں کو احتلام ہوتا ہے؟
۶۳۸	محمد بن الحنفیہ	۶۱۸	فغطت أم سلمة نعلي وجهها
۶۴۰	كنت رجلاً مداءً		چہرے کو ڈھانپنے کا فعل
	لفظ "مدی" کا تلفظ	۶۱۸	حضرت عائشہ کا ہے یا حضرت ام سلمہ کا؟
۶۴۰	اور اس کے اصطلاحی و لغوی معنی	۶۱۹	ازواج مطہرات کو احتلام ہوتا تھا یا نہیں؟
۶۴۱	فأمرت المقداد بن الأسود	۶۲۱	فبم يشبهها ولدها؟
	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے		ولد کی مشابہت کا سبب
۶۴۱	مدی کے متعلق سوال کرنے والا کون تھا؟	۶۲۱	اور اس کی تذکیر و تانیث کا سبب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۵۸	اہل عراق کا میقات	۶۴۳	خروج مذی کی صورت میں جمیع ذکر کو دھویا جائے گا یا موضع اصابت کا دھونا کافی ہے
	باب من أجاب السائل بأكثر مما سألہ	۶۴۳	اختلاف ائمہ اور دلائل
۶۶۱		۶۴۴	جمہور کے دلائل
۶۶۱	باب سابق سے مناسبت	۶۴۶	جمہور کی طرف سے مخالفین کا جواب
۶۶۲	ترجمۃ الباب کا مقصد		خروج مذی کی صورت میں پانی کا استعمال ضروری ہے یا استجمار بالاجار کافی ہے
۶۶۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۴۷	
۶۶۳	حدیث باب	۶۴۸	باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد
۶۶۳	تراجم رجال	۶۴۸	باب سابق سے مناسبت
۶۶۵	سند حدیث کی وضاحت	۶۴۸	ترجمۃ الباب کا مقصد
۶۶۶	مایلبس المحرم؟	۶۵۰	حدیث باب
	حضور اکرم ﷺ	۶۵۰	تراجم رجال
۶۶۶	کا فصیح و بلیغ جواب	۶۵۱	نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر
۶۶۶	روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۶۵۲	أن رجلاً قام فی المسجد
۶۶۷	حدیث باب سے مستنبط قاعدہ	۶۵۵	یہل أهل المدينة من ذي الحلیفة
۶۶۷	السراویل	۶۵۵	ذوالخلفہ
۶۶۸	البرنس	۶۵۵	الحقۃ
۶۶۸	الورس	۶۵۶	قرن
۶۶۹	براعت اختتام	۶۵۶	یلملم
۶۷۱	مصادر و مراجع	۶۵۷	مواقیت احرام کی تحدید

فہرس أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

نمبر شمار	نام راوی	صفحہ	نمبر شمار	نام راوی	صفحہ
۱	ابن ابی ذئب (محمد بن عبد الرحمن بن المغیرہ قرشی)	۴۴۲	۱۱	ابو الطفیل عامر بن وثیل رضی اللہ عنہ	۵۶۹
۲	ابن ابی فدیك (محمد بن اسماعیل بن مسلم)	۴۵۷	۱۲	ابو عمرو (دیکھئے اشعری)	۳۸۸
۳	ابن الاصبہانی (عبد الرحمن بن عبد اللہ)	۹۲	۱۳	ابو الفضل صدقة بن الفضل المروزی	۴۷۲
۴	ابن المباحثون (عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ المباحثون)	۵۱۸	۱۴	ابو مدرک بن مدرک نخعی	۴۳۸
۵	ابو بکر بن سلیمان بن ابی حمزہ	۴۰۷	۱۵	ابو معاویہ (شیبان بن عبد الرحمن تميمی)	۲۶۳
۶	ابو بکر بن حزم	۶۹	۱۶	نحوی بصری	۲۶۳
۷	ابو حنیفہ (وہب بن عبد اللہ السوائی)		۱۷	ابو معاویہ النضری (محمد بن خازم التميمی)	۶۰۵
۸	رضی اللہ عنہ	۲۳۱	۱۸	اسعدی الکوفی	۱۵۹
۹	ابو حازم (سلمان الأشجعی)	۱۰۱	۱۹	ابو الولید طیارسی (ہشام بن عبد الملک)	۶۳۷
۱۰	ابو حصین (عثمان بن عاصم)	۱۸۹		ابو یعلیٰ (منذر بن یعلیٰ الثوری الکوفی)	۱۵۹
	ابو شریح رضی اللہ عنہ	۱۱۶		احمد بن ابی بکر (دیکھئے ابو مصعب)	۵۴۶
				اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سیمی	۵۴۶

نمبر شمار	نام راوی	صفحہ	نمبر شمار	نام راوی	صفحہ
۲۰	اسود بن یزید نخعی	۵۵۳	☆	عامر بن شراحیل (دیکھئے الشعبی)	
۲۱	ام سلمہ (ہند بنت ابی امیہ) ام المؤمنین		۳۳	عامر بن عبد اللہ بن الزبیر	۱۶۲
	رضی اللہ عنہا	۳۹۳	☆	عامر بن واثلہ لیثی (دیکھئے ابوالطفیل)	
۲۲	ام سلیم رضی اللہ عنہا	۶۱۱		رضی اللہ عنہ	
۲۳	جامع بن شداد محاربی	۱۶۱	۳۴	عبد الحمید بن ابی اویس اصحی مدنی	۳۶۱
۲۴	الحکم بن عتیبہ	۴۱۴	۳۵	عبد الرحمن بن خالد بن مسافرنبی	۴۰۵
۲۵	ربیع بن حراش	۱۴۷	☆	عبد الرحمن بن عبد اللہ بن الأصہبانی	
۲۶	زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	۱۶۹		(دیکھئے ابن الاصبہانی)	
۲۷	زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما	۶۱۰	☆	عبد العزیز بن ابی سلمہ (دیکھئے ابن الماشون)	
۲۸	سعید بن ابی مریم (سعید بن الحکم مصری)	۱۰۶	☆	عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ	
۲۹	سعید بن جبیر	۴۱۸		الماشون (دیکھئے ابن الماشون)	
☆	سلمان الاشجعی (دیکھئے ابو حازم)		۳۶	عبد العزیز بن عبد اللہ بن یحییٰ	۴۸
۳۰	سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ	۱۸۳	۳۷	عبد العزیز بن مسلم قسملی	۸۰
۳۱	سلیمان التیمی (سلیمان بن طرخان)	۵۹۳	۳۸	عبد اللہ بن داؤد الخریبی	۶۳۳
☆	سلیمان بن طرخان التیمی (دیکھئے سلیمان التیمی)		۳۹	عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۳۲	الشعبی (عامر بن شراحیل)	۲۲۹	۴۰	عبد اللہ بن عبد الوہاب جہمی	۱۳۸
☆	شیبان بن عبد الرحمن تمیمی نحوی بصری (دیکھئے ابو معاویہ)		۴۱	عبد اللہ بن یوسف تنیسی	۱۱۳
☆	صدقہ بن الفضل (دیکھئے ابوالفضل الروزی)		☆	عثمان بن عاصم (دیکھئے ابو حصین)	
			۴۲	عطاء بن ابی رباح	۳۷

نمبر شمار	نام راوی	صفحہ	نمبر شمار	نام راوی	صفحہ
۴۳	العلاء بن عبد الجبار	۷۹	۵۶	معروف بن خربوذ	۵۶۶
۴۴	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۱۴۹	۵۷	معمر بن راشد	۳۲۱
۴۵	عمر بن عبد العزیز	۶۳	☆	منذر الثوری (دیکھئے ابویعلیٰ)	
۴۶	عمرو بن دینار مکی	۳۰۹	☆	منذر بن یعلی الثوری الکوفی (دیکھئے ابویعلیٰ)	
۴۷	عمرو بن ابی عمرو قرشی	۵۱			
۴۸	قیس بن حفص بن القعقاع التمیمی ابو محمد	۵۲۶	۵۸	میمونہ بنت الحارث ام المؤمنین رضی اللہ عنہا	۴۲۰
۴۹	محمد بن ابراہیم بن دینار مدنی	۴۴۱	۵۹	نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر	۶۵۱
☆	محمد بن اسماعیل بن مسلم بن ابی فدیك		۶۰	نافع بن عمر جمحی قرشی	۱۰۷
	(دیکھئے ابن ابی فدیك)		۶۱	نوف بن فضالہ البکالی الحمیری	۴۸۱
☆	محمد بن خازم التمیمی السعدی الکوفی		۶۲	وکیع بن الجراح	۲۱۹
	(دیکھئے ابو معاویہ الضریر)		☆	وہب بن عبد اللہ السوائی (دیکھئے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ)	
۵۰	محمد بن الحنفیہ	۶۳۸	۶۳	وہب بن منبہ	۳۱۴
☆	محمد بن عبد الرحمن بن المغیرۃ قرشی		☆	ہشام بن عبد الملک طیاسی (دیکھئے ابوالولید طیاسی)	
	عامری مدنی (دیکھئے ابن ابی ذئب)		۶۴	ہمام بن منبہ	۳۱۷
۵۱	مسدد بن مسرہد	۵۸۸	۶۵	ہند بنت الحارث الفراسیۃ	۳۹۰
۵۲	مطرف بن طریف حارثی	۲۲۷	۶۶	یحییٰ بن ابی کثیر طائی	۲۶۷
۵۳	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۵۷۵	۶۷	یحییٰ بن سلیمان جعفی کوفی	۳۲۷
۵۴	معاذ بن ہشام	۵۷۱	۶۸	یزید بن ابی عبید	۱۸۲
۵۵	معتمر بن سلیمان بن طرخان	۵۹۰			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مرتب

اللهم لك الحمد لا أحصي ثناءً عليك، أنت كما أثنيت على نفسك .
 اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك .
 اللهم ما أصبح بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك، اللهم
 لك الحمد ولك الشكر۔
 اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا وحبيبنا ومولانا محمد النبي الأمي وعلى آله
 وصحبه وتابعيه ومن تبعهم أجمعين۔

اما بعد:

اللہ رب العزت کا بے نہایت کرم اور اس کی انتہائی نوازش ہے کہ اُس نے محض اپنے فضل سے توفیق ارزانی فرمائی کہ آج ہم آپ کے ہاتھوں میں بخاری شریف کی شرح ”کشف الباری“ کی چوتھی جلد جو ”کتاب العلم“ کے نصف آخر کی تشریحات و توضیحات پر مشتمل ہے، پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرات اہل علم کو اس جلد کے انتظار کی جوشدید زحمت اٹھانی پڑی، اس پر ہم معذرت خواہ ہیں، اس کی تاخیر میں جو اعذار کارفرما رہے، ان کا ذکر طول لا طائل کا باعث ہے، تاہم اس میں احقر کی علمی بے بضاعتی اور مختلف امراض و اسقام کے بجوم کا دخل بے حد رہا ہے، لیکن کوشش کی گئی ہے کہ مباحث میں کوئی تشنگی نہ رہنے پائے، معیار تحقیق سابق

جلدوں کی طرح، بلکہ ان سے بہتر رہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے اپنی پیرانہ سالی، ہجوم امراض و اشغال اور مختلف و متنوع ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اس جلد کے ایک ایک حرف پر بھی نظر فرمائی، قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی، تشنہ مباحث کی تکمیل کی طرف توجہ دلائی، توضیح طلب امور کی توضیح کا حکم فرمایا، بحمد اللہ تعالیٰ ان تمام امور کی تکمیل کر دی گئی، اللہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہم کو عافیت تامہ نصیب فرمائے اور حضرت کے اس علمی کاوش کو آپ کی حیات مبارکہ ہی میں مکمل کرا دے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ہم ان حضرات اہل علم کے شکر گزار ہیں جنہوں نے گذشتہ جلدوں کے مباحث اور انداز ترتیب و تحقیق کو سراہا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، اسی طرح ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے کتاب کے مضامین کے سلسلہ میں مراسلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

گذشتہ جلدوں میں بھی ہم نے اہل علم سے گزارش کی تھی اور اب بھی یہی گزارش ہے کہ یہ ایک خالص علمی کام ہے، جو متنوع فنون میں مہارت اور صلاحیت کا متقاضی ہے، ان صلاحیتوں اور مہارتوں سے عاری ہونے کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ اس کی ترتیب و تحقیق میں نادانستہ فرو گذاشتیں رہ گئی ہوں۔ حضرات اہل علم کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ان کی نشاندہی فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی غلطیوں کی اصلاح سے خوشی ہوگی اور ہم ان کے نہایت شکر گزار ہوں گے۔

اس جلد کی پروف ریڈنگ اور اسے جلد از جلد منظر عام پر لانے کا سہرا عزیز گرامی مولانا حبیب اللہ زکریا سلمہ اللہ تعالیٰ کے سر جاتا ہے، اگر ان کی تن دہی، محنت اور جدوجہد نہ ہوتی تو نہ معلوم مزید کتنی تاخیر ہوتی! اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے علم و عمل میں برکت دے اور ان کو علمی و عملی صلاحیتوں میں ترقیات سے نوازے۔ ان کے علاوہ عزیزان گرامی مفتی سید زاہد حسین الحسینی سلمہ (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) اور مفتی عبدالغنی سلمہ (فاضل جامعہ فاروقیہ و رفیق دارالتصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی) کا بھی ممنون ہوں کہ ان دونوں حضرات نے خصوصی طور پر پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں احقر کی کافی معاونت کی۔ جزاھما اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و وفقھما اللہ لما یحبہ ویرضاه۔

آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے لئے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، حضرت شیخ الحدیث صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ ورعاً ہم کی زندگی کا ہر باب اور خاص طور پر شیخوخت کے زمانے کے کارنامے جن میں تدریس و اہتمام جامعہ فاروقیہ سے لے کر وفاق المدارس العربیہ، واتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملک کے اندر آئے دن اٹھنے والے اسلام کے خلاف شور و شغب کا عزیمت اور متانت کے ساتھ مقابلہ بھی شامل ہے، یہ سب امور جوانوں کے لئے قابلِ صدر شک نمونے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو تمام ذمہ داریوں سے احسن طور پر عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔
نیز احقر مرتب اور اس کے معاونین کے لئے بھی خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان فرمائے، جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے۔
اس کام کو احقر کے لئے، احقر کے اساتذہ و مشائخ اور والدین و متعلقین کے واسطے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

وکبہ

نور الشیر محمد نور الحق

استاذ حدیث علومہ بابامعہ الفاروقیہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۰۷ء

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغانے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشاندہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے (ر) لگا دیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۲ - باب : عِظَةُ الْإِمَامِ النَّسَاءِ وَتَعْلِيمِهِنَّ .

باب سابق سے مناسبت

سابق باب میں آدمی کا اپنے گھر والوں کو علم سکھانا مذکور ہے اور اس باب میں امام کا عام عورتوں کو تعلیم دینا مذکور ہے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت پائی گئی۔ (۱)

ترجمة الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اجتماع چونکہ ممنوع ہے، اس لئے اس باب کو قائم فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو نصیحت کی جاسکتی ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے اس سے پہلے کے دو ابواب کی طرح ضرورت تعلیم اور تعمیم تعلیم مقصود ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو یہ بتایا تھا کہ آدمی کو خود اپنی بیوی اور باندی کی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہئے، اب ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین یا اس کے نائب کو چاہئے کہ عام عورتوں کے لئے وعظ و تذکیر اور ان کی تعلیم کا انتظام اور اہتمام کرے، خلاصہ

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۲۲)۔

(۲) لامع الدراري (ج ۲ ص ۳۳۱ و ۳۳۲)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ص ۵۳)۔

یہ کہ پہلا ترجمہ خاص ہے جو تعلیم اہل اور امت کے متعلق ہے اور یہ ترجمہ عام ہے، جو عام عورتوں سے متعلق ہے، پہلے ترجمہ کا تعلق ازواج اور آقاؤں سے ہے اور اس ترجمہ کا تعلق امام سے ہے۔ (۱)

۹۸ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَيُّوبَ قَالَ : سَمِعْتُ عَطَاءً قَالَ : سَمِعْتُ أَبْنَ عَبَّاسٍ قَالَ : أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ - أَوْ قَالَ عَطَاءٌ : أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ - خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ فَوَعَّظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَلْقَى الْقُرْطَ وَالْخَاتِمَ ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ .
وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ . وَقَالَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .

[۸۲۵ . ۹۲۱ . ۹۳۲ . ۹۳۴ . ۹۳۶ . ۹۴۵ . ۱۳۶۴ . ۱۳۸۱ . ۴۶۱۳ . ۴۹۵۱ .

۵۵۴۱ . ۵۵۴۲ . ۵۵۴۴ . ۶۸۹۴]

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۲)۔

(۲) قولہ: "ابن عباس رضی اللہ عنہما": الحدیث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۱۹) كتاب الأذان، باب وصو الصبيان ومشي يجب عليهم الغسل والطهور؟ وحضورهم الجماعة والعیدین والجنائز، وصفوفهم، رقم (۸۶۳)، و (ج ۱ ص ۱۳۱) كتاب العیدین، باب الخطبة بعد العید، رقم (۹۶۲) و (۹۶۴)، وباب خروج الصبيان إلى المصلى، رقم (۹۷۵)، وباب العلم الذي بالمصلى، رقم (۹۷۷)، وباب موعظة الإمام النساء يوم العید، رقم (۹۷۹)، و (ج ۱ ص ۱۳۵) باب الصلاة قبل العید وبعدها، رقم (۹۸۹) و (ج ۱ ص ۱۹۲) كتاب الزكاة، باب التحريض على الصلوة والشفاعة فيها، رقم (۱۴۳۱)، و (ج ۱ ص ۱۹۵) كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱۴۴۹)، و (ج ۲ ص ۷۲۷) كتاب التفسير، سورة الممتحنة، باب: إذا جاءك المؤمنات يبايعنك، رقم (۴۸۹۵)، و (ج ۲ ص ۷۸۹) كتاب النكاح، باب: والذين لم ينعوا الحلم، رقم (۵۲۴۹)، و (ج ۲ ص ۸۷۳) كتاب اللباس، باب الحاتم للنساء، رقم (۵۸۸۰)، وباب القلائد والسحاب للنساء، رقم (۵۸۸۱)، و (ج ۲ ص ۸۷۴) كتاب اللباس، باب القرط، رقم (۵۸۸۳)، و (ج ۲ ص ۱۰۸۹) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم، رقم (۷۳۲۵)۔ وأخرجه مسلم في صحيحه، في فاتحة كتاب صلاة العیدین، رقم (۲۰۴۴-۲۰۴۶)، وباب ترك الصلاة قبل العید وبعدها في المصلى، رقم (۲۰۵۷ و ۲۰۵۸)۔ والنسائي في سننه في كتاب صلاة العیدین، باب الخطبة في العیدین بعد الصلاة، رقم (۱۵۷۰)، وباب موعظة الإمام النساء بعد الفراغ من الخطبة، رقم (۱۵۸۷ و ۱۵۸۸)، وأبو داود في سننه، في كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العید، رقم (۱۱۴۲-۱۱۴۴)، وباب ترك الأذان في العید، رقم (۱۱۴۶ و ۱۱۴۷)۔ وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في صلاة العیدین، رقم (۱۲۷۳)۔

تراجم رجال

(۱) سلیمان بن حرب

یہ ابو ایوب سلیمان بن حرب بن نجیل ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب
الإیمان، ”باب من کره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإیمان“ کے
تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات
بھی کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب
الإیمان، ”باب حلاوة الإیمان“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) عطاء

یہ ابو محمد عطاء بن ابی رباح مکی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے والد ابو رباح کا نام اسلم ہے، ان کا
تعلق موالی سے تھا۔ (۴)

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۱۰۵)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۲۶)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۶۹ و ۷۰)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال یمن کے علاقہ ”جند“ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں پرورش پائی۔ (۱)

یہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام ہانی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت حکیم بن حزام، حضرت رافع بن خدیج، حضرت زید بن ارقم، حضرت زید بن خالد الجہنی، حضرت صفوان بن امیہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر، حضرت معاویہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام مجاہد، ابواسحاق سبعی، ابوالزبیر، عمرو بن دینار، زہری، قتادہ، عمرو بن شعیب، ایوب سختیانی، منصور بن المعتمر اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة فقيهاً عالماً كثير الحديث“۔ (۳)

امام ابو جعفر الباقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عليكم بعطاء، هو والله خير مني“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”خذوا من عطاء ما استطعتم“۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان أسود، أعور، أشل، أعرج، ثم عمي في

آخر عمره، وكان من سادات التابعين فقيهاً، وعلماء، وورعاً، وفضلاً“۔ (۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطاء بن أبي

رباع“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۷۰)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۷۰-۷۵)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۷۹ و ۸۰)۔

(۳) الطبقات لابن سعد (ج ۵ ص ۶۸)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۷۷)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۸۱)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

(۶) الطبقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۹۸ و ۱۹۹)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۷۹ و ۸۰)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۸۳)۔

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تابعی ثقہ“۔ (۱)

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہاں ہم نے معدودے چند اقوال ذکر کئے ہیں، جبکہ اصحاب سیر و رجال نے ان کے حالات بہت تفصیل سے قلم بند کئے ہیں، چنانچہ ان کی جلالت شان اور امامت و تفقہ پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

البتہ امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ”کان عطاء اختلط بأخرة، ترکہ ابن جریج و قیس بن سعد“۔ (۳)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ”ترك“ سے اصطلاحی ”ترك“ مراد نہیں، کہ وہ ”متروک الحدیث“ قرار دیے گئے ہوں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے پہلے ان سے خوب استفادہ کیا تھا، ان ہی کے پاس رہ کر فقہ کی مہارت حاصل کی تھی، لیکن جب وہ زیادہ معمر ہو گئے، ان کے حواس میں کمزوری آنے لگی تو انہوں نے ان سے کچھ لکھنا چھوڑ دیا تھا، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”لم یعن علی بقولہ: ”ترکہ ہذان“ التری العرفی، ولکنہ کبر، وضعفت حواسہ، وکانا قد تکفیا منہ واتفقنا وأکثرا عنہ، فبطلا، فہذا مرادہ بقولہ: ترکاہ“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”لم یعن التری الاصطلاحی، بل عنی أنہما بطلا الكتابة عنہ، وإلا فعطاء ثبت رضى“۔ (۵)

(۱) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۸۵) نقلاً عن ثقات العجلی (ص ۳۸)۔

(۲) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۸۶) نقلاً عن الجرح والتعديل (۶)، رقم (۱۸۳۹)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۸۶ و ۸۷)، ومیزان الاعتدال (ج ۳ ص ۷۰)۔

(۴) سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۸۷)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۷۰)۔

اسی طرح امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إن ابن عون ترك عطاء وطاؤسا من أحسن فتياهم في الصرف“۔ (۱) یعنی ”ابن عون نے عطاء اور طاؤس کو ان کے عقد صرف کے سلسلے میں فتوے کی وجہ سے چھوڑ دیا“۔

لیکن یہ جرح بھی مضر نہیں، اس لئے کہ یہاں سبب ترک ایک اجتہادی امر ہے، اس میں اختلاف کی وجہ سے یہ کلام کیا گیا ہے۔ (۲)

البتہ یہاں ایک بات واضح رہے کہ عطاء بن ابی رباح کثرت سے مرسل روایت کرتے ہیں اور علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ ہر قسم کے رواۃ سے ارسال کرتے ہیں، اس لئے ان کی مراسیل ضعیف سمجھی جاتی ہیں۔ (۳)

عطاء بن ابی رباح کا انتقال ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں ہوا۔ (۴) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعة

(۵) ابن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات ”بدء الوحي“ کی چوتھی حدیث اور کتاب الإیمان، ”باب کفران العشير و کفر بعد کفر“ کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۵)

قال: أشهد على النبي صلى الله عليه وسلم أو قال عطاء: أشهد على ابن عباس

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں یا عطاء کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس پر گواہی دیتا ہوں۔

(۱) تعلیقات الکاشف (ج ۲ ص ۲۲) نقلاً عن سؤالات الأحراري (۲۵۷)۔

(۲) دیکھئے تعلیقات الکاشف (ج ۲ ص ۲۲)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۸۳)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۸۵)۔

(۵) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۲۳۵)، و (ج ۲ ص ۲۰۵)۔

حاصل یہ ہے کہ لفظ ”أشهد“ کے بارے میں تردد ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے یا

عطاء کا۔

اس سلسلہ میں شعبہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے:-

سلیمان بن حرب تو تردد نقل کرتے ہیں کما فی حدیث الباب، ابو داؤد طیالسی یہی روایت ”شعبہ عن ایوب“ کے طریق سے نقل کرتے ہیں اور وہ جزاً اس کو عطاء کا قول قرار دیتے ہیں (۱)، جبکہ شعبہ کے تلامذہ میں سے محمد بن جعفر غندر نے اس کو بغیر تردد کے جزاً دونوں کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ (۲)

پھر شعبہ کے رفقاء یعنی ایوب سختیانی کے تلامذہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، اسماعیل بن علیہ، (۳) سفیان (۴) اور وہیب (۵) یہ تینوں حضرات اس کو حضرت ابن عباس کا قول قرار دیتے ہیں، جبکہ حماد بن زید ایوب سے نقل کرتے ہوئے تردد نقل کرتے ہیں۔ (۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت باب کے آخر میں اسماعیل بن علیہ کی تعلیق لا کر غالباً اپنا رجحان ظاہر فرما دیا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

(۱) ”حدثنا أبو داود قال: حدثنا شعبه عن أيوب قال: سمعت عطاء يقول: أشهد على ابن عباس أنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ مسند أبي داود الطيالسي (ص ۳۴۶) أحاديث عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس، رقم (۲۶۵۵)۔

تنبیہ: ابو داؤد طیالسی کی مذکورہ روایت سے واضح ہے کہ یہ ”أشهد“ کا قول عطاء کا ہے، نہ کہ ابن عباس کا، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وَأَرَادَ بِهَذَا التَّعْلِيقَ أَنَّهُ جَرَمَ عَنْ أَيُوبَ بَأْنَ لَفْظِ ”أَشْهَدُ“ مِنْ كَلَامِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَطْ، وَكَذَا جَرَمَ بِهِ أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ فِي مُسْنَدِهِ عَنْ شُعْبَةَ.....“ دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳) یہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے۔ واللہ اعلم (۲) دیکھئے مسند أحمد (ج ۱ ص ۲۸۶)۔

(۳) أخرج البحاري طريقه تعليقاً تحت حديث الباب، وأخرجه موصولاً في صحيحه (ج ۱ ص ۱۹۵) في كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱۴۴۹)، وأخرجه أحمد في مسنده (ج ۱ ص ۲۲۶)۔

(۴) أخرج حديثه أحمد في مسنده (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۵) ذكره الإسماعيلي، كذا في الفتح (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۶) أخرجه أبو نعيم في المستخرج، كذا في الفتح (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے یوں کہا جائے کہ یہ قول دونوں سے ثابت ہے، جس کی دلیل محمد بن جعفر غندر کی روایت ہے، پھر بعض رواۃ نے اس کو تردد کے ساتھ نقل کر دیا اور بعض نے حضرت ابن عباس کا قول قرار دیا اور بعض نے عطاء کا۔ واللہ اعلم۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالُ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ کے ساتھ حضرت بلال بھی تھے، آپ نے گمان فرمایا کہ آپ عورتوں کو خطبہ نہیں سنا پائے۔

آپ کو یہ خیال ہوا کہ عورتوں تک آپ کی آواز نہیں پہنچ سکی، اس لئے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو نصیحت فرمائی۔

فَوَعِظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ

آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

ترجمۃ الباب اسی سے ثابت ہو رہا ہے کہ ”وَعِظَهُنَّ“ سے عظة الإمام اور ”أَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ“ سے تعلیم سمجھ میں آرہی ہے۔ (۱)

آپ نے نصیحت فرمائی کہ ”إِنِّي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؛ لِأَنَّكُمْ تَكْثُرُونَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ“ اور صدقہ کا حکم دیا، تعلیم دی کہ ان کے گناہوں کا کفارہ صدقات کے ذریعہ ہوگا۔ (۲)

واللہ اعلم

فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَلْقِي الْقُرْطِ وَالْخَاتَمِ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

عورت بالی اور انگوٹھی ڈالنے لگی اور حضرت بلال اپنے کپڑے کے ایک کنارے میں ان کو لے رہے تھے۔

کیا عورت شوہر کی اجازت

کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے صدقہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اسے اپنے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے۔

جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے صرف ثلث مال کی حد تک تصرف کی اجازت ہے، اس سے زائد میں اجازت نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے، جبکہ ان کی دوسری روایت جمہور کے مطابق ہے۔ (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت سے ہے ”لایجوز لامرأة أمر فی مالها إذا ملک زوجها عصمتها“۔ (۲) یعنی عورت کو خود اپنے مال میں اختیار نہیں رہتا جب اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک بن جاتا ہے۔ دوسرے طریق میں ہے ”لأتجوز لامرأة عطیة إلا بإذن زوجها“۔ (۳)

(۱) دیکھئے المغنی لابن قدامة (ج ۴ ص ۲۹۹ و ۳۰۰) کتاب الحجر، رقم المسألة (۳۴۷۴)۔

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب فی عطیة المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۳۵۴۶)، و سنن ابن ماجہ، کتاب النہیات، باب عطیة المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۲۳۸۸)۔

(۳) سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب عطیة المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۳۵۴۷)، و سنن النسائی، کتاب الزکاة،

باب عطیة المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۲۵۴۱)۔

اسی طرح ان کا استدلال سنن ابن ماجہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ان کی اہلیہ خیرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا زیور لے کر آئیں اور صدقہ کرنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لایجوز للمرأة فی مالها إلا بإذن زوجها، فهل استأذنت کعباً؟“ یعنی عورت کیلئے اپنے مال میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں، مگر یہ کہ اس کا شوہر اجازت دے، تو کیا تم نے کعب سے اجازت لی؟ انہوں نے کہا ”نعم“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کے لئے حضرت کعب کے پاس پیغام بھیجا، جب انہوں نے تصدیق کی تو آپ نے ان کے صدقہ کو قبول فرمایا۔ (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ثلث مال میں تصرف کا اختیار ہونے پر کوئی صریح دلیل موجود نہیں، البتہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک ”مریض“ کے مال میں ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت کے مال میں شوہر کا حق متعلق ہو جاتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تسکح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، وحمالها، ولدينها.....“۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے مال میں شوہر کا حق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت مالدار ہوتی ہے تو شوہر اس کے مال سے مشفع ہونے کے لئے مہر میں اضافہ کر کے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ (۳) لہذا مریض کی طرح عورت کو بھی ثلث مال میں تصرف کا حق دیا جائے گا، مریض جس طرح ثلث مال میں وصیت کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی ثلث مال میں ہی تصرف کر سکتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں جمہور کے دلائل یہ ہیں:-

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَإِنْ أَسْتَمْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (۴) یعنی جب تم ان میں عقل و رشاد پاؤ تو ان کو ان کا مال دو۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے اوپر پابندی نہیں ہے اور یہ کہ وہ تصرف میں آزاد ہیں۔

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب النہای، باب عطیۃ المرأة بغير إذن زوجها، رقم (۲۳۸۹)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۷۶۱) کتاب النکاح، باب الأكفاء فی الدین، رقم (۵۰۹۰)۔

(۳) دیکھئے المعنی (ج ۴ ص ۳۰۰)۔

(۴) النساء / ۶۔

۲۔ حدیث باب جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کا حکم دیا، انہوں نے صدقہ کیا اور آپ نے صدقہ قبول فرمایا، آپ نے کسی سے بھی شوہر کی اجازت کے بارے میں دریافت نہیں فرمایا۔ (۱)

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ”یامعشر النساء، تصدقن.....“ (۲) یہاں بھی صدقہ کا حکم مطلق ہے، کسی قسم کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ جہاں تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا تعلق ہے سو ان میں سے حضرت کعب والی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں تخیلی الانصاری ہیں، جو مجہول ہیں۔ (۳)

باقی دونوں روایتیں ”عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده“ کے طریق سے مروی ہیں اور محدثین نے اس سند پر کلام کیا ہے۔ (۴)

اور اگر بالفرض یہ سند قابل احتجاج ہو تب بھی اولاً جمہور کی صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ثانیاً: ایسی تمام احادیث کے بارے میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ”غیر رشیدہ“ پر محمول ہیں۔ (۵) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم بر بنائے حسن معاشرت اور از قبیل آداب ہے، یعنی یہ مناسب نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ساتھ رہتے ہوں اور بیوی خاوند کا منشا معلوم کئے بغیر اپنے مال کو خرچ کر دے اور اپنے شوہر سے نہ پوچھے۔ (۶) واللہ اعلم۔

وقال إسماعيل عن أيوب عن عطاء، وقال عن ابن عباس: أشهد على

النبي صلى الله عليه وسلم

(۱) دیکھئے المعنی (ج ۴ ص ۳۰۰)، وعمدة الفاری (ج ۲ ص ۱۲۴)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۴۴) كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، رقم (۳۰۴)۔

(۳) دیکھئے تقريب التهذيب (ص ۵۹۹)، رقم (۷۶۸۱)، وخلاصة المحرر ج ۱ (ص ۴۳۰)۔

(۴) تفصيل کے لئے دیکھئے تعليقات الكاشف (ج ۲ ص ۷۹ و ۸۰)۔

(۵) دیکھئے شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۹۲)۔

(۶) دیکھئے عمدة الفاری (ج ۲ ص ۱۲۴)۔

اسماعیل سے مراد اسماعیل بن علقمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱) ان کے حالات کتاب الایمان،
”باب حب الرسول من الایمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

مذکورہ تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق کی خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزکوٰۃ میں موصولاً تخریج کی ہے۔ (۳)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

اس تعلیق کو ذکر کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسماعیل بن علیہ کے اس طریق میں جزم کے ساتھ ”اشہد“ کے اس جملہ کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی گئی ہے۔ (۴)
یہ جملہ کس کا ہے؟ اس کی تفصیل ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔

تنبیہ

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً یہی بات ذکر کی، پھر ایک احتمال یہ بھی بیان فرمایا کہ ”قال
إسماعیل“ کا عطف ”حدثنا شعبۃ“ پر ہو، گویا سلیمان بن حرب جس طرح شعبۃ کے شاگرد ہیں، اسی
طرح اسماعیل بن علیہ سے بھی روایت کرتے ہیں، اس طرح یہ تعلیق نہیں رہے گی۔ (۵)
لیکن یہ احتمال درست نہیں کیونکہ اسماعیل بن علیہ سے سلیمان بن حرب کوئی روایت نہیں
کرتے۔ (۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۱۲)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۹۵) کتاب الزکوٰۃ، باب زکاة العرض، رقم (۱۴۴۹)۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

(۵) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۹۲)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

۳۳ - باب : الْحِرْصُ عَلَى الْحَدِيثِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں جس طرح تعلیم خاص کا ذکر ہے، اس باب میں بھی تعلیم خاص ہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال پر ان ہی کو خطاب خاص کر کے آپ نے جواب دیا، جو تعلیم ہی ہے۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے حرص علی الحدیث کی فضیلت اور تحسین بیان کرنی منظور ہے اور حدیث سے حدیث رسول علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہے، ابواب سابقہ اور احادیث ماضیہ میں مطلق علم کا ذکر تھا، اب حدیث کی تصریح اور تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے۔ (۲)

واللہ اعلم

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی فضیلت، اس کے حاصل کرنے کے طریقے، اس کے آداب اور تعلیم و تبلیغ کے متعلق اب تک بہت سے تراجم منعقد کئے ہیں، اب خاص طور سے امام بخاری حدیث کے متعلق ترجمہ منعقد کرتے ہیں اور یہ تنبیہ کرتے ہیں کہ سب سے اہم فن حدیث ہے، جس کے حاصل کرنے کے لئے طالب کو حریص ہونا چاہئے۔

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

(۲) الأبواب والتراجم (ص ۵۳)۔

حدیث کے لغوی، عرفی اور اصطلاحی معنی

”حدیث“ لغت میں ”جدید“ کو کہتے ہیں، عرف میں یہ لفظ ”کلام“ پر بولا جاتا ہے۔ (۱)
اہل شریعت کے ہاں ”حدیث“ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، خواہ اقوال ہوں یا افعال، خواہ تقاریر ہوں یا احوال، بیداری سے تعلق رکھتے ہوں یا خواب سے۔ (۲)

حدیث کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ہم مقدمہ میں تفصیلاً بیان کر آئے ہیں۔ (۳)

۹۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرِو بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبَرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ : قِيلَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِهِ ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (لَقَدْ ظَنَنْتُ - يَا أَبَا هُرَيْرَةَ - أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ . أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ ، أَوْ نَفْسِهِ) . [۶۲۰۱]

تراجم رجال

(۱) عبد العزیز بن عبد اللہ

یہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اویس بن سعد بن ابی سرح قرشی عامری اویسی مدنی

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۸ و ۹)۔

(۴) قولہ: ”عن أبي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“: الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج ۲ ص ۹۷۲) كتاب الرقاق،

باب صفة الجنة والمار، رقم (۶۵۷۰)، والنسائي في سننه الكبرى (ج ۳ ص ۴۲۶) كتاب العلم، باب الحرص على

العلم، رقم (۸۵۴۲)۔

رحمة اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ (۱)

یہ ابراہیم بن سعد زہری، سلیمان بن بلال، عبد الرحمن بن ابی الزناد، عبد الرحمن بن ابی الموال، عبد العزیز بن ابی حازم، عبد العزیز بن ابی سلمہ المہاشون، لیث بن سعد، مالک بن انس اور محمد بن جعفر بن ابی کثیر رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ہارون الجمال، محمد بن یحییٰ ذہبی، ابو زرعہ، ابو حاتم، عبد اللہ بن شہیب اور محمد بن اسماعیل ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۲)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق“۔ (۳)

یعقوب بن شیبہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حجة“۔ (۵)

امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة متفق علیہ“۔ (۶)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة مكثر“۔ (۸)

نیز وہ فرماتے ہیں ”الإمام الحجة من نبلاء الرجال“۔ (۹)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۶۰ و ۱۶۱)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۶۱ و ۱۶۲)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۶۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۴۶)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۶۲)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)، وحاشیة سبط ابن العجمی علی

الکاشف (ج ۱ ص ۶۵۶)، رقم (۳۳۹۷)۔

(۸) الکاشف (ج ۱ ص ۶۵۶)، رقم (۳۳۹۷)۔

(۹) سیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)۔

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”ثقة جلیل“۔ (۱)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”کتاب الثقات“ میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

تنبیہ

ان کے بارے میں امام ابوداؤد کی توثیق ہم نقل کر چکے ہیں، لیکن امام ابوداؤد ہی سے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان کی تضعیف نقل کی ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہدی الساری“ میں جرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا

ہے:

”وقع فی سؤالات أبي عبيد الآجري عن أبي داود، قال: عبد العزيز

الأويسي ضعيف، فإن كان عنى هذا، ففيه نظر، لأنه وثقه في موضع آخر،

وروى عن هارون الحمالي عنه، ولعله ضعف رواية معينة له وهم فيها، أو

ضعف آخر اتفق معه في اسم، وفي الجملة فهو جرح مردود“۔ (۴)

مطلب یہ ہے کہ ”سؤالات أبي عبيد الآجري میں ہے کہ امام ابوداؤد نے ان کو ضعیف

قرار دیا ہے، اگر امام ابوداؤد کی مراد یہی عبدالعزیز اویسی ہیں تو یہ قابل نظر ہے، کیونکہ

دوسرے مقام پر وہ خود ان کی توثیق کر چکے ہیں اور ہارون الحمالی کے واسطے سے ان

سے روایت بھی کی ہے، ممکن ہے اس تضعیف کی وجہ کوئی معین روایت ہو، جس میں

انہیں وہم ہوا ہو یا اس سے کوئی اور عبدالعزیز مراد ہے کہ نام کے اشتراک کی وجہ سے

اشتباہ ہو گیا ہو، بہر حال یہ جرح مردود ہے، قابل قبول نہیں۔“

(۱) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۶۳۰)۔

(۲) کتاب الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۳۹۶)۔

(۳) دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۶۳۰)، وتہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۴۶)۔

(۴) ہدی الساری (ص ۴۲۰)۔

ان کا سال وفات معلوم نہیں ہوا، غالباً ۲۲۰ھ تک حیات رہے۔ (۱)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

(۲) سلیمان

یہ ابو محمد سلیمان بن بلال تیمی قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان ”باب أمور الإیمان“ کے تحت مختصراً اور کتاب العلم ”باب طرح الإمام المسألة علی أصحابہ لیختبر ما عندهم من العلم“ کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) عمرو بن ابی عمرو

یہ عمرو بن ابی عمرو میسرہ مولیٰ مطلب بن عبد اللہ بن خطاب قرشی مخزومی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابو عثمان ان کی کنیت ہے۔ (۳)

یہ اپنے مولیٰ مطلب بن عبد اللہ بن خطاب، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر، سعید بن ابی سعید المقبری، عاصم بن عمر بن قتادہ، عبد الرحمن بن ہرمز الا عرج اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن سوید، اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر، سلیمان بن بلال، عبد الرحمن بن ابی الزناد، عبد العزیز بن محمد دراوردی، یزید بن عبد اللہ بن الہاد اور یعقوب بن عبد الرحمن اسکندرانہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس بہ بأس“۔ (۵)

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸) و (ج ۳ ص ۱۱۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۸)۔

(۴) شیوخ ثلاثہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۸ و ۱۶۹)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۹)۔

امام ابو زرعة رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۱)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لا بأس به“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”كتاب الثقات“ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”ربما أخطأ،

يعتبر حديثه من رواية الثقات عنه“۔ (۳)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ينكر عليه حديث البهيمه“۔ (۴)

سابقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق إلا أنه يهمل“۔ (۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ربما وهم“۔ (۶)

ان توثیقات کے مقابلہ میں ان کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل سے جرح بھی

منقول ہے۔

چنانچہ امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لا يصح بحديثه“۔ (۷)

نیز وہ فرماتے ہیں ”كان مالك يروي عن عمرو بن أبي عمرو، وكان يستضعفه“۔ (۸)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”عمرو بن أبي عمرو الذي يروي عن عكرمة: ليس بالقوي“۔ (۹)

اسی طرح ان سے منقول ہے ”عمرو بن أبي عمرو ليس بحجة“۔ (۱۰)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۷۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۸۵)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۸۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب التہذیب (ص ۴۲۵)، رقم (۵۰۸۳)۔

(۷) الضعفاء الكبير للعقيلي (ج ۳ ص ۲۸۹)، رقم (۱۲۸۹)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) حوالہ بالا۔

(۱۰) الکامل لابن عدي (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مضطرب الحدیث“۔ (۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عمرو بن ابی عمرو لیس بالقوی فی الحدیث وإن

کان قد روی عنه مالک“۔ (۲)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس هو بذاك“۔ (۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمرو بن ابی عمرو پر یہ تنقید ان کی عام احادیث کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ انہوں نے عکرمہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کی تردید کے ذیل میں ان پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

چنانچہ امام یحییٰ بن معین سے ابن ابی مریم نقل کرتے ہیں: ”عمرو بن ابی عمرو ثقة، ینکر

علیہ حدیث عکرمہ عن ابن عباس أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اقتلوا القاعل والمنعول به“۔ (۴)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ینکر علیہ حدیث البہیمہ“۔ (۵)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے ”لیس بالقوی فی الحدیث“۔ اس سے مطلق

تضعیف نہ سمجھی جائے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے جملے ایسے راوی کے بارے میں فرماتے ہیں جو ”حافظ“ نہ ہوں، مطلقاً ضعیف قرار دینا مقصود نہیں۔ (۶)

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید بھی اسی ”حدیث البہیمہ“ کی بنا پر ہے، چنانچہ

جہاں انہوں نے ”لیس هو بذاك“ فرمایا وہیں اس کے بعد بطور علت اس بات کی تصریح کر دی ”روی

(۱) التکمیل (ج ۵ ص ۱۱۶) ۱۰۰ میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۲۸۲) رقم (۶۵۱۴)۔

(۲) التیسرے تصغیر، کتاب قدس الحق، باب إذا أشکر المحرم إلى الصید فقلل الحلال، رقم (۲۰۲۶)۔

(۳) التہذیب الخس (ج ۲۲ ص ۱۷۰)۔

(۴) التکمیل لابی عدلی (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

(۵) التہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۸۳)۔

(۶) چنانچہ امام نسائی سے اسی قسم کا جملہ ”لیس بالقوی“ احمد بن شیبہ البکونی کے حق میں بھی منقول ہے، اس کے تحت حافظ ابن حجر

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”فأما تضعیف النسائی نہ فمما عرفتہ غیر محفوظ“ دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۳ ص ۳۶)۔

عن عكرمة عن ابن عباس من أتى بهيمة فاقتلوه“۔ (۱)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں ”روى عن عكرمة في قصة البهيمه،

ولا أدري سمع أم لا“۔ (۲)

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے اکثر اقوال کو اپنی سند سے نقل کرنے

کے بعد فرمایا:

”عمرو بن أبي عمرو له أحاديث عن أس غير ما ذكرت، وروى عنه مالك،

وهو عندي لا بأس به؛ لأن مالك لا يروي إلا عن ثقة أو صدوق“۔ (۳)

یعنی ”عمرو بن ابی عمرو کی حضرت انس سے مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی روایات

ہیں، ان سے امام مالک نے بھی روایت کی ہے، وہ میرے نزدیک ”لا بأس بہ“ ہیں،

کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ثقہ یا صدوق ہی سے روایت کرتے ہیں“۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کو اصل کلام ان کی عکرمہ سے روایت پر ہے،

جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ کے طریق سے ان کی کوئی روایت نہیں لی، بلکہ شیخ بخاری میں ان

سے کل چھ حدیثیں مروی ہیں، چار حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے، ایک حدیث ”سعید بن جبیر

عن ابن عباس“ کے طریق سے اور ایک حدیث ”سعید بن ابی سعید مقبری عن ابی ہریرۃ“ کے طریق

سے۔ ”عکرمہ عن ابن عباس“ کے طریق سے کوئی حدیث امام بخاری نے نہیں لی۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعی اقوال کو پیش نظر رکھ کر ان کے بارے میں فیصلہ کیا ہے

”حديثه صالح حسن منقطع من الدرجة العليا من الصحيح“۔ (۵) یعنی ”ان کی حدیثیں حسن

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۷۰)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۸۳)۔

(۳) الکامل لاسنادی (ج ۵ ص ۱۱۷)۔

(۴) دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۳۲)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۲۸۲)۔

ہیں، تاہم صحیح کے اعلیٰ درجہ سے کمتر ہیں۔“

اگرچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے ”علبا“ کا لفظ حذف کر دینا چاہئے۔ (۱)
اسی طرح ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے جب فرمایا ”الرجل مستضعف وأحادیثہ تدل علی حالہ۔“ (۲) یعنی ”اس شخص کی تضعیف کی گئی ہے، ان کی حدیثیں ان کے حال پر دال ہیں۔“ تو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ماہو بمستضعف ولا بضعیف، نعم! ولا هو فی الثقة كالزہری وذویہ۔“ (۳) یعنی ”ان کی نہ تو تضعیف کی گئی ہے اور نہ فی الواقع ضعیف ہیں، البتہ وہ امام زہری اور ان کے طبقہ کے راویوں جیسے نہیں ہیں۔“

گویا ان کے بارے میں معتدل رائے یہ ہے کہ یہ بہت قوی تو نہیں ہیں لیکن ان کی احادیث قابل رد بھی نہیں ہیں، بلکہ احتجاج واستشہاد کے قابل ہیں، چنانچہ اصول ستہ کے تمام مصنفین نے ان کی روایات لی ہیں۔ (۴) واللہ اعلم۔

ابو جعفر منصور کی خلافت کے اوائل میں ان کی وفات ہوئی۔ (۵)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(۴) سعید بن ابی سعید المقبری

ابو سعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان
”کتاب التمدین یسر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۶)

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۸۴)۔

(۲) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۲۸۲)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۱۷۱)، وھدی الساری (ص ۴۳۲)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۱۷۱)۔ ان کے بارے میں تفصیلی اقوال کے لئے دیکھئے التمدین علی کتاب تہذیب التہذیب (ص ۳۰۵-۳۰۷)۔

(۶) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان ”باب أمور الایمان“ کے تحت

گزر چکے ہیں۔ (۱)

أنه قال: قيل: يا رسول الله

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ.....

ابو ذر اور کریمہ کے نسخوں میں ”قیل“ ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں ”قیل“ نہیں ہے اور یہی صحیح

ہے کہ یہاں ”قیل“ نہیں ہونا چاہئے، غالباً ”قلت“ تھا، کسی راوی یا کاتب کے تصرف سے ”قیل“

ہو گیا (۲) کیونکہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت آگے ”کتاب الرقاق“ میں ذکر کی ہے،

اس میں ہے ”أنه قال: قلت: يا رسول الله.....“ (۳) اسی طرح سنن نسائی کبریٰ میں بھی ”قلت“

ہے (۴)، اسامعیلی کی روایت میں ہے ”أنه سأل.....“ (۵)، ابو نعیم کی روایت میں ہے ”أن أبا

ہریرہ قال: يا رسول الله.....“ (۶)

لہذا یہ طے ہے کہ ”قیل“ تصحیف ہے۔ واللہ اعلم

من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة؟

قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون سعادت مند ہوگا؟

(۱) یعنی کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۳) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۹۷۲) كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم (۶۵۷۰)۔

(۴) سنن الكبرى للنسائي (ج ۳ ص ۴۲۶) كتاب العلم، باب الحرص على العلم، رقم (۸۵۴۲)۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۶) جواب بار۔

شفاعت کے بارے میں

اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کا اختلاف

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بہت سے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔ خوارج اور بعض معتزلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ (۱)

خوارج و معتزلہ قرآن کریم کی آیات ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ (۲) اور ﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾ (۳) سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث باب اور اس جیسی دوسری تمام احادیث شفاعت کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد رفع درجات اور زیادت ثواب ہے۔ (۴)

لیکن ان کا اول تو آیات سے استدلال کرنا اس لئے درست نہیں کہ ان میں کفار کی شفاعت کی نفی ہے، جبکہ اہل السنۃ مذہبین اور گنہگاروں کی شفاعت کے قائل ہیں۔ (۵)
اور پھر احادیث شفاعت صریح ہونے کے ساتھ ساتھ متواتر ہیں۔ (۶) لہذا نہ ان کی بے جا تاویل کی جاسکتی ہے اور نہ ان کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

شفاعت کی اقسام

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:-

(۱) دیکھئے شرح العقائد النسفیة مع شرحہ السیراس (ص ۲۳۸ و ۲۳۹)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۷)۔

(۲) المائدہ ۵۸۔

(۳) مدہ ۱۸۔

(۴) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد ظننت يا أبا هريرة، أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أول منك؟ لما رأيت من حرصك على الحديث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خیال یہی تھا کہ اس چیز کے بارے میں تم سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں تمہارا شوق حدیث دیکھ رہا ہوں۔

”اول“ رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے، رفع ”أحد“ کی صفت یا اس سے بدل قرار دے کر اور نصب یا تو ”ظننت“ کا مفعول ثانی قرار دے کر یا ”أحد“ کا حال قرار دے کر۔ ”أحد“ اگرچہ نمرہ ہے لیکن سیاق انہی میں ہونے کی وجہ سے اس کو ذوالحال بنانا درست ہے، جیسے کہا جاتا ہے ”ما كان أحد مثلك“۔ اسی طرح ”أول“ کو ظرفیت کی بنا پر بھی منصوب قرار دے سکتے ہیں۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال: لا إله إلا الله، خالصاً من قلبه أو نفسه

میری شفاعت کا قیامت کے دن سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جس نے خالص طور پر دل سے ”لا إله إلا الله“ کہا ہو۔

”قلبه أو نفسه“ میں ”أو“ شک کے لئے ہے، لیکن مراد اور مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ (۲)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ”أسعد“ اسم تفضیل ہے، جو اس بات کا مقتضی ہے کہ مفضل اور

(۱) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۶)، وضع الساری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۲) وضع الساری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

مفضل علیہ نفس فضیلت میں شریک ہوں، لہذا یہاں یہ معنی نکلیں گے کہ جو ”لا إله إلا الله“ کا قائل ہوگا وہ مطلقاً آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا اور جو خلوص دل سے قائل ہوگا وہ زیادہ حق دار ہوگا، حالانکہ جو خلوص دل سے نہ کہے، محض زبان سے کہے اور اس کے دل میں یہ بات نہ ہو تو وہ قطعاً آپ کی شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو منافق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”أسعد“ سعید کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے ”الناقص والأشج أعدلا بني مروان“ اُبی عادلاً بنی مروان ”ناقص“ یزید بن الولید بن عبد الملک کا لقب ہے اور ”أشج“ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہیں، یہاں ”أعدلا“ ”عادلاً“ کے معنی میں ہے، ورنہ باقی بنو مروان تو سب ظلم کرتے تھے۔ (۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ”لا إله إلا الله“ خلوص سے کہنے والوں کے مختلف درجات ہیں، ایک تو خلوص کا ابتدائی درجہ ہے، جس سے نفاق کی نفی ہوتی ہے، وہ تو نجات پانے کے لئے ہر شخص کے حق میں شرط ہے، اگر وہ مفقود ہو تو آدمی مومن ہے ہی نہیں، اس کے بعد خلوص کے مختلف درجات ہیں، بعض کا خلوص پہلے درجہ سے اونچا ہوتا ہے اور بعض کا دوسرے درجہ سے اونچا ہوتا ہے، وہ کدّا ، اب جس شخص کا خلوص ”لا إله إلا الله“ کہنے میں اعلیٰ درجہ میں ہوگا وہ سب سے زیادہ حق دار ہوگا اور اگر کسی کا کم ہوگا تو اس کے بعد اس کا نمبر آئے گا۔ (۲)

حدیث باب میں ”من قال لا إله إلا الله خالصاً من قلبه“ میں خلوص کی جو نسبت ”قصد“ کی طرف کی گئی ہے، اس سے یہی مبالغہ سمجھ میں آتا ہے۔

علامہ زنجیزی نے لکھا ہے کہ جس عضو سے جو فعل صادر ہوتا ہے اگر اس فعل کی نسبت اس عضو کی طرف کر دی جائے تو یہ مفید مبالغہ ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ”هذا مما أبصرته عيني ومما سمعته أذني، ومما عرفه قلبي“۔ (۳) یہاں بھی خلوص کی اضافت ”قلب“ کی طرف کی گئی ہے، اس میں بھی

(۱) دیکھئے مسند الباری (ج ۲ ص ۱۲۶)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۹)۔

(۳) دیکھئے الکشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعبود الأقوال في وجود التأويل (ج ۱ ص ۳۲۹) تحت تفسیر قوله

عائلي ومما عرفه قلبي (البقرة ۲۸۳)۔

مبالغہ ہوگا اور مبالغہ زیادتِ فعل کو مستلزم ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ

حدیث باب میں اگرچہ صرف ”لا إله إلا الله“ مذکور ہے، لیکن یہ پورے کلمہ کا عنوان اور شعار بن گیا ہے، لہذا ”من قال: لا إله إلا الله“ کے ساتھ ”محمد رسول الله“ بھی ملحوظ ہے۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکتہ

اس حدیث میں ”من قال: لا إله إلا الله“ کی قید سے مشرک سے احتراز ہو گیا اور ”خالصاً من قلبه“ سے منافق یقینی طور پر خارج ہو گیا۔ (۲)

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

۳۴ - باب : كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ .

یہ دوسرا باب ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصالتہ ”کیف“ سے شروع کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے تحت جو روایات و آثار ذکر کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے اٹھنے کی صورت یہ ہوگی کہ علماء اٹھتے جائیں گے اور ان کا علم ان کے ساتھ ساتھ اٹھتا جائے گا، کیونکہ ان کے نائبین پیدا نہیں ہوں گے۔ (۳)

(۱) مجمع الباری (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الکبر المتواری (ج ۲ ص ۳۳۳)۔

باب سابق سے مناسبت

سابق باب میں حرصِ حدیث کا ذکر ہے اور مذکورہ باب میں رفعِ علم کا ذکر ہے، دونوں میں ضدیت کی نسبت ہے، وبضدھا تبیین الأشياء۔ نیز اس باب کو سابق باب کے بعد اس بات پر تنبیہ کے لئے لایا گیا ہے کہ تحصیلِ علوم کا اہتمام کیا جائے کیونکہ علم اٹھالیا جائے گا، لہذا اس کے اٹھائے جانے سے قبل اس کو حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تعلیم و تذکیر کے اہتمام پر تنبیہ ہے، گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگوں کو علماء سے علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ علم کا اٹھ جانا قیامت کے قائم ہونے کا سبب ہے اور قیامت قائم ہوگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے وقت، جب ضلال عام ہو جائے گا، لہذا ضلال کا سبب اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

گو صورتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ علم کے ضائع ہونے کی صورت کیا ہوگی، روایت سے بتا دیا کہ علماء اٹھ جائیں گے اور رفتہ رفتہ ان کے ساتھ ان کا علم بھی اٹھ جائے گا۔ لیکن حقیقتہً امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ علم حاصل کرنا چاہئے اور علماء کو تعلیم و تبلیغ کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ جب علم کے اٹھ جانے کا سبب علماء کا اٹھ جانا ہے تو اب لوگوں کو یہ چاہئے کہ علماء کے اٹھنے سے پہلے ان کے علوم کو حاصل کر لیں اور علماء کو یہ چاہئے کہ اپنے علوم دوسروں تک پہنچا دیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

”مؤلف رحمۃ اللہ علیہ قبضِ علم کی کیفیت دکھلانا چاہتے ہیں، سو حدیث میں صاف

موجود ہے ”لایقبض انتزاعاً ولكن یقبض بقبض العلماء“ جس سے بالبداہت

معلوم ہو گیا کہ عالم سے ذہابِ علم کا منشاء عدمِ اشاعت اور عدمِ تبلیغ ہوگی، اگر سلسلہ تعلیم

واشاعت برابر جاری رہے تو یہ نوبت کیسے آئے؟ کما مر فی باب رفع العلم۔ بالجملہ مؤلف کی غرض بلکہ حدیث کا منشا اشاعتِ علم کی تاکید اور تعلیم ہے، عمر بن عبد العزیز کے ارشاد سے ترجمہ کی غرض صاف ظاہر ہو گئی اور ترجمہ سابق کی بھی تشریح ہو گئی، اول باب کی تکمیل دوسرے باب میں مؤلف کی عادت ہے اور ارشاد مذکور سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اشاعتِ علم کے لئے علماء کے ذمہ علانیہ علمی مجالس قائم کرنا ضروری ہے، اس میں متعلمین کے لئے سہولت ہے اور ان کے واسطے کافی ترغیب و تحریریں ہے، اس کے مقابلہ میں کسی مجلس کی تخصیص ہو یا اور کسی قسم کی قید لگادی جائے تو اس صورت میں صحیح طور پر استفادہ اور افادہ نہیں ہو سکتا اور یہ علم کی ہلاکت ہے۔

فالحذر الحذر۔ (۱)

وَكُتِبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَزْمٍ : أَنْظِرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَكْتُبْهُ ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ . وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ . وَلْتَفَسَّحُوا الْعِلْمَ . وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلِّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ . فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا .

حضرت عمر بن عبد العزیز

یہ الإمام العادل الحافظ العلامة المجتہد الزاهد العابد أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز بن مروان بن الحكم بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي بن كلاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)

یہ عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، سائب بن یزید، ہبل بن سعد رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور فرمایا "ما رأيت أحدا أشبه

(۱) دیکھئے الانوار والنراجم (ص ۵۳ و ۵۴)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۵۳۲ و ۵۳۳)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۱۱۹)۔

صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الفتى“۔ (۱)

یعنی ”نماز میں اس نوجوان سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت اختیار کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا“۔

ان کے علاوہ سعید بن المسیب، عروہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، ابوبکر بن عبد الرحمن، عامر بن سعد، یوسف بن عبد اللہ بن سلام رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ابوسلمہ (وہو شیخہ أيضاً) ابوبکر بن حزم، رجاء بن حیوۃ، امام زہری، ایوب سختیانی، حمید الطویل اور تکی بن سعید الانصاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔ (۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ (۳) ان کی والدہ کا نام بعض حضرات نے ام عاصم حفصہ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب بتایا ہے اور بعض حضرات نے لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب۔ (۴)

بچپن میں ایک مرتبہ اصطبیل میں گئے، وہاں کسی گھوڑے نے لات مار دی جس سے پیشانی پہ زخم آیا، اُس وقت سے ”أشج“ کا لقب پڑ گیا، چنانچہ انہیں ”أشج بنی أمیة“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۵)
منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”إن من ولدي رجلاً بوجهه شتر“، (۶)
يملأ الأرض عدلاً۔ (۷) ”میری اولاد میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کے چہرے پر زخم ہوگا، وہ پوری

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۴)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۱۱۴)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۴-۴۳۶)، وسیر أعلام النبلاء،

(ج ۵ ص ۱۱۴ و ۱۱۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۶)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۳)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۷)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۱۱۵ و ۱۱۶)۔

(۶) شتر (س) شترًا: یحظنا - القاموس الوحید (ص ۸۴۱)۔

(۷) سیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

زمین کو عدل سے بھر دے گا۔“

یہ ابھی بچے ہی تھے کہ قرآن کریم یاد کر لیا، ایک مرتبہ اسی بچپن میں رو پڑے، والدہ نے پوچھا تو بتایا کہ مجھے موت کی یاد آ گئی تھی، اس لئے رو پڑا۔ (۱)

ان کے والد کو جب مصر کی ولایت ملی تو یہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، وہ جب وہاں اپنے کنبہ سمیت جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے مدینہ بھیج دیں، میں وہاں کے علماء و فقہاء کی خدمت میں رہوں گا، ان کے آداب سیکھوں گا، چنانچہ ان کو وہاں بھیج دیا، وہ مدینہ منورہ میں علم حاصل کرتے رہے اور بچپن ہی سے ان کے اندر علمی نبوغ و رسوخ کے آثار ظاہر ہو گئے۔ (۲)

داود بن ابی ہند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب عمر بن عبدالعزیز مسجد نبوی کے ایک دروازہ سے داخل ہوئے تو ایک شخص نے کہا کہ دیکھو! فاسق (عبدالعزیز بن مروان) نے اپنے اس بیٹے کو ہمارے پاس بھیجا ہے، تاکہ فرائض و سنن سیکھے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد یہی خلیفہ بنے گا اور عمر بن الخطاب کی سیرت پر چلے گا! داود بن ابی ہند کہتے ہیں کہ بخدا! ہم نے یہ تمام باتیں مرنے سے پہلے دیکھ لیں۔ (۳)

والد کے انتقال کے بعد عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بلا لیا اور اپنی اولاد کی طرح رکھا اور پھر اپنی بیٹی فاطمہ بنت عبدالملک کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا، جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے۔

بنتُ الخليفة، والخليفة جدّها أخت الخلائف، والخليفة زوجها (۴)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی خاتون جو مذکورہ اوصاف کی مالک ہوں اور کوئی

نہیں۔ (۵)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۷)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۸)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

(۴) دیکھئے البدایہ والنہایہ (ج ۶ ص ۳۳۲)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۷)۔

(۵) البدایہ والنہایہ (ج ۶ ص ۳۳۲)۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے، اس دوران وہاں کے علماء و فقہاء: عروہ، عبید اللہ، سلیمان بن یسار، قاسم، سالم، خارجہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی رائے اور مشورہ سے کام کرتے رہے۔ (۱)

ولید بن عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر بن عبد العزیز کو انہوں نے اپنا خصوصی مقرب اور وزیر بنایا، چنانچہ انہی کے مشورے کے مطابق حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ عمال کو معزول کیا گیا، نماز کے اوقات کو بہت مؤخر کر دیا گیا تھا، ان کو اپنے اوقات میں پڑھنے کی پابندی کرائی گئی۔ (۲)

جب سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آخر وقت آپہنچا تو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا ایک بیٹا قسطنطینیہ کی مہم میں گیا ہوا تھا، دوسرا بیٹا چھوٹا تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کے محسن کبیر عالم ربانی رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ (۳) کے ذریعہ کام لیا، انہوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کر دیا اور وہ خلیفہ مقرر ہو گئے (۴)، اس طرح ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ قائم ہو گئی۔

خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے تمام اموال کو بیت المال میں جمع کروایا (۵) اور پھر وہ تدبیر مملکت کی کہ حقیقتہً شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پینے لگے۔ (۶)

حدیث اور علم میں ان کا پایہ کیا تھا؟ اس کا اندازہ علماء کے درج ذیل اقوال سے کیا جاسکتا ہے:-

(۱) سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۷ و ۱۱۸)، تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۹)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۵)۔

(۳) رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ کے حالات کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۱۵۱-۱۵۷)، و سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۵۵۷-۵۶۱)۔

(۴) دیکھئے سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۳-۱۲۶)۔

(۵) سیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۹)۔

(۶) دیکھئے البدایہ والنہایہ (ج ۶ ص ۳۴۲)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة مأموناً، له فقه، وعلم، وورع، وروى حديثاً كثيراً، وكان إمام عدل، رحمه الله ورضي عنه“۔ (۱)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أتيناہ نُعلِّمہ فما برحنا حتی تعلمنا منه“۔ (۲)

ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لأنعلم أحداً ممن أدر كنا كان آخذ عن نبي الله صلى الله عليه وسلم منه، يعني عمر بن عبد العزيز“۔ (۳)

یعنی ”ہم نے جتنے علماء دیکھے ان میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا طالب نہیں پایا“۔

عمر و بن بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما كانت العلماء عند عمر بن عبد العزيز إلا تلامذة“۔ (۴)

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أتينا عمر بن عبد العزيز ونحن نرى أنه يحتاج إلينا، فما كنا معه إلا تلامذة“۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حیات پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”قد كان هذا الرجل حسن الخلق والخلق، كامل العقل، حسن السمات، جيد السياسة، حريصاً على العدل بكل ممكن، وافر العلم، فقيه النفس، ظاهر الذكاء والفهم، أوامراً منيباً، قانتاً لله، حنيفاً، زاهداً مع الخلافة، ناطقاً بالحق، مع قلة المعين وكثرة الأمراء الظلمة الذين ملّوه، وكرهوا محافقتهم لهم، ونقصه أعطياتهم وأخذهم كثيراً مما في أيديهم مما أخذوه

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۶)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۴۰)۔

(۳) التاريخ الكبير (ج ۶ ص ۱۷۵)، رقم الترجمة (۲۰۷۹)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۴۰)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۰)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۰)۔

بغير حق، فما زالوا به حتى سقوه السم، فحصلت له الشهادة والسعادة،

و غَدَّ عند أهل العلم من الخلفاء الراشدين والعلماء العاملين“۔ (۱)

یعنی ”یہ شخص صورت اور سیرت کے اچھے، عقل میں کامل، آداب کے عمدہ، سیاست کے اعتبار سے جید، ہر ممکن عدل و انصاف کے حریص، علم میں وافر حصہ رکھنے والے، فقیہ النفس، فہم و ذکاوت کے اعتبار سے ممتاز، آہ و بکا اور رجوع الی اللہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے مطیع، ہر قسم کی بے دینی سے بیزار، خلافت کے باوجود دنیا سے بے رغبت تھے، باوجود مددگاروں کی قلت اور ظالم امراء کی کثرت کے حق بولنے والے تھے، یہ ظالم امراء ان سے اکتا چکے تھے، ان کے ساتھ تعاون سے گریز کرتے تھے، انہوں نے ان کے وظائف میں کمی کی اور جو کچھ انہوں نے ناحق لوگوں سے لیا تھا وہ واپس لے لیا، اس وجہ سے وہ لوگ ان کے درپے آزار رہے، یہاں تک کہ انہیں زہر دے دیا، اس طرح انہیں شہادت اور سعادت حاصل ہوئی، اہل علم کے نزدیک ان کا شمار خلفائے راشدین اور باعمل علماء میں ہوا۔“

علماء کی ایک جماعت نے جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان مجددین دین میں سے تھے (۲) جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها“۔ (۳) یعنی ”اللہ جل شانہ اس امت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں ایسے شخص کو بھیجے گا، جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔“

آپ کی خلافت کی مدت تقریباً ڈھائی سال تھی۔ (۴)

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۲۰)۔

(۲) دیکھئے البداية والنهاية (ج ۶ ص ۳۴۷)۔

(۳) سنن أبي داود، فاتحة كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المائة، رقم (۴۶۹۱)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۴۱)۔

آپ کی وفات مرض سل میں ہوئی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاسدین نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دیے اور اس کے ذریعہ ان کو زہر کھلا دیا، جس سے وہ بیمار ہو گئے، جب بتایا گیا کہ انہیں زہر دیا گیا ہے تو فرمایا کہ جس دن زہر دیا گیا مجھے اسی دن معلوم ہو گیا تھا، اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ مجھے ایک ہزار دینار ملے ہیں، فرمایا کہ وہ دینار لے آؤ، اس سے ان کو لے کر بیت المال میں جمع کروادیا اور فرمایا کہ اب تم کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں پکڑے نہ جاؤ۔ (۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک عظیم ترین کارنامہ حفاظت حدیث کا انتظام و اہتمام ہے، چنانچہ جمع حدیث اور کتابت حدیث کا باقاعدہ اور منظم اہتمام ان ہی کے حکم اور سرپرستی میں ہوا۔ (۲)

۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ (۳)

رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ و اجزل مثوبتہ و اکرمہ فی دار الکرامۃ والرضوان۔

ابوبکر بن حزم

یہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری خزر جی نجاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوبکر ان کا نام ہے، بعض حضرات نے ان کی کنیت ابو محمد ذکر کی ہے۔ (۴)

یہ اپنے والد کے علاوہ عباد بن تمیم، سلمان الاغر، عبداللہ بن قیس بن مخرمہ، عمرو بن سلیم زرقی، ابوجہ بدری رضی اللہ عنہ اور اپنی خالہ عمرہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے دو بیٹے عبداللہ اور محمد کے علاوہ امام اوزاعی، یحییٰ بن

(۱) البدایہ والنہایہ (ج ۶ ص ۳۴۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۲۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۴۶)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے مذکورہ مراجع کے علاوہ

دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (ج ۷ ص ۱۸۷-۲۰۶)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۳۷)۔

سعید الانصاری اور اسامہ بن زید لیشی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)

امام یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرحمن بن یوسف بن خراش وغیرہ کہتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہو أنصاري مدني من تابعي التابعين وثقات

المسلمين وأئمتهم“۔ (۴)

واقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة كثير الحديث“۔ (۵)

ابو بکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ سلیمان بن عبد الملک اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے

زمانے میں مدینہ منورہ کے امیر بھی رہے اور قاضی بھی، اسی طرح وہ موسم حج کے امیر بھی رہے ہیں۔ (۶)

ان کے سال وفات میں بہت سے اقوال ہیں، (۷) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰ھ کو راجح

قرار دیا ہے۔ (۸)

تنبیہ

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ان کا نام ابو بکر ہے اور کنیت ابو محمد ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

ان کی کنیت ابو عبد الملک نقل کی ہے (۹) جو سبقت قلمی ہے، ابو عبد الملک ان کے والد کی کنیت ہے نہ کہ

ابو بکر کی۔ (۱۰) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) شیوخ و تلامذہ فی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۳۷ و ۱۳۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۳۹)۔

(۳) کتاب الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۵۶۱)۔

(۴) تہذیب الاسماء و النعات (ج ۲ ص ۱۹۶)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۴۲)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۳۷)۔

(۷) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۳ ص ۱۴۲ و ۱۴۳)۔

(۸) دیکھئے الکاشف (ج ۲ ص ۴۱۲)، رقم (۶۵۳۷)۔

(۹) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۱۰) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۵۹۹)، رقم (۶۱۸۲) نہ رحمۃ محمد بن عمرو بن حزم الأنصاری - رحمۃ اللہ علیہ

المسماحة الشيخ محمد عوامة في تعيقاته على الكاشف (ج ۲ ص ۴۱۲)، رقم (۶۵۳۷)۔

انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه، فإني
خفت دروس العلم وذهاب العلماء.

دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تم کو ملیں ان کو لکھ لو، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ
کہیں دین کا علم مٹ جائے اور علماء چل بسیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کے مذکورہ اثر کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اثر یہاں تو معلق ذکر کیا
ہے اور آگے اس کی سند ذکر فرمائی ہے، اس طرح اسے موصول کر دیا ہے۔
یہ اثر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں نقل کیا ہے۔

”أخبرنا مالك، أخبرنا يحيى بن سعيد أن عمر بن عبدالعزیز كتب إلى
أبي بكر بن عمرو بن حزم أن: انظر ما كان من حديث رسول الله صلى
الله عليه وسلم أو سنته أو حديث عمر، أو نحو هذا، فاكتبه لي، فإني
خفت دروس العلم وذهاب العلماء“۔ (۱)

یعنی ”حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، آپ کی سنت یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی
سنتوں کو تلاش کرو، ان کو میرے واسطے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء
کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“

(۱) المعجم لأحمد، محمد (ص ۳۹۱) أبواب السير، باب اکتساب العلم، رقم (۹۳۴)۔

اسی طرح امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”سنن“ میں اس کو موصولاً نقل کیا ہے، اس کے

الفاظ ہیں:

”کتب عمر بن عبد العزیز إلی أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أن:
اكتب إلی بما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم، وبحديث عمر؛ فإني قد خشيت درس العلم وذهابه“۔ (۱)

اسی طرح دارمی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”کتب عمر بن عبد العزیز إلی أهل المدينة، أن: انظروا حديث رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاكتبوه، فإني خفت دروس العلم وذهاب أهله“۔ (۲)
رامبر مزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے:

”کتب عمر بن عبد العزیز إلی أهل المدينة: انظروا ما كان من حديث
رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبوه، فإني خفت دروس العلم وذهاب
العلماء“۔ (۳)

علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ذم الکلام“ میں عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

”لم يكن الصحابة ولا التابعون يكتبون الحديث، إنما كانوا يؤدونها
لفقطاً، ويأخذونها حفظاً، إلا كتاب الصدقات، والشئ اليسير الذي يقف
عليه الباحث بعد الاستقصاء، حتى خيف عليه الدروس، وأسرع في العلماء
الموت، فأمر أمير المؤمنين عمر بن عبد العزیز أبا بكر الحزمي فيما كتب
إليه أن: انظر ما كان من سنة أو حديث عمر فاكتبه“۔ (۴)

(۱) سنن الدارمی (ج ۱ ص ۱۳۷) المقدمة، باب من رخص في كتابة العلم، رقم (۴۸۷)۔

(۲) حوالہ بالا، رقم (۴۸۸)۔

(۳) المسند الفاصل بين الراوي والواعي (ص ۳۷۳ و ۳۷۴) باب الكتاب، رقم (۳۴۶)۔

(۴) مقدمة تدير الحوائث على مؤلفها ثالث (ص ۵) الفائدة الثانية۔

یعنی ”صحابہ کرام اور تابعین حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کو لفظوں میں بیان کرتے اور حافظہ میں محفوظ کرتے تھے، البتہ کتاب الصدقات اور کچھ اور معمولی احادیث، جن کا علم بحث و تتبع کے بعد ڈھونڈنے والے کو ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ علم کے مٹ جانے کا خوف لاحق ہوا، علماء تیزی سے رخصت ہونے لگے، چنانچہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو ایک فرمان میں حکم دیا کہ سنت یا حضرت عمر کی احادیث، جو مل جائیں، لکھ لو۔“

امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اصہبان میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”کتب عمر بن عبدالعزیز إلی الآفاق: انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوه واحفظوه، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء۔“ (۱)

تدوین کی ابتداء اور ایک شبہ کا ازالہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے تدوین حدیث کی ابتداء معلوم ہوتی ہے، (۲) یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے تدوین شروع ہوئی۔

مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ کتابت حدیث کا کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا، صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں مستقل نوشتے تیار کئے تھے، البتہ باقاعدہ اس سلسلہ میں سرکاری اہتمام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ (۳)

بعض لوگوں نے یہاں یہ سمجھ لیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اثر لاکر اس بات کی طرف

(۱) تعلق التعلق (۲-۱ ص ۸۹)۔

(۲) فتح الباری (۱ ص ۱۹۵)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (۱ ص ۲۶-۳۷)۔

اشارہ کیا ہے کہ ابو بکر بن حزم سب سے پہلے مدون حدیث ہیں۔ (۱)

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، انہوں نے اول مدون کے مسئلہ سے تعرض ہی نہیں کیا۔

تحقیقی طور پر دیکھا جائے تو ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے مدون ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)

پہنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أول من دون العلم ابن شہاب“۔ (۳)
عبد العزیز بن محمد دراوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أول من دون العلم وکتبہ ابن شہاب“۔ (۴)

اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أمرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن، فكتبناها دفترًا دفترًا فبعث إلى كل أرض له عليها سلطان دفترًا“۔ (۵)
حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أول جامع الحديث والأثر ابن شہاب أمر له عمر (۶)
صاحب نیل الأمانی فرماتے ہیں ”لعل ابن شہاب أول من جمع على الإطلاق وتبعه هؤلاء“۔ (۷)

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقام پر کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ اول مدون ابو بکر بن

(۱) دیکھئے مقدمة إرشاد الساري (ج ۱ ص ۷)۔

(۲) دیکھئے كشف الباري (ج ۱ ص ۲۷ و ۲۸)۔

(۳) جامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۹۱)۔

(۴) جامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۸۸)۔

(۵) جامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۹۱ و ۹۲)۔

(۶) نقيض الحديث للسيوطي (ص ۷)۔

(۷) مقدمة أوجز المسائل (ج ۱ ص ۱۶)۔

حزم ہیں (۱)، یہی بات علامہ قسطلانی نے بھی مقدمہ ارشاد الساری میں لکھی ہے۔ (۲)
لیکن ان دونوں ہی حضرات نے آگے ”باب کتابہ العلم“ میں جا کر اعتراف اور صراحت کی
ہے کہ سب سے پہلے جامع حدیث اور مدون زہری ہی ہیں۔
چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَأَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْحَدِيثَ ابْنُ شَهَابٍ الزَّهْرِيُّ عَلَى رَأْسِ الْمِائَةِ بِأَمْرِ عُمَرَ
ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثُمَّ كَثُرَ التَّدْوِينُ، ثُمَّ التَّصْنِيفُ، وَحَصَلَ بِذَلِكَ خَيْرٌ كَثِيرٌ، فَلِلَّهِ
الْحَمْدُ“۔ (۳)

یعنی ”پہلی صدی کے آخر میں سب سے پہلے حدیث کو عمر بن عبد العزیز کے حکم سے
مدون کرنے والے ابن شہاب زہری تھے، پھر تدوین و تصنیف کثرت سے ہوئی اور اس
سے الحمد للہ بہت خیر پھیلی۔“

بعینہ ایسی ہی عبارت قسطلانی نے بھی نقل کی ہے۔ (۴)
علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے خود امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے ”لَمْ يَدَوِّنْ هَذَا الْعِلْمَ
أَحَدٌ قَبْلِي تَدْوِينِي“۔ (۵)

جہاں تک ابوبکر بن حزم کا تعلق ہے، سو اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ
اللہ علیہ نے ان کو جمع حدیث کا حکم دیا تھا، بلکہ صرف ان کو ہی نہیں، اس دور میں اہل مدینہ اور اہل آفاق
کو بھی لکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مدون کرلو، جیسا کہ یہ انصوص ہم پیچھے حضرت عمر
بن عبد العزیز کے اثر کی تخریج کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں، اس حکم کے نتیجہ میں ابن شہاب نے بھی

(۱) چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں: ”يَسْتَعَادُ مِنْهُ ابْتِدَاءَ تَدْوِينِ الْحَدِيثِ النَّبَوِيِّ“ فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۲) دیکھئے مقدمہ ارشاد الساری للقسطلانی (ص ۷)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۸) کتاب العلم، باب کتابہ العلم۔

(۴) ارشاد الساری (ج ۱ ص ۲۰۷) کتاب العلم، باب کتابہ العلم۔

(۵) الاعتبار فی التامع والمسلوخ من الآثار (ص ۴۵)۔

حدیثیں جمع کیں اور ابو بکر بن حزم نے بھی، البتہ ابن شہاب کی حدیثیں حضرت عمر بن عبدالعزیز تک پہنچ گئیں اور ابن حزم کی حدیثیں نہیں پہنچ پائیں، چنانچہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ”فتوفی

عمر وقد کتب ابن حزم کتاباً، قبل أن یبعث بہا إلیہ“۔ (۱)

اس پوری تقریر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ علی الاطلاق اول مدون ہیں، جبکہ اسی زمانہ میں تدوین کرنے والوں میں ابو بکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

واللہ أعلم بالصواب

وَلَا تَقْبَلُ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلْتَفَشُوا الْعِلْمَ،

وَلتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلِّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرّاً

سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے، کوئی اور چیز قبول نہ کرو اور علم کو پھیلاؤ اور تعلیم کے لئے بیٹھو، تا آنکہ جو نہیں جانتا اس کو سکھایا جائے کیونکہ علم اس وقت تک ضائع نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو خفیہ نہ رکھا جائے۔

ایک روایت کے مطابق ”لا تقبل“ تاء مشاقہ مفتوحہ کے ساتھ نہیں واحد حاضر معروف کا صیغہ ہے، اسی طرح ”لتفشوا“ ”افشاء“ سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، جس پر ”لام“ داخل ہے اور ”لتجلسوا“ بھی ”جلوس“ سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، اس پر بھی ”لام“ داخل ہے۔

ان تینوں افعال کو ”لا يقبل“ ”لتفشوا“ اور ”لتجلسوا“ بھی پڑھا گیا ہے۔ (۲)

یہ عبارت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا جزء ہے یا امام بخاری کا اپنا کلام ہے؟

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ

اللہ علیہ کا کلام ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں:

”ففي أمر عمر بن عبد العزيز بكتاب حديث النبي صلى الله عليه وسلم،

(۱) التمهيد لابن عبد البر (ج ۱ ص ۸۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۵)، وإرشاد الساری (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

خاصة، وأن لا يقبل غيره: الحظ على اتباع السنن وضبطها.....“ (۱)
یعنی ”خاص طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو
لکھنے کا حکم دینے اور ان کے علاوہ کو قبول نہ کرنے کے حکم میں اتباع سنت اور اس کے
ضبط کی ترغیب ہے۔“

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود امام بخاری
رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے آگے جو سند ذکر کی، اس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ
علیہ کا قول ”ذہاب العلماء“ تک ہے۔

اس کے علاوہ پیچھے ہم اس اثر کو مختلف حوالوں سے نقل کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اس
کلام کو ذکر نہیں کیا۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”مستخرج ابی نعیم“ کے حوالہ سے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت عمر
ابن عبدالعزیز کا کلام نہیں ہے، ان کا کلام ”ذہاب العلماء“ پر ختم ہو گیا۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لی جائیں
گی، باقی آثار صحابہ وغیرہ نہیں لئے جائیں گے۔

یہ مطلب یا تو اس بات پر مبنی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر عمر بن عبدالعزیز کا
مختصر اثر ہے، جس میں مذکور ہے ”انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاکتبوه، فلانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء۔“ اس میں صرف آپ کی احادیث کا ذکر
ہے، اس وجہ سے امام بخاری نے ”لا یقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ فرمادیا، ورنہ

(۱) شرح صحیح البخاری لابن بطال (ج ۱ ص ۱۷۷)۔

(۲) ویضیفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ اثر بعض حضرات نے مزید تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس میں بعض طرق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات کو بھی جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض میں عمرہ بنت عبدالرحمن (جو ابوبکر بن حزم کی خالہ تھیں اور حضرت عائشہ کی خادمہ) کی روایات کو جمع کرنے کا بھی حکم موجود ہے، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تفصیلی روایت کو پیش نظر رکھتے تو ”ولا یقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ نہ فرماتے۔

یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مقام احتجاج و استدلال میں صرف مرفوع احادیث لی جائیں گی، جہاں تک دوسرے آثار صحابہ و تابعین کا تعلق ہے سو ان کو مقام استشہاد و استیناس میں لیا جائے گا، نہ کہ بطور استدلال و احتجاج۔ یہی توجیہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سینکڑوں آثار صحابہ و تابعین کے نقل کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم

فإن العلم لا یهلك حتی یکون سرًّا

علم کو جب راز بنا دیا جاتا ہے، خاندانی بیاضوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کی تعیم نہیں کی جاتی تو ضائع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح علماء کو چاہئے کہ علمی مسائل و دقائق کو چھپا کر نہ رکھیں، بلکہ عمومی طور پر پھیلائیں، اس کے لئے ایسی جگہوں میں بیٹھیں جہاں لوگ آ سکتے ہوں، جیسے مساجد، مدارس وغیرہ۔ (۱) واللہ اعلم

حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ :
بِذَلِكَ ، يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، إِلَى قَوْلِهِ : ذَهَابَ الْعُلَمَاءُ .

(۱) دیکھئے ارشاد الساری (ج ۱ ص ۱۹۶)، والکنز المنثور فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری

تراجم رجال

العلاء بن عبد الجبار

یہ ابوالحسن العلاء بن عبد الجبار عطار بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ولاء انصاری کہلاتے ہیں، مکہ مکرمہ میں بھی رہے ہیں۔ (۱)

یہ جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، عبد اللہ بن جعفر مخزومی، عبد العزیز بن مسلم اور ابو عوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام بخاری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، ابو خثیمہ زہیر بن حرب، عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی، ان کے اپنے بیٹے عبد الجبار بن العلاء اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ (۲)

امام بخاری نے ان سے صرف دو حدیثیں لی ہیں، (۳) جبکہ صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ ان کے واسطے سے موقوف اثر مروی ہے اور کسی جگہ ان کا تذکرہ نہیں۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“ (۵)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صالح الحديث“۔ (۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس به بأس“۔ (۷)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان كثير الحديث“۔ (۸)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۵۱۷)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۵۱۷ و ۵۱۸)، و تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۸۵ و ۱۸۶)۔

(۳) وفي ”الزهره“ روى عنه البخاري حديثين، تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۸۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۸۵)، وعمدة الفاري (ج ۲ ص ۱۳۰)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۵۱۹)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) لطيفات الكبرى لابن سعد (ج ۵ ص ۵۰۱)۔

- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۱)
 امام تہجد بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس بہ بأس“۔ (۲)
 ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)
 ۲۱۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۴)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۲) عبدالعزیز بن مسلم

- یہ ابوزید عبدالعزیز بن مسلم قسمی (۵) مروزی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۶)
 یہ حصین بن عبدالرحمن، امام اعمش، سہیل بن ابی صالح، عبداللہ بن دینار، تہجد بن سعید انصاری
 اور ابو ہارون عبدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔
 ان سے روایت کرنے والے حرمی بن حفص، شیبان بن فروخ، عبدالرحمن بن مہدی، عبدالصمد
 بن عبدالوارث، العلاء بن عبدالجبار، یونس بن محمد المؤدب اور ابو عامر عقیدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ
 حضرات ہیں۔ (۷)

امام تہجد بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۸)

- (۱) تقریب التہذیب (ص ۴۳۵)، رقم (۵۲۴۶)۔
 (۲) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۵۱۹)۔
 (۳) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۵۰۳)۔
 (۴) خلاصۃ الخرز جی (ص ۳۰۰)۔
 (۵) صیغہ بعض العلماء بفتح القاف وسكون السين المهملة وفتح الميم بعدها لام، وقال بعض العلماء: بكسر القاف۔
 انظر تعلیقات الکاشف (ج ۱ ص ۳۱۷)، ترجمۃ حرمی بن حفص القسمی، رقم (۹۷۹)۔
 (۶) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۲)۔
 (۷) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۲ و ۲۰۳)۔
 (۸) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۴)، وتاریخ الدارمی (ص ۱۸۵)، رقم (۶۶۶) و (۶۶۷)۔

- امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صالح الحديث ثقة“۔ (۱)
- امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”بصري، ثقة“۔ (۲)
- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ليس به بأس“۔ (۳)
- ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)
- ابن خراش کہتے ہیں ”صدوق“۔ (۵)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة عابد يعد من الأبدال“۔ (۶)
- ابو عامر عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان من العابدين“۔ (۷)
- یحییٰ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان من الأبدال“۔ (۸)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۹)
- ان تمام توثیقات کے باوجود امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے ”فسي حديثه بعض الوهم“۔ (۱۰)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جرح کو رد کیا ہے اور فرمایا ”هذه الكلمة صادقة الوقوع

على مثل مالك وشعبة“۔ (۱۱)

- (۱) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۴)۔
- (۲) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۴)، وتہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۵۷)۔
- (۳) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۵۷)۔
- (۴) حوالہ بالا۔
- (۵) حوالہ بالا۔
- (۶) انکشاف (ج ۱ ص ۶۵۸)، رقم (۳۴۱۰)۔
- (۷) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۲۰۴)۔
- (۸) حوالہ بالا۔
- (۹) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۱۱۶)۔
- (۱۰) الضعفاء للعقيلي (ج ۳ ص ۱۷)، رقم (۹۷۳)۔
- (۱۱) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۶۳۵)، رقم (۵۱۳۰)۔

امام عقیلی نے ”وہم“ ثابت کرنے کے لئے ان کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے، جس میں دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (۱) لیکن حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”ثم ساق العقبیٰ له حدیثاً واحداً محفوظاً قد خالفه فيه من هو دونه في الحفظ“۔ (۲) یعنی ”پھر عقیلی نے ان کی ایک ”محفوظ حدیث“ نقل کی ہے، جس میں ان سے کمتر حافظہ والے شخص نے ان کی مخالفت کی ہے۔“ لہذا یہ متفق علیہ طور پر ثقہ ہیں اور کبھی کبھار جو ”وہم“ ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان کی ثقاہت اور ضبط میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

۱۶۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳)

(۴) عبد اللہ بن دینار

یہ مشہور محدث ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت مختصراً (۴) اور کتاب العلم، ”باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأبأنا“ کے ذیل میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (۵)

۱۰۰ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْتَرَاعًا يَنْتَرَعُهُ مِنَ الْعِبَادِ ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا ، أَخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَالًا ، فَسُئِلُوا ، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا) .

(۱) الصغفاء للعقبی (ج ۳ ص ۱۸)۔

(۲) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۶۳۵)، رقم (۵۱۳۰)۔

(۳) تہذیب الکمال (۱۸ ص ۲۰۴)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۵) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۰۶)۔

(۶) قولہ : ”عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه

(ج ۲ ص ۱۰۸) في كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يذكر من دم الرأي وتكلف القياس، رقم (۷۳۰۷)۔

ومسلم في صحيحه، في كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه، رقم (۶۷۹۶-۶۷۹۹)۔ والترمذي في جامعه، في كتاب

العلم، باب ما جاء في ذهاب العلم، رقم (۲۶۵۲)۔ وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب احتساب الرأي والقياس، رقم

(۵۲)، والنسائي في سننه الكبرى (ج ۳ ص ۴۵۶) كتاب العلم، باب كيف يرفع العلم؟، رقم (۵۹۰۷) و (۵۹۰۸)۔

تراجم رجال

(۱) اسماعیل بن ابی اویس

یہ ابو عبد اللہ اسماعیل بن ابی اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب تفاضل أهل الإیمان فی الأعمال“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) مالک

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی کتاب الإیمان، ”باب من الدین الفرار من الفتن“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) ہشام بن عروہ

یہ ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث کے ذیل میں مختصراً (۳) اور کتاب الإیمان، ”باب أحب الدین إلى الله أدومه“ کے تحت تفصیلاً آچکے ہیں۔ (۴)

(۴) عروہ

حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی بدء الوحي کی دوسری حدیث کے ذیل میں اختصار کے ساتھ (۵) اور کتاب الإیمان، ”باب أحب الدین إلى الله أدومه“

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۱۱۳)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۸۰)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۱)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۴۳۲)۔

(۵) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۱)۔

کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۵) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الايمان "باب المسلم

من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

فائدہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہشام بن عروہ کے طریق سے بہت مشہور ہے، حتیٰ کہ ان سے ستر سے زیادہ افراد نے یہ حدیث سنی۔ (۳) جبکہ اس حدیث میں عروہ سے روایت کرنے میں ہشام کی موافقت ابوالاسود مدنی نے کی ہے، جن کی روایت کی تخریج صحیحین میں کی گئی ہے۔ (۴) اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عروہ سے روایت کر کے ہشام کی موافقت کی ہے اور ان کی یہ روایت امام نسائی نے تخریج کی ہے (۵)، اسی طرح یحییٰ بن ابی کثیر نے بھی ہشام کی موافقت کرتے ہوئے اس حدیث کو عروہ سے نقل کیا ہے، ان کی یہ روایت صحیح ابی عوانہ میں ہے۔ (۶)

پھر اس روایت کو جس طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو سے عروہ نقل کرتے ہیں اسی طرح عمر بن

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۴۳۶)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۹)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۵)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۸۶)، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر من ذم الرأي وتکلف القیاس، رقم

(۷۳۰۷)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجہل والفتن فی آخر الزمان، رقم

(۶۷۹۹)۔

(۵) سنن النسائي الکبریٰ (ج ۳ ص ۴۵۶) کتاب العلم، باب کیف یرفع العلم؟، رقم (۵۹۰۸)۔

(۶) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۵)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۰)۔

الحکم بن ثوبان بھی نقل کرتے ہیں، ان کی یہ روایت صحیح مسلم میں ہے۔ (۱)

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد، ولكن یقبض العلم بقبض العلماء

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کو یوں ہی بندوں کے سینوں سے چھین نہیں لیں گے، البتہ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی تھی، چنانچہ امام احمد اور امام طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کی ہے:

”عن أبي أمامة الباهلي قال: لما كان في حجة الوداع قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يومئذ مردف الفضل بن عباس على جمل آدم، فقال: يا أيها الناس، خذوا من العلم قبل أن يقبض العلم، وقبل أن يرفع العلم..... قال: فأتينا أعرابياً..... قال: ثم قلنا له: سل النبي صلى الله عليه وسلم، قال: فقال له: يا نبي الله، كيف يرفع العلم منا وبين أظهرنا المصاحف، وقد تعلمنا ما فيها وعلمناها نساءنا وذرائعنا وخدمنا؟! فرفع النبي صلى الله عليه وسلم رأسه وقد غلّت وجهه حمرة من الغضب، قال: فقال: أي، ثكلتك أمك، هذه اليهود والنصارى بين أظهرهم المصاحف لم يصبحوها يتعلقوا بحرف مما جاءتهم به أنبيأؤهم، ألا، وإن ذهاب العلم أن يذهب حملته - ثلاث مرار -“ (اللفظ لأحمد) (۲)

یعنی ”حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور

(۱) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر الزمان، رقم (۶۷۹۸)۔

(۲) المسند لأحمد (ج ۵ ص ۲۶۶)، مسند أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه، وانظر مجمع الزوائد (ج ۱ ص ۱۹۹ و

۲۰۰)، خاتمة كتاب العلم، باب ذهاب العلم۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گندمی رنگ کے اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دینے لگے، آپ کے پیچھے اس روز فضل بن عباس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! علم کو اٹھالئے جانے سے پہلے اسے حاصل کر لو..... ہم ایک اعرابی کے پاس آئے..... ہم نے اس سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! علم کو کیسے اٹھایا جائے گا، جبکہ ہمارے پاس قرآن کریم کے نسخے ہیں، قرآن کریم میں جو کچھ ہے ہم سیکھ چکے ہیں، اپنی عورتوں، بچوں اور خادموں کو بھی سکھا چکے ہیں؟! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا، آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کی سرخی ظاہر ہونے لگی تھی، آپ نے فرمایا اے! تیری ماں تجھے گم کرے! یہ یہود و نصاریٰ ہیں، ان کے پاس بھی کتاب ہے، ان کے انبیاء جو کچھ تعلیمات لے کر آئے تھے یہ یہود و نصاریٰ کسی ایک حرف پر بھی عامل نہیں ہیں، سنو! علم کا اٹھ جانا حاملین علم کا اٹھ جانا ہے، یہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔“

رفع علم کی کیا صورت ہوگی؟

پھر رفع علم کی صورت حدیث باب میں جو بیان کی گئی ہے، وہ واضح ہے کہ علماء کو اٹھالیا جائے گا اور ان کے اٹھائے جانے کے ساتھ ساتھ علم اٹھتا جائے گا۔

جبکہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کو اور قرآن کریم کو لوگوں کے سینوں سے ہی محو کر دیا جائے گا۔ پیچھے ”باب رفع العلم وظہور الجہل“ کے تحت ہم ایسی روایات کو بھی تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔

ان دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تعارض کو دور کرنے کے لئے یا تو ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے اور کہا جائے کہ صحیحین کی روایت راجح ہے اور دیگر کتب کی روایات مرجوح۔ یا یوں کہا جائے کہ دونوں صورتیں ہوں گی، پہلے علماء کو اٹھایا جائے گا اور ان کے ساتھ ساتھ علم اٹھتا جائے گا اور پھر آخر میں ایک دم لوگوں کے سینوں سے بھی علم کو محو کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حتى إذا لم يُبقِ عالماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً، فافتوا بغير علم

فضلوا وأضلوا

یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عالم کو باقی نہیں رکھیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سو وہ بغير علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

”لم یبقِ عالماً“ ابقاء سے ہے، اصل میں کے سوا باقی دوسرے نسخوں میں یہاں ”لم یبقِ عالم“ مجرد سے وارد ہے۔

اسی طرح یہاں ”رؤوساً“ (رأس کی جمع) مروی ہے، جبکہ ابوذر کے نسخہ میں ”رؤساً۔“ (رئیس کی جمع) منقول ہے۔ (۱)

قَالَ الْفَرَبْرِيُّ : حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ . [۶۸۷۷]

فربری کہتے ہیں کہ ہمیں عباس نے حدیث سنائی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ہمیں جریر نے حدیث سنائی، وہ ہشام سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔
یہ علامہ فربری راوی صحیح بخاری کا اضافہ ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حدیث مجھے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عباس سے بھی ملی ہے، وہ قتیبہ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ جریر سے اور جریر ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔

تراجم رجال

(۱) فربری

یہ راوی صحیح بخاری محمد بن یوسف بن مطر الفربری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مقدمۃ

الکتاب میں گزر چکے ہیں۔

(۲) عباس

عباس سے مراد کون ہیں؟

عمدة القاری میں ”عباس“ کے ترجمہ میں بیاض ہے، ناثرین نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر دی، جو انہوں نے تقریب التہذیب میں لکھی ہے۔ (۱)

اس عبارت کی رو سے یہ ”عباس بن الفضل بن زکریا ہروی بصری ہیں، ثقہ اور مشہور رواۃ میں سے ہیں، بارہویں طبقہ یا اُس کے بعد کے طبقہ سے ان کا تعلق ہے، صاحب ”الکمال فی أسماء الرجال“ کو وہم ہوا ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا کہ ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے، اس لئے کہ ان کی ولادت ہی ابن ماجہ کے انتقال کے بعد ہوئی ہے۔ (۲) ابن ماجہ کا انتقال ۳۷۳ھ میں ہوا (۳)، جبکہ عباس بن الفضل کی ولادت اس کے بعد ہوئی اور وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی ہے۔ (۴)

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہی عباس یہاں مراد ہیں؟!

بظاہر یہاں فربری کے شیخ عباس بن الفضل نہیں ہیں کیونکہ فربری ان سے عمر میں بڑے ہیں، کیونکہ فربری کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۰ھ میں (۵)، جبکہ عباس بن الفضل ابن ماجہ کی وفات یعنی ۲۷۳ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۳۷۲ھ میں ہوا، گویا عباس فربری سے چالیس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ چھوٹے ہیں، اگرچہ روایت الاصاب عن الاصابہ ناممکن نہیں ہے، لیکن یہاں اس کی کوئی صراحت یا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں عباس کے استاذ قتیبہ ہیں، قتیبہ کی وفات ۲۴۰ھ میں ہو گئی تھی، (۶)

(۱) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۲)۔

(۲) دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۲۹۴) رقم (۳۱۸۴)۔

(۳) تقریب التہذیب (ص ۵۱۴) رقم (۶۴۰۹)۔

(۴) تقریب (ص ۲۹۴) رقم (۳۱۸۴)۔

(۵) الاصاب لسمعیانی (ج ۴ ص ۳۵۹) الفربری۔

(۶) دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۴۵۴)، رقم (۵۵۲۲)۔

جبکہ عباس کی ولادت ہی ۲۷۳ھ کے بعد ہے، لہذا یہاں ”عباس“ سے عباس بن الفضل بن زکریا مراد نہیں ہیں۔
 راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عباس سے عباس بن عبد العظیم عنبری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جو
 اصحاب اصول ستہ کے استاذ ہیں (۱)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایت تعلیقاً نقل کی
 ہے (۲)، یہ قتیبہ کے شاگردوں میں سے ہیں (۳) اور ان کی تاریخ وفات راجح قول کے مطابق
 ۲۴۶ھ ہے۔ (۴)
 واللہ اعلم بالصواب

(۳) قتیبہ

یہ امام قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب إفشاء السلام
 من الإسلام“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۵)

(۴) جریر

یہ جریر بن عبد الحمید ضعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من جعل
 لأهل العلم أياماً معلومة“ کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۵) ہشام

ہشام بن عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث اور کتاب
 الإیمان، ”باب أحب الدين إلى الله أدومه“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۶)
 امام قتیبہ کی یہ روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ (۷)

(۱) دیکھئے الکاشف (ج ۱ ص ۵۳۵)، رقم (۲۶۰۱)۔

(۲) النظر صحيح البخاري (ج ۲ ص ۹۴۹) فائحة كتاب الرقاق، باب ما جاء في الرقاق وأن لا يعيش إلا عيش الآخرة، رقم (۶۵۱۲)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۳ ص ۵۲۷)، ترجمۃ قتیبہ بن سعید، رقم (۴۸۵۲)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۲۲۵) ترجمۃ عباس بن عبد العظیم العسری رقم (۳۱۲۸)۔

(۵) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۱۸۹)۔

(۶) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۱)، و (ج ۲ ص ۴۳۲)۔

(۷) صحيح مسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه، رقم (۶۷۹۶)۔

۳۵ - باب : هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ .

کریمہ اور اصیلی کے نسخوں میں ”یجعل“ کا صیغہ مجہول ہے اور ”یوم“ مرفوع نائب فاعل ہے۔ جبکہ باقی نسخوں میں ”یجعل“ معروف کا صیغہ ہے، اس کا فاعل ”الإمام“ ہے اور ”یوماً“ منصوب ہے۔ (۱)

”علی حدة“ أي علی انفراد۔

حِدَةٌ: حاء کے کسرہ اور دال مفتوحہ مخففہ کے ساتھ ہے، اصل میں ”وحد“ تھا، جس طرح ”وعد“ سے ”عدة“ بنا، اسی طرح ”وحد“ سے ”حِدَة“ بن گیا۔ (۲)

باب سابق سے ربط و مناسبت

گذشتہ باب میں قبض علم کی کیفیت کا بیان تھا اور اس کا فائدہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو علم کے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، اس باب کے فوائد میں سے بھی یہ بات ہے کہ اس میں حفظ علم کی ترغیب ہے کیونکہ عورتوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مرد آپ کو ہر وقت گھیرے رہتے ہیں، ان کو ہر وقت استفادے کا موقع ملتا ہے، ہمارے لئے آپ کوئی دن مخصوص فرمادیں، آپ نے وعدہ فرمایا اور اس مخصوص دن میں آپ تشریف لائے اور انہیں نصیحت فرمائی۔ (۳)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مذکورہ ترجمہ سے یہ ہے کہ جو

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۲) وفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۲)۔

اشخاص مجالس عامہ علمیہ کی شرکت سے معذور ہوں، جیسے نساء، ان کی تعلیم و تبلیغ کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، ان کی حالت کے مناسب خاص اوقات میں علمی باتیں ان کو پہنچائی جائیں، تعمیم تعلیم چونکہ ضروری امر ہے، عام و خاص، خواندہ و ناخواندہ، مرد و عورت سبھی کو حصہ پہنچانا چاہئے۔ (۱) واللہ اعلم۔

دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آیا عورتوں کے واسطے مستقل دن مقرر کیا جاسکتا ہے؟ حدیث باب کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ یہ جائز ہے۔

”ہل“ کے ساتھ

”ترجمہ“ منعقد کرنے کی وجہ

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب روایت سے عورتوں کی مخصوص مجلس جائز ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہل“ کے ذریعہ کیوں باب منعقد کیا، جو تر دو پردال ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حدیث باب کا یہ واقعہ ایک جزئی واقعہ ہے، ہو سکتا ہے یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ تو ایک وقت کی بات تھی، اس سے کوئی عمومی قاعدہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہل“ کے ساتھ باب قائم فرمایا ہے۔ (۲)

یایوں کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہل“ کا لفظ ذکر کر کے تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر واقعہ عورتوں کے لئے مستقل دن مقرر کرنے کی ضرورت ہو اور مقرر کرنے میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں اور اگر ضرورت نہیں ہے یا فتنے کا خطرہ ہے تو احتراز کرنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ان کی درخواست پر ضرورت ایک دن مقرر فرمادیا تھا، یہ کوئی دائمی چیز نہیں تھی، پھر آپ کے حق میں کسی طرح کا خطرہ دور دور کا بھی نہیں تھا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۱) الأبواب والتراجم (ص ۵۴)۔

(۲) دیکھئے الکتر المتواری (ج ۲ ص ۳۳۵)۔

۱۰۱/۱۰۲ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ : يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ^(۱) : قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : غَلَبْنَا عَلَيْكَ الرِّجَالَ . فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ . فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ . فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ . فَكَانَ فِيهَا قَالَ لَهُنَّ : (مَا مِنْكُمْ أَمْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا . إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ) . فَقَالَتِ أَمْرَأَةٌ : وَأَتْنَيْنِ ؟ فَقَالَ : (وَأَتْنَيْنِ) .

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ ابو الحسن آدم بن ابی ایاس عبد الرحمن العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج عتقی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ کتاب و باب کے تحت آچکے ہیں۔ (۳)

(۳) ابن الأصبهانی

یہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن الأصبهانی کوفی جُھنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی اقامت کوفہ میں تھی اور اصہبان

(۱) قولہ: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج ۱ ص ۱۶۷) كتاب الحائض، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، رقم (۱۲۴۹)، و (۱۲۵۰)، و (ج ۲ ص ۱۰۸۷) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب تعليم النبي صلى الله عليه وآله وسلم أمته من الرجال والنساء، مما علمه الله ليس يرأي ولا تمثيل، رقم (۷۳۱۰)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (۶۶۹۹)۔

(۲) كشف الباري (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

تجارت کی غرض سے آنا جانا ہوتا تھا۔ (۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اصلاً اصہبان ہی کے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب اسے فتح کیا اس وقت وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے۔ (۲)

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ ذکوان ابوصالح السمان، زید بن وہب جہنی، سعید بن جبیر، ابو حازم سلمان الأشجعی، عامر شععی، عبد اللہ بن معقل، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اسماعیل بن ابی خالد، زکریا بن ابی زائدہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبۃ بن الحجاج، ابوعوانہ اور ابو حمزہ سُکری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۳)

امام یحییٰ بن معین، ابوزرعة اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لابأس به، صالح الحديث“۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت“۔ (۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۸)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۲۴۲)۔

(۲) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۳)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۲۴۲ و ۲۴۳)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۲۴۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۲۱۷)۔

(۷) الکاشف (ج ۱ ص ۶۳۴)، رقم (۳۲۴۶)۔

(۸) تقریب التہذیب (ص ۳۴۵)، رقم (۳۹۲۶)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”کتاب الثقات“ میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

اصحاب اصول ستہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ (۲)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(۴) ابوصالح ذکوان

یہ ابوصالح ذکوان السمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“

کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الدین الفرار من الفتن“

کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوماً

من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن

عورتوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد حضرات آپ کے پاس آنے میں ہم پر غالب

ہیں، سو آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن مقرر کر دیجئے، آپ نے ان کے ساتھ ایک دن ملنے کا وعدہ

فرمایا، اس دن آپ نے ان کو نصیحت فرمائی اور شریعت کے حکم بتلائے۔

مطلب یہ ہے کہ مرد تو ہر وقت آپ کے پاس رہتے ہیں، جبکہ ہم پہنچ نہیں پاتے، لہذا اپنی طرف سے

ہمارے لئے مستقل دن مقرر کر دیجئے۔

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۶۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۲۴۳)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۸۲)۔

فكان فيما قال لهن: ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجاباً

من النار

آپ نے ان سے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں یہ بات تھی کہ تم میں سے کوئی بھی عورت تین بچوں کو آگے بھیجے تو وہ اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گے۔

”کان لها حجاباً من النار“ میں ”کان“ کا اسم ”التقديم“ ہے، یعنی ”إلا كان التقديم لها حجاباً من النار“ آگے ”جنائز“ میں یہ روایت آرہی ہے، اس میں ”کن“ کا لفظ ہے، جس کی ضمیر ”أنفس“ کی طرف لوٹے گی، جبکہ کتاب الاعتصام میں ”کانوا“ ہے، ضمیر جمع ”أولاد“ کی طرف راجع ہوگی۔ (۱)

فقالت امرأة: واثنين؟ فقال: واثنين

ایک عورت نے کہا کہ اور کوئی دو بچے آگے بھیجے تو اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں! دو پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

یہاں ”امرأة“ سے مراد کون ہے؟

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ام سلیم ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ ام مبشر انصاریہ ہیں، بعض روایات میں سائلہ کا نام ام ایمن ہے، بعض میں حضرت عائشہ کا نام آتا ہے اور بعض روایات میں ام ہانی کا نام آیا ہے۔ (۲)

”واثنين“ میں واو عطف کے لئے ہے اور یہ عطف تلقینی ہے، گویا اُس عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی کہ یا رسول اللہ! ”ثلاثة“ کے ساتھ ”واثنين“ بھی فرمادیتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”واثنين“۔ (۳)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۶)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۴)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۳ ص ۱۲۱ و ۱۲۲) کتاب الجنائز، باب فصل من مات له ولد فاحتسب۔

(۳) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۴)، وشرح الکرمانی (ج ۲ ص ۹۹)۔

جامع ترمذی کی بعض روایات میں ایک کا بھی ذکر وارد ہے۔ (۱)

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تین کا ذکر کیا، پھر دو کا، پھر ایک کا، اس میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مفہوم عدد حدیث میں معتبر نہیں، ایک عدد کے ذکر کرنے سے دوسرے عدد کی نفی لازم نہیں آتی۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوماً فیوماً علم مزید عطا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ کا آپ پر مسلسل احسان بڑھتا جاتا تھا۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ پہلے تو یہ بشارت دی گئی ہو کہ تین بچوں کے مرجانے پر صبر کرنا حجاب من النار کا سبب ہے اور یہ بچے حجاب من النار بن جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام فرمایا، ایک عدد کم کر دیا، دو کو کافی قرار دے دیا، پھر مزید انعام فرمایا اور ایک ہی کو کافی قرار دے دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین کو ذکر کیا، عورت کے کہنے پر آپ پر وحی ہوئی، آپ کو دو کے متعلق علم ہوا اور پھر کسی وقت ایک کے متعلق علم ہو گیا، تو جس جس وقت وحی کے ذریعہ جو معلوم ہوا آپ نے وہ بیان فرما دیا۔ (۳) لہذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اختلاف مختلف عورتوں کے اعتبار سے ہو، اصل میں احتجاب من النار کے لئے صبر کا ایک مخصوص مرتبہ شرط ہے، اس کی ایک خاص مقدار ضروری ہے، اب بعض عورتیں تو ایسی ہیں کہ ان کے ایک بچے ہی پر ان کو وہ مقدار حاصل ہو جاتی ہے، ایسا غم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور بعض عورتوں کے لئے دو پر صبر کرنا اس مقدار تک پہنچاتا ہے اور بعض کے لئے تین پر صبر کرنا۔ والعلم عند اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

(۱) عن عبد اللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من قدم ثلاثة لم يبلغوا الحنث كانوا له حصناً حصيناً من النار۔ قال أبو ذر: قدمت اثنين؟ قال: واثنين، فقال أبي بن كعب سيد القراء: قدمت واحداً؟ قال: وواحداً، ولكن إنما ذاك عند الصدمة الأولى۔"

عن ابن عباس أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: من كان له فرطان من أمتي أدخله الله بهما الجنة، فقالت له عائشة: فمن كان له فرط من أمتك؟ قال: ومن كان له فرط يا موفقة، قالت: فمن لم يكن فرط من أمتك؟ قال: فأنا فرط أمتي لن يصابوا بمثلتي۔ جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من قدم ولداً، رقم (۱۰۶۱) و (۱۰۶۲)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۳ ص ۱۲۲) کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتمس۔

(۳) حوالہ بالا۔

فائدہ

واضح رہے کہ فوت ہو جانے والے بچوں کے ساتھ مؤنث یا مذکر ہونے کی قید ملحوظ نہیں ہے، بلکہ یہ فضیلت ہر بچہ پر حاصل ہوگی، خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ (۱)

پھر حدیث باب میں اگرچہ عورتوں سے خطاب کر کے یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ صرف ان کے ساتھ مختص نہیں بلکہ مردوں کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی، کیونکہ کتاب الجنائز میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے ”ما من الناس من مسلم يتوفى له ثلاث لم يبلغوا الحنث إلا أدخله الله الجنة بفضل رحمته إياهم“۔ (۲) یعنی ”جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحم فرماتے ہوئے جنت میں داخل کریں گے۔“

حجاب بننے کے لئے ایک شرط عدم بلوغ ہے

اس کے بعد سمجھئے کہ دوزخ کی آگ سے حجاب بننے کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں:

ایک شرط اگلی روایت میں مذکور ہے ”لم يبلغوا الحنث“ حنث کے زمانہ کو نہ پہنچے ہوں، حنث سے مراد بلوغ ہے، اصل میں حنث کے معنی ”گناہ“ کے ہیں اور بلوغ سے پہلے گناہ نہیں لکھا جاتا، تو گویا بلوغ کا زمانہ گناہ کا ہوا، اس لئے گناہ بول کر بلوغ مراد لیا جاتا ہے۔ (۳)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”بلوغ حنث“ سے مراد یہ ہے کہ ایسے زمانے کو پہنچ جائے کہ جس میں قسم توڑنے اور حنث ہونے پر مواخذہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسا بلوغ کے بعد ہوتا ہے۔ (۴)

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حنث کے معنی ”گناہ“ ہی کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ

(۱) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۹۹)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۶۷) کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، رقم (۱۲۴۸)۔

(۳) قال ابن الأثير: ”الحنث: الذنب والإثم، المعنى: أنهم لم يبلغوا حتى تكتب عليهم الذنوب التي يعملونها“۔ جامع الأصول

(ج ۹ ص ۵۸۹) کتاب الفضائل، فضل المرض والنوائب والموت، الفصل الثاني في موت الأولاد، رقم الحديث (۷۳۵۹)۔

(۴) فتح الباری (ج ۳ ص ۱۲۰) کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اگر وہ مر جائے، اس کے مرنے پر والدین صبر کریں تو ان کو اجر و ثواب ملے گا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ اکملی ہے، چونکہ چھوٹے بچوں کی موت زیادہ صبر کی متقاضی ہے اور ان کی شفاعت کی بھی زیادہ امید ہے، اس لئے یہ قید لگائی گئی ہے، ورنہ بڑوں کے انتقال پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی، چنانچہ جس طرح چھوٹے بچوں پر صبر کرنا جنت تک پہنچانے والا اور نار سے حجاب ہے، ایسے ہی بڑے بچوں پر صبر کرنا بھی حجاب ہوگا۔ (۱)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اکملی نہیں بلکہ احترازی ہے، کیونکہ حجاب تو وہ بن سکتا ہے جو اپنے بارے میں مطمئن ہو اور بالغ کو تو اپنی فکر ہوتی ہے، وہ دوسروں کے لئے کیا حجاب ہوگا؟!

تنبیہ

ابن قریول نے علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ ”خبث“ بفتح الخاء المعجمة والباء الموحدة بھی پڑھا گیا ہے، اس کا مطلب انہوں نے ”لم يبلغوا أن يعملوا المعاصي“ بتایا ہے، ابن قریول کہتے ہیں کہ یہ ضبط داودی کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا، بہر حال محفوظ ”خبث“ (بالحاء المهملة والنون) ہے نہ کہ ”خبث“۔ (۲) واللہ اعلم۔

حجاب بننے کی دوسری شرط احتساب ہے

حجاب بننے کے لئے دوسری شرط جو یہاں مذکور نہیں وہ احتساب ہے، یہ شرط دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ وہ احتساب کرے، یعنی راضی بالقضاء ہو اور اپنے صبر پر ثواب کی امید رکھے، بغیر احتساب کے اجر و ثواب نہیں ملا کرتے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول:

(۱) دیکھئے مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (ج ۴ ص ۹۲) کتاب الجنائز، باب المكاء علی الميت، آخر الفصل الأول۔

(۲) فتح الباری (ج ۳ ص ۱۲۰) کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

من مات له ثلاثة من الولد، فاحتسبهم دخل الجنة.....“۔ (۱) یعنی ”جس کے تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ ثواب کی امید رکھے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال

لنسوة من الأنصار: لا يموتن إلا حداكن ثلاثة من الولد فتحتسبهن إلا دخلت الجنة.....“۔ (۲)

یعنی ”آپ نے انصار کی عورتوں سے فرمایا کہ تم میں کسی کے اگر تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ اس پر ثواب کی امید رکھے تو جنت میں داخل ہوگی۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتساب کی شرط یوں بھی ضروری ہے کیونکہ شریعت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ بغیر نیت کے ثواب نہیں ملتا، لہذا حدیث میں وارد فضیلت حاصل ہونے کے لئے ”احتساب“ کی شرط ہے، چنانچہ وہ احادیث جن میں یہ شرط مذکور نہیں ان کو بھی مقید احادیث پر محمول کیا جائے گا۔ (۳) واللہ اعلم

(۱۰۲) : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ ، عَنْ ذَكْوَانَ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، بِهَذَا (۴) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : (ثَلَاثَةٌ لَمْ يَتْلُغُوا الْحِثَّ) . [۱۱۹۲ ، ۶۸۸۰ وانظر : ۱۱۹۳]

(۱) رواه أحمد ورجاله ثقات، قاله الهيثمي في مجمع الزوائد (ج ۳ ص ۷) كتاب الجنائز، باب فيمن مات له ابنان۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (۶۶۹۸)۔

(۳) ”وقد عرف من الفوائد الشرعية أن الثواب لا يترتب إلا على النية، فلا بد من قيد الاحتساب، والأحاديث المطلقة محمولة على السقطة“۔ فتح الباري (ج ۳ ص ۱۱۹) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

(۴) قوله: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج ۱ ص ۱۶۷) كتاب الجنائز، باب فضل

من مات له ولد فاحتسب، رقم (۱۲۵۰) و(۱۲۵۱)، و(ج ۲ ص ۹۸۵) كتاب الإيمان والندور، باب قول الله تعالى: ﴿وَأَقْسَمُوا

بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾، رقم (۶۶۵۶)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم

(۶۶۹۶-۶۶۹۸) و(۶۷۰۰)۔ والنسائي في سننه، في كتاب الجنائز، باب من يتوفى له ثلاثة، رقم (۱۸۷۶) و(۱۸۷۷)۔

والترمذي في جامعه، في أبواب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من قدم ولداً، رقم (۱۰۶۰)، وابن ماجه في سننه، في كتاب

الجنائز، باب ما جاء في ثواب من أصيب بولده، رقم (۱۶۰۳)۔

تراجم رجال

(۱) محمد بن بشار

یہ مشہور محدث محمد بن بشار بن بشار رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظة والعلم کیلا ینفروا“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) غنندر

یہ مشہور محدث ابو عبد اللہ محمد بن جعفر بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو غنندر کے لقب سے معروف ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) شعبہ

امام شعبۃ بن الحجاج کے حالات کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) عبد الرحمن بن الأصہبانی

ان کے حالات پچھلی حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔

(۵) ذکوان

ابوصالح ذکوان السمان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۲۲۱)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۰)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۶) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الدین الفرار من الفتن“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۷) ابو حازم

یہ سلمان الأشجعی الکوفی مولیٰ عزة الأشجعیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)

یہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابو مالک سعد بن طارق الأشجعی، سلیمان الأشعمش، سیار ابوالحکم، طلحہ بن مصرّف، عبدالرحمن بن الأصہبانی، عدی بن ثابت الأنصاری، منصور بن المعتمر اور یزید بن کيسان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۳)

امام احمد، امام ترمذی بن معین اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة وله أحاديث صالحة“۔ (۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أجمعوا على أنه ثقة“۔ (۷)

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۸۲)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۵۹)۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۵۹ و ۲۶۰)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۶۰)۔

(۵) الطبقات لابن سعد (ج ۶ ص ۲۹۴)۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۴۰)۔

(۷) حوالہ بالا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

ابو حازم کا انتقال حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں ہوا۔ (۲)

فائدہ

ابو حازم کنیت کے ایک اور راوی سلمۃ بن دینار الأعرج ہیں، ان دونوں راویوں میں اشتباہ ہو جاتا ہے، کیونکہ کنیتوں میں اشتراک ہے، دونوں تابعی ہیں، دونوں صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ہی ثقہ ہیں۔

البتہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ابو حازم سلمان الأشجعی کا انتقال پہلی صدی ہجری کے اختتام پر، یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں ہوا، جبکہ ابو حازم سلمۃ بن دینار کا انتقال ۱۳۵ھ میں ہوا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ابو حازم سلمان الأشجعی کی روایتیں صحیحین میں صرف حضرت ابو ہریرہ سے ہیں، جب کہ ابو حازم سلمۃ بن دینار نے سوائے سہل بن سعد کے کسی اور صحابی سے روایت نہیں لی۔ (۳) واللہ اعلم

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

مذکورہ دونوں طرق کو ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مذکورہ دو طرق سے لا کر دو اہم فائدوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ باب کی پہلی حدیث میں ”ابن الأصبهانی“ میسّم تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ شیخ کی

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۸)۔

(۳) دیکھئے مسند القاری (ج ۲ ص ۱۳۵)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

حفاظت کی غرض سے اسی طرح برقرار رکھا تھا، اس دوسرے طریق میں ”ابن الأصبهانی“ کے نام کی تصریح آگئی کہ وہ ”عبدالرحمن“ ہیں۔

دوسرا فائدہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ”لم يبلغوا الحنث“ کی قید کا ہے، جو پہلی روایت میں نہیں ہے۔ (۱)

تنبیہ

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہذا تعلیق من البخاری عن عبد الرحمن“ یعنی ”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں ”وعن عبد الرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت أبا حازم عن أبي هريرة“ کی سند سے جو روایت نقل کی ہے وہ تعلیق ہے۔“ (۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست نہیں، بلکہ یہ موصول روایت ہے اور ”وعن عبد الرحمن“ کا عطف اس سے پہلے جو روایت آئی ہے اس میں ”عن عبد الرحمن“ پر ہے، یعنی امام شعبہ اس کو عبدالرحمن بن الأصبهانی کے واسطے سے دو طریق سے نقل کرتے ہیں، ایک طریق ”شعبۃ عن عبد الرحمن بن الأصبهانی عن ذکوان عن أبي سعيد الخدري“ ہے اور دوسرا طریق ”شعبۃ عن عبد الرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت أبا حازم عن أبي هريرة“ ہے۔ (۳) مسلم شریف میں یہ روایت ”محمد بن بشار عن غندر“ کے طریق سے موصول مروی ہے۔ (۴)

پھر امام بخاری ان حدیثوں کو دو طرق سے نقل کرتے ہیں، ایک میں ان کے اور شعبہ کے درمیان ایک واسطہ ہے، یعنی آدم بن ابی ایاس اور دوسرے طریق میں دو واسطے ہیں، ایک محمد بن بشار بن ابی ہریرہ اور دوسرے محمد بن جعفر غندر۔ پہلا طریق چونکہ عالی ہے اس لئے اسے پہلے لے کر آئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۵)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

(۲) شرح الکرمالی (ج ۲ ص ۹۸)۔

(۳) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۵)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

(۴) ”حدثنا محمد بن المثنی وابن بشار قالوا حدثنا محمد بن جعفر، عن حدثنا عبد الله بن معاذ، حدثنا أبي، قالوا: حدثنا شعبۃ عن عبد الرحمن بن الأصبهانی فی هذا الإسناد بمثل معناه، وإذا جميعا عن شعبۃ عن عبد الرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت أبا حازم يحدث عن أبي هريرة قال: ثلاثة لم يبلغوا الحنث“۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحسنه، رقم (۶۷۰۰)۔

۳۶ - باب : مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَجَعَ حَتَّى يَعْرِفَهُ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

سابق باب میں عورتوں کے وعظ اور ان کی تعلیم کا ذکر تھا، چونکہ ان کی فہم میں قصور ہوتا ہے اس لئے مراجعت عالم کی ضرورت پڑ سکتی ہے، اس باب میں عدم فہم کی وجہ سے مراجعت مذکور ہے، اس طرح دونوں ابواب کے درمیان مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باب کی غرض وہ ہے جو ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”باب من أعاد الحديث ثلاثاً“ کی غرض کے طور پر بیان کی ہے کہ اگر طالب علم کی سمجھ میں استاذ کی تقریر نہ آئے اور طالب علم اعادہ کی درخواست کرے تو یہ کوئی بلا دت اور حماقت نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ان لوگوں کی تردید ہے جو اعادہ حدیث کو ناپسند کرتے اور اس کو بلا دت اور غباوت سمجھتے ہیں۔ (۲)

حضرت شیخ البندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے سمجھنے کی غرض سے جو مراجعت ہو اس کی فضیلت بیان کرنا منظور ہے، یا یہ مطلب ہے کہ مراجعت میں عالم کی سوء ادبی اور متعلم کی تحقیر نہیں، اس لئے نہ عالم کو ناگوار ہونا چاہئے، نہ متعلم کے لئے حیا کرنا مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۳)

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۶)۔

(۲) مکتبہ المصنوعی (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

(۳) الأبیات والمراجعة (ص ۵۹)۔

لیکن ترجمۃ الباب کا واضح مقصد جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر طالب علم استاذ کی کوئی بات نہ سمجھ سکے، یا وہ سمجھ تو گیا لیکن اس پر اسے کوئی اشکال پیش آیا ہے تو اس بات کو سمجھنے اور اپنے اشکال کو رفع کرنے کی غرض سے مراجعت کر سکتا ہے، بلکہ مراجعت کرنی چاہئے، تاکہ آدمی اشکال میں پھنسا نہ رہے، دیکھئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا ”من حوسب عذاب“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً سوال کیا ”أولیس يقول الله تعالى: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾؟“ مطلب یہ ہے کہ یا رسول اللہ! آپ تو علی الاطلاق ”من حوسب عذاب“ فرما رہے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا وہ معذب ہوگا، حالانکہ قرآن پاک کی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حساب یسیر والے مفلحین اور فائزین ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ آیت میں حساب سے مراد اور ہے اور میرے کلام میں اور، آیت میں حساب سے مراد عرض یعنی پیشی ہے، اعمال نامہ کھول کر اوراق گردانی کر دی جائے گی اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور میں نے جو ”من حوسب عذاب“ کہا ہے یہاں ”حساب“ سے ”مناقشہ“ مراد ہے، یعنی ہر بات کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ یہ کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ واللہ اعلم

۱۰۳ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ : أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ (۱) كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ . إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (مَنْ حُوسِبَ عَذَابٌ) . قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ : أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى : ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ . قَالَتْ : فَقَالَ : (إِنَّمَا ذَلِكَ الْعَرَضُ ، وَلَكِنْ : مَنْ نُوقِشَ لِحِسَابِ يَهْلِكَ) . [٤٦٥٥ ، ٦١٧١ ، ٦١٧٢]

(۱) قولہ: ”عائشہ رضی اللہ عنہا“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في (ج ۲ ص ۷۳۶) كتاب التفسير، سورة: إذا نساء، انشئت، باب: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾، رقم: (۴۹۳۹)، وفي (ج ۲ ص ۹۶۷ و ۹۶۸) كتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذاب، رقم: (۶۵۳۶)، و (۶۵۳۷)، و مسلم في صحيحه، في كتاب الحنة وصفة نعيمها وأهلها، باب إثبات الحساب، في آية أب صفة القيامة، باب منه (من نوقش هلك)، رقم (۲۴۲۶)۔

تراجم رجال

(۱) سعید بن ابی مریم

یہ سعید بن الحکم بن محمد بن سالم جُصَحی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کنیت ابو محمد ہے اور سعید بن ابی مریم کے نام سے معروف ہیں۔ (۱)

یہ عبداللہ بن عمر عمری، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، سلیمان بن بلال، ابراہیم بن سوید، امام مالک، لیث بن سعد، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، عبدالعزیز بن ابی حازم، ابو غسان محمد بن مطرف، مغیرہ بن عبدالرحمن حزامی اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، ابو حاتم، ابو عبید القاسم بن سلام، عثمان بن سعید الدارمی، اسحاق بن منصور اللکوج، محمد بن یحییٰ ذہلی اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سعید بن عفیر صالح وسعید بن الحکم لا بأس به، وهو أحب إلي من ابن عفیر“۔ (۳)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن أبي مریم عندي حجة“۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۹۱)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۹۲-۳۹۴)، وتہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۷ و ۱۸)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۸)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۹۴)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة من الثقات“۔ (۱)

اصول ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات قبول کی ہیں۔ (۲)

۲۲۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۲) نافع بن عمر

یہ نافع بن عمر بن عبد اللہ جُمحی قرشی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۴)

یہ عبد اللہ بن ابی ملیک، امیہ بن صفوان جُمحی، بشر بن عاصم ثقفی، عبد الملک بن ابی محذورہ، عمرو بن دینار، سعید بن حسان اور سعید بن ابی ہند رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عبد اللہ بن المبارک، یحیی القطان، ابواسامہ حماد بن اسامہ، عبد الرحمن ابن مہدی، امام وکیع، یزید بن ہارون، عبد اللہ بن مسلمہ القعنسی، سعید بن ابی مریم، محمد بن یوسف فریابی اور ابوسلمہ تبوزکی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۵)

عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان من أثبت الناس“۔ (۶)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت ثبت صحيح الحديث“۔ (۷)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”نافع بن عمر أحب إلي من عبد الجبار بن الورد، وهو أصح حديثاً،

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۹۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۸۷)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۸۷ و ۲۸۸)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۷ ص ۴۳۳)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۸۹)۔

(۷) حوالہ بالا۔

وہو فی الثقات، ثقۃ۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقۃ۔ (۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقۃ۔ (۳)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سئل أبی عنہ، فقال: ثقۃ، وسألت أبی عنہ: یحتج

بحدیثہ؟ قال: نعم۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ”الإمام الحافظ الثبت۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کو ذکر کیا ہے۔ (۶)

البتہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ثقۃ قلیل الحدیث فیہ شیء۔ (۷)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”هذا نوع من العت، والرجل فکما

قال الإمام أحمد، وكما قال ابن مهدي فيه: كان من أثبت الناس، وقال ابن معین والنسائي

وأبو حاتم: ثقۃ۔ (۸)

یعنی ایسے ثقہ شخص کے بارے میں ”فیہ شیء“ کہہ کر تضعیف کرنا ایک نوع کا تشدد ہے جبکہ ان کی توثیق

تمام ائمہ نے کی ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن سعد کے کلام کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”احتج به الأئمة، وقد

قدمنا أن تضعیف ابن سعد فیہ نظر؛ لاعتمادہ علی الواقدي۔ (۹)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا، نیز دیکھئے الجرح والتعديل لابن ابی حاتم (ج ۸ ص ۵۲۰) رقم (۱۵۳۹۵/۲۰۸۸۸)۔

(۵) سیر اعلام النبلاء (ج ۷ ص ۴۳۳)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۵۳۳)۔

(۷) الطبقات لابن سعد (ج ۵ ص ۴۹۴)۔

(۸) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۲۴۱) رقم (۸۹۹۴)۔

(۹) هدی الساری (ص ۴۴۷)۔

یعنی ”ان سے تمام ائمہ نے احتجاج کیا ہے، ہم بتا چکے ہیں کہ ابن سعد کی اس تضعیف میں نظر ہے، کیونکہ انہوں نے واقدی پر اعتماد کیا ہے۔“

لہذا ابن سعد کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں، نافع بن عمر ثقفی، مثبت اور حجت ہیں۔
 نافع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا۔ (۱)

(۳) ابن ابی ملیکہ

یہ عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ تیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مختصر حالات ”بلد الوحي“ کی دوسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۳)

أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم كانت لا تسمع شيئاً لا تعرفه إلا راجعت فيه حتى تعرفه

حضرت عائشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ جب کبھی کوئی ایسی بات سنتیں جس کے بارے میں انہیں علم نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں مراجعت فرماتی تھیں، تا آنکہ اسے اچھی طرح جان لیتیں۔

وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من حوسب عذب، قالت عائشة:

(۱) الکاشف (ج ۲ ص ۳۱۵)، رقم (۵۷۸۵)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۵۴۸)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۱)۔

فقلت: أوليس يقول الله تعالى: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسيراً﴾؟، قالت: فقال: إنما ذلك العرض، ولكن من نوقش الحساب يهلك۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا محاسبہ کیا جائے گا وہ معذب ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے کہ ”ان لوگوں کا آسان محاسبہ ہوگا؟“ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ وہ تو محض پیشی ہے، البتہ جس سے حساب کتاب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک دن یہ قصہ پیش آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”من حوسب عذب“ فرمایا یعنی جس کا محاسبہ کیا جائے گا اس کو عذاب ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اشکال پیش آیا کہ ایک طرف تو آپ یہ فرما رہے ہیں کہ جس کا نبی حساب ہوگا وہ معذب ہوگا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیبوں کا تذکرہ کیا جن کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا، وہ کامیاب لوگ ہوں گے، ان کے بارے میں آیا ہے کہ ان کا بھی محاسبہ ہوگا، اگرچہ وہ آسان ہوگا ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً ۖ وَنُقِلْتُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُوراً﴾ (۱) گویا ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ آیت میں ”حساب“ سے مراد عرض اور پیشی ہے اور میرے کلام میں حساب سے مراد مناقشہ ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ یہ کیوں ہوا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟ وغیرہ۔

واللہ أعلم بالصواب

۳۷ - باب : لِيُبْلَغَ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .

ما قبل کے باب کے ساتھ مناسبت

ما قبل کے باب میں یہ مذکور تھا کہ عالم سے جب کوئی بات سنے تو متعلم یا سامع مراجعت کر سکتا ہے، اس کے نتیجے میں عالم متعلم اور سامع کو سمجھائے گا اور یہ تبلیغ ہے، گویا کہ مراجعت کرنے والا غائب تھا، اس لئے سن نہیں سکا تھا اور اب مراجعت کر کے سن اور سیکھ رہا ہے، اس باب میں بھی حاضر کا غائب کو پہنچانا اور سکھانا ہے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت ہو گئی۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے ”بلغوا عني ولو آية“ (۲) تو اس سے تبلیغ آیت قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ تبلیغ آیت قرآنی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے، خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو۔ (۳)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تبلیغ علم کی صریح تاکید اور تعلیم ہے، جو مجلس علم میں حاضر ہو اس کو چاہئے کہ جو احکام سنے وہ غائبین کو سنادے، اہل علم پر تبلیغ بالاستقلال لازم ہے، جس میں

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۳۸)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۴۹۱) كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم (۳۴۶۱)۔

(۳) دیکھئے الكنز السنوي (ج ۲ ص ۳۳۹)، و تقریر بخاری شریف (ج ۱ ص ۱۹۵ و ۱۹۶)۔

سوال سائل یا کسی حاجت مند کے انتظار کی ضرورت نہیں اور قلیل یا کثیر جتنا معلوم ہو اُتنے ہی کی تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔ (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس باب سے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کسی مسئلے کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے اور حاضرین کو معلوم نہ ہو تو سوال کا انتظار نہ کرے، بلکہ مسئلہ بیان کر دے، دیکھئے! حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ عمرو بن سعید مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا اور لشکر کشی کرنا چاہتا ہے، اس نے حضرت ابو شریح سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، چونکہ ان کو حدیث معلوم تھی اس لئے انہوں نے سوال کا انتظار کئے بغیر جا کر اُسے حدیث سنادی۔ واللہ اعلم

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : عَنْ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت ابن عباس نے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو ترجمہ قائم فرمایا ہے وہ حدیث پاک ہے، اس کا حوالہ انہوں نے تعلیقاً ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہہ کر دیا ہے۔

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب الحج میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ (۲)

لیکن اس روایت کے کسی طریق میں ”العلم“ کا لفظ موجود نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ چونکہ مقصود اور مراد یہی ”علم“ کی تبلیغ ہے، اس لئے یہ قید بڑھادی۔ (۳)

(۱) الأبواب والتراجم (ص ۵۵۵)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۳۴) کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، رقم (۱۷۳۹)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)۔

۱۰۴ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُسُفَ قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِي شَرِيحٍ : أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرٍو بْنِ سَعِيدٍ - وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ - أَتُذَنُّ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ ، أُحَدِّثُكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ ، سَمِعْتُهُ أَذْنًا يَ وَوَعَاهُ قَلْبِي ، وَأَبْصَرْتُهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ : حَمِدَ اللَّهَ وَأَتَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ : (إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ ، فَلَا يَحِلُّ لِمَرِيئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ فِيهَا دَمًا ، وَلَا يَعْصِدَ بِهَا شَجَرَةً ، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيهَا ، فَقُولُوا : إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ ، وَلَيَبْلُغَنَّ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ) .

فَقِيلَ لِأَبِي شَرِيحٍ : مَا قَالَ عَمْرٍو ؟ قَالَ : أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شَرِيحٍ ، لَا يُعِيدُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ . [۱۷۳۵ ، ۴۰۴۴]

تراجم رجال

(۱) عبد اللہ بن یوسف (۲)

یہ مشہور امام و محدث ابو محمد عبد اللہ بن یونس تئیس کلاعی دمشق رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

یہ سعید بن عبد العزیز، سعید بن بشیر، امام مالک، امام لیث بن سعد، صدقہ بن خالد اور بکر بن مضر رحمہم اللہ

(۱) قوله: "عن أبي شريح"، الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۲۴۷) في كتاب الحج (جزء الصيد)، باب لا يعصد شجر الحرم، رقم (۱۸۳۲)، وفي (ج ۲ ص ۶۱۵) كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة، بعد باب منزل النبي صلى الله عليه وسلم يوم الفتح)، رقم (۴۲۹۵) - ومسلم في صحيحه في كتاب الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلوها وشجرها ولقطنها إلا لشد على الدوام، رقم (۳۳۰۴) - والنسائي في سننه، في كتاب المناسك، باب تحريم القتال فيه، رقم (۲۸۷۹) - والترمذي في جامعه، في فاتحة أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة، رقم (۸۰۹)، وفي كتاب الديات، باب ما جاء في حكم ولي القنيل في القصاص والعفو، رقم (۱۴۰۶) -

(۲) ان کے مختصر حالات کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں، دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۲۸۹) -

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۳۳) -

تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

- ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ترمذی بن معین، امام محمد بن ترمذی، ابواسحاق جوزجانی، ربیع بن سلیمان مرادی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اجلہ محدثین ہیں۔ (۱)
- امام عجلۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)
- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان من أثبت الشاميين“۔ (۳)
- ابومسیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عبد اللہ بن یوسف الثقة المقنع“۔ (۴)
- امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما بقي على أديم الأرض أحد أوثق في المؤطا من عبد الله بن يوسف التنيسي“۔ (۵)
- یعنی ”سطح زمین پر مؤطا کی روایت میں عبد اللہ بن یوسف تنیسی (رحمۃ اللہ علیہ) سے بڑھ کر مضبوط کوئی باقی نہیں رہا“۔

- امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”هو أئقن من مروان الطاطري، وهو ثقة“۔ (۶)
- ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة حسن الحديث“۔ (۷)
- امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة متفق عليه“۔ (۸)
- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة متقن من أثبت الناس في المؤطا“۔ (۹)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۶ ص ۳۳۳ و ۳۳۴)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۵۷ و ۳۵۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱۶ ص ۳۳۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۸۷)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تقریب التہذیب (ص ۳۳۰)، رقم (۳۷۲۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

ان تمام توثیقات کے مقابلہ میں ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ ضعفاء کے لئے لکھی گئی مخصوص کتاب ”الکامل“ میں کیا ہے۔ (۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے تھے ”متی سمع من مالک؟ ومن رآه عند مالک؟“۔ (۳)

لیکن خود ابن عدی نے یہ واقعہ نقل کیا تو ساتھ ہی محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کا یہ واقعہ بھی ذکر کیا کہ وہ ابومسہر سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ عبد اللہ بن یوسف نے مؤطا میرے ساتھ ۱۶۶ھ میں امام مالک سے سنی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کہتے ہیں کہ میں نے ابن بکیر سے یہ بات ذکر کی، اس کے بعد سے انہوں نے پھر کچھ نہیں کہا۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أساء ابن عدي بذكره في الكامل“۔ (۵)
نیز وہ فرماتے ہیں:

”ابن يوسف أثبت في المؤطا من ابن بكير وأوثق بكثير، وناهيك أن يحيى بن معين قال: ما بقي على أديم الأرض أوثق من ابن يوسف في المؤطا“۔ (۶)
یعنی ”ابن یوسف مؤطا میں ابن بکیر کے مقابلے میں اثبت اور بہت زیادہ ثقہ ہیں، یہی کافی ہے کہ ابن معین کہتے ہیں زمین کی سطح پر ابن یوسف سے بڑھ کر ثقہ مؤطا کے بارے میں کوئی باقی نہیں رہا۔“

خود ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۳۴۹)۔

(۲) الكامل لابن عدي (ج ۴ ص ۲۰۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔ نیز دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۲۸)، رقم (۴۷۱۲)۔

(۴) الكامل (ج ۴ ص ۲۰۵)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۲۸)، رقم (۴۷۱۲)۔

(۶) حوالہ بالا۔

”وعبد الله بن يوسف، هو صدوق لا بأس به، والبخاري مع شدة استقصائه اعتمد عليه في مالك وغيره، ومنه سمع الموطأ، وله أحاديث صالحة، وهو خير فاضل“۔ (۱)

یعنی ”عبد اللہ بن یوسف“ صدوق لا بأس بہ ہیں، امام بخاری باوجود شدید استقصاء کے امام مالک کی روایتوں میں ان پر اعتماد کرتے ہیں، ان ہی سے انہوں نے موطا کا سامع کیا، ان کی اچھی خاصی احادیث ہیں، وہ صاحب خیر اور فاضل ہیں۔

عبد اللہ بن یوسف تنیس کا انتقال ۲۱۸ھ میں ہوا۔ (۲) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۲) اللیث

یہ مشہور امام لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدا الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) سعید

یہ ابوسعید سعید بن ابی سعید مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الدین یسر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۴) ابو شریح رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابو شریح خزاعی عدوی کعمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۵)

(۱) الکامل (ج ۴ ص ۲۰۵)۔

(۲) الکاشف (ج ۱ ص ۶۱۰)، رقم (۳۰۶۹)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۴)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۰۰)۔

ان کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، خوید بن عمرو، عبدالرحمن بن عمرو، عمرو بن خوید وغیرہ کئی نام وارد ہیں، لیکن مشہور خوید بن عمرو ہے۔ (۱)

یہ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، فتح مکہ کے موقع پر بنی کعب کے تین پرچموں میں سے ایک پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ (۲)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ابوسعید مقبری، سعید بن ابی سعید مقبری، سفیان بن ابی العوجاء اور نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۳)

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان أبو شریح الخزاعی من عقلاء أهل المدينة.....“۔ (۴)
حضرت ابو شریح سے تقریباً بیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے دو حدیثیں متفق علیہ ہیں، ایک حدیث میں امام بخاری متفرد ہیں۔ (۵)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۶۸ھ میں ہوا۔ (۶)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاه

أنه قال لعمر بن سعید - وهو يبعث البعوث إلى مكة -

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید سے فرمایا اس وقت جب وہ مکہ مکرمہ فوج بھیج رہا تھا۔

- (۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۰۰)، والاستیعاب بہامش الإصابة (ج ۱ ص ۴۴۱ و ۴۴۲)، حرف السجاء، (ج ۴ ص ۱۰۱ و ۱۰۲) النکئی، والإصابة (ج ۴ ص ۱۰۱ و ۱۰۲)۔
- (۲) دیکھئے طبقات ابن سعد (ج ۴ ص ۲۹۵) ومراجع مذکورہ بالا۔
- (۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۰۱)۔
- (۴) الاستیعاب بہامش الإصابة (ج ۴ ص ۱۰۲)۔
- (۵) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۳۹)، خلاصة الخزرجی (ص ۳۵۲) میں ہے ”لہ عشرون حدیثاً، اتفاقاً علی حدیثین، وانفراد (ج ۴ م) بحديث“۔ اس میں ”م“ کا رمز بظاہر صحیح نہیں ہے، دیکھئے تحفة الأشراف (ج ۹ ص ۲۲۳-۲۲۶)۔
- (۶) دیکھئے نکات (ج ۲ ص ۴۳۴) رقم (۶۶۷۴)۔

حضرت ابوشریح کی نصیحت کا تاریخی پس منظر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۵ رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے، انہوں نے اپنی زندگی کے آخر میں یزید بن معاویہ کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور سارے لوگوں سے اس کے لئے بیعت لے لی تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو اپنا وصی بنایا، اُس وقت یزید شکار کے لئے گیا ہوا تھا، اُن سے یہ کہا کہ جب یزید آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور یہ کہہ دینا کہ اہل حجاز اور اہل شام کا خیال رکھے، ابن عمر سے کوئی ڈر نہیں، البتہ حسین اور عبداللہ بن الزبیر کی بیعت کا اہتمام کرے۔

جب یزید آیا تو اس کو پیغام پہنچایا گیا، یزید نے مدینہ منورہ کے والی ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا، اس نے حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو بلا بھیجا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فوری طور پر نال دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے حشم و خدم کی ایک فوج لے کر پہنچ گئے، ان کو باہر بٹھا دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی خطرے کی بات سنو تو اندر آ جاؤ اور خود اندر تشریف لے گئے۔

ولید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کا پیغام سنایا، حضرت حسین نے فرمایا کہ مجھ جیسے آدمی کی بیعت اور یوں تنہائی میں! مجھ سے مجمع عام میں بیعت کرالو، ولید آشتی پسند آدمی تھا، اس نے کہہ دیا بہت اچھا! وہیں مروان بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ ان سے ابھی یہیں بیعت لے لو، اگر بیعت نہیں کرتے تو ان کو قتل کر دو، اس وقت اگر یہ یہاں سے چلے گئے تو تمہارے اور ان کے درمیان بڑی خونریزی ہوگی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ گئے اور فرمایا ”ابن الزرقاء! أنت تقتلنی أم هو؟ کذبت واللہ ولؤمت“۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر واپس آ گئے۔

ان کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی، اب تم ان پر زندگی بھر قابو نہیں پاسکو گے، ولید نے کہا کہ:

”ویح غیرک یا مروان، واللہ ما أحب أن لی ماطلعت علیہ الشمس وغربت عنہ من

مال الدنیا ومملکھہا، وأنی قتلت حسینا إن قال: لا أبايع، واللہ إنی لأظن أن امرأ

یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند اللہ یوم القیامة“۔

یعنی ”اے مروان! افسوس! بخدا! میرے پاس دنیا کے اموال میں سے سب کچھ ہو جس پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے، مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے مقابلہ میں حسین کے بیعت کے انکار کرنے پر حسین کو قتل کر ڈالوں، بخدا! میں سمجھتا ہوں کہ جس شخص سے حسین کے خون کا حساب لیا جائے گا وہ اللہ کے نزدیک قیامت میں بہت ہلکا وزن والا ہوگا۔“

مروان نے بھی ظاہری طور پر ولید کی تائید کی۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہی ہوتی رہی، ان کے پیچھے ولید اپنے آدمیوں کو بھیجتا رہا، لیکن وہ موقع دیکھ کر چپکے سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے احباب سے مشورہ کیا اور مکہ مکرمہ نکل گئے۔

ولید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا، انہوں نے کہلا بھیجا کہ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو میں بھی کر لوں گا، ارباب اقتدار کو ان کی طرف سے کوئی خاص خطرہ بھی نہیں تھا، ایک روایت کے مطابق انہوں نے بیعت کر لی تھی۔

یزید کو جب ان ساری باتوں کا علم ہوا تو اس نے سمجھ لیا کہ ولید نے کوتاہی کی ہے، چنانچہ اس کو معزول کر کے مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔

عمرو بن سعید رمضان ۶۰ھ میں مدینہ طیبہ پہنچا اور ذوالقعدہ ۶۰ھ سے امور امارت انجام دینے شروع کئے۔

ادھر یہ ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ نے خط لکھا اور اپنے یہاں بلایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر احباب نے ان کو منع کیا، لیکن چونکہ مقدر غالب تھا، کوفہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ان کی شہادت کا واقعہ فاجعہ پیش آیا۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی بنیاد پر لوگوں کو شامیوں کا ظلم و ستم بتا کر بھڑکا دیا، بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

عمرو بن سعید نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کے مقابلہ اور محاصرہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا، جب مروان کو

اطلاع ہوئی تو وہ آیا اور اس نے کہا دیکھو! مکے پر چڑھائی کے لئے لشکر مت بھیجو، عمرو بن سعید کی سمجھ میں بات آگئی، وہ رک گیا، لیکن عمرو بن الزبیر جو عبد اللہ بن الزبیر کا باپ شریک بھائی تھا، وہ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا اور وہ عمرو بن سعید کے شرطیوں کا سردار تھا، اس نے کہہ دیا ”واللہ لنغزونه فی جوف الکعبۃ علی رءسہم أنف من رءسہم“۔ یعنی ”کوئی کتنا ہی جلے بھنے، ہم تو ضرور بالضرور کعبہ شریف کے اندر بھی لڑنا پڑے تو لڑیں گے۔“

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو جب اس لشکر کشی کے مقصد کا علم ہوا تو وہ تشریف لائے، اس سے اجازت چاہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائی جو آگے آرہی ہے، عمرو بن سعید کو یزید نے تاکید حکم بھیجا کہ عمرو بن الزبیر کو مکہ بھیجا جائے، چنانچہ یہ لشکر مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔

ادھر مکے والوں نے تیاری کی، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن صفوان کی سرکردگی میں فوج کو مقابلہ کے لئے بھیجا، دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، عمرو بن الزبیر کی فوج کو شکست ہوئی، اس کا بیٹا مارا گیا اور خود گرفتار ہو گیا، گرفتاری کے بعد کوڑوں کی سزا ہوئی، اسی میں وہ مر گیا۔

اسی سال ۶۱ھ میں یزید نے عمرو بن سعید کو معزول کر کے دوبارہ ولید بن عتبہ کو گورنر مقرر کر دیا، اس نے حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو قابو کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا، دوسری طرف ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ایک اور تدبیر کی اور یزید کے پاس لکھ بھیجا کہ یہ ولید ایک احمق شخص ہے، جو کسی اچھی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کی جگہ کوئی نرم اخلاق کا آدمی ہوتا تو مشکلات دور ہو سکتی تھیں، چنانچہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا، یہ ایک نا تجربہ کار نوجوان تھا، اس نے مدینہ منورہ سے یزید کے پاس اشراف پر مشتمل ایک وفد بھیجا، یزید نے وفد کا خوب اکرام کیا، لیکن یہ وفد جب واپس آیا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ یزید شرابی کبابی آدمی ہے، نماز نہیں پڑھتا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کی بیعت توڑ دی، اس طرح دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی شامیوں سے تعلق توڑ دیا، عثمان بن محمد کو نکال کر عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۶۲ھ کا ہے۔

یزید کو جب اہل مدینہ کے فسخ بیعت کے بارے میں پتہ چلا تو وہ بہت طیش میں آیا اور پیچ و تاب کھانے لگا،

اس نے اپنے خواص سے مشورہ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے وصیت کی تھی کہ اہل مدینہ کے سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو مسلم بن عقبہ المری کو استعمال کرنا، چنانچہ طے پایا مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ لشکر بھیجا جائے، یہ سن رسیدہ اور بیمار شخص تھا، یزید نے ہدایت کی کہ اگر یہ مر جائے تو اس کی جگہ حصین بن نمیر کو امیر بنایا جائے اور یہ کہہ دیا کہ اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی جائے، اگر وہ مان جائیں فبہا ورنہ مدینہ طیبہ نعوذ باللہ مباح ہے۔

یہ لشکر مدینہ طیبہ پہنچا، اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی گئی، وہ نہیں مانے، طرفین میں جنگ ہوئی، اہل مدینہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن ہوا یہ کہ بنو حارثہ نے شامیوں کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا، جب قلب شہر سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی تو اہل مدینہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بیچارے مجبور ہو گئے، پھر تو شامیوں نے زبردست خونریزی کی، ساتھ سو کے قریب مہاجرین و انصار شہید ہوئے اور دس ہزار کے قریب موالی کہا جاتا ہے کہ شامیوں نے زنا اور فجور کا بازار گرم کیا، حتیٰ کہ ایک ہزار باکرہ عورتیں حاملہ ہوئیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اس کے بعد اس نے اہل مدینہ سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں، چاہے آزاد کرے، چاہے بیچ ڈالے اور پھر مکہ کو روانہ ہو گیا، یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔

ابھی راستہ ہی میں تھا کہ مقام ”مشل“ یا ”ثنیۃ حرشی“ پہنچ کر وہ مر گیا، مرتے مرتے اس نے حصین بن نمیر سکونی کو بلایا اور کہا کہ اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں کبھی اپنا جانشین نہ بناتا، لیکن چونکہ یزید کا حکم ہے، اس لئے تمہیں اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں، اس کے بعد اسے کچھ مزید وصیتیں کیں اور مر گیا۔

اس کے مرنے کے بعد حصین بن نمیر ۶۴ھ محرم کے مہینہ کے اواخر میں مکہ پہنچا، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا، مقابلہ شروع ہوا، حتیٰ کہ ربیع الاول کے شروع ہوتے ہی بیت اللہ شریف پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے گئے اور اسی طرح انہوں نے بیت اللہ شریف پر آگ بھی برسائی، جس سے غلاف کعبہ جل گیا، یہاں تک کہ ربیع الاول ہی میں یزید کی موت واقع ہو گئی، ربیع الثانی میں یہ خبر شامیوں سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی، انہوں نے شامیوں سے کہا کہ تم کیوں لڑ رہے ہو، تمہارا طاغیہ تو مر چکا؟ ابتداء انہوں نے تسلیم نہیں کیا، لیکن بعد میں یقین ہو گیا، اس طرح یہ لشکر واپس ہو گیا۔

اب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور بہت سے لوگوں نے ان سے بیعت کی، لیکن ادھر شام میں پہلے معاویہ بن یزید بن معاویہ کی بیعت ہوئی، چند مہینوں میں وہ انتقال کر گیا، اس کے بعد مروان بن الحکم خلیفہ بنا، مروان کے بعد عبدالملک خلیفہ بنا، یہ بڑا بااعتماد خلیفہ تھا، اس نے آہستہ آہستہ دار الاسلام کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ۷۳ھ میں اپنے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرادیا۔ (۱)

یہ سارا قصہ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے مربوط ہے، ورنہ مقصود تو ابتدائی قصہ تھا، جس میں عمرو بن سعید کے مکہ پر لشکر بھیجنے کا قصہ تھا۔

أذن لي أيها الأمير أحدثك قولاً قام به النبي صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح، سمعته أذنائي ووعاه قلبي وأبصرته عيناى حين تكلم به

اے امیر! آپ مجھے ایک بات سنانے کی اجازت دیجئے، جس پر آپ نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا، میرے دونوں کانوں نے وہ بات سنی، میرے دل نے اسے محفوظ کیا اور جس وقت آپ نے وہ بات ارشاد فرمائی تھی میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو متاثر کرنے کے لئے تلفظ کا راستہ اختیار کیا اور فرمایا "أذن لي أيها الأمير....."

"أحدثك" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

"قام به النبي صلى الله عليه وسلم" کا مطلب ہے "قام به خطيباً"۔

"سمعته أذنائي ووعاه قلبي وأبصرته عيناى" کہہ کر حدیث سنانے سے مقصد یہ باور کرانا ہے کہ

مجھے کسی قسم کا ذہول نہیں ہوا اور نہ ہی سنتے ہوئے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

(۱) تمام تفصیلات کے لئے دیکھئے الکامل لابن الأثير (ج ۳ ص ۲۵۹-۲۵۰ وما بعدها)، والإصابة (ج ۳ ص ۴۹۳ و ۴۹۴) القسم

الثالث، تراجم مسند من عفة، رقم (۸۴۱۴)، ووفيات الأعيان لابن حلكان (ج ۶ ص ۲۷۶) تراجم يزيد بن القعقاع الفارسي۔

حمد اللہ، وأثنی علیہ، ثم قال:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور پھر فرمایا۔

إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس

بے شک مکہ کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا۔

آگے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے (۱)، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

حدیث بھی آرہی ہے، جس میں تصریح ہے کہ ”إن إبراهيم حرم مكة“ اور اس روایت میں ”إن مكة حرمها

الله ولم يحرمها الناس“ آیا ہے، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصل تحریم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ

السلام کے اپنے اجتہاد سے نہیں، گویا ”إن إبراهيم حرم مكة“ کا مطلب ہے ”إن إبراهيم حرم مكة بأمر

الله تعالى لا باجتهاده“۔

یایہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفان نوح کے بعد جب مکہ کی تحریم مخفی ہو گئی تھی تو پھر مکہ

کی تحریم کا اعلان فرمایا۔

یایوں کہا جائے کہ ”أن الله قضی يوم خلق السماوات والأرض أن إبراهيم سيحرم مكة“۔

یایہ مطلب ہے ”أن إبراهيم أول من أظهر تحريمها بين الناس وكانت قبل ذلك عند الله

حراماً“۔ (۲)

فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً

سو کسی شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ وہاں خون بہائے۔

یہاں ایمان کی قید لگائی گئی ہے، اس سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں۔

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۸۶)، کتاب النبوع، باب بركة صاع النبي صلى الله عليه وسلم ومذهبه، رقم (۲۱۲۹) و

(ج ۱ ص ۴۷۷) کتاب أحاديث الأنبياء، باب (بدون ترجمة، بعد باب: يزفون النسلان في المشي)، رقم (۳۳۶۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۴ ص ۴۳) کتاب جزاء الصيد، باب لا يعضد شجر الحرم۔

کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حنفیہ کے یہاں کئی اقوال ہیں:-

ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المنار میں لکھا ہے کہ کفار ایمان کے تو مخاطب ہیں، اسی طرح سوائے حد شرب کے باقی عقوبات کے بھی مخاطب ہیں، اسی طرح معاملات کے بھی مخاطب ہیں۔

البتہ عبادات کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

علماء سمرقند کہتے ہیں کہ کفار عبادات کے نہ اعتقاداً مخاطب ہیں اور نہ اداءً۔

علماء بخارا کہتے ہیں کہ وہ اعتقاداً تو مخاطب ہیں، البتہ اداءً مخاطب نہیں ہیں۔

جبکہ فقہاء عراق کہتے ہیں کہ وہ عبادات کے اعتقاداً بھی مخاطب ہیں، اور اداءً بھی، لہذا آخرت میں دونوں کا سوال ہوگا، مشائخ بخارا کے نزدیک صرف ترک اعتقاد پر مؤاخذہ ہوگا، ترک اداءً پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، جبکہ مشائخ سمرقند کے نزدیک صرف ترک ایمان پر مؤاخذہ ہوگا، باقی عبادات کے ترک پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، نہ ترک اعتقاد پر اور نہ ترک اداءً پر۔ (۱)

البتہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کو جو ہم معاملات میں مکلف ٹھہراتے ہیں اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ آخرت میں اس پر ثواب اور عقاب مرتب ہوگا تو اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ دنیوی احکام میں صحت و فساد کا حکم لگے گا، یعنی جس طرح ایک مسلمان کے معاملات کے بارے میں ہم صحت و فساد کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح کفار کے معاملات پر بھی دنیا میں صحت و فساد کا حکم لگے گا تو اس میں یہ عموم درست نہیں، کیونکہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی کافر بغیر گواہوں کے یا کسی دوسرے کافر کی معتدہ عورت سے نکاح کر لے اور اس طرح کرنا ان کے دین میں جائز ہو، پھر یہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کو اسی نکاح پر برقرار رکھا جائے گا، اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی کہ یہاں بطور حق حرمت ثابت کرنا ممکن نہیں، کیونکہ حقوق شرع کے کفار مخاطب نہیں ہوتے اور نہ ہی بطور حق

(۱) دیکھئے رد المحتار (ج ۳ ص ۲۵۴) کتاب الجہاد، مطلب فی أن الکفار محاضون، نیز دیکھئے کشف الأسرار شرح المنار

(ج ۱ ص ۹۵ و ۹۶) و کشف الأسرار علی أصول الردی (ج ۴ ص ۲۵۲ - ۲۵۴) بیان ما یجب علی الکافر وما لا یجب۔

زوج عدت واجب کی جاسکتی ہے، کیونکہ زوج اس کا معتقد ہی نہیں ہے۔

اسی طرح ابن البہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان حربی کو مردار، خنزیر یا چوہا فروخت کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں مال کماتا ہے تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے۔ اگر کفار معاملات کے صحت و فساد کی بنیاد پر مکلف ہوتے تو پہلی صورت میں نکاح درست نہ ہوتا اور دوسری صورت میں مال حلال نہ ہوتا، ایسی اور بھی نظیریں موجود ہیں جو تتبع اور تلاش سے مل سکتی ہیں، لہذا جس طرح عقوبات سے حد شرب کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح معاملات میں بھی کوئی ایسی قید لگائی جائے، جس سے کتب فقہ میں صراحۃً وارد شدہ فروع کا استثناء ہو سکے۔ (۱) واللہ اعلم

شافعیہ کے یہاں تین اقوال ہیں:

ایک قول کے مطابق کفار منہیات کے مخاطب ہیں، مامورات کے نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کسی چیز کے مخاطب نہیں۔

تیسرا قول جو محققین کا قول ہے اور اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ مامورات و منہیات سب کے

مخاطب ہیں۔ (۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دونوں اقوال میں تطبیق دی ہے کہ کفار دنیا میں مخاطب نہیں ہیں کہ ان

سے بحالت کفر نماز روزے وغیرہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان پر قضا واجب نہیں اور

آخرت میں مخاطب ہیں، یعنی ترک پر آخرت میں ان سے مؤاخذہ ہوگا۔ (۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتیں منقول ہیں، ایک یہ کہ وہ مخاطب ہیں، دوسری یہ کہ مخاطب نہیں

ہیں۔ (۴)

(۱) دیکھئے فتح الملہم (ج ۱ ص ۵۴۱ و ۵۴۲) کتاب الإیمان، باب الدعاء إلی الشہادتین و شرائع الإیمان۔

(۲) دیکھئے شرح النووی علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۲۷) کتاب الإیمان، باب الدعاء إلی الشہادتین و شرائع الإسلام۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) "واختلف أهل العلم في خطابه بفروع الإسلام في حال كفره مع إجماعهم على أنه لا يلزمه قضاؤها بعد إسلامه، حكى

عن أحمد في هذا روايتان" المعني لابن قدامة (ج ۱ ص ۲۳۹)۔

کیا حدیثِ باب کفار کے

مخاطب بالفروع نہ ہونے پر دلیل ہو سکتی ہے؟

لیکن حدیثِ باب کفار کے غیر مخاطب ہونے کی دلیل نہیں، اس لئے کہ یہاں ایمان کی قید ممکن ہے اس لئے لگائی گئی ہو کہ اہل ایمان ہی احکامِ شریعت کو مانتے ہیں، یا یہ کہا جائے کہ یہ قید براہِ یختہ کرنے کے لئے ہے اور یہ بتانے کے لئے ہے کہ ایمان اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔

فائدہ

”یؤمن باللہ والیوم الآخر“ میں صرف مبداء اور معاد کا تذکرہ کیا، ایمان باللہ سے مبداء کی طرف اشارہ فرمایا اور ایمان بالیوم الآخر سے معاد کی طرف، اس کے ضمن میں باقی سب ایمانیات خود داخل ہو گئیں۔

أَن يَسْفِكَ بَهَا دَمًا

کہ وہاں خون بہایا جائے۔

”یسفک“ باب ”ضرب“ سے ہے، اس کو معروف بھی پڑھا گیا ہے اور مجہول بھی۔ (۱)

حرمِ مکہ میں قتال کا حکم

مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا، وہاں کے رہنے والوں سے جنگ و قتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

علامہ ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اہل مکہ پر چڑھائی نہ کی جائے، ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے، اگر اہل مکہ بغاوت کر بیٹھیں اور بغیر قتال کے ان کو راہِ راست پر لانا ممکن ہو تو قتال درست نہیں۔

اگر بغیر قتال کے وہ بغاوت سے باز نہ آئیں تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ ان سے قتال کیا جائے گا، کیونکہ اہل بغی کے ساتھ قتال حقوق اللہ میں سے ہے، جس کو تلف کرنا درست نہیں۔

کچھ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ قتال درست نہیں، البتہ ان کے اوپر اس طرح تنگی کی جائے گی کہ وہ اطاعت کی طرف لوٹ آئیں اور بغاوت سے باز آجائیں۔ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جمہور کے مطابق ہے۔ (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تحریم القتال فی مکہ کا بھی ہے، جس کو قتال رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور بعض علماء شافعیہ و مالکیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ابن المنیر، ابن دقیق العید، امام طبری اور ابن العربی رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے، (۳) حنفیہ میں سے علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (۴)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔ (۵)

جمہور علماء، جو قتال کے جواز کے قائل ہیں، وہ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں قتال کے حرام ہونے سے مراد مخصوص کیفیت قتال ہے، مثلاً منجنيق وغیرہ نصب کر کے قتال نہ کیا جائے، جس کی ایذا رسانی عام ہوتی ہے، جبکہ حرمت قتال کے قائلین کہتے ہیں کہ حدیث مطلق ہے، اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قتال کی اجازت دی گئی تھی وہ مطلق قتال کی اجازت تھی نہ کہ مخصوص قتال کی، لہذا مذکورہ تاویل نہیں چل سکتی، اس کے علاوہ سیاق حدیث دلالت کر رہا ہے کہ حرمت قتال اس بقعہ کی حرمت کے اظہار کے لئے ہے کہ اس میں مطلقاً سفک دماء حرام ہے، ظاہر ہے کہ سفک دماء عام ہے، اس کو عمومی ضرر رساں آلات کے ساتھ مخصوص کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ (۶)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۴ ص ۴۸) کتاب جزاء الصيد، باب لا یحل القتال بمکة، وإعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۵۳۲ و ۵۳۳)، کتاب السیر، باب لا یجوز قتل من لجأ إلى الحرم مسلماً کان أو ذمياً أو حربياً، وأحكام القرآن للعلامة ظفر أحمد العثماني (ج ۱/۱ ص ۷۰)۔

(۲) فتح الباری (ج ۴ ص ۴۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حاشیۃ السندي علی صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۳۴) کتاب جزاء الصيد، باب لا یحل القتال بمکة۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) دیکھئے فتح الباری (ج ۴ ص ۴۸)، وإعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۵۳۲ و ۵۳۳)، وحاشیۃ السندي علی البخاری (ج ۱ ص ۳۳۴)۔

حرم مکہ میں قتل و قصاص کا حکم

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جنایت کرے تو کیا حرم میں اس سے قصاص لیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اگر اس کی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے۔

اور اگر جنایت قتل کی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس نے جنایت کہاں کی ہے؟ اگر جنایت قتل حرم میں کی ہے تو اس کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس سے بھی حرم ہی میں قصاص لیا جاسکتا ہے۔ اور اگر جنایت قتل کا ارتکاب حرم سے باہر کیا ہے اور پھر اس نے حرم میں پناہ لی ہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ اس کے بارے میں بھی استیفاء قصاص کے قائل ہیں۔ جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس سے حدود حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حرم سے خود ہی باہر آ جائے، پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (۱) شافعیہ اور مالکیہ اولاً اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ زانی کو کوڑے لگانے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور اسی طرح قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا حکم ہے، ان امور میں کسی مکان کی تخصیص نہیں ہے۔

اسی طرح ان کا استدلال ”الحرم لا یعیذ عاصیاً ولا فارّاً بدم ولا فارّاً بخربة“ سے بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن نطل کے قتل کا حکم دیا تھا، جبکہ وہ غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا تھا۔ (۲) نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص جو جنایت کر کے حرم کی طرف بھاگا ہے، جس کا دم عصیان کی وجہ سے مباح ہو گیا ہے، وہ کلب عقور کی طرح ہے، جیسے کلب عقور کو حرم میں بھی مار ڈالا جاتا ہے، اسے بھی حرم میں پناہ

(۱) دیکھئے المغنی لایس قدامة (ج ۹ ص ۹۰-۹۲)، وأوجز المسائل (ج ۸ ص ۱۷۶) کتاب الحج، باب جامع الحج، وأحكام الفران للعلامة طفر أحمد العثماني (ج ۱/۱ ص ۶۹) وبدائع الصنائع (ج ۷ ص ۱۱۴)، وإعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۵۳۲-۵۳۵)، کتاب السير، باب لا يجوز قتل من لجأ إلى الحرم۔

(۲) دیکھئے موطا امام مالک (مع أوجز المسائل ج ۸ ص ۱۷۲) کتاب الحج، باب جامع الحج۔

نہیں ملے گی۔ (۱)

حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال آیت قرآنی ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (۲) سے ہے، یہ اگرچہ خبر ہے لیکن

مراد امر ہے۔ (۳)

اسی طرح حدیث باب سے بھی استدلال کرتے ہیں:

”إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس، فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً، ولا يعضد بها شجرة، فإن أحد ترخص لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا: إن الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لكم، وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار، ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس، وليبلغ الشاهد الغائب“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”هذا بلد حرمه الله يوم خلق السموات والأرض.....“۔ (۴)

سے بھی حنفیہ و حنابلہ استدلال کرتے ہیں۔

جہاں تک شوافع و مالکیہ کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ زانی کو کوڑے لگانے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور قاتل سے قصاص لینے کا حکم ہے اور ان کے لئے کسی مکان کی تخصیص نہیں ہے۔ سو یہ بات تو مسلم ہے کہ ان امور کے اجراء کے لئے ممکنہ و ازمنہ کا عموم ہے، کسی بھی جگہ کسی بھی زمانہ میں ان کا اجراء ہو سکتا ہے، اس کے لئے غیر متعین طور پر کوئی بھی مکان کافی ہے، لہذا اس کا اجراء غیر حرم میں ہو سکتا ہے۔

پھر اگر عموم ممکنہ مراد لے کر حدود حرم میں اجراء قصاص کا جواز ثابت کریں، تب بھی ہماری مذکورہ روایات سے اس میں تخصیص ضروری ہوگی، خاص طور پر اس لئے کہ خود یہ حضرات حاملہ اور وہ مریض جس کی صحت کی توقع ہو، کی سزا کو مؤخر کرتے ہیں، حالانکہ عموم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بغیر تاخیر کے سزا جاری کی جائے،

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے المغنی لابن قدامة (ج ۹ ص ۹۰ و ۹۱)۔

(۲) آل عمران ۹۷۔

(۳) المغنی (ج ۹ ص ۹۱)۔

(۴) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۴۷) کتاب جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكة، رقم (۱۸۳۴)۔

جب وہ ان کی تخصیص کر سکتے ہیں تو دلائل کی روشنی میں ہم مذکورہ صورت کی بھی تخصیص کر سکتے ہیں۔

شافعیہ کا ”الحرم لا یعیذ عاصیاً..... الخ“ سے استدلال کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ یہ تو عمرو بن سعید کا قول ہے۔

جہاں تک ابن نطل کے قتل کا تعلق ہے، سو وہ اس رخصت میں داخل ہے جس کا ذکر حدیث باب میں آیا

ہے ”وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار، ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها أمس“۔

شافعیہ نے اس پر یہ کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر وہاں داخل ہوتے ہی مکمل قبضہ کر لیا تھا اور سب مطہج ہو گئے تھے، وہ وقت (یعنی ایک ساعت) حرمت سے مستثنیٰ تھا، اس کے بعد دوبارہ حرمت

آچکی تھی کہ بعد میں ابن نطل کے قتل کا حکم دیا گیا، معلوم ہوا کہ آپ نے حرم میں اقامت حد کا حکم دیا ہے۔ (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایک ”ساعت“ تک قتال کی اجازت دی گئی تھی، اس سے مراد اصطلاحی گھنٹہ نہیں، بلکہ صبح سے لے کر عصر تک کا پورا وقت ہے، اس وقت کے اندر اندر ابن نطل کو قتل کیا گیا ہے، چنانچہ ”عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده“ کے طریق سے امام احمد نے روایت نقل کی ہے کہ یہ اجازت عصر تک تھی۔ (۲)

پھر کلب عقور پر قیاس بھی درست نہیں، کیونکہ اس کی طبیعت میں ایذا رسانی ہے، اس لئے حرم نے اس کی ایذا سے بچانے کے لئے اسے پناہ نہیں دی، جبکہ آدمی کے اندر اصل حرمت ہے اور اس کی حرمت بھی بہت عظیم ہے لہذا یہ قیاس مع الفارق ہے، پھر آدمی نے جنایت باہر کی ہے اور اس نے حرم کے اندر کسی قسم کا انتہاک نہیں کیا، بلکہ حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی پناہ لی ہے۔ (۳)

جہاں تک حد و حرم میں قتل یا موجب حد گناہ کے ارتکاب کا تعلق ہے، سو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ تمام

علماء کے نزدیک بالاتفاق اس سے وہیں قصاص لیا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی۔

(۱) دیکھئے شرح النووي علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۴۳۹)، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام۔

(۲) دیکھئے مسند أحمد (ج ۲ ص ۱۷۹)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)، وأوهر المسائل (ج ۸ ص ۱۷۵ و ۱۷۶)، کتاب الحج،

باب جامع الحج۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے المعنی لابن قدامة (ج ۹ ص ۹۱)، وزاد المعاد (ج ۳ ص ۴۴۲-۴۴۹)۔

وجہ یہ ہے کہ جس طرح ”حل“ والوں کو ارتکاب جرائم سے روکنے کی ضرورت ہوتی ہے، ”حرم“ والوں کے لئے بھی زاجر کی ضرورت ہے، اگر ان کے حق میں حدود نافذ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حقوق معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اس نے ارتکاب جنایت کر کے حرم کی حرمت کا انتہاک کیا ہے، لہذا حرم اس کی صیانت کا ذمہ نہیں لے گا، برخلاف اُس صورت کے کہ اُس نے قتل کا ارتکاب حدودِ حرم سے باہر کر کے وہاں جا کر پناہ لی ہو تو چونکہ حرم کی حرمت کا انتہاک نہیں ہوا، اس لئے حرم اسے اپنی حفاظت میں لے گا۔ (۱)

جہاں تک مادون النفس جنایات کا تعلق ہے سو اس کی سزا وہاں نافذ ہوگی، خواہ جنایت غیر حرم میں ہوئی ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں قتل کی نہی تو ثابت ہے، چنانچہ فرمایا ”فلا یحِلُّ لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر أن یسفک بہا دمًا“ سفک دم قتل ہی سے کنایہ ہے، ظاہر ہے کہ مادون النفس کا مرتبہ نفس سے بہر حال کم ہے۔ (۲)

پھر مادون النفس اور اطراف کا معاملہ اموال کی طرح ہے، جس طرح مالی معاملات کا وہاں تصفیہ ہو سکتا ہے مادون النفس کا تصفیہ بھی وہاں ہو سکے گا۔ واللہ اعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض حضرات نے حنفیہ کی دلیل ”أن یسفک بہا دمًا“ جو مطلق خونریزی کی حرمت پر دال ہے، کی یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سے ناجائز خونریزی مراد ہے، لہذا جو شخص جنایتِ قتل کر کے حرم میں داخل ہو گیا ہو اس کا خون بہانا ناجائز نہیں ہے، لہذا اس سے وہاں قصاص لیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس میں حرم کی کیا تخصیص؟ ناجائز خونریزی تو جہاں کہیں بھی ہو جائز نہیں ہے، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے فرماتے ہیں ”فإن أحد ترخص لقتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

وسلم فیہا.....“ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قتال اور سفکِ دم کیا ہے، ظاہر ہے کہ آپ نے ناجائز خون ریزی نہیں کی ہے، آگے اسی قتالِ جائز کی تخصیص بیان کی گئی ہے ”فقولوا: إن اللہ قد أذن لرسولہ ولم يأذن لکم“ تو جب جائز قتال اور جائز سفکِ دم آپ کے ساتھ خاص ہو گیا تو آگے دوسروں کے لئے جواز کی کیا صورت رہ جاتی ہے؟! ان کے لئے تو ناجائز ہی ہوگا۔ (۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

ولا یعضد بہا شجرة

اور وہاں کسی درخت کو نہ کاٹا جائے۔

عَضَدَ یعضدُ باب ضرب سے ہے، اس کے معنی ہیں کاٹنا۔ مِعْضَدَ کاٹنے کا آلہ۔ (۲)

حرم مکہ کی نباتات و اشجار کے قطع کا حکم

مکہ مکرمہ کے اشجار و نباتات کی تین قسمیں ہیں:-

ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔
دوسرے وہ جن کو کسی نے اُگایا تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس میں سے ہیں، جنہیں لوگ عام طور سے اُگاتے ہیں۔

اس دوسری قسم کی نباتات کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔

تیسری قسم خود رو پودوں اور گھاس وغیرہ کی ہے، اس قسم میں سے صرف ”اذخر“ گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں، البتہ خود رو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا وغیرہ مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

حاصل یہ کہ ”ولا یعضد بہا شجرة“ میں شجرہ سے مراد وہ گھاس اور پودے وغیرہ ہیں جو خود اُگے ہوں، وہ نہ تو ”ما أنبتہ الناس“ کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ

(۱) دیکھئے المغنی (ج ۹ ص ۹۱)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)۔

مرجھائے ہوئے ہوں، نیز ”اذخر“ بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزاء واجب ہوگی۔ (۱) واللہ اعلم

فإن أحد ترخص لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا: إن الله قد أذن لرسوله، ولم يأذن لكم

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں قتال کی وجہ سے رخصت حاصل کرنے کی کوشش کرے تو تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی ہے، تمہیں اجازت نہیں دی۔

یعنی اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے سے استدلال کرے اور یہ کہے کہ حضور نے چڑھائی کی ہے لہذا ہم بھی چڑھائی کرتے ہیں، ہمارے لئے بھی جائز ہے تو تم یہ کہہ دو کہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی، تمہیں اجازت نہیں دی، لہذا تم چڑھائی نہیں کر سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکہ پر چڑھائی کر کے جانا اور وہاں قتال کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، کما سبق تفصیلہ۔

مکہ مکرمہ عنوة فتح ہوا یا صلحا؟

پھر یہ روایت اس بات پر صراحت دلاتی کر رہی ہے کہ مکہ مکرمہ عنوة فتح ہوا تھا، یہی جمہور علماء کی رائے ہے، اس کے مقابلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ صلحا فتح ہوا تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں، ایک قول امام شافعی کے مطابق ہے اور ایک قول جمہور کے موافق۔

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدير (ج ۳ ص ۳۳)، کتاب الحج، فصل في جزاء الصيد، وبتدفع الصنائع (ج ۲ ص ۲۱۰)۔

کتاب الحج، فصل: وأما الذي يرجع إلى الثبات دیگر مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے المعنى لابن قدامة (ج ۳ ص ۱۶۸)۔

(۱۷۱)، کتاب الحج، تحریم قطع شجر الحرم ونباته إلا الإذخر، والمجموع شرح المذهب (ج ۷ ص ۴۴۷-۴۵۳)، وزاد

المعاد في هدي خير العباد (ج ۳ ص ۴۴۹-۴۵۲)، والحاوي الكبير للماوردي (ج ۵ ص ۴۱۲-۴۱۷)، کتاب الحج، باب

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ کے صلحاً فتح ہونے کے قول کو مستحسن سمجھتے ہوئے اپنی کتاب ”وسیط“ میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ عنوة فتح ہوا ہے اور فرمایا کہ یہی ان کا مذہب ہے۔ (۱)

وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار

میرے لئے بھی تو وہاں صرف دن کی ایک ساعت تک قتال کی اجازت دی تھی۔

”أذن“ معروف بھی پڑھا گیا ہے ای أذن اللہ لی۔ اور مجہول بھی مروی ہے۔ (۲)

”ساعت“ وقت کی ایک مقدار کو کہتے ہیں، اس سے مراد یوم الفتح ہے۔ (۳)

یوم الفتح میں صبح طلوع شمس سے لے کر عصر تک کا وقت مستثنیٰ تھا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ (۴)

ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس

پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسی حرمت کل تھی۔

یعنی جیسی حرمت آج سے پہلے تھی اسی طرح اس کی حرمت دوبارہ لوٹ آئی۔

وليبغ الشاهد الغائب

اور چاہئے کہ حاضر غائب کو پہنچادے۔

یہی مقصود بالترجمة ہے۔

(۱) بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (ج ۳ ص ۴۲۹-۴۳۴) فصل فی الإشارة إلى ما فی العزوة من الغف والمصائف۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔ مسند أحمد (ج ۲ ص ۱۷۹) میں ہے ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: لما فتحت مكة على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كفوا السلاح إلا خراعة عن بني بكر، فأذن لهم حتى صلى العصر، ثم قال: كفوا السلاح،.....“

فقیل لأبی شریح: ما قال عمرو؟

ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے کیا کہا؟

مطلب یہ ہے کہ کسی نے حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس حدیث کے سنانے کے بعد عمرو

بن سعید نے کیا جواب دیا؟

قال: أنا أعلم منك يا أبا شريح

اس نے کہا کہ اے ابو شریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

لا يعيد عاصياً ولا فاراً بدم، ولا فاراً بخربة

حرم کسی عاصی کو پناہ نہیں دیتا، نہ کسی ایسے شخص کو جو قتل کر کے بھاگا ہو اور نہ اس شخص کو جو چوری

کر کے بھاگا ہو۔

عاصی: عصیان سے ہے، خروج عن الطاعة کو عصیان کہتے ہیں، گویا عاصی سے باغی مراد ہے۔

”فار بالدم“ سے مراد قتل کر کے بھاگنے والا ہے۔ (۱)

”خربة“ خاء معجمہ اور راء مہملہ کے فتح کے ساتھ ہے، اس کے بعد باء موحده ہے۔ (۲)

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”خربة“ در اصل عیب کو کہتے ہیں، یہاں ”خربة“ کا مفہوم یہ ہے

کہ کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح اپنے ساتھ مختص کرنا اور اس پر غالب ہونا چاہتا ہے جس کی شریعت اجازت

نہیں دیتی۔ (۳)

اسی طرح ”خربة“ کے معنی ”سرقة“ کے بھی ہیں، خاص طور پر اونٹوں کی چوری پر ”خربة“ کا اطلاق ہوتا تھا،

(۱) فتح الباری (ج ۴ ص ۴۴ و ۴۵) کتاب جزاء الصيد، باب: لا يعيد شجر الحرم۔

(۲) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۴۰) رشح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)۔

(۳) جامع الأصول (ج ۹ ص ۲۸۷)۔

بعد میں تو ساعام چوری پر بھی اس کا اطلاق کیا جانے لگا۔ (۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر ”جنایت“ سے کی ہے۔ (۲)

بعض حضرات نے اس کو ”خربة“ (بفتح الخاء المعجمة وسكون الراء المهملة وبعدها باء موحدة) بتایا ہے (۳)، ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ”فساد“ کے ہیں (۴)، صحیح بخاری میں ایک جگہ اس کے معنی ”بلیۃ“ مذکور ہے۔ (۵)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ویروی: ولا فارًا بخزية“۔ (۶) یعنی اس لفظ کو خائے معجمہ مکسورہ اور زای معجمہ ساکنہ اور اس کے بعد یاء مثناة کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے، جس کے معنی رسوائی اور باعث عار امر کے ہیں۔ (۷)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ”جیم“ اور ”زای“ کے ساتھ ”جزیہ“ بھی نقل کیا ہے (۸)، لیکن یہ روایت ثابت نہیں (۹)۔ واللہ اعلم

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، لیکن عمرو بن سعید نے گریز کیا اور یہ کہہ دیا کہ تم اس کو عام سمجھ رہے ہو، حالانکہ یہ حدیث خاص ہے، مجرم اور عاصی جو جرم کر کے حرم میں پناہ لے تو اُسے وہاں پناہ نہیں ملتی۔ (۱۰)

(۱) جامع الأصول (ج ۹ ص ۲۸۸)۔

(۲) جامع الترمذی، فتح أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۸)۔

(۴) شرح صحیح البخاری لائن بطل (ج ۱ ص ۱۸۲)۔

(۵) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۹۷)، کتاب جزاء القبیح، باب: لا یعصده شجر الحرم، رقم (۱۸۳۲)۔

(۶) جامع الترمذی، فتح أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة، رقم (۸۰۹)۔

(۷) جامع الأصول (ج ۹ ص ۲۸۸)۔

(۸) شرح التکریماتی (ج ۲ ص ۱۰۵)۔

(۹) فتح الباری (ج ۴ ص ۴۵)۔

(۱۰) مکتبۃ شرح صحیح البخاری لائن بطل (ج ۱ ص ۱۸۰)۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سعید کا کلام قول بالموجب کی قبیل سے ہے، گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ نے یہ حدیث سنی ہے اور آپ گویا د ہے، لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس کے خلاف نہیں ہے، حدیث کا تعلق مکہ پر عنوة فتح کی نیت سے چڑھائی کرنے سے ہے، یہ میرا مقصود نہیں بلکہ میرا مقصود ایسے شخص کے خلاف لشکر کشی ہے جو باغی اور خطا کار ہے اور حرم کسی عاصی اور خطا کار کو پناہ نہیں دیتا۔ (۱)

لیکن عمرو بن سعید کا یہ جواب غلط ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر نہ تو باغی تھے، نہ عاصی تھے اور نہ انہوں نے کسی کا قتل کیا تھا۔

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وابن الزبیر عند علماء أهل السنة أولى بالخلافة من يزيد وعبد الملك؛ لأنه بويع لابن الزبیر قبل هؤلاء، وهو من أصحاب رسول الله ﷺ“۔ (۲) واللہ سبحانہ أعلم
یعنی ”علمائے اہل سنت کے نزدیک عبداللہ بن زبیر یزید اور عبدالملک کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ حق دار تھے، کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے۔“

۱۰۵ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ (۳) ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ : (فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ - قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ - وَأَعْرَاضَكُمْ ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا ، أَلَّا لِيُبْلَغَ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْغَائِبَ) . وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُولُ : صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، كَانَ ذَلِكَ : (أَلَا هَلْ بَلَغْتُ) . مَرَّتَيْنِ . [ر : ۶۷]

(۱) انکاشف عن حقائق السنن (ج ۵ ص ۳۶۲)، کتاب العیاشات، باب حرم مکة حرسها اللہ تعالیٰ۔

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطل (ج ۱ ص ۱۸۰)۔

(۳) قولہ: ”عن أبي بكر رضى الله عنه“: قد سبق تحريج هذا الحديث تحت كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه

وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع۔

تراجم رجال

(۱) عبد اللہ بن عبد الوہاب

یہ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الوہاب حنبلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱)

یہ بشر بن المفضل، حماد بن زید، حاتم بن اسماعیل، عبد العزیز بن ابی حازم، عبد العزیز بن محمد دراوردی، امام مالک اور ابو عوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، یعقوب بن شیبہ، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، علی بن عبد العزیز بغوی اور عمرو بن منصور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۲)

امام یحییٰ بن معین اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۳)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة صدوق“۔ (۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کو ذکر کیا ہے۔ (۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت“۔ (۷)

۲۲۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۸)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعةً

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۵ ص ۲۴۶)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۵ ص ۲۴۶ و ۲۴۷)، وتہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۳۰۴ و ۳۰۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۵ ص ۲۴۷ و ۲۴۸)۔

(۴) حوالہ بالا، وتہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۳۰۵)۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۳۵۳)۔

(۶) تقریب التہذیب (ص ۳۱۲)، رقم (۳۴۴۹)۔

(۷) الکامف (ج ۱ ص ۵۷۰)، رقم (۲۸۳۴)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۲) حماد

یہ حماد بن زید بن درہم بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۳) ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان، ”باب: حلاوة الایمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۴) محمد

یہ امام محمد بن سیرین بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان، ”باب اتباع الجنائز من الایمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۵) ابن ابی بکرۃ

یہ عبدالرحمن بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۶) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنین

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۱۹)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۶)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۵۲۴)۔

(۴) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۹۴)۔

اقتتلوا فأصلحوا بينهما کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

سند حدیث سے متعلق ایک تنبیہ

یہاں اس حدیث کی سند میں مستملی اور کشمینی کے نسخوں میں محمد کے بعد ”ابن ابی بکرہ“ کا واسطہ ہے، بعینہ یہی سند کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ میں بھی وارد ہوئی ہے (۲)، جبکہ کتاب العلم میں ”عبد الرحمن بن ابی بکرہ“ کی تصریح موجود ہے (۳)، جبکہ باقی نسخوں میں ”ابن ابی بکرہ“ ساقط ہے، اس صورت میں یہ سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ محمد بن سیرین کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں ہے۔

بعض نسخوں میں ”عن محمد بن ابی بکرہ عن ابی بکرہ“ آیا ہے، جو غلط ہے، اس نسخہ میں محمد کے بعد ”عن“ کا لفظ ساقط ہو گیا ہے۔ (۴)

حاصل یہ کہ ”محمد بن ابی بکرہ“ غلط ہے، ”عن محمد بن ابن ابی بکرہ عن ابی بکرہ“ صحیح ہے، جبکہ کتاب العلم کے طریق میں اس ”ابن ابی بکرہ“ کی تعیین بھی کر دی گئی ہے کہ وہ عبد الرحمن بن ابی بکرہ ہیں۔ واللہ اعلم

ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا

یعنی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا کہ آپ اپنے اونٹ پر بیٹھے اور

ایک شخص نے نکیل تھام لی اور آپ نے خطبہ دیا، اس میں فرمایا۔

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۲۵)۔

(۲) صحیح البخاری، (ج ۲ ص ۷۶۲)، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ، باب: ۵، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶،

فإن دماءكم وأموالكم - قال محمد: وأحسبه قال: وأعراضكم - عليكم

حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا

بلاشبہ تمہارا خون اور تمہارے اموال - محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے تمہاری آبرو کا لفظ بھی فرمایا تھا - تمہارے اوپر حرام ہے، تمہارے اس دن کی اور اس مہینے کی حرمت کی طرح۔

مطلب یہ ہے کہ محمد بن سیرین کو شک ہے کہ ابن ابی بکرہ نے بھی اپنی روایت میں ”فإن دماءكم وأموالكم“ کے بعد ”وأعراضكم“ بھی فرمایا یا نہیں۔ (۱)

لیکن پیچھے ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع“ کے ذیل میں حدیث گزر چکی ہے، اس میں جزم کے ساتھ بغیر شک کے ”وأعراضكم“ بھی مذکور ہے۔ (۲)

ألا ليبغ الشاهد منكم الغائب

سنو! تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غائب کو پہنچا دیں۔

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو تبلیغ کا حکم دیا تھا، اگر ہر فرد کی خبر الگ الگ معتبر نہ ہوتی تو آپ کا ہر فرد کو تبلیغ کا مکلف بنانے کا فائدہ کیا ہوتا؟! (۳)

وكان محمد يقول: صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان ذلك

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور یہ واقع ہو چکا۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۹)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۶)، کتاب العلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع، رقم (۶۷)۔

(۳) فتح الباری (ج ۴ ص ۴۴) کتاب جزاء الصيد، باب: لا یعضد شجر الحرم۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ

کے قول کی مختلف توجیہات

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کس چیز کی تصدیق کر رہے ہیں؟ خاص طور پر یہ سوال اس لئے بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ”لیبلغ“ امر کا صیغہ ہے اور تصدیق یا تکذیب خبر کی ہوتی ہے، امر، نہی، وغیرہ جواز قبیل انشاء ہیں ان کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوتی، نیز یہ کہ ”کان ذلك“ میں ”ذلك“ کا استارہ کس چیز کی طرف ہے؟ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں، ہر احتمال گویا ایک مستقل قول ہے:-

۱..... ایک احتمال یہ ہے کہ یہاں ممکن ہے کہ روایت امر کے صیغہ کے ساتھ نہ ہو، بلکہ ”لیبلغ“ کے شروع میں لام مفتوحہ ہو، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں ”لیبلغ الشاهد منکم الغائب“ تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچائے گا۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس خبر کی تصدیق کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ خبر دی ہے درست خبر دی ہے ”کان ذلك“ واقعی تبلیغ ہوئی ہے۔

۲..... دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں ”لیبلغ“ امر کا صیغہ ہی ہے، لیکن یہ بمعنی ان خبر ہے، گویا آپ فرما رہے ہیں ”سیقع التبلیغ بعد“ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اسی خبر کی تصدیق اور اس کے وقوع کی خبر دے رہے ہیں۔

۳..... تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے بعد جو ”ألا هل بلغت“ آیا ہے، اس کے ضمن میں جو ”تبلیغ“ کا مفہوم ہے اس کی طرف اشارہ مقصود ہے، اب ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو تبلیغ ہو چکی۔

۴..... چوتھا احتمال یہ ہے کہ ”ذلك“ سے اشارہ تتمہ حدیث کی طرف ہو، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے ”فإن الشاهد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه“۔ (۱) گویا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ یہ

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۶) کتاب العلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعی من سامع، رقم (۶۷)۔

فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ شاہد کو آگے دوسروں تک علم کی بات پہنچانی چاہئے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس کو پہنچایا جائے وہ اس علم کی بات کو پہنچانے والے کی نسبت زیادہ حفاظت کر سکے، یہ بات آپ نے بالکل درست فرمائی، چنانچہ شاہدین کی طرف سے بعد والوں کو جب تبلیغ ہوئی تو ان میں بہت سے حضرات ”اوعی“ اور ”احفظ“ نکلے۔ (۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا احتمال وجہ ہے، لیکن یہ اس صورت میں معتبر ہے جب محمد بن سیرین سے امام کے فتح کی روایت ثابت ہو جائے۔

جہاں تک دوسرے احتمال کا تعلق ہے، سو امر کے بمعنی الخبر ہونے کے لئے قرینہ ہونا چاہئے، جو یہاں نہیں ہے۔ (۲)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ عین امکان ہے کہ ”ذلك“ کا اشارہ اس ”تبلیغ“ کی طرف ہو جو ”لیبلغ“ کے ضمن میں سمجھ میں آ رہا ہے، اب ”كان ذلك“ کا مطلب ہو جائے گا ”وقع ذلك التبليغ المأمور به من الشاهد إلى الغائب“۔ (۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”صدق“ کا مطلب ہے ”وقع مأمور به“ یعنی جو آپ نے حکم دیا تھا اس کی تعمیل ہو گئی اور اہل عرب ایسے موقعوں پر ”صدق“ کا استعمال کرتے ہیں، میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ تتمہ حدیث ”رب مبلغ أوعى من سامع“ کی طرف اشارہ ہے۔ (۴)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مطلقاً تصدیق ہے، دیگر شراح نے جو بات کہی ہے کہ یہ جزء اخیر ”ألاهل بلغت“ سے متعلق ہے، یا تتمہ محذوف ”فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه“ سے متعلق ہے، اس کے مقابلہ میں یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔ (۵)

(۱) دیکھئے شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۰۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۴۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) شرح تراجم أبواب البخاري (مطبوعہ مع صحيح بخاري ج ۱ ص ۱۵)۔

(۵) شرح شيخ الإسلام فارسي (مطبوعہ بر حاشیہ تیسیر القاری ج ۱ ص ۱۶۷)۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أي فيما كان يخاف على قومه وأمته من

وقعة سيوفهم فيهم ويؤكده حرمان دمائهم وأعراضهم فكان كما أخبر“۔ (۱)

گویا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ”صدق“ کہہ کر جو تصدیق کی ہے، اس کا تعلق اس قتل و نہب اور سفکِ دماء سے ہے جن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا اور جن کی حرمت کی تاکید آپ نے کی تھی، ”کان ذلك“ آپ نے جس طرح تاکید کی تھی اور آپ کو جس کا خوف لگا ہوا تھا آخر وہ ہو کر رہا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ باب میں اگرچہ سفکِ دماء کی صراحت خبر نہیں دی لیکن ”قتل وسفک“ کے باب میں آپ کی تاکیدات سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس چیز کے وقوع کا اندیشہ ہے، کیونکہ کسی معاملہ میں تاکید اس وقت کی جاتی ہے جب اس کی عدم تعمیل کا اندیشہ ہو، اسی طرح کسی چیز سے تاکید اس وقت روکا جاتا ہے جب اس کے ارتکاب کا دھڑکا لگا رہے۔ (۲) واللہ اعلم

ألا هل بلغت؟ مرتین

سنو! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ آپ نے دو مرتبہ فرمایا

یہ حدیث ہی کا جز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اور ”وکان محمد يقول“ سے لے

کر ”کان ذلك“ تک حدیث کے درمیان میں ابن سیرین کا قول جملہ معترضہ ہے۔ (۳)

واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: یہ حدیث ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع“ کے تحت

درج کی ہے، تفصیلی تشریح کیلئے مذکورہ باب کی مراجعت کریں۔

(۱) لامع الدراری مع الكنز المتواری (ج ۲ ص ۳۴۱ و ۳۴۲)۔

(۲) دیکھئے لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۴۲)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۹)۔

۳۸ - باب : اِثْمٌ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

باب سابق سے مناسبت

گذشتہ باب میں یہ مذکور تھا کہ جو نہیں جانتا اس کو سکھانا اور اُس تک علم کو پہنچانا چاہئے اور اس باب میں کذب فی التبلیغ سے تحذیر ہے کہ اُس علم کو پہنچانے میں جھوٹ سے مکمل احتراز کیا جائے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہوگئی۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابواب سابقہ متعددہ سے تبلیغ و تعلیم و تنہیل و تکثیر معلوم ہوئی اور اس میں خطرہ کذب ضرور ہے، بالارادہ ہو خواہ بلا ارادہ، اس لئے یہ ترجمہ بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ تبلیغ و تعلیم میں نہایت احتیاط و اہتمام لازم ہے، تخمین و مجازفت سے کام نہ لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا بالاتفاق حرام اور گناہ کبیرہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تبلیغ کی ترغیب کے لئے متعدد ابواب منعقد کئے تھے، اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلاتے ہیں کہ تعلیم و تبلیغ کا اگرچہ اہتمام کرنا چاہئے، لیکن احتیاط بھی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی اور اس طرح بے احتیاطی کی تو وہ ”من کذب“ کی وعید کے تحت داخل ہو جائے گا، اس لئے دروغ گوئی سے بچنا بہت ضروری ہے۔

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۴۷)۔

(۲) الأبواب والمراجع (ص ۵۵)۔

۱۰۶ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ : سَمِعْتُ رَبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا تَكْذِبُوا عَلِيًّا ، فَإِنَّهُ مِنْ كَذِبِ عَلِيٍّ فَلْيَلْحِظُوا النَّارَ) .

تراجم رجال

(۱) علی بن الجعد

یہ ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید جوہری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أداء الخمس من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین شعبہ بن الحجاج عتقی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) منصور

یہ مشہور محدث منصور بن المعتمر السلمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۱) قولہ: ”علیاً“: وهو ابن أبي طالب رضي الله عنه، والحديث، أخرجه مسلم في صحيحه، في المقدمة، باب تعليل الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲)، والترمذي في جامعه، في أبواب العلم، باب ما جاء في تعظيم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۶۶۰)، وفي أبواب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۳۷۱۵) وابن ماجه، في سننه، في المقدمة، باب التعليل في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۱)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۶۹۷)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۴) ربعی بن حراش

راء مہملہ مکسورہ باء، ساکن، عین مہملہ مکسورہ، اس کے بعد یاء مشددہ ہے۔ (۱)

اسی طرح ”حراش“ حاء مہملہ مکسورہ اور راء مہملہ کے ساتھ ہے۔ (۲)

یہ مشہور تابعی بزرگ ربعی بن حراش بن جحش بن عمرو غطفانی عبسی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

ابو الربیع ان کی کنیت ہے، ربیع بن حراش اور مسعود بن حراش ان کے بھائی ہیں۔ (۴)

یہ حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو مسعود بدری، حضرت

علی، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ابراہیم بن مہاجر، سعد بن طارق اشجعی، عامر شعمی، ابوالنضر کثیر بن ابی کثیر، منصور بن المعتمر اور

نعیم بن ابی ہند رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تابعی ثقہ عن خیار الناس، لم یکذب کذبة قط“۔ (۶)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وکان ثقة له أحادیث صالحة“۔ (۷)

لاکائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مجمع علی ثقته“۔ (۸)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حجة قانت لله لم یکذب قط“۔ (۹)

(۱) المعنی (ص ۳۲)۔

(۲) المعنی (ص ۲۰)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۵۴ و ۵۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۵۵ و ۵۶)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۵۶)۔

(۷) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (ج ۶ ص ۱۲۷)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج ۳ ص ۲۳۷)۔

(۹) الکاشف (ج ۱ ص ۳۹۰)، رقم (۱۵۲۱)۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں ”..... الإمام القدوة الولي الحافظ الحجة.....“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”نقۃ عابد محضرم“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

ربیع بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ان کے اوپر بڑی آزمائشیں آئیں، لیکن سچ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخ رو کیا۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کے دو بیٹے حجاج بن یوسف کے معتب تھے اور انہیں سزا دینے کے لئے حجاج ان کے درپے تھا اور وہ ہاتھ نہیں آرہے تھے، کس نے حجاج کو بچھایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے، ان سے پوچھو کہ ان کے بیٹے کہاں ہیں؟ حجاج نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بلاتامل کہہ دیا ”ہمسافی البیت، والدہ المستعان“ حجاج بن یوسف دنگ رہ گیا اور باپ کی عظیم صداقت کی وجہ سے بیٹوں کو معاف کر دیا۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے انہیں فکرِ آخرت کی عظیم دولت عطا فرمائی تھی، کبھی ہنستے نہیں تھے، حتیٰ کہ انہوں نے قسم کھالی کہ میں جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ میرا انجام کیا ہوگا اس وقت تک ہنسوں گا نہیں، پھر زندگی بھر نہیں ہنسے، حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے غسل دینے والے کہتے ہیں کہ وہ مسلسل تبسم کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم غسل سے فارغ ہو گئے۔ (۵)

ربیع بن حراش کے ایک بھائی ربیع بن حراش تھے، کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو گیا، انہیں سیدھا کر کے لٹا دیا گیا اور اوپر سے چادر اڑھادی گئی، کچھ دیر بعد انہوں نے چہرے سے چادر سرکائی اور سلام کیا، لوگوں نے سلام کا

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۳۵۹)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۲۰۵)، رقم (۱۸۷۹)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج ۴ ص ۲۴۰ و ۲۴۱)۔

(۴) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۳۶۰ و ۳۶۱)۔ و تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۵۶)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

جواب دیا اور پوچھا کہ کیا موت کے بعد بھی بات چیت ہوتی ہے؟ اس پر انہوں نے کہا:

”إني لقيت ربي بعدكم، فتلقاني بروح وريحان، ورب غير غضبان، وكساني ثوباً خصباً من سندس واستبرق، ووجدت الأمر أيسر مما في أنفسكم، ولا تغربوا، فإني استأذنت ربي لأبشركم، فاحملوني إني رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإنه وعدني أن لا يسبقني حتى أدركه“۔

”تمہارے بعد جب میں اپنے رب سے ملا تو میرا استقبال خوشبوؤں اور رحمتوں سے کیا اور مجھے ایسا رب ملا جو ناراض نہیں تھا، اس نے مجھے سبز ریشم کے باریک اور موٹے لباس پہنائے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ معاملہ کو تم اپنے دل میں جس قدر مشکل سمجھتے ہو اس سے کہیں آسان ہے، البتہ تم دھوکے میں نہ رہنا، میں نے اپنے رب سے تمہیں خوشخبری سنانے کی اجازت لی تھی، اب مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو، کیونکہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے چھوڑ کر آگے نہیں چلے جائیں گے۔“

یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئے۔ (۱)

رابعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ یا ۱۰۴ھ میں ہوا۔ (۲)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

یہ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف ہاشمی مکی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابوالحسن کنیت

(۱) دیکھئے تصدقات ابن سعد (ج ۶ ص ۱۵۰)، وسیر اعلام النبلا، (ج ۴ ص ۳۶۱)، والنفحات لاس حبان (ج ۵ ص ۲۲۷)۔

واضح رہے کہ قلم بعد الموت کا یہ واقعہ تہذیب النکمال (ج ۶ ص ۵۶) اور عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۴۷) میں مسعود بن حراش کی

طرف منسوب کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲) سیر اعلام النبلا، (ج ۴ ص ۳۶۲)۔

ہے (۱)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو تراب کی کنیت سے پکارا تھا۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ کے داماد، یعنی حضرت فاطمہ الزہراء، رضی اللہ عنہا کے

شوہر تھے۔

بہت سے اہل علم کے نزدیک سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ ہی تھے، اس وقت آپ کی عمر آٹھ

سے لے کر پندرہ سال کے درمیان تھی، مختلف حضرات سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر

مناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقل کئے گئے ہیں اتنے کسی کے بھی نقل نہیں کئے گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

بنو امیہ کے لوگ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض کا اظہار کیا کرتے تھے، اس لئے جس کے پاس جو

روایت بھی تھی اس نے وہ روایت نقل کر دی، چنانچہ جس قدر ان کے فضائل کو مٹانے کی کوشش کی گئی اسی قدر ان

کے مناقب و مزایا پھیلنے اور منتشر ہوتے گئے، (۴) اگرچہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں

بہت سی خرافات اور بے سروپا باتیں ذکر کی ہیں، لیکن ان کے جو حقیقی فضائل ہیں وہ کم نہیں ہیں، امام نسائی رحمۃ

اللہ علیہ نے ”خصائص علی“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس کی اکثر روایات جید ہیں۔ (۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں نسبی شرافت اور نبوی قرابت سے نوازا تھا، وہیں وہ علم و

عرفان اور شجاعت و بسالت میں بھی بے مثال تھے۔

عبداللہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إِن عَلِيًّا كَانَ لَهُ مَا شئتَ مِنْ ضَرْسٍ قَاطِعٍ فِي الْعِلْمِ، وَكَانَ لَهُ السُّطَّةُ (۶) فِي

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۴۷۲)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۶۳)، کتاب الصلاة، باب يوم الرجل في المسجد، رقم (۴۴۱)۔

(۳) دیکھئے الخمسة في حبيب الصحابة (ج ۲ ص ۵۰۷)، وتہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۴۸۰-۴۸۲)۔

(۴) الإصانة (ج ۲ ص ۵۰۷ و ۵۰۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) السطّة في العشرة حسنا ونبيا، تعقیقات تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۴۸۷)۔

الْعَشِيرَةِ، وَالْقَدَمُ فِي الْإِسْلَامِ، وَالصَّهْرُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْفَقْدُ فِي
السَّنَةِ، وَالنَّجْدَةُ فِي الْحَرْبِ، وَالْجُودُ فِي الْمَاعُونِ“۔ (۱)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی مضبوط علم حاصل تھا، انہیں حسب و نسب کے اعتبار سے
بڑا مرتبہ حاصل تھا، اسلام میں ان کو بڑا مقام ملا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف
ملا، فقہ حدیث کا وافر حصہ حاصل ہوا، وہ حالت جنگ میں شجاعت و بسالت اور لوگوں کو ضروریات
کی چیزیں دینے میں سخاوت سے متصف تھے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ بنی ہاشم کے پہلے خلیفہ تھے، آپ کو أحد العشرة المبشرة بالجنة، أحد الستة
أصحاب السورى، أحد الخلفاء الراشدين، أحد العلماء الربانيين، أحد الشجعان المشهورين
اور أحد السابقين إلى الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے، البتہ غزوہ تبوک میں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنے نائب کے طور پر چھوڑا تھا، اس لئے اس میں عملاً
شرکت نہیں کی۔ (۳)

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے ہاتھ پر امت نے بیعت کی اور آپ
کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا، اس کے بعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کیا، اس کے نتیجے میں واقعہ جمل پیش آیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کو
لے کر یہی مطالبہ کرنے لگے، جس کے نتیجے میں واقعہ صفین پیش آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان تمام حضرات کو چاہئے تھا کہ پہلے بیعت کر لیتے اور طاعت
میں داخل ہو جاتے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اولیاء قصاص کا مطالبہ کرتے تو اس وقت حکم تریعت پر عمل
کیا جاتا، جبکہ ان کے مخالفین کا کہنا تھا کہ قاتلین کا پہلے پیچھا کرو اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ، حضرت علی رضی اللہ

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۴۸۷)۔

(۲) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۴۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۰ ص ۴۸۳)۔

”اللهم هؤلاء، أهلي“۔ (۱)

غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنا نائب بنا کر مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”خَلَفْتَنِي مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ؟“ یعنی آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا ”أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبُوَّةَ بَعْدِي؟“۔ (۲) یعنی ”کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تمہیں میری نسبت سے وہ مقام حاصل ہو، جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت حاصل تھی، یہ اور بات ہے کہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ نہیں ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے واقعات و معضلات سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جن کے حل کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔

علمی مقام کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے تھے ”سَلَوْنِي، سَلَوْنِي، وَسَلَوْنِي عَنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى، فَإِنَّ اللَّهَ مَا مِنْ آيَةٍ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ أَنْزَلَتْ بَلِيلٌ أَوْ نِهَارٌ“۔ (۳) یعنی ”مجھ سے اللہ کی کتاب کے بارے میں خوب پوچھو، بخدا! کوئی بھی آیت ایسی نہیں کہ جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ آیا وہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں۔“

امام مسروق بن الأجدع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَجَدْتُ عِلْمَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَهِي إِلَى سِتَّةٍ: إِلَى عَلِيٍّ،

وَعَبْدَ اللَّهِ، وَعُمَرَ، وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَأَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ، ثُمَّ وَجَدْتُ عِلْمَ

هَؤُلَاءِ السِّتَةِ يَنْتَهِي إِلَى عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ“۔ (۴)

یعنی ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے علم کو چھ حضرات پر ختم پایا، یعنی علی، عبد اللہ، عمر، زید بن ثابت، ابو الدرداء اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، پھر ان چھ کے علوم دو حضرات میں سمٹ گئے، ایک حضرت علی اور دوسرے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔“

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۶۲۲۰)۔

(۲) توالہ بالا۔

(۳) المصدر (ج ۲ ص ۵۰۹)۔

(۴) مقدمة لعقب الترياق (ص ۵۵)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت مقداد بن الاسود اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کی ہے۔ ان سے بعض صحابہ کرام کے علاوہ بہت سے تابعین نے روایت کی ہے، چنانچہ صحابہ میں سے آپ کے صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابورافع، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت مصیب رومی، حضرت زید بن ارقم، حضرت جریر بن عبداللہ بکلی، حضرت ابوامامہ، حضرت ابو جحیفہ، حضرت براء بن عازب اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں۔

تابعین مختصر میں یا جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت حاصل ہے، ان میں سے عبداللہ بن شداد بن الہاد، طارق بن شہاب، عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام، عبداللہ بن الحارث بن نوفل، مسعود بن الحکم اور مروان بن الحکم وغیرہ آپ سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ تابعین کا ایک جم غفیر آپ سے روایت کرتا ہے۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقریباً پانچ سو چھیالیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ ہیں احادیث ہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نو حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پندرہ احادیث میں متفق ہیں۔ (۲)

رمضان ۴۰ھ میں ایک شقی القاب شخص عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے آپ پر حملہ کیا اور اس واقعہ میں آپ شہید ہو گئے۔ (۳)

آپ کی خلافت سارے تین ماہ کم پانچ سال رہی۔ (۴)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرطاه

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے الإصحاح (ج ۲ ص ۵۰۸) و بیہدایت لکھنؤ (ج ۲ ص ۵۱۳-۵۱۴)۔

(۲) دیکھئے مسندہ بخاری (ج ۲ ص ۱۵۶) و مسندہ لکھنؤ (ج ۲ ص ۲۷۴)۔

(۳) مسندہ بخاری (ج ۲ ص ۱۵۸)۔

(۴) الإصحاح (ج ۲ ص ۵۱۰)۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تكذبوا علي، فإنه من كذب علي فليلج

النار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ مت باندھو، اس لئے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

مطلب یہ کہ میری طرف کسی بھی قسم کے جھوٹ کی نسبت نہ کرو، اس لئے کہ جو آدمی میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے گا جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو، وہ جہنم میں جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا حرام ہے، چاہے وہ دین کی تائید میں ہو یا تردید میں۔

اس روایت میں ”لا تکذبوا علی“ جو فرمایا ہے، اس ”علی“ کا مفہوم مخالف مقصود اور معتبر نہیں ہے، کیونکہ ”کذب لہ“ کا کوئی تصور یہاں نہیں، اس لئے یہ بھی مطلق کذب کی ہے۔

کیا تائید شریعت

کے لئے وضع حدیث جائز ہے؟

کچھ جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ سے منع فرمایا ہے ”کذب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم“ سے نہیں، لہذا اگر کوئی دین کی تائید کے لئے احادیث وضع کر لے تو یہ جائز ہے۔ (۱)

اسی طرح کرامیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ قرآن و سنت میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے اگر ترغیب و ترہیب کے باب میں کوئی جھوٹ بول کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دے تو جائز ہے، کیونکہ یہ ”کذب لہ“ ہے، ”کذب علیہ“ نہیں ہے۔ (۲)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۹)، وفتح المغیث (ج ۱ ص ۳۰۶)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

لیکن یہ دلیل درست نہیں، اس لئے کہ کذب علی سببی اور کذب لسانی میں کوئی فرق ہے ہی نہیں، کیونکہ ”کذب“ خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں، پھر اگر کوئی شخص کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرے اور منسوب الیہ نے وہ بات کہی نہ ہو تو چاہے اس کی تائید میں ہو یا تردید میں تو وہاں ”کذب علیہ“ (۱) ہی بولا جاتا ہے اور تائید کی صورت میں ”کذب لہ“ کا استعمال لغت میں کہیں موجود نہیں، لہذا کذب لسانی کہہ کر اسے سند جواز فراہم کرنے کی کوشش بے اصل اور بے سود ہے، یہ فرق ان مدین کا خود ساختہ ہے، لغت سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے جہل کی دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے ترغیب و ترہیب میں جو حدیثیں وضع کیں اور ان سے ”کذب“ جو ثابت کیا تو وہ مندوب بھی چونکہ احکام میں سے ہے، اس لئے اس نے گویا وضع احکام میں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کی، اسی طرح اس حکم میں وہ تمام اخبار اور روایات داخل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص عمل پر مخصوص ثواب کا وعدہ نقل کیا جاتا ہے، جبکہ وہ ثابت نہیں۔ (۲)

ان جہلاء کا ایک استدلال ایک روایت سے بھی ہے، جس میں ہے کہ ”من کذب علی متعمداً لیصل بہ الناس فیئبوا متعده من النار“۔ (۳)

اس روایت میں ”کذب متعمداً“ کو گناہ اور باعث عذاب اس صورت میں قرار دیا گیا ہے جبکہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی نیت سے جھوٹ بولا گیا ہو، جس سے معلوم ہوا کہ اگر لوگوں کو گمراہ کرنے کی نیت نہ ہو تو جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو روایات اس قید سے مطلق ہیں ان کو بھی اسی مقید روایت پر محمول کیا جائے گا۔ (۴)

(۱) ریختہ معجم ۱: ۱۱۵، (ج ۲ ص ۲۸۰)، و المعجم الصحیح (ص ۱۳۵۴)۔

(۲) دیکھئے الملک علی کتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸۵۴ و ۸۵۵)۔

(۳) کشف الاستار علی روایت الترمذی (ج ۱ ص ۱۱۴)، کتاب العلم، باب المتحدیر من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم، ص ۲۰۹، و شرح مشکوٰۃ الآثار (ج ۱ ص ۳۲۱)، باب بیان مشکوٰۃ ما روای عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

قوله من کذب علی

(۴) الملک علی کتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸۵۵)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ زیادتی ضعیف ہے، اس کا سب سے قوی ترین طریق وہ ہے جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”المدخل“ میں نقل کیا ہے اور پھر اس کی تضعیف کی ہے، وہ طریق ہے ”یونس بن بکیر عن الأعمش عن طلحة بن مصرف عن عمرو بن شرحبیل عن ابن مسعود“ اسی طریق سے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہاں یونس بن بکیر سے دو مقام پر غلطیاں ہوئی ہیں۔

ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے طلحہ بن مصرف اور عمرو بن شرحبیل کے درمیان ابوعمار کے واسطہ کو ساقط کر دیا۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اسے موصول کر دیا، جبکہ یہ مرسل ہے۔ (۱)

اور اگر یہ زیادتی ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس سے استدلال درست نہیں، کیونکہ لام کو تعلیل کے بجائے عاقبت کے لئے قرار دیا جائے گا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾ (۲) میں ”لیکون“ کا لام لام عاقبت ہے، کیونکہ لام تعلیل ہونے کی صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا التقاط اس لئے کیا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی ہوں، ظاہر ہے اس غرض کے لئے انہوں نے ان کا التقاط نہیں کیا تھا، اس لئے لام عاقبت کے لئے ہوگا اور آیت کا مطلب ہوگا کہ آل فرعون نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا التقاط کیا تو اس کا انجام اور مآل یہ ہوا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی ثابت ہوئے۔

اسی طرح ”من کذب علی متعمداً یضل بہ الناس.....“ میں بھی لام عاقبت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، جس کا انجام اور مآل یہ ہے کہ لوگوں میں گمراہی پھیلے گی، سو ایسا شخص جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

(۱) دیکھئے المسکت علی کتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸۵۵ و ۸۵۶)، نیز دیکھئے شرح مشکل الآثار (ج ۱ ص ۳۷۱ و ۳۷۲)، باب

بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبلہ: ”من کذب علی متعمداً.....“

(۲) انفصل ۸۱۔

”لیضل به الناس“ کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں بطور تاکید لایا گیا ہے، جس کا نہ مفہوم مخالف مقصود ہے اور نہ معتبر اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾۔ (۱) میں ”لیضل“..... تاکید کے لئے ہے، اگر اس کا مفہوم مخالف معتبر اور مقصود ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ افتراء علی اللہ کرنے والا ظالم نہیں ہے، حالانکہ ”افتراء الکذب علی اللہ“ بہر صورت حرام ہے، خواہ اس سے اضلال مقصود ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم (۲)

اس توجیہ کی وضاحت کے طور پر سمجھ لیجئے کہ یہ جاہل حدیث وضع کرنے کا جواز لیضل به الناس میں مفہوم مخالف نکال کر کرتے ہیں کہ اگر گمراہ کرنے کے لئے حدیث وضع کی جائے تو گناہ ہے۔ لیکن اگر نیت اچھی ہو اور مقصود دین پر عمل کے لئے آمادہ کرنا ہو تو پھر وضع حدیث گناہ نہیں، ثواب کی حدیثیں وضع کی جائیں، تاکہ عمل خیر کی تحریک ہو اور عذاب کی حدیثیں وضع کی جائیں، تاکہ گناہوں سے بچایا جاسکے تو اس کذب علی النبی میں گناہ نہیں۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہاں مفہوم مخالف نہ مقصود ہے اور نہ معتبر، کذب علی النبی بہر صورت حرام اور گناہ ہے، لیضل به الناس کا جملہ کذب علی النبی کی قباحت اور برائی کی تاکید کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ فرمایا گیا ہے، آیت میں ﴿لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کا مفہوم مخالف ہرگز مقصود اور معتبر نہیں، چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بغرض خیر (نیک کام کی ترغیب اور گناہ سے نفرت دلانے کے لئے) اگر افتراء علی اللہ کا ارتکاب کیا جائے تو افتراء کرنے والا ظالم نہیں، حالانکہ افتراء علی اللہ بہر صورت ظلم ہے اور حرام ہے، اس لئے آیت میں ﴿لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کو تاکید کے لئے قرار دیا جائے گا، گویا اس جملے سے افتراء علی اللہ کی شاعت وقباحت کو مؤکد اور مضبوط کرنا مقصود ہے، اسی طرح حدیث میں بھی لیضل به الناس تاکید پر محمول ہے، اس کا مفہوم مخالف نہ مقصود ہے، نہ معتبر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ أحکم

(۱) الأنعام ۱۴۴۔

(۲) الشکک علی کتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸۵۶)، وتوضیح الأفكار (ج ۲ ص ۶۳)، وفتح المغیث (ج ۲ ص ۳۰۷)، وشرح

مشکل الآثار (ج ۱ ص ۳۷۲)۔

فلیج النار

یہ ”فلیج“ سے امر غائب کا صیغہ ہے۔

یہ امر یا تو بمعنی الدعاء ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لئے جو کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب کرے بددعا فرما رہے ہیں کہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ یا یہ امر بمعنی الخبر ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ”مَنْ يَكْذِبُ عَلَيَّ يَلْجُ النَّارَ“ آیا ہے (۱) اور ابن ماجہ کی روایت میں ”الْكُذْبُ عَلَيَّ يُلْجِ النَّارَ“ (۲) کے الفاظ ہیں۔ (۳)

۱۰۷ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ . عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ . عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ . عَنْ أَبِيهِ قَالَ : قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ (۴) إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَمَا يُحَدِّثُ فَلَانٌ وَفُلَانٌ ؟ قَالَ : أَمَا إِنِّي لَمْ أَفَارِقْهُ . وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ : (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) .

تراجم رجال

(۱) ابوالولید

یہ مشہور محدث امام ابوالولید ہشام بن عبد الملک باہلی طیالسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۵)

یہ ابراہیم بن سعد، اسحاق بن سعید قرشی، عکرمہ بن عمار، جریر بن حازم، مہدی بن میمون، امام شعبہ، امام

(۱) صحیح مسلم، المقدمة، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۲)۔

(۲) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب التغلیظ فی تعدد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۱)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۰)۔

(۴) وہ لہ: ”قلت للزبير“ الحديث، أخرجه أبو داود في سننه، في كتاب العلم، باب التشديد في الكذب على رسول الله صلى

الله عليه وسلم، رقم (۳۶۵۱)، وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب التغليظ في تعدد الكذب على رسول الله صلى الله عليه

وسلم، رقم (۳۶)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۲۲۶)۔

مالک، امام لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، ہشام الدستوائی اور زائدہ بن قدامہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابو داؤد، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، اسحاق بن راتویہ، ابو حاتم رازی اور محمد بن یحییٰ ذہبی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أبو الوليد متق“۔ (۲)

نیز وہ فرماتے ہیں ”وأبو الوليد اليوم شيخ الإسلام، ما أقدم عليه اليوم أحداً من

المحدثين“۔ (۳)

ابن واریہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حدثني أبو الوليد ومأثراني أدركت مثله“۔ (۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أبو الوليد بصري، ثقة ثبت في الحديث، وكان يروي عن

سبعين امرأة“۔ (۵)

احمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حدثنا أبو الوليد أمير المحدثين“۔ (۶)

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أدرك نصف الإسلام، وكان إماماً في زمانه، جليلاً عند

الناس“۔ (۷)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أبو الوليد إمام، فقيه، عاقل، ثقة، حافظ، ما رأيت في يده

كتاباً قط“۔ (۸)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۲۷-۲۲۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۲۹)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۳۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

معاویہ بن عبدالکریم زیادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أدرکت البصرة، والناس يقولون: ما بالبصرة

أعقل من أبي الوليد، وبعده أبو بكر بن خلاد“۔ (۱)

یعنی ”میں نے بصرہ کو اس حال میں پایا کہ لوگ کہتے تھے کہ بصرہ میں ابو الولید سے بڑھ کر کوئی عقل مند

نہیں، ان کے بعد ابو بکر بن خلاد ہیں“۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ثقة حجة ثبتا“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ”وكان من عقلاء

الناس“۔ (۳)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة مأمون ثبت“۔ (۴)

۲۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۵) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب

الإيمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۶)

(۳) جامع بن شداد

یہ ابو صخرہ جامع بن شداد محاربی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۳۱)۔

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (ج ۷ ص ۳۰۰)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۵۷۱)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۴۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۴ ص ۴۸۶)۔

یہ صفوان محرز، طارق بن عبد اللہ محارب، عبد الرحمن بن یزید نخعی، ابو بردہ بن ابی موسیٰ اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام اعمش، مسعر بن کدام، شعبہ، سفیان ثوری، عبد الرحمن بن عبد اللہ المسعودی اور عمر بن ابی زائدہ رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة متقن“۔ (۳)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہو شیخ عال ثقة من قدماء شیوخ سفیان، وکان شیخا

عاقلاً ثقة ثبتاً کوفیاً“۔ (۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”الإمام، الحجة، أبو صخرة

المحاربي، أحد علماء الكوفة“۔ (۶)

ان کا سن وفات بعض حضرات نے ۱۱۸ھ، بعض نے ۱۲۷ھ اور بعض نے ۱۲۸ھ بیان کیا ہے۔ (۷)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔

(۴) عامر بن عبد اللہ بن الزبیر

یہ عامر بن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابو الحارث ان کی

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۴ ص ۴۸۶ و ۴۸۷)، و تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۵۶)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۴ ص ۴۸۷)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۵۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۵۶)، و تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۴ ص ۴۸۷)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۵۷)۔

(۶) سیر اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۲۰۵)۔

(۷) دیکھئے سیر اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۲۰۶)، و تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۵۶ و ۵۷)، و تہذیب الکمال (ج ۴ ص ۴۸۷ و ۴۸۸)۔

کنیت ہے۔ (۱)

یہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس، حضرت صالح بن خوات بن جبیر، عمرو بن سلیم زرقی، عوف بن الحارث بن الطفیل اور اپنے ماموں ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں جامع بن شداد محاربی، ان کے بھائی عمر بن عبد اللہ بن الزبیر، عمرو بن دینار، مالک بن انس، محمد بن عجلان، مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن الزبیر اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة من أوثق الناس“۔ (۳)

امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة صالح“۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مدني تابعي ثقة“۔ (۶)

حضرت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان عابداً فاضلاً، وكان ثقة مأموناً، وله أحاديث

يسيرة“۔ (۷)

خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أحاديثه كلها يحتج بها“۔ (۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان عابداً فاضلاً مجمعا على توثيقه وجلالته“۔ (۹)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۵۷)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۵۷ و ۵۸)، و تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۷۴)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۵۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۷۴)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۵۶)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”کان عالماً فاضلاً“۔ (۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مجمع علی ثقته“۔ (۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وفات کا قابل رشک واقعہ لکھا ہے کہ عین موت کے وقت مغرب کی اذان کی آواز سنائی دی تو انہوں نے کہا کہ مجھے ہاتھ سے پکڑو اور اٹھا کر مسجد لے چلو، لوگوں نے کہا کہ آپ بیمار ہیں! فرمانے لگے ”أسمع داعي الله فلا أجيبه؟“ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی آواز سنوں اور لبیک نہ کہوں؟! چنانچہ لوگوں نے سہارا دیا اور مغرب کی جماعت میں شریک ہو گئے، ابھی ایک ہی رکعت ادا کی تھی کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ (۳)

عبادت اور دعا کا ایسا ذوق تھا کہ کچھ ہوش نہیں رہتا تھا اور بعض اوقات عشاء سے لے کر فجر تک دعائیں مشغول رہتے تھے۔ (۴)

۱۲۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۵) رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

(۵) عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی، امیر المؤمنین عبد اللہ بن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد القرشی الاسدی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابو بکر ان کی کنیت ہے اور بعض حضرات نے کنیت ابو خبیب بتائی ہے۔ (۶)

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات و فضائل سے نوازا تھا۔ آپ کے والد حضرت زبیر بن العوام ہیں، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۸۶)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۲۲۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۸۷)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۵۰۸ و ۵۰۹)۔

حواری کے نام سے معروف تھے، آپ کی والدہ حضرت اسماء ذات النطاقین بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ کی دادی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے والد کی پھوپھی تھیں، آپ کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے بعد ہوئی، بعض نے ۲ھ میں ولادت بتائی ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اھ کو رائج قرار دیا ہے۔ (۲)

آپ کو ”أول مولود في الإسلام بعد الهجرة“ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، آپ کی ولادت اہل اسلام کے لئے زبردست خوشی اور مسرت کا باعث ہوئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر دیا ہے، اس لئے ان کے ہاں ولادت نہیں ہوگی، چنانچہ جب یہ پیدا ہوئے تو یہود کی تردید اور ذلت پر مسلمانوں کو طبعاً خوشی ہوئی۔ (۳)

جب یہ پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کو لایا گیا، آپ نے کھجور چبائی اور اس کھجور سے تحنیک کی، چنانچہ آپ کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا۔ (۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی، جب یہ سات سال کی عمر کو پہنچے تو اپنے والد کے اشارہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے، آپ ان کو آتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے اور پھر بیعت فرمائی۔ (۵)

اللہ جل جلالہ نے ان کو جہاں نسبی شرافت عطا فرمائی تھی وہیں ذاتی قابلیت اور صلاحیت سے بھی نوازا

(۱) دیکھئے تہذیب الأسماء واللقبات السنوی (ج ۱ ص ۲۶۶)۔

(۲) دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۲۱۳ و ۲۱۴)، والإصابة (ج ۲ ص ۳۰۹)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۳۶۵)، والإصابة (ج ۲ ص ۳۰۹)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللقبات (ج ۱ ص ۲۶۶)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۳۶۵ و ۳۶۶)۔

تھا، زبردست بہادر تھے، دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ یرموک کی لڑائی میں شریک ہوئے اور گھڑ سواری کی۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن الزبیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ اس وقت سینگلی لگوار ہے تھے، فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور اسے ایسی جگہ ڈال آؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ پائے، جب وہ وہاں سے چلے تو اُس خون کو پی لیا، واپس لوٹنے پر آپ نے پوچھا کہ خون کا کیا کیا؟ عرض کیا کہ مجھے مخفی ترین جگہ معلوم تھی، وہاں چھپا آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے اُسے پی لیا ہے؟ عرض کیا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا ”ولم شربت الدم!“ ویل للناس منك، ویل لك من الناس۔ یعنی ”تم نے یہ خون کیوں پیا؟! اب تمہاری طرف سے لوگوں پر مصیبت آئے گی اور لوگوں سے تمہیں تکلیف ہوگی۔“

موسیٰ تبوذ کی راوی حدیث نقل کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابو عاصم کو سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے اندر جو غیر معمولی قوت تھی وہ اسی خون کی بدولت تھی۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جہادِ افریقہ میں شریک ہوئے، ایک موقع پر بیس ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ایک لاکھ بیس ہزار کفار سے تھا، حضرت عبداللہ بن الزبیر اس موقع پر بے مثال بہادری اور نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے عین قلبِ دشمن پر حملہ آور ہوئے اور لمحوں میں کفار کے سردار کا سراپے نیزے پر اٹھا کر واپس آ گئے، دیگر مسلمانوں نے اس موقع پر بے جگری سے یکبارگی جو حملہ کیا تو لشکرِ کفار ٹھہر نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ (۳)

واقعہ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو کر شریک ہوئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ چالیس سے زیادہ زخم آئے۔ (۴)

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۵۶۶) کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل، رقم (۳۹۷۵)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۳۶۶)، والإصابة (ج ۲ ص ۳۱۰)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۳۷۱)، ونہدب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۶۶)۔

(۴) سیر اعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۳۷۱)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ عبادت کا خاص ذوق رکھتے تھے، حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے تھے ”ما رأیت مصلیاً قط أحسن صلاة من عبد الله بن الزبير“۔ (۱)

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا ”إن فی

قلبك من ابن الزبير“ تو میں نے اس خدشہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ”لورأیتہ مارأیت مناجیا ولا مصلیا

مثله“۔ (۲) یعنی ”تم اگر انہیں دیکھ لیتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے بڑھ کر کوئی مناجات کرنے والا اور نماز پڑھنے

والا نہیں“۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سات سات ایام صوم وصال رکھا کرتے تھے، پھر بھی سب سے مضبوط

رہتے تھے۔ (۳)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسے

دکھائی دیتے تھے گویا کہ آپ کوئی لکڑی ہیں۔ (۴)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی راتوں کو اس طرح منقسم کر رکھا تھا کہ ایک رات فجر تک صرف

قیام کی حالت میں عبادت کرتے تھے، ایک رات صرف رکوع کی حالت میں اور ایک رات صرف سجدہ کی حالت

میں عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ (۵)

پیچھے ”باب لیسلم العلم الشاهد الغائب“ کے تحت حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو جو

نصیحت کی تھی اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بعض حالات آچکے ہیں، وہ بھی ملاحظہ

کر لئے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت کے اوائل میں ہی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف

(۱) سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۳۶۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۳۶۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۳۶۹)۔

آچکے ننھے، یہیں ان کے ساتھ کشمکش جاری رہی، تا آنکہ ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ اب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کر لی، چنانچہ شام کے تھوڑے سے علاقہ کے سوا باقی تمام ممالک میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی۔

سب سے پہلے مروان بن الحکم نے بغاوت کرتے ہوئے شام کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور پھر مصر پر قابض ہو گیا، اس کے بعد مروان کا انتقال ہو گیا اور عبدالملک بن مروان نے زمام کار سنبھال کے پیش قدمی کی، حتیٰ کہ حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کا شدید محاصرہ کیا، بیت اللہ شریف پر منجنیق کے ذریعہ حملہ کیا، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نہایت بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے، حتیٰ کہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کو شہید ہو گئے (۱) والحدیث ذو شجون۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے والد حضرت زبیر بن العوام، سفیان بن ابی زہیر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن الخطاب، اپنے نانا حضرت ابوبکر الصدیق اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ثابت بنانی، ابوالشعثاء جابر بن زید، ابو ذبیان خلیفہ بن کعب تمیمی، عامر بن عبداللہ بن الزبیر، عباد بن عبداللہ بن الزبیر، عامر بن شراحیل شعبی، عروہ بن الزبیر، عمرو بن دینار، ابوالزبیر مکی، ابواسحاق سمعی، ہشام بن عروہ اور فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن الزبیر سے تقریباً تینتیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ صرف ایک حدیث ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چھ حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دو حدیثوں میں متفرد ہیں۔ (۳)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے الکامل لابن الأثیر (ج ۳ ص ۲۵۹-۳۵۰)، وتہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۶۷)، والإصابة (ج ۲ ص ۳۱۱)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۱۴ و ۵۰۹ و ۵۱۰)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۳ ص ۳۶۴)۔

(۳) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج ۳ ص ۳۶۳)، وخلاصة المحرر حبی (ص ۱۹۷)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ”عبادلہ اربعہ“ میں سے ایک ہیں، عبادلہ اربعہ کی تفصیل ہم ”بدء الوحی“ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ (۱)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاه

(۵) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

یہ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابو عبد اللہ ان کی کنیت ہے۔ (۲)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں (۳)، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ (۴)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بالکل ابتداء ہی میں مشرف باسلام ہو گئے تھے، بلکہ وہ چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔ (۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لئے سب سے پہلے تلوار نکالنے والے یہی تھے، ایک مرتبہ یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً تلوار سونت لی اور اسی حال میں نکل کھڑے ہوئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے، آپ نے ان کو جب اس حال میں دیکھا تو وجہ پوچھی، انہوں نے ساری صورتحال بتائی، آپ نے ان کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی، اس وقت ان کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ (۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے بعد کافی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا چچا انہیں کسی چٹائی میں

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۶)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۱۹ و ۳۲۰)۔

(۳) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۴) ”روحہ خدیجۃ بنت خویلد عمی“ قالہ الزبیر رضی اللہ عنہ، انظر تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۵)۔

(۵) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۶) سیر أعلام النبلاء (ج ۱ ص ۴۱)۔

لپیٹ کر لٹکا دیا کرتا تھا اور پھر نیچے سے آگ جلا کر دھواں دیا کرتا تھا، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عزم کے پکے تھے، کہتے جاتے تھے ”لا اکفر أبداً“۔ (۱)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت جنت کی خوشخبری دی تھی۔ (۲)

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے تھے جن میں سے کسی ایک کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے۔ (۳)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں، لیکن وہاں زیادہ عرصہ نہیں رہے، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ (۴)

مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپس میں بھائی بنادیا تھا۔ (۵) اور جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے تو وہاں حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کا رشتہ قائم فرمادیا تھا۔ (۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فدا یانہ کاروائیوں کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ”فداک أبی وأُمی“۔ (۷) آپ نے اس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی فرمایا تھا۔ (۸)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۰)۔

(۳) تہذیب الأسماء والمعارف (ج ۱ ص ۱۹۴)۔

(۴) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (ج ۳ ص ۱۰۲)۔

(۵) الطبرانی (ج ۳ ص ۱۰۲) وقیل: أحی بنہ وبن کعب بن مالک، الطبرانی الطبقات۔

(۶) تہذیب الأسماء (ج ۱ ص ۱۹۴) وقیل: أحی بنہ وبن کعب بن مالک، الطبرانی الطبقات (ج ۳ ص ۱۰۲)۔

(۷) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۲۷) کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، رقم (۳۷۲۰)۔

(۸) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۲۷) کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب سعد بن ابی وقاص

زہری رضی اللہ عنہ، رقم (۳۷۲۵)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی خبر لانے کے سلسلہ میں پوچھا تھا ”من یأتینا بخبر القوم؟“ آپ نے اس طرح تین مرتبہ پوچھا، تینوں دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا نام پیش کیا، آپ خوش ہو گئے اور فرمایا ”إن لكل نبی حواریا وحواری الزبیر“۔ (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ حضرت زبیر کو خلیفہ بنادیتے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”أما والذي نفسي بيده، إنه لخيرهم ما علمت، وإن كان لأحبهم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ (۲) یعنی ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے علم کے مطابق وہ ان سب سے افضل ہیں اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب تھے“۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بدر واحد سمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں شریک رہے، غزوات میں اس بے جگری سے لڑتے تھے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہیں تھا۔ (۳)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فكم كربة ذب الزبير بسيفه	عن المصطفى والله يعطي فيجزل
فما مثله فيهم ولا كان قبله	وليس يكون الدهر مادام يذبل
ثناؤك خير من فعال معاشر	وفعلك يا ابن الهاشمية أفضل (۴)

(کتنی ہی اذیتیں ہیں جن کو زبیر نے اپنی تلوار کے ذریعہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ دے گا اور خوب دے گا، ان جیسا نہ ان میں ہے اور نہ ان سے پہلے تھا اور یہ زمانہ گزرتا جائے گا لیکن کوئی ان جیسا نہیں ہوگا، بہت سے لوگوں کے عملی اقدام کے مقابلہ میں تمہاری زبانی تعریف بہتر ہے اور اے ابن الباشمیہ! تمہارا عملی اقدام تو سب سے افضل ہے)۔

(۱) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصل الزبير رضي الله عنه، رقم (۱۲۲)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۲۷)، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب الزبير بن العوام رضي الله عنه، رقم (۳۷۱۷)۔

(۳) سير أعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۵۲)، وتهذيب الأسماء، (ج ۱ ص ۱۹۹)۔

(۴) تهذيب الكمال، (ج ۹ ص ۳۲۲)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے باوجود طولِ صحبت کے زیادہ حدیثیں منقول نہیں ہیں، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے جب ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو فرمایا:

”یا بنی، کانت عندي أمك، وعند رسول الله صلى الله عليه وسلم خالتك عائشة، وبينني وبينه من القرابة والرحم ما قد علمت، وعمتي أم حبيبة بنت أسد جدته، وعمته أُمِّي، وأُمُّ أَمْنَةَ بن وهب بن عبد مناف، وجدتي هالة بنت أهيب بن عبد مناف، وزوجته خديجة بنت خويلد عمتي، ولقد نلت من صحابته أفضل ما نال أحد، ولكني سمعته يقول: ”من قال عليّ ما لم أقل تبوأ مقعده من النار“ فلا أحب أن أحدث عنه“۔ (۱)

یعنی ”انہوں نے فرمایا کہ بیٹے! میرے پاس تمہاری والدہ تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری خالہ عائشہ تھیں اور مجھے آپ سے جو قرابت اور رشتہ داری ہے وہ تمہیں معلوم ہے، میری پھوپھی ام حبیبہ بنت اسد ان کی جدہ ہیں، ان کی پھوپھی میری والدہ ہیں، ان کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف ہیں اور میری جدہ ہالہ بنت اہیب بن عبد مناف ہیں، ان کی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد میری پھوپھی ہیں، آپ کے صحابہ میں سے جس کسی نے آپ سے کچھ حاصل کیا میں نے سب سے بہتر حاصل کیا، لیکن میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ”جو شخص مجھ پر ایسی بات باندھے جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“ سو میں اس وجہ سے نہیں چاہتا کہ آپ سے حدیثیں زیادہ بیان کروں۔“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے تقریباً اڑیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں متفق علیہ دو حدیثیں ہیں، سات احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہیں۔ (۲) واللہ اعلم

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واقعہ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے شریک ہوئے تھے،

(۱) تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۵ و ۳۲۶)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۱ ص ۶۷) وحلاصة الخبر حي (ص ۱۲۱)۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک حدیث یاد دلائی، اس پر وہ وہاں سے لوٹ پڑے (۱) راستے میں عمرو بن جرموز نامی بد بخت اور اس کے ساتھیوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا (۲)، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ (۳)

قتل کے بعد ابن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس خیال سے آیا کہ وہ اس ”کارنامہ“ سے خوش ہوں گے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”لیدخل قاتل الزبیر النار“۔ (۴)

اس کے بعد ابن جرموز کو سکون نہیں مل سکا، یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ ان کے گورنر مصعب بن الزبیر کے پاس آیا اور اپنی گرفتاری پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھ سے قصاص لے لو، مصعب نے حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ میں بنو تمیم کے ایک اعرابی سے زبیر کا قصاص لوں گا؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ ان کے جوتے کے تسمہ کے برابر بھی میں اُسے نہیں سمجھتا، اسے فوراً چھوڑ دو۔ (۵)

چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا، وہاں سے وہ کسی اونچے محل میں چلا گیا اور خودکشی کر لی۔ کہتے ہیں کہ وہ اس قتل پر از حد پریشان ہو گیا تھا، کیونکہ اسے ڈراؤنے خواب دکھائی دے رہے تھے۔ (۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جبکہ ان سے روایت کرنے والے حضرت عبد اللہ بن الزبیر، مالک بن اوس بن الحدثان، عبد اللہ بن عامر، حضرت حسن بصری، مسلم بن

(۱) عن أبي جرو المازني قال: شهدت عليا والزبير حين تواقفا، فقال له علي: يا زبير، أنشدك الله أسعيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنك تغتال عليا وأنت ظالم له؟ قال: نعم، ولم أذكر ذلك إلا في موقفني هذا، ثم انصرف. رواه أبو يعلى، انظر المطالب العالمة (ج ۴ ص ۳۰۳)، بقية كتاب الفتن، باب وفاة الحمل، رقم (۴۴۷۶)۔

(۲) دیکھئے سیر اعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۶۰ و ۶۱)، وتهذيب الكمال (ج ۹ ص ۳۲۶ و ۳۲۷)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۶۴)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج ۹ ص ۳۲۸)۔

(۵) سیر اعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۶۴)۔

(۶) حوالہ بالا، وتهذيب الكمال (ج ۹ ص ۳۲۸ و ۳۲۹)۔

جندب، میمون بن مہران، نافع بن جبیر بن مطعم، ابو جروالمہازنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۱)
آپ جمادی الاولیٰ یا رجب ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔ (۲) رضي الله تعالى عنه وأرضاه

اسنادی لطائف

اس سند میں دو لطائف ہیں:-

ایک یہ کہ اس سند میں دو تابعی ہیں، جامع بن شداد محاربی اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر اور دو صحابی ہیں حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما۔

یہ سند اگرچہ سدا سی ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ واسطے ہیں لیکن معنی رباعی ہے، کیونکہ دو تابعی ہم طبقہ ہونے کی وجہ سے گویا ایک واسطہ ہے، اسی طرح دو صحابی ہم طبقہ ہونے کی وجہ سے ایک واسطہ ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا طیفہ یہ ہے کہ اس میں ”روایۃ الأبناء عن الآباء بخصوص روایۃ الأب عن الجد“ کی خصوصیت ہے۔ (۳)

قال: قلت للزبير: إني لا أسمعك تحدث عن رسول الله صلى الله عليه

وسلم كما يتحدث فلان وفلان

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت زبیر سے عرض کیا کہ میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے نہیں سنتا، جیسا کہ فلاں اور فلاں صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایت کرتے ہیں

سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح بھی

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۰)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۲۹)، وسیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۶۵)۔

(۳) دیکھئے منہج الباری (ج ۱ ص ۲۰۰)۔

موجود ہے (۱)، یعنی جس طرح حضرت ابن مسعود اور فلاں فلاں حضرات روایت کرتے ہیں اس طرح آپ بھی کثرت سے روایت کیوں نہیں کرتے؟!

قال: أما إني لم أفارقه

فرمایا، سنو! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں رہا۔

مطلب یہ ہے کہ روایت بیان نہ کرنے کا منشا یہ نہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کثرت سے رہنے کا موقع نہ ملا ہو، میں نے آپ کی حدیثیں نہ سنی ہوں، بلکہ میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے خوف کی وجہ سے احتیاطاً حدیث بیان نہیں کرتا اور وہ آپ کا ارشاد ”من كذب علي فليتبوأ مقعده من النار“ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے صحابہ احتیاط کی وجہ سے احادیث بیان نہیں کرتے تھے، انہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ کہیں نقل میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔

اور جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیثیں بیان کیں یا تو ان کو اپنے آپ پر وثوق و یقین تھا کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں پورا پورا بے کم و کاست بیان کر رہے ہیں اور یا اس لئے بیان کیا کہ ان کی عمریں طویل ہوئیں، ان سے سوالات کئے گئے اور مجبوراً انہیں جواب دینا پڑا۔ (۲) واللہ اعلم

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو یہاں فرمایا ہے ”أما إني لم أفارقه“ ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں اس کے بعد ”منذ أسلمت“ بھی مذکور ہے (۳)، اس کا ظاہری مطلب تو یہ بنتا ہے کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں اُس وقت سے کبھی آپ سے جدا نہیں ہوا، لیکن یہ ظاہری مطلب مقصود نہیں، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھیں، اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت

(۱) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۶)، ومسند أحمد

(ج ۱ ص ۱۶۵) مسند الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۳) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۶۵)، ومسند ابن ماجہ، المقدمة، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم، رقم (۳۶)۔

کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ لہذا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھے عام احوال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہے، میں آپ سے جدا نہیں رہا۔ (۱)

ولكن سمعته يقول: من كذب علي فليتبوأ مقعده من النار

البتہ میں نے آپ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے تو اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

بخاری شریف کی یہ روایت ”ابوالولید عن شعبۃ“ کے طریق سے مروی ہے، جس میں ”من کذب علی“ کے ساتھ ”متعمداً“ کی قید نہیں ہے، اسی طرح یہ روایت اسماعیلی نے ”غندر عن شعبۃ“ کے طریق سے بھی نقل کی ہے، جس میں یہ قید مذکور نہیں ہے۔ (۲)

نیز زبیر بن بکار نے اپنی ”کتاب النسب“ میں اپنے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ قید موجود نہیں ہے (۳)، اسی طرح امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور طریق سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں ”من حدث عني كذباً“ اس میں بھی ”تعمداً“ کی قید موجود نہیں ہے۔ (۴)

جبکہ ان روایات کے مقابلہ میں ابن ماجہ نے ”غندر عن شعبۃ“ کے طریق سے روایت نقل کی ہے، جس میں ”متعمداً“ کا اضافہ بھی ہے (۵)، نیز اسماعیلی نے ”معاذ عن شعبۃ“ کے طریق سے حدیث ذکر کی ہے، اس میں بھی یہ قید موجود ہے۔ (۶)

حاصل یہ ہے کہ اکثر طرق و روایات میں تعمد کی قید نہیں ہے، جبکہ بعض طرق میں یہ قید موجود ہے۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۰)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۵۱)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۰)۔

(۳) حوالہ مال۔

(۴) سنن الدارمی (ج ۱ ص ۸۸) المقدمة، باب اتقاء الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم والتثبت فيه، رقم (۲۳۳)۔

(۵) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۶)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

کیا ”کذب“ کی تعریف

میں ”عمد“ کی قید ملحوظ ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ ”کذب“ کے اندر ”عمد“ کی قید لازمی ہے، یا یہ کہ ”کذب“ عام

ہے عمد ہو یا عمد نہ ہو؟

صحیح اور مختار قول اہل سنت کا ہے کہ ”کذب“: الإخبار بالشیء علی خلاف ما ہو علیہ سواء کان عمداً أو خطأً کو کہتے ہیں، جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے اکثر طرق میں ”عمد“ کا اضافہ نہیں ہے۔ (۱)

حدیث شریف کا اطلاق تو عام و خاسی اور ساسی و ناسی سب کو شامل ہے، البتہ اس بات پر اجماع ہے کہ عام کے علاوہ باقی لوگوں پر گناہ نہیں ہے۔ (۲)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خطأ و نسیان کی صورت میں گناہ نہیں ہے تو پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کیوں مذکورہ وعید کا خوف ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ان کو اکثر فی الروایۃ سے خوف محسوس ہوا ہے کہ کہیں وہ لاشعوری طور پر غلطی میں واقع نہ ہو جائیں، اگرچہ خطی گناہ گار نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثر مظنہ خطا ہے، اس لئے وہ اکثر کی وجہ سے گناہ گار ہو سکتا ہے اور جب کوئی ثقہ شخص خطأً غلط روایت بیان کر دے تو اس کی نقل پر وثوق ہونے کی وجہ سے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پر عمل کرتے رہیں گے، اس طرح وہ ثقہ شخص ایسے عمل کا سبب بن جائے گا جو شارع سے ثابت نہیں۔

لہذا جس شخص کو اکثر کی وجہ سے وقوع فی الخطا کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص پر تعدی اکثر کی صورت میں اطمینان نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اکثر

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۵۲)۔

سے احتراز کیا ہے۔ (۱) واللہ اعلم

فلیتَّبُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

تو اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سے بنالے۔

یہ صیغہ اگرچہ امر کا ہے لیکن اس کے معنی خبر کے ہیں، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ٹھکانہ دیں گے۔

یہ بھی امکان ہے کہ اس سے تہدید اور تہکم مقصود ہو، گویا اس میں خبر مقصود نہیں، بلکہ سزا کا بیان مقصود ہے کہ اس کو اس فعل کے بدلہ میں جہنم کی سزا ملے گی۔

اسی طرح اس معنی کا امکان بھی ہے کہ جس طرح اس نے بالقصد کذب کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بالقصد اپنے لئے ٹھکانہ بھی خود تلاش کرے۔

نیز بمعنی دعا بھی مراد لے سکتے ہیں، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بددعا فرما رہے ہیں کہ جس نے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل شنیع کا ارتکاب کیا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ٹھکانہ دے۔ (۲)

واللہ اعلم

۱۰۸ : حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ : قَالَ أَنَسٌ : ^(۳) إِنَّهُ لَيَسْتَعْنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (مَنْ تَعَمَّدَ عَلَى كَذِبًا فَلْيَتَّبُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) .

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۵۱)۔

(۳) قولہ: "قال أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم في صحيحه، في المقدمة، باب تعلیظ الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم (۳)، والترمذی في جامعه، في أبواب العلم، باب ما جاء في تعظیم الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم (۲۶۶۱)، وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب التعلیظ في تعمد الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم (۳۲)۔

تراجم رجال

(۱) ابو معمر

یہ ابو معمر عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج منقری بصری المعروف بالمقعد ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللہم علمہ الكتاب“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) عبد الوارث

یہ ابو عبیدہ عبد الوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری تنویری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم ہی میں ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللہم علمہ الكتاب“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) عبد العزیز

یہ عبد العزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، ”باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۳۰۸)۔

(۲) کشف الباری (ج ۳ ص ۳۰۹)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۲)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۴)۔

إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من تعدد عليّ كذباً فليتبوأ مقعده من النار۔

میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا اس سلسلہ میں میرے لئے مانع یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔
 ”إنه“ میں ضمیر شان ہے۔

”يمنع“ دو مفعولوں کو چاہتا ہے، اس کا ایک مفعول تو ”ليمنعني“ میں ضمیر متکلم ہے اور دوسرا مفعول ”أن أحدثكم حديثاً كثيراً“ ہے، پھر ”حديثاً“ چونکہ جنس ہے اس لئے اس کی صفت ”كثيراً“ لانا درست ہے، اور یہ ”أحدثكم“ کا مفعول مطلق ہے، آگے ”أن النبي صلى الله عليه وسلم قال“ إلخ ”يمنع“ کا فاعل ہے۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مقصد واضح ہے، وہ یہ کہ میں کثرت سے احادیث بیان کرنے سے اس لئے اجتناب کرتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی وجہ سے میں کثرت سے حدیث بیان نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کذب مطلقاً خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں، نیز یہ تو یقینی بات ہے کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کر سکتے، اب جو وہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دُرتے تھے اور جس دُور کی وجہ سے وہ کثرت سے احادیث بیان نہیں کرتے تھے وہ محض اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک کذب خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں، چاہے وہ عمداً کہی جائے یا سہواً۔ واللہ اعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس وعید کا

خوف ہے۔ جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے۔ (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت انس رضی اللہ عنہ شروع میں زیادہ حدیثیں بیان نہیں کرتے تھے، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے عمر طویل عطا فرمائی تھی، لوگوں نے ان سے سوالات کئے، اس لئے ان کے واسطے کتمان کی گنجائش نہیں رہی، چنانچہ اس کے بعد سوالات کے مطابق انہوں نے حدیثیں بیان کیں۔ (۲)

یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا وہ ان احادیث کے مقابلہ میں جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں بہت قلیل ہو، اگر سب کی روایت کرتے تو ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد موجودہ روایات کے مقابلے میں کئی گنا ہو جاتی۔ (۳) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

(۴)

۱۰۹ : حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ . عَنْ سَلَمَةَ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) .

تراجم رجال

(۱) مکی بن ابراہیم

یہ مشہور امام حدیث مکی بن ابراہیم بن بشیر تمیمی حنفی بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم

(۱) مکثرین صحابہ سے علماء اصول حدیث کے نزدیک وہ حضرات مراد ہیں جن کی روایتیں ایک ہزار سے متجاوز ہوں، ان کی ترتیب اور محدثوں کی تعداد درج ذیل ہے (۱) حضرت ابو ہریرہؓ | ۵۳۷۴ | (۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ | ۲۶۳۰ | (۳) حضرت انس بن مالکؓ | ۱۲۸۶ | (۴) حضرت عائشہ صدیقہؓ | ۱۲۱۰ | (۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ | ۱۶۶۰ | (۶) حضرت جابر بن عبداللہؓ | ۱۵۴۰ | (۷) حضرت ابوسعید خدریؓ | ۱۱۷۰ | رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ دیکھئے فتح المعیت للعرفی (ص ۳۵۰)، وفتح المعیت للسخاوی (ج ۴ ص ۱۰۲)، وخصر الأمانی (ص ۵۴۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۴) قولہ: "عن سلمة" هم ابن الأکوع، والحديث له صحيح أحد من أصحاب الأصول الستة سوى البخاري رحمه الله تعالى۔

ہی میں ”باب من أحاب الفتيا بإشارة اليد والرأس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) یزید بن ابی عبید

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ کے مولی ابو خالد یزید بن ابی عبید اسلمی حجازی

رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)

یہ اپنے مولی حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمیر مولی آبی اللحم رضی اللہ عنہ اور

ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں بکیر بن الأشج، تکی بن سعید القطان، حاتم بن اسماعیل، مغیرہ بن عبد

الرحمن مخزومی، مکی بن ابراہیم اور ابو عاصم النبیل رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة كثير الحديث“۔ (۴)

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

امام تکی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حجازي تابعي ثقة“۔ (۷)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”من بقايا التابعين الثقات“۔ (۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۹)

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۴۱۶)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۲ ص ۲۰۶)۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۲ ص ۲۰۶)، و تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۳۴۹)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۳۴۹)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳۲ ص ۲۰۶)، و سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۲۰۶)۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۳۴۹)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۲۰۶)۔

(۹) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۶۰۳) رقم (۷۷۵۴)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وحدیثہ من عوالي البخاری الثلاثیات“۔ (۱)

۱۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۲) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۳) حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت سلمہ بن عمرو بن الأكوع سلمی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے والد کے نام میں اور بھی

کئی اقوال ہیں، جبکہ ان کے دادا اکوع کا نام ہسان بن عبد اللہ بن قشیر ہے۔ (۳)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ایاس بن سلمۃ بن الأكوع، بریدہ بن سفیان، الحسن بن محمد بن الحنفیہ،

زید بن اسلم، سفیان بن فروہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک، عطاء مولی السائب بن یزید، ابوسلمہ بن

عبد الرحمن بن عوف اور یزید بن ابی عبید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۴)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیعت الرضوان (غزوۃ حدیبیہ) میں شریک تھے، اس روز انہوں نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر تین مرتبہ بیعت علی الموت کی۔ (۵)

بہت ہی بہادر اور نڈر تھے، تیر اندازی میں زبردست مہارت رکھتے تھے، (۶) ایک جماعت نے حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو چرانے کی کوشش کی تو حضرت سلمۃ بن الأكوع رضی اللہ عنہ نے تنہا اس پوری

جماعت کو شکست سے دو چار کیا، جبکہ آپ پیادہ پاتھے، اُس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ”خیر

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۲۰۶)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۲۰۶)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۰۱)، وتہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۲۹)۔

(۴) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۰۲)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۰۱)۔

(۶) ”کان سجداً رامياً، محسناً خيراً فاصلاً“۔ تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۲۹)۔

رحالنا مسلمة۔ (۱) ہمارے پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں۔

حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیہات میں سکونت اختیار کرنے کی پہلے سے اجازت لے رکھی تھی۔ (۲) چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں سے بچنے کی غرض سے انہوں نے مدینہ منورہ سے ربذہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں انہوں نے نکاح کیا، اولاد ہوئی اور انتقال سے کچھ ہی پہلے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ (۳)

حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ سے تقریباً ستر (۷۷) حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ سولہ حدیثیں ہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پانچ حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نو حدیثوں میں متفق ہیں۔ (۴)

حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں ہوا، بعض حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ان کا انتقال بتلایا ہے۔ (۵)

رضی اللہ عنہ وأرضاه

فائدہ

واضح رہے کہ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی ثلاثی حدیث ہے۔

ثلاثیات کی بحث مقدمہ میں گزر چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے عالی سند ثلاثی یعنی تین واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی حدیث ہے۔

(۱) اتحدی تفصیل کے لئے، دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوہ ذي قرد وغیرہا، رقم (۴۶۷۸)۔

(۲) "عن سلمة بن الأكوع أنه دخل على الحجاج، فقال: يا ابن الأكوع، ارتددت على عقيبتك، تعربت؟ قال: لا، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم أدن لي في البدو"۔ صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۵۰) کتاب الفتن، باب التعرب في الفتنة، رقم (۱۰۸۷)، واسطر صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب تحریم رجوع المهاجر إلى استيطان وطنه، رقم (۴۸۲۵)، ومسند أحمد (ج ۵ ص ۵۶ و ۵۷)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۵۰)، کتاب الفتن، باب التعرب في الفتنة، رقم (۷۰۸۷)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۲۹)، وحلاصة الحزرجي (ص ۱۴۸)۔

(۵) دیکھئے إحصاء (ج ۲ ص ۶۷)۔

صحیح بخاری میں ثلاثیات کی کل تعداد بلحاظ سند بائیس ہے اور بلحاظ روایت سترہ، کیونکہ پانچ روایات مکرر ہیں۔

ان بائیس میں سے گیارہ روایات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم شیخ مکی بن ابراہیم سے مروی ہیں (۱)، چھ حدیثیں امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں (۲) اور یہ دونوں حضرات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد ہیں (۳)، تین روایتیں محمد بن عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں (۴) اور یہ امام زفر اور امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں (۵)، جبکہ ایک روایت عصام بن خالد حمصی رحمۃ اللہ علیہ سے (۶) اور ایک روایت خلاد بن یحییٰ کو فی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ (۷)

گویا امام بخاری کی بائیس ثلاثی روایات میں سے بیس روایات حنفی مشائخ سے مروی ہیں، جبکہ آخری

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۱)، کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۰۶)۔
 (ج ۱ ص ۷۱) کتاب الصلاة، باب قدر كم ينبغي أن يكون من المصلي والمسترد رقم (۵۹۷)۔ (ج ۱ ص ۷۲) کتاب الصلاة، باب الصلاة إلى الأستقامة، رقم (۵۰۲)۔ (ج ۱ ص ۷۹) کتاب معرفة الصلاة، باب وقت المغرب، رقم (۵۶۱)۔ (ج ۱ ص ۲۶۸ و ۲۶۹) کتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، رقم (۲۰۰۷)۔ (ج ۱ ص ۳۰۵) کتاب الحلال، باب إن أحل من الميت على رجل حر، رقم (۲۲۸۹)۔ (ج ۱ ص ۵۱۵) کتاب الجهاد والسير، باب البيعة في الحرب أن لا يفرقوا، وقال بعضهم: على الموت، رقم (۲۹۶۰)۔ (ج ۱ ص ۵۲۷) کتاب الجهاد والسير، باب من رأى العدو فتادى بأعلى صوته: يا صباحاه حتى يسمع الناس، رقم (۳۰۵۱)۔ (ج ۲ ص ۶۰۵) کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، رقم (۵۲۰۶)۔ (ج ۲ ص ۸۲۶) کتاب الدبائح والصيد، باب أبة المحرم والمثمة، رقم (۵۴۹۷)۔ (ج ۲ ص ۱۰۱۷ و ۱۰۱۸) کتاب الديار، باب إذا قتل مسلم خطأ فلا دية له، رقم (۶۸۹۱)۔ واضح رہے کہ یہ گیارہ روایات گیارہ روایتیں ایک ہی سند یعنی ”مکی بن ابراہیم عن یزید بن أبی عیبد عن مسلمة بن الأكوع“ کے طریق سے مروی ہیں۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۵۷)، کتاب الصوم، باب إذا نوى بالنهار صوماً، رقم (۱۹۲۴)۔ (ج ۱ ص ۳۰۶) کتاب الکفالة، باب من تكفل عن ميت ديناً فليس له أن يرجع، رقم (۲۲۹۵)۔ (ج ۱ ص ۳۳۶) کتاب المضام والغصب، باب من شكسب الدنان التي فيها الخمر، رقم (۲۴۷۷)۔ (ج ۲ ص ۶۱۲) کتاب المغازی، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة، رقم (۵۲۷۲)۔ (ج ۲ ص ۸۳۵) کتاب الأصاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأصاحي وما يترود منها، رقم (۵۵۶۹)۔ (ج ۲ ص ۱۰۷) کتاب الأحكام، باب من باع مرتين، رقم (۷۲۰۸)۔ واضح رہے کہ یہ چھ روایتیں ایک ہی سند یعنی ”ابو عاصم الضحاك بن مخلد عن يزيد بن أبی عیبد عن مسلمة الأكوع“ کے طریق سے مروی ہیں۔

(۳) دیکھئے مقدمة إعلال المسن (أبو حنيفة وأصحابه المحدثون ص ۹۰ و ۹۱)۔

دونوں حضرات کو کسی نے حنفی علماء میں شمار نہیں کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر و بیشتر روایات ثلاثی ہیں، جبکہ ان میں ثنائی روایات بھی بکثرت ہیں، بلکہ بعض وحدانیات بھی ہیں (۱)، اسی حیثیت سے بعض حضرات نے فقہ حنفی کو وحدانی قرار دیا ہے۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ روایت تو تابعی ہیں، روایت تابعی ہونے میں اختلاف ہے (۲)، امام ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو ”وحدانیات“ جمع کی ہیں ان کی اسانید معلول ہیں۔ (۳)

امام بخاری کی ثلاثیات کا بعض حضرات نے اس طرح اہتمام کیا ہے کہ ان کی مستقلاً شرحیں لکھی ہیں، چنانچہ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ ثلاثیات پر محمد شاہ بن الحاج حسن متوفی ۹۳۹ھ نے ایک لطیف شرح لکھی ہے۔ (۴)

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاشیہ لکھا ہے۔ (۵)

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۷۲) کتاب الصلح باب الصلح فی الدیۃ، رقم (۲۷۰۳)، و (ج ۲ ص ۶۵۶) کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ فِي الْقَتْلِ الْحَرِّ بِالْحَرِّ﴾ إلى قوله عذاب أليم، رقم (۴۴۹۹)، و (ج ۲ ص ۱۰۱۸) کتاب الدیات، باب: ﴿الْمَن يَأْتِ بِالنَّفْسِ﴾، رقم (۲۸۹۹)۔

واضح رہے کہ یہ تینوں حدیثیں ”محمد بن عبد اللہ الأنصاری عن حمید عن انس“ کے طریق سے مروی ہیں۔

(۵) دیکھئے سیر اعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۵۳۷)۔

(۶) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۰۲) کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۵۴۶)۔ یہ روایت ”عصام بن خالد عن حریز بن عثمان عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ“ کے طریق سے مروی ہے۔

(۷) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۱۰۴) کتاب التوحید، باب ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، رقم (۷۴۲۱)، یہ روایت ”خلاد بن یحییٰ عن عیسیٰ بن طلحہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ“ کے طریق سے مروی ہے۔

(۱) دیکھئے مقدمة لامع الدراري (ج ۱ ص ۱۹۱) الفائدة الخامسة في خصائص الكتاب غير التراجع۔

(۲) دیکھئے ترجمان السنۃ (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۳) دیکھئے فتح المغیث (ج ۳ ص ۳۴۴)، والرسالة المستطرفة (ص ۸۱)۔

(۴) کشف الظنون (ج ۱ ص ۵۲۲)۔

(۵) اس کا نام ”تعليقات القاري على ثلاثيات البخاري“ ہے، دیکھئے المضاعفة المرحاة (ص ۸۸)، ومقدمة لامع الدراري

(ج ۱ ص ۲۶۰)۔

مولوی عبد الباسط قنوجی نے فارسی میں شرح تحریر کی ہے۔ (۱)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اردو میں شرح تحریر کی ہے۔ (۲)

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من يقل علي ما لم أقل فليتبوأ

مقعده من النار۔

حضرت سلمۃ بن الأكوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

سنا کہ جو شخص مجھ پر وہ بات لگائے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

”من يقل“ اصل میں ”من يقول“ تھا، شرطیت کی وجہ سے ”يقل“ ہو گیا۔ (۳)

”ما لم أقل“ میں ”ما“ ”شيئاً“ کے معنی میں ہے اور ”لم أقل“ کے بعد ”شيئاً“ کی طرف لوٹنے والی

ضمیر محذوف ہے، گویا پورا جملہ ہوگا ”من يقل علي شيئاً لم أقله.....“۔ (۴)

یہاں اگرچہ صرف ”قول“ کا ذکر ہے، فعل کا ذکر نہیں ہے لیکن ”فعل“ بھی ”قول“ میں داخل ہے کیونکہ

ممانعت کی علت میں دونوں شریک ہیں، یعنی جس علت کی وجہ سے قول کی نسبت ممنوع اور حرام ہے، بعینہ وہی

علت فعل کے ممنوع ہونے کی بھی ہے، پھر پیچھے جو حضرت زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث گذر

چکی ہیں ان میں عموم ہے، کیونکہ ان میں ”من كذب علي“ یا ”من تعمد علي كذباً“ کے الفاظ ہیں، جن

میں قول کے ساتھ ساتھ فعل بھی داخل ہے، اسی طرح حدیث باب کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو

حدیث آرہی ہے اس میں اسی قسم کے عمومی الفاظ ہیں، لہذا اگر کوئی کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو تو

اس کے بارے میں ”فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا ایسا ہی گناہ اور مستوجب وعید ہے جس طرح

ایسی بات کے بارے میں ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔ (۵)

(۱) مقدمة لامع الدراري (ج ۱ ص ۲۶۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۲)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

کیا روایت بالمعنی درست نہیں؟

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے بعض حضرات نے روایت بالمعنی کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے،

جو ظاہر ہے۔

جبکہ مجوزین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ایسے الفاظ لانے کی ممانعت ہے جو حکم کو بدل دیں، جہاں تک روایت باللفظ کا تعلق ہے سو اس کے اولیٰ ہونے میں کسی کا کلام نہیں۔ (۱) واللہ اعلم

۱۱۰ : حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَّانَةَ . عَنْ أَبِي حَصِينٍ . عَنْ أَبِي صَالِحٍ . عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتُمُوا بِكُنْيَتِي . وَمَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى . فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي . وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) . [۵۸۴۴]

تراجم رجال

(۱) موسیٰ

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی چوتھی

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۵۰۱) كتاب المناقب، باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۳۹)، و (ج ۲ ص ۹۱۴) كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولا تكتموا بكنتي، رقم (۶۱۸۸)، و (ج ۲ ص ۹۱۵) كتاب الأدب، باب من سمى بأسماء الأنبياء، رقم (۶۱۹۷)، و (ج ۲ ص ۱۰۳۵) كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۶۹۹۳)، وأخرجه مسلم في المقدمة، باب تغليب الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۴)، وفي كتاب الآداب، باب النهي عن النكس بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء، رقم (۵۵۹۷)، وأبو داود في سننه، في كتاب الأدب، باب في الرجل يتكلم بأبي القاسم، رقم (۴۹۶۵)، وابن ماجة في سننه، في المقدمة، باب التغليب في تعدد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۴)، وفي كتاب الأدب، باب الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۲۷۳۵)، وفي كتاب تعبير الرؤيا، باب رؤية النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۳۹۰۱)۔

حدیث کے ذیل میں (۱) اور قدرے تفصیل کے ساتھ کتاب العلم، ”باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) ابو عوانہ

یہ ابو عوانہ وضاح بن عبد اللہ شکر بنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) ابو حصین

یہ ابو حصین - بفتح الحاء المهملة و كسر الصاد المهملة - عثمان بن عاصم بن حصین - بالتصغير - اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض حضرات نے دادا کا نام حصین کے بجائے زید بن کثیر بتایا ہے۔ (۴)
یہ صحابہ کرام میں سے حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت انس، حضرت زید بن ارقم اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ (۵)

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۳ و ۴۳۴)۔

(۲) کشف الباری (ج ۳ ص ۴۱۳)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۴)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱۹ ص ۴۰۱)۔

(۵) قال الحافظ رحمه الله تعالى في تهذيب التهذيب (ج ۷ ص ۱۲۸): ”وذكره ابن حبان في الثقات في اتباع التابعين“
فروايته عن الصحابة عند ابن حبان مرسله، وهو الذي يظهر لي۔

قال الدكتور بشار عواد معروف حفظه الله تعالى في تعليقاته على تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۸):

”بدأ ذلك لابن حجر؛ لأن ابن حبان ذكره في طبقة اتباع التابعين رغم أن ابن حبان لم يتكلم فيه بما يشير إلى ذلك، ولم ينف على أي قول للمتقدمين بنفي روايته عن الصحابة إلا قول يحيى بن معين أنه لم يلق ابن عباس... فالرحل ثقة إن شاء الله، وروايته مقبولة، ولا يصح أن ينفي ملاقاته للصحابة لكون ابن حبان ذكره في طبقة اتباع التابعين، والله تعالى أعلم۔“

البتہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع کا انکار کیا

ہے۔ (۱)

ان کے علاوہ یہ اسود بن ہلال، ابو عبد الرحمن سلمی، ابو وائل، سوید بن غفلہ، سعد بن عبیدہ، سعید بن جبیر، عامر شعمی، ابوصالح السمان اور عمیر بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، قیس بن الربیع، مالک بن

مغول، مسعر بن کدام، ابو عوانہ اور ابوالأحوص رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۲)

عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لم یکن بالكوفة أثبت من أربعة: منصور،

و أبو حصین، وسلمة بن کھیل، وعمرو بن مرة“۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں ”لا تری حافظاً یختلف علی أبي حصین“۔ (۴)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ان کی تعریف

کی۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أبو حصین کان شیخاً عالياً، وکان صاحب سنة“۔ (۶)

نیز وہ فرماتے ہیں ”أبو حصین الأسدي: کوفي ثقة، وکان عثمانیاً رجلاً صالحاً“۔ (۷)

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں ”کان ثقة ثبتاً فی الحديث.....“۔ (۸)

يعقوب بن سفيان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حدثنا أبو نعيم، قال: حدثنا سفيان عن أبي

(۱) انظر تعليقات تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۱) نقلاً عن تاريخ الدوري (۲/۳۹۳)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۱ و ۴۰۲)، و تهذيب التهذيب (ج ۷ ص ۱۲۶)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۳)، و سير أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۴۱۳)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تهذيب الكمال (ج ۱۹ ص ۴۰۴)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

حسین أسدي، شريف، ثقة ثقة كوفي۔ (۱)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أجمعوا على أنه ثقة حافظ۔“ (۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت صاحب سنة۔“ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت سني، وربما دلس۔“ (۴)

۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۵) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۴) ابوصالح

یہ مشہور تابعی ابوصالح ذکوان السمان الزیات رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان،

”باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۶)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر چکے

ہیں۔ (۷)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تسمّوا باسمي، ولا تكتنوا بكنيتي

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۹ ص ۴۰۵)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۷ ص ۱۲۸)۔

(۳) الکاشف (ج ۲ ص ۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۴) تقریب التہذیب (ص ۳۸۴)، رقم (۴۴۸۴)۔ قال الشيخ محمد عروامة حفظه الله: ”وقول الحافظ في التقریب (۴۴۸۴):

”ربما دلس“: مأخوذ من كلام للأعمش فيه، وقد كان بينهما على إمامتهما ما يكون بين المتعاصرين، فلا ينبغي

اعتماده، ولم يدخله الحافظ نفسه (في) رسالته ”مراتب المدلسين“۔ النظر تعليقاته على الكاشف (ج ۲ ص ۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۵) الکاشف (ج ۲ ص ۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۶) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۷) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

روایت باب کی شان و رود

اس روایت کی شان و رود یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ کسی نے ”یا ابا القاسم!“ کہہ کر پکارا، آپ متوجہ ہوئے تو اُس شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کو نہیں، فلاں کو پکار رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا ”سموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی“۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ کے نام

نامی پر نام اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنے کا حکم

اس مسئلہ میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں:

۱..... پہلا مذہب امام شافعی اور اہل ظاہر کا ہے، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے ”ابو القاسم“ کنیت درست نہیں ہے، خواہ اس کا نام محمد یا احمد ہو، یا نہ ہو۔

ان حضرات کا استدلال حدیث باب کے ظاہر سے ہے۔ (۲)

۲..... دوسرا مذہب امام مالک اور جمہور علماء کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ابو القاسم کنیت رکھنا مطلقاً جائز ہے، خواہ کسی کا نام محمد و احمد ہو، یا نہ ہو، گویا یہ حضرات حدیث نبی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں اور آپ کے وصال کے بعد اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ (۳)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ عصر اول سے لے کر آج تک لوگ ”ابو القاسم“ کنیت رکھتے رہے اور کسی نے

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۸۵)، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الأسواق، رقم (۲۱۲۰) و (۲۱۲۱)۔

(۲) (ج ۱ ص ۵۰۲) کتاب المناقب، باب کنیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۵۳۷)۔

(۳) شرح النووي لصحیح مسلم (ج ۲ ص ۲۰۶) کتاب الآداب، باب التکلی بآبی القاسم و بیان ما یستحب من الأسماء۔

(۳) حوالہ بالا۔

نکیر نہیں کی۔ (۱)

ان حضرات کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”قال علي: قلت: يا رسول الله، إن

ولد لي من بعدك ولد أسميه باسمك، وأكنيه بكنيتك؟ قال: نعم“۔ (۲)

۳..... تیسرا مذہب ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی تو منسوخ نہیں ہے، البتہ

یہ نبی تنزیہ و ادب کے لئے ہے، نہ کہ تحریم کے لئے۔ (۳)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو اجازت دینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کی کنیت ابوالقاسم رکھنا اس بات کی طرف اشارہ

ہے کہ نبی کی روایات کراہت تنزیہی پر محمول ہیں نہ کہ تحریم پر۔ اور یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ نبی

تنزیہی جواز ہی کا ایک شعبہ ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جائے گا، تاہم مقتدا اہل علم بعض

اوقات عام لوگوں سے تنگی کو دفع کرنے کے لئے مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ پر بھی عمل کر لیتے ہیں، یہاں

بھی ایسا ہی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر یہ نبی تحریم کے لئے ہوتی تو صحابہ کرام

اس پر ضرور نکیر کرتے اور ان کو یہ کنیت رکھنے ہی نہ دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے بھی اس نبی کو تنزیہ ہی پر محمول کیا ہے۔ (۴)

۴..... چوتھا مذہب بعض سلف کا ہے کہ ابوالقاسم کی کنیت اس شخص کے لئے ممنوع ہے جس کا نام محمد یا احمد

ہو، یعنی ابوالقاسم کی کنیت اس شخص کے واسطے جائز نہیں جس کا نام محمد یا احمد ہو اور جس کا نام ان دونوں میں سے

کوئی نہ ہو اس کے لئے اس کنیت میں کوئی حرج نہیں۔ (۵)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الرحمة في الجمع بينهما، رقم (۴۹۶۷)، وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب ما

جاء في كراهية الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۲۸۴۳)۔

(۳) شرح النووي لصحيح مسلم (ج ۲ ص ۲۰۶) كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء۔

(۴) فتح الباري (ج ۱ ص ۵۷۳) كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي۔

(۵) شرح النووي لصحيح مسلم (ج ۲ ص ۲۰۶)۔

ان حضرات کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ہے ”من تسمى باسمي

فلا يكتني بكنيتي ومن اكنني بكنيتي فلا يتسمى باسمي“۔ (۱) (اللفظ لأبي داود)

۵..... پانچواں مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کی کنیت مطلقاً ممنوع ہے، خواہ اس کا نام محمد و احمد ہو یا نہ ہو، اسی

طرح کسی کا نام ”قاسم“ رکھنا بھی ممنوع ہے تا کہ اس کا باپ ”ابوالقاسم“ نہ پکارا جائے۔

مروان بن الحکم نے اپنے بیٹے عبد الملک کا نام پہلے ”قاسم“ رکھا تھا، لیکن جب یہ حدیث ان کو پہنچی تو

اپنے بیٹے کا نام بدل دیا اور عبد الملک رکھ دیا۔

بعض حضرات انصار کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (۲)

۶..... چھٹا مذہب یہ ہے کہ ”محمد“ نام رکھنا ہی مطلقاً ممنوع ہے، اسی طرح ”أبو القاسم“ کنیت رکھنا

بھی مطلقاً ممنوع ہے۔ (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے ”لا تسموا أحداً باسم نبي“۔ (۴)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ”تسمونهم محمداً ثم تلعنونهم“۔ (۵)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک اور جمہور علماء کے مذہب کو رائج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وأما إطباق الناس على فعله، منع أن في المتكئين به والمكئين الأئمة الأعلام،

وأهل الحل والعقد، والذين يقتدى بهم في مهمات الدين: ففيه تقوية لمذهب

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب فيمن رأى أن لا يجمع بينهما، رقم (۵۹۶۶)، وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب

ما جاء في كرامة الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۲۸۵۲)۔

(۲) دیکھئے شرح السنوي (ج ۲ ص ۲۰۶)۔

(۳) دیکھئے شرح السنوي (ج ۲ ص ۲۰۶)، وفتح الباري (ج ۱ ص ۵۷۲) كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم:

سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي۔

(۴) فتح الباري (ج ۱ ص ۵۷۲)۔

(۵) المطالب العالی بزوائد المسانيد الثمانية (ج ۳ ص ۳۱) كتاب البر والصلة، باب إباحة التسمي بأسماء الأنبياء، وما جاء في

كرامة ذلك، رقم (۲۷۹۶)، وكشف الأستار عن زوائد الزار (ج ۲ ص ۴۱۲) كتاب الأدب، باب كرامة اسم النبي صلى الله

عليه وسلم، رقم (۱۹۸۷)، ومجمع الزوائد (ج ۸ ص ۴۸) كتاب الأدب، باب ما جاء في اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته۔

مالک فی جوازہ مطلقاً، ویکنونون قد فہموا من النہی الاحتصاص بحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم.....“ (۱)

یعنی ”مطلقاً ابوالقاسم کی کنیت رکھنا جائز ہے، تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے، نیز اس کنیت کے اختیار کرنے والے اور دوسروں کی کنیت رکھنے والے بڑے بڑے ائمہ ہیں، اہل حل و عقد ہیں اور ایسے لوگ ہیں جو مہمات دین میں مقتدی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس میں امام مالک کے مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ مطلقاً جواز ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات نے یہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ مختص سمجھا ہے۔“ واللہ اعلم

ومن رآنی فی المنام فقد رآنی؛ فإن الشیطان لا یتمثل فی صورتی
اور جس نے خواب میں مجھے دیکھا سو اس نے بیشک مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔

خواب کی حقیقت

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقت خواب کی یہ ہے کہ نفس انسان جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں، اسی کا نام خواب ہے۔ (۲)

خواب کی قسمیں

پھر اس کی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل ہیں، جن کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں ہوتی اور

(۱) کتاب الأذکار مع شرحہ الفتوحات الربانیة (ج ۶ ص ۱۵۴) کتاب الأسماء، باب المہی عن الشککی بأبی القاسم۔

(۲) دیکھئے التفسیر المظہری (ج ۵ ص ۱۳۷)۔

ایک اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح و صادق ہے، مگر اس صحیح قسم میں بھی کبھی کبھی عوارض شامل ہو کر اس کو فاسد اور ناقابل اعتبار کر دیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ خواب میں جو انسان مختلف صورتیں اور واقعات دیکھتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں متشکل ہو کر نظر آ جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، یہ دونوں قسمیں باطل ہیں، جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے اور نہ اس کی کوئی واقعی تعبیر ہو سکتی ہے، ان میں پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری کو تسویل شیطانی کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندہ کو متنبہ کرنے یا خوش خبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اس کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

طبرانی کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے“۔ (۱)

اس کی تحقیق صوفیہ کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں وجود میں آنے والی ہیں اس وجود سے پہلے ہر چیز کی ایک خاص شکل عالم مثال میں ہوتی ہے اور اس عالم مثال میں جس طرح جواہر اور حقائق ثابتہ کی صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں اسی طرح معانی اور اعراض کی بھی خاص شکلیں ہوتی ہیں، خواب میں جب نفس انسانی ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو بعض اوقات اس کا تعلق عالم مثال سے ہو جاتا

(۱) قال الحافظ في الفتح (ج ۱۲ ص ۳۵۴)، کتاب التعبير، باب أول ما بدي، به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي: الرؤيا الصالحة: ”ذكر ابن القيم حديثاً مرفوعاً غير معزواً: ”إن رؤيا المؤمن كلام يكلم به العبد ربه في المنام“ ووجد الحديث المذكور في نوادر الأصول للترمذي، من حديث عبادة بن الصامت، أخرجه في الأصل الثامن والسبعين، وهو من روايته عن شيخه عمر بن أبي عمر، وهو واه، وفي سنده حيد“۔ وانظر مجمع الزوائد (ج ۷ ص ۱۷۴) كتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحة، قال الهيثمي: ”رواه الطبراني وفيه من لم أعرفه“۔ وانظر التفسير المظهر (ج ۵ ص ۱۳۷) قال الفاني فتي رحمه الله: ”رواه الطبراني بسند صحيح، والضياء“۔

ہے، وہاں جو کائنات کی شکلیں ہیں وہ اس کو نظر آ جاتی ہیں، پھر یہ صورتیں عالم غیب سے دکھائی جاتی ہیں، بعض اوقات ان میں بھی کچھ عوارض ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اصل حقیقت کے ساتھ کچھ تخیلات باطلہ شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے اہل تعبیر کو بھی اس کی تعبیر سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ تمام عوارض سے پاک صاف رہتی ہیں تو وہ اصل حقیقت ہوتی ہیں مگر ان میں بعض خواب محتاج تعبیر ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں حقیقت واضح نہیں ہوتی، ایسی صورت میں بھی اگر تعبیر غلط ہو جائے تو واقعہ مختلف ہو جاتا ہے، اس لئے صرف وہ خواب صحیح طور پر الہام من اللہ اور حقیقت ثابتہ ہوگی جو اللہ کی طرف سے ہو اور اس میں کچھ عوارض بھی شامل نہ ہوئے ہوں اور تعبیر بھی صحیح دی گئی ہو۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے سب خواب ایسے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے، ان خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گناہوں کی ظلمت و کدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتماد بنا دیتی ہے، بعض اوقات تعبیر صحیح سمجھ میں نہیں آتی۔ (۱)

خواب کی یہ تین قسمیں جو ذکر کی گئی ہیں یہی تفصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم شیطانی ہے، جس میں شیطان کی طرف سے کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں، دوسری وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے، وہی صورتیں خواب میں سامنے آ جاتی ہیں، تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیا لیسواں جزء ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔ (۲)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر مظہری (ج ۵ ص ۱۳۷-۱۴۱)، و معارف القرآن (ج ۵ ص ۱۸-۲۰)۔

(۲) عن عوف بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إن الرؤيا ثلاث، منها أهوایل من الشيطان ليحزن بها ابن آدم، ومنها ما يهيم به الرجل في يقظته، فيراه في منامه، ومنها جزء من ستة وأربعين جزءاً من النبوة"۔ سنن ابن ماجہ، کتاب تعبیر الرؤيا، باب الرؤيا ثلاث، رقم (۳۹۰۷)۔

کیا مذکورہ حدیث کا مصداق بننے کے لئے

آپ کو آپ کے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا آپ کی تصریح کے مطابق آپ ہی کو دیکھنا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جس حال میں بھی دیکھنے والے نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التعبير میں امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے ”إِذَا رَأَاهُ فِي صُورَتِهِ“۔ (۱) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شکل و صورت اور حلیہ میں دیکھا ہو تو آپ کو دیکھا ہے۔

چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر کوئی شخص اگر یہ کہتا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حلیہ پوچھتے جو خواب میں دیکھا، اگر خلاف معبود حلیہ بتاتا تو کہہ دیتے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ (۲)

اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہوتی ہے، عاصم بن کلیب کہتے ہیں:

”حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: قُلْتُ لِبْنِ عَبَّاسٍ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ،

قَالَ: صَفِّهِ لِي، قَالَ: ذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَشَبَّهْتَهُ بِهِ، قَالَ: قَدْ رَأَيْتَهُ“۔ (۳)

یعنی ”میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے فرمایا کس حلیہ میں دیکھا بیان کرو! مجھے حضرت حسن بن علی یاد آئے، میں نے ان کے ساتھ تشبیہ دی، فرمایا کہ ہاں! تم نے دیکھا ہے۔“

جبکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ دیکھنے والے نے جس شکل میں بھی دیکھا ہے حضور

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۳۵)، کتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۶۹۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱۲ ص ۳۸۴) کتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام۔

(۳) حوالہ بالا۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ (۱) البتہ اگر آپ کو اس شکل میں دیکھا جو احادیث میں وارد ہوئی ہے تو آپ کی ذات کو دیکھا اور اگر کسی اور شکل میں دیکھا تو یہ شکل تمثیل ہوگی، اگر اچھی شکل میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے دین کی خوبی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین کا آئینہ ہیں، آپ کے آئینے میں دین نظر آتا ہے اور اگر کسی ناپسندیدہ صورت میں دیکھا تو دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (۲)

خواب کی حالت میں حضور ﷺ

کا ارشاد حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو کہ آپ کسی چیز کی خبر دے رہے ہیں، یا کسی چیز سے منع فرما رہے ہیں، یا کسی چیز کا حکم دے رہے ہیں تو آیا ایسے ارشادات منامیہ شرعی حجت ہیں یا نہیں؟

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خواب میں آپ کے ارشادات شرعی حجت نہیں ہیں، البتہ وہ ارشاد اگر کسی حکم شرعی سے مصادم نہ ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ذاتیہ یا صورت مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ ایسے حکم پر عمل کرنا مستحسن ہے۔ (۳)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب خواب دیکھنے والے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے اور آپ کا دیکھنا برحق بھی ہے تو آپ کے ارشادات مبارکہ بھی برحق اور حجت ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے برحق ہونے کے لئے حقیقی حلیہ مبارکہ کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک تو خواب کی حالت میں ارشادات کا حجت نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ جزا یہ بات کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصل

(۱) دیکھئے شرح النووی لمصباح مسلم (ج ۲ ص ۲۴۲ و ۲۴۳)، کتاب الرؤیا۔

(۲) دیکھئے الکبرکب الدرر (ج ۳ ص ۱۹۶) أبواب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رآنی فی المنام۔

(۳) دیکھئے کلمۃ فتح المسلم (ج ۴ ص ۴۵۲)، کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رآنی فی المنام فقد رآنی۔

حلیہ میں دیکھا ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں شبہ پیدا ہو گیا تو خواب کے حجت ہونے کا کیا سوال ہے؟!

اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری نہیں، ان کے نزدیک خواب کی عدم حجت اس بنیاد پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں یہ تو فرمایا ہے کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اُس نے واقعی مجھے دیکھا ہے کیونکہ شیطان تصرف کر کے میری صورت نہیں بن سکتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خواب میں میرا ارشاد بھی برحق ہوگا اور اس کی نسبت میری طرف کی جاسکے گی، ظاہر ہے کہ رؤیا کے برحق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز خواب میں دکھائی دے رہی ہے یا سنائی دے رہی ہے حقیقت میں بھی واقع ہو، بلکہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خواب ”أضغاث“ میں سے نہیں ہے، اس کی کوئی تعبیر ہے، اس تعبیر کی نسبت سے یہ خواب برحق ہے، نہ کہ مرئی اور مسموع کی نسبت سے۔ (۱)

پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے اندر شیطان کے تصرفات کا تو کوئی دخل نہیں ہوتا، تاہم دیکھنے والے کی قوت متخیلہ بعض اوقات اثر انداز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معروف ہیئت کے بجائے کسی اور ہیئت میں بھی دکھائی دیتے ہیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے خیال میں ایسا کوئی کلام واقع ہو جائے جس کا تکلم آپ نے نہیں فرمایا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ تو بھول چکا، تاہم جاگنے کے بعد اسے ایسی باتوں کا خیال آیا جو خواب میں پیش ہی نہیں آئیں۔

لہذا ان شبہات کے ہوتے ہوئے ہم ان احکام کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت یقظہ میں حاصل ہوئے، نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حالت رؤیا اور حالت یقظہ میں اگر تعارض ہو جائے تو حالت یقظہ کو ترجیح حاصل ہوگی۔ (۲) کیونکہ یہ بھی تو معلوم ہے کہ مغفل کی روایت معتبر نہیں، جب بیداری میں غفلت کی وجہ سے روایت قبول نہیں کی جاتی تو نوم کی غفلت تو بیداری کی غفلت سے بدرجہا زائد ہے، پھر اس نام مغفل کی روایت کو کیسے قبول کیا جائے؟!

(۱) دیکھئے تکملة فتح الملیہ (ج ۴ ص ۴۵۲)۔

(۲) حوالہ سابقہ

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی قاضی کے سامنے دو عادل اور ثقہ گواہوں نے کسی معاملہ کی گواہی دی، پھر جب قاضی سویا تو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کرو، یہ شہادت باطل ہے، آیا حاکم رؤیا کے مطابق فیصلہ کرے گا یا شہادت کے مطابق فیصلہ دے گا؟ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی کے لئے رؤیا کے مطابق فیصلہ دینا درست نہیں، اس رؤیا کی وجہ سے شہادت پر عمل کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح خواب کو حجت قرار دیں گے تو اس سے ابطال شریعت لازم آئے گا اور یہ درست نہیں، وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب کو تو وحی کی حیثیت حاصل ہے، جبکہ ان کے سوا باقی کسی کا خواب وحی نہیں ہے اور خواب کے ذریعہ کسی غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ (۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبد الوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مغرب کے فقراء میں سے ایک فقیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس کو شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں، اس نے اپنے وقت کے علماء سے پوچھا، ہر شخص نے کوئی نہ کوئی محمل بتایا اور کوئی نہ کوئی تاویل کی، اس وقت مدینہ منورہ میں ایک عالم محمد بن عراقی تھے، جو نہایت قبیح سنت بزرگ تھے، ان کے سامنے جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کی قوتِ سامعہ میں کچھ خلل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ”لا تشرب الخمر“ اس نے ”لا تشرب“ کو ”اشرب“ سمجھ لیا۔ (۲)

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے سر پر انگریزی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے، اس خواب کی وجہ سے اس شخص کو وحشت ہوئی، اس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ اس کے دین پر نصرانیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳)

(۱) دیکھئے الاعتصام للشاطبي (ج ۱ ص ۲۶۲ و ۲۶۳)، الباب الرابع في مأخذ أهل البدع بالاستدلال۔

(۲) دیکھئے أشعة اللمعات (ج ۳ ص ۶۳۹)۔

(۳) دیکھئے فیض الباری (ج ۱ ص ۲۰۳ و ۲۰۴)۔

کیا خواب میں حضور اکرم ﷺ

کی زیارت کرنے والا صحابی ہوگا؟

کسی نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو تو کیا وہ صحابی ہوگا؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صحابی نہیں ہوگا، اس لئے کہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، اس دیکھنے سے مراد معہود اور معتاد رؤیت ہے، منامی رؤیت معتاد نہیں، اسی طرح یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس رؤیت سے مراد آپ کی دنیوی حیات میں زیارت ہے۔ (۱)
علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

اس کے بعد یہ سمجھو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خواب میں کسی نے دیکھا تب تو آپ ہی کو دیکھا، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا ہے تو کیا اس کی بات معتبر ہوگی؟ اور آپ کو بیداری میں دیکھنا ممکن ہے یا نہیں؟

بعض حضرات نے اس کی نفی کی ہے (۳) اور کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت منامی تو ثابت ہے، بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ متواتر ہے (۴)، جبکہ رؤیت فی البقظہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہے، البتہ ”من رآنی فی المنام فسیرانی فی البقظہ“ کے احتمالات میں سے ایک احتمال کے طور پر اشارہ ملتا ہے۔ (۵)

(۱) دیکھئے عسدة الفاری (ج ۲ ص ۱۵۶)۔

(۲) تدریج الحدیث فی إمكان رؤیة النبی والمسیح [حسن الحاکوی للفتاویٰ (ج ۲ ص ۲۶۵)]۔

(۳) دیکھئے المواہب اللدنیة مع شرحہ (ج ۷ ص ۲۹۲) الفصل الرابع، ما اختص به صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل والكرامات۔

(۴) مراح المواہب اللدنیة للزرقانی (ج ۷ ص ۲۹۲)۔

(۵) حوالہ بالا۔

اسی طرح حضرات صحابہ و تابعین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شدت تعلق کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کے عالم میں دیکھا ہو، حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے جو صدمہ لاحق ہوا تھا، وہ صدمہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف چھ ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا، ان کا گھر روضہ مبارک سے ملا ہوا تھا، تاہم ان سے بھی منقول نہیں ہے کہ اس پورے عرصہ میں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھا ہو۔ (۱)

اس کے مقابلہ میں بہت سے محققین نے اس کا اثبات کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ ”تنویر الحلق فی إمكان رؤیة النبی والملك“ لکھا ہے (۲)، علامہ بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”توثیق عری الإسلام“ میں، علامہ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”بہجة النفوس“ میں، عقیف یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”روض الریاحین“ میں اور شیخ صفی الدین بن ابی المنصور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ”رسالہ“ میں سلف صالحین سے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ (۳)

علامہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خواب میں دیکھا، پھر بمصادیق حدیث ”من رآنی فی المنام فیسیرانی فی الیقظة“ انہوں نے آپ کو بیداری کے عالم میں بھی دیکھا، آپ سے ان حضرات نے اپنی بعض مشکلات و مسائل کا حل بھی پوچھا، آپ نے ان کا حل بتایا۔ (۴)

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا منکر یا تو کرامات اولیاء کا ماننے والا ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے تو ہماری اس سے بحث ہی نہیں ہے، کیونکہ اس نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو ”سنت“ سے واضح دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔

(۱) السواہب الدینیة للقسطالانی وشرحها للزرقانی (ج ۷ ص ۲۹۲)۔

(۲) جو ”الحاوی لتفتاویٰ“ کے ضمن میں طبع ہوا ہے۔

(۳) السواہب الدینیة (ج ۷ ص ۲۹۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

اور اگر وہ کراماتِ اولیاء کو برحق سمجھتا ہے تو یہاں بھی وہ تسلیم کر لے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایت یقظۃ بطور کرامت ہے۔ (۱)

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے بعد بیداری کی حالت میں نہ دیکھنے اور بعد والوں کے دیکھنے میں توجیہ کی ضرورت ہے، جس سے اطمینان ہو سکے، یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ جن حضرات صالحین سے دیکھنا منقول ہے یہ سب جھوٹ اور بے اصل ہے، کیونکہ اس کے ناقلین بھی بہت زیادہ ہیں اور یہ دعویٰ کرنے والے بڑے جلیل القدر اللہ والے لوگ ہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے دیکھا تو واقعی ہے لیکن یہ روایت منامی ہے، بیداری کے عالم میں نہیں، کیونکہ اس محمل پر حمل کرنا ایک تو بعید ہے، دوسرے بعض واقعات کو منام پر محمول کیا ہی نہیں جاسکتا۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ از قبیل خوارقِ عادت ہے، جیسے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامتیں۔

جہاں تک صدرِ اول میں نہ دیکھنے کا تعلق ہے، سو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت یقظۃ میں دیکھنا خارقِ عادت کے طور پر ہے اور صدرِ اول میں یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں خوارق کا صدور بہت کم ظاہر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آسمان رسالت کے آفتاب ہیں، آپ کا زمانہ بہت قریب ہے، ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے، ابذا عین ممکن ہے کہ ان حضرات کے دور میں بعض حضرات نے آپ کو عالم بیداری میں دیکھا ہو، لیکن انہوں نے خلافِ مصلحت سمجھ کر اس کو ظاہر نہ کیا ہو۔ ان حضرات کے نہ دیکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے ان کی ابتلا و آزمائش مقصود ہو، یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھ لیتا تو دوسروں کے لئے فتنہ و آزمائش کا دروازہ کھل جاتا، ایک مصلحت یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت چونکہ بہت سے حضرات ایسے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعینہ عکس تھے، اس لئے آپ کو کسی نے یقظہ نہیں دیکھا، نیز اس کا بھی قوی امکان ہے کہ آپ کو بیداری میں کثرت سے دیکھتے تو آپ سے اس موقع پر براہ راست استفادہ کیا جاتا، اس طرح کتاب و سنت میں اجتہاد کا دروازہ نہ کھلتا، اب جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں اور نہ ہی عالم بیداری میں کوئی آپ کو دیکھ رہا تھا، اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا، اس طرح امت کے لئے آسانی پیدا ہو گئی۔ (۱)

جہاں تک منکرین کا یہ کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی صحت کی ضمانت دی ہے بیداری میں نہیں، لہذا بیداری میں ممکن ہے کہ جنات و شیاطین متمثل ہو کر اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اور رائی کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری کی حالت خواب کی حالت سے اقویٰ ہے، جب حالت خواب میں تمثیل شیطانی نہیں ہو سکتا تو بیداری میں بھی نہیں ہو سکتا۔

ممکن ہے منکرین یہ کہیں کہ ”فإن الشیطان لا یتمثل بی“ کا تعلق خواب سے ہے، بیداری سے نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ”فإن الشیطان لا یتمثل بی“ کا تعلق خواب سے ہے، تاہم اس کی علت میں غور کریں کہ کس علت کی بنا پر آپ نے یہ فرمایا، وہ علت یہ ہے کہ آپ ہدایت محض ہیں اور شیطان ضلال محض، ضلال محض ہدایت محض کی شکل اختیار نہیں کر سکتا، لہذا جس طرح یہ علت حالت خواب میں ہے، بعینہ یہی علت بیداری کی حالت میں بھی ہے، لہذا یہ ممکن نہیں ہے کہ حالت بیداری میں شیطان متمثل ہو کر دھوکہ میں ڈال دے۔ واللہ اعلم

کیا شیطان خواب میں اللہ تعالیٰ

کی صورت میں متشکل ہو کر آ سکتا ہے؟

کیا شیطان خواب میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ”اللہ“ ہوں؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان اس طرح کہہ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح

(۱) دیکھئے روح المعانی (ج ۱۲ ص ۳۹) تحت تفسیر قولہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ

مظہر ہدایت ہیں اسی طرح مظہر ضلالت بھی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فیضل اللہ من یشاء ویہدی من یشاء﴾۔ (۱) واللہ أعلم بالصواب (۲)۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار

اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

یہاں حدیث باب کا یہی جزء اصالتاً اور بالذات مقصود ہے۔

”من کذب علی متعمداً“ کا تواتر

حدیث ”من کذب علی متعمداً“ بہت سے صحابہ کرام سے منقول ہے، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ اسے حضرت زبیر (۳)، حضرت علی (۴)، حضرت انس (۵) اور حضرت ابو ہریرہ (۶) رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت مغیرہ (۷)، حضرت سلمہ بن الأكوع (۸)، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (۹) اور حضرت واثلہ بن الاسقع (۱۰) رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ البتہ اس میں وعید بالنار کی تصریح موجود نہیں ہے۔ (۱۱)

(۱) سورۃ ابراہیم ۴۱۔

(۲) دیکھئے لامع الدراری و تعلیقاتہ (ج ۱۰ ص ۲۴۰ و ۲۴۱) کتاب التعبير۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۱) کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۱۰۷)۔

(۴) حوالہ بالا، رقم (۱۰۶)۔

(۵) حوالہ بالا، رقم (۱۰۸)۔

(۶) حوالہ بالا، رقم (۱۱۰)۔

(۷) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۷۲) کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت، رقم (۱۲۹۱)۔

(۸) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۱) کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۱۰۹)۔

(۹) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۹۱) کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم (۳۴۶۱)۔

(۱۰) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۹۸) کتاب المناقب، باب (بدون ترجمۃ، بعد باب نسبة الیمن إلی إسماعیل)، رقم (۳۵۰۹)۔

(۱۱) الفاظ یہ ہیں ”إن من أعظم الفری أن یدعی الرجل إلی غیر أبیہ أو یری عینہ ما لم تر، أو یقول علی رسول اللہ ﷺ ما لم یقل“۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت علی (۱)، حضرت انس (۲)، حضرت ابو ہریرہ (۳) اور حضرت مغیرہ (۴) رضی اللہ عنہم سے یہ روایت نقل کی ہے، جبکہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے صرف انہوں نے ہی روایت کی ہے (۵) امام بخاری نے نہیں کی۔

صحیحین کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں حضرت عثمان (۶)، حضرت ابن مسعود (۷)، حضرت ابن عمر (۸)، حضرت ابوقنادہ (۹)، حضرت جابر (۱۰) اور حضرت زید بن ارقم (۱۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

اسی طرح سند حسن کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، حضرت سلمان فارسی، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت رافع بن خدیج، حضرت طارق الا شجعی، حضرت سائب بن یزید، حضرت خالد بن عرفطہ، حضرت ابو امامہ، حضرت ابو موسیٰ غافقی، حضرت عائشہ اور حضرت ابوقر صافہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (۱۲) یہ کل تینتیس صحابہ کرام ہیں۔

(۱) صحیح مسلم، المقدمة، باب تعلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۲)۔

(۲) حوالہ بالا، رقم (۳)۔

(۳) حوالہ بالا، رقم (۴)۔

(۴) حوالہ بالا، رقم (۱) و (۵) و (۶)۔

(۵) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرفاق، باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابہ العلم، رقم (۷۵۱۰)۔

(۶) مسند أحمد (ج ۱ ص ۷۰)۔

(۷) جامع الترمذی، أبواب العلم، باب ما جاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۲۶۵۹)۔

(۸) مسند أحمد (ج ۲ ص ۲۲)، رقم (۴۷۴۲) و (ج ۲ ص ۱۰۳)، رقم (۵۷۹۸) و (ج ۲ ص ۱۴۴)، رقم (۶۳۰۹)، وشرح مشکل الآثار (ج ۱ ص ۳۶۰)۔

(۹) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب التعلیظ فی تعدد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۵)۔

(۱۰) حوالہ بالا، رقم (۳۳)۔

(۱۱) مسند أحمد (ج ۴ ص ۳۶۷)۔

(۱۲) ان تمام روایات کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”المعصومات“ لابن الجوزی (ج ۱ ص ۵۵-۹۲)، الباب الثانی فی قوله علیہ السلام: ”من کذب علی متعمداً.....“۔

ان کے علاوہ تقریباً بیس مزید صحابہ کرام سے بھی یہ حدیث مروی ہے، تاہم ان کی سندیں بہت ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حفاظِ محدثین نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی اور ان کی اتباع امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی، وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حجازی یا غیر حجازی صحابہ کرام سے بیس طرق سے مروی ہے، پھر ابراہیم الحربی اور ابو بکر البزار رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تقریباً چالیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔

اسی زمانہ میں امام ابن صاعد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے طرق کو جمع کیا جو مذکورہ تعداد سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ امام ابو بکر الصیرفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرام نے اس کو روایت کیا ہے، ان کے طرق کو امام طبرانی نے جمع کیا تو اس میں اضافہ ہی ہوا۔

امام ابوالقاسم بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ستاسی صحابہ کرام نے نقل کیا ہے، بعض نیشاپوری حضرات نے ان کی تخریج کی، جس سے مزید اضافہ ہوا۔ اسی طرح امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے طرق کو جمع کیا تو وہ نوے سے زائد نکلے، ابن دحبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے۔

امام ابو موسیٰ المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو تقریباً سو صحابہ کرام نقل کرتے ہیں، ان کے بعد حافظ یوسف بن خلیل اور حافظ ابو علی بکری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا، تو دونوں کا مجموعہ تقریباً ایک سو دو تک پہنچا۔ (۲)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حفاظ نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کو دو سو صحابہ کرام نے نقل کیا ہے، لیکن میں اس کے وقوع کو مستبعد سمجھتا ہوں۔ (۳)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)، و ظفر الأمانی (ص ۵۲-۵۴)، و فتح المغیث للعراقی (ص ۳۲۳)۔

(۳) دیکھئے فتح المغیث للعراقی (ص ۳۲۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً یہ ”مئة“ تھا، سبقتِ قلمی کی وجہ سے ”مائتان“ ہو گیا۔ (۱)
لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ سو کے قریب صحابہ کرام سے جو یہ روایت مروی ہے وہ تمام طرق صحیح
نہیں ہیں، بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ ان میں صحیح کے علاوہ بعض حسن ہیں، بعض ضعیف ہیں، جبکہ بعض
بالکل ساقط الاعتبار ہیں، پھر ان میں سے بعض روایتیں مطلق کذب کی مذمت میں ہیں، خاص کذب علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ (۲)

اس حدیث کی تفصیلی تخریج کے لئے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الموضوعات اور علامہ عبدالحی
لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعه“ ملاحظہ کریں۔ (۳)
حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، اس کے علاوہ اور کوئی حدیث متواتر
نہیں (۴)، جبکہ ابن حبان (۵) اور حازمی (۶) رحمہما اللہ حدیث متواتر کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ حدیث متواتر کا کوئی وجود نہیں۔

ابن حبان اور حازمی رحمہما اللہ کا یہ دعویٰ تو بالکل باطل ہے، کیونکہ ابھی پیچھے تفصیل گزر چکی ہے کہ ”من
کذب علی متعمداً“ والی اس حدیث کو سو سے زائد صحابہ کرام نے نقل کیا ہے، تو کیا پھر بھی یہ متواتر نہیں
ہوگی؟!؟

(۱) فتح المغیث للسخاوی (ج ۴ ص ۱۹) العریب والعزیز والمشہور، أمثلة التواتر۔

(۲) دیکھئے ظفر الأمانی (ص ۵۴) نقلاً عن فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)۔

(۳) کتاب الموضوعات لابن الجوزی (ج ۱ ص ۵۵-۹۲)، الباب الثانی فی قوله علیہ السلام: من کذب علی متعمداً.....
والآثار المرفوعة (ص ۱۱-۱۸)، ضمن مجموعة سبع رسائل للکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۴) قال ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ: ”نعم: حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتوباً مقعده من النار“ نراه مثلاً لذلك؛ فإنه نقله
من الصحابة رضي الله عنهم العدد الحتم، وهو في الصحيحين مروي عن جماعة منهم.....“ علوم الحديث (ص ۲۶۹)، النوع
الموفي ثلاثين: معرفة المشهور من الحديث۔

(۵) قال ابن حبان في مقدمة صحيحه: ”فأما الأخبار فإنها كلها أخبار آحاد.....“ انظر الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان
(ج ۱ ص ۱۴۵)۔

(۶) قال الحازمي رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وإثبات المتواتر في الأحاديث عسير جدًا“ شروط الأئمة الخمسة للحازمي (ص ۱۴۲)
ضمن ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث۔

جہاں تک حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے دعوے کا تعلق ہے، سو علماء نے اس تخصیص کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ”من کذب“ والی حدیث کے علاوہ ”من بنی للہ مسجداً.....“، ”مسح علی الخفین کی حدیث، رفع یدین کی حدیث، شفاعت کی حدیث، ”حوض“ اور ”رؤیت باری تعالیٰ“ کی احادیث وغیرہ متواتر ہیں۔ (۱)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”من کذب علی متعمداً.....“ والی حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

”ولا يمكن التواتر في شيء من طرق هذا الحديث، لأنه يتعذر وجود ذلك في الطرفين والوسط، بل بعض طرقه الصحيحة إنما هي أفراد من بعض روايتها، وقد زاد بعضهم في عدد هذا الحديث حتى جاوز المئة، ولكنه ليس هذا المتن، وإنما هي أحاديث في مطلق الكذب عليه صلى الله عليه وسلم، كحديث: ”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين“ ونحو ذلك“۔ (۲)

حافظ عراقی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ”اس حدیث کے تمام طرق کو بھی اگر ملا لیں تب بھی تواتر ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ابتداء، انتہاء اور پھر وسط میں تواتر کی شرط یعنی کثرتِ رواۃ کا پایا جانا ممکن نہیں، بلکہ اس حدیث کے بعض طرق ایسے رواۃ سے مروی ہیں جن پر آحاد کا اطلاق کیا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس حدیث کے طرق کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے، لیکن یہ بات صرف اس متن سے متعلق نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلقاً جھوٹ باندھنے کے ساتھ متعلق ہے، جیسے حدیث ”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين“ وغیرہ ہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اشکال کو (کہ متواتر کے لئے طرفین و وسط میں استواء فی الکثرة ضروری ہے اور اس حدیث کے ہر طریق میں یہ بات نہیں ہے) ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے کہ متواتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر طریق میں تواتر کی ضرورت ہو، بلکہ ہر زمانہ میں

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)، وفتح المغیث للسخاوی (ج ۴ ص ۲۰ و ۲۱)۔

(۲) التفسیر والإيضاح لما أطلق وأغلق من كتاب ابن الصلاح (ص ۲۷۲)، النوع الحادي والثلاثون: معرفة الغريب والعزير من

ابتداء سے انتہاء تک ایک جماعت دوسری جماعت سے روایت کرنے والی موجود ہو تو یہ افادہ علم کے لئے کافی ہے۔ (۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق کو روایت کرنے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور ان سے یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے چھ مشہور تابعین ہیں، اسی طرح حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث کا یہ حال ہے، اگر یوں کہا جائے کہ یہ حدیث جس جس صحابی سے مروی ہے ان کے طریق سے یہ متواتر ہے تو یہ بات درست ہوگی، کیونکہ تواتر کے لئے کوئی عدد معین شرط نہیں ہے بلکہ ”علم“ کا افادہ کافی ہے۔ (۲)

لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو نقل کر کے کہ یہ حدیث جو سو سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہے، ان میں بعینہ ”من کذب.....“ کے الفاظ کے ساتھ نہیں، بلکہ اس کے قریب قریب دوسرے الفاظ کی حدیثیں بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں:

”وبہ ظہر ما فی کلام الحافظ ابن حجر..... فإن العلم الذي لا بد منه في المتواتر هو العلم الضروري، لا مطلق العلم، وحصول العلم الضروري من طرق هذا الحديث ممنوع“۔ (۳)

یعنی ”اس سے حافظ ابن حجر کے کلام میں جو خلل ہے وہ ظاہر ہو گیا..... اس لئے کہ متواتر میں جو علم ناگزیر ہے وہ ”علم ضروری“ ہے، نہ کہ مطلق علم، اور علم ضروری اس حدیث کے طرق سے حاصل ہونا مسلم نہیں۔“

(۱) قال الحافظ: ”وأجيب بأن المراد بإطلاق كونه متواتراً رواية المجموع عن المجموع من ابتدائه إلى انتهائه في كل عصر،

وهذا في إفادة العلم“۔ فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۳)۔

(۲) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۳)۔

(۳) ظفر الأماني (ص ۵۶ و ۵۷)، مبحث الخبر المتواتر۔

حاصل یہ ہے کہ ابن حبان اور حازمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے متواتر کے وجود کا انکار کیا ہے (۱)، جبکہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متواتر کا وجود بہت ہی قلیل ہے، البتہ ”من کذب“ والی حدیث کے بارے میں دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ متواتر ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں بھی یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ لفظاً بھی متواتر ہے، کیونکہ بعینہ ان ہی الفاظ کے ساتھ اتنے طرق سے مروی نہیں ہے، جن کی وجہ سے اس پر متواتر ہونے کا حکم لگایا جاسکے۔

لہذا اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جن حضرات نے ”متواتر“ کا انکار کیا ہے وہ تواتر لفظی کا انکار کرتے ہیں اور جن حضرات نے متواتر تسلیم کیا ہے وہ تواتر معنوی ہے۔ (۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

واضح حدیث کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کرنا باتفاق گناہ کبیرہ ہے۔ (۳)
البتہ اس میں اختلاف ہے کہ واضح حدیث جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مفتری علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دائرۃ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔
امام ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا کافر ہو جائے گا۔ (۴)

(۱) انظر فتح المعیث للسخاوی (ج ۴ ص ۱۹) الغریب، والعزیز، والمشہور، وشرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (ص ۱۸۷)۔

(۲) انظر تعليقات الشيخ نور الدين عتر على علوم الحديث لابن الصلاح (ص ۲۶۸)۔

(۳) دیکھئے توضیح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار (ج ۲ ص ۶۶)۔

(۴) دیکھئے سرمد النظر شرح نخبة الفكر مع حاشية لقط الدرر (ص ۸۵)، وشرح شرح نخبة الفكر لعلي القاري (ص ۵۵۲)، وفتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۲)۔

علامہ ابن المثیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کرتا ہے، مثال کے طور پر سمجھئے کہ وہ کسی حرام کی تحلیل کے لئے غلط حدیث بیان کرتا ہے تو وہ یا اس حرام کو حلال سمجھتا ہے، یا حلال سمجھنے پر دوسروں کو آمادہ کرتا ہے اور استحلال حرام کفر ہے، اسی طرح اس پر آمادہ کرنا بھی کفر ہے۔ (۱)

لیکن علامہ موصوف کی یہ دلیل ضعیف ہے، کیونکہ یہاں گفتگو استحلال حرام میں نہیں ہے، بلکہ گفتگو اس بات میں ہو رہی ہے کہ اگر کوئی محض ہوائے نفسانی کی غرض سے باوجود حرام سمجھنے کے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر دے تو وہ کافر ہوگا یا نہیں، نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کافر نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اسی لئے امام نے ترجمہ میں ”إثم من كذب“ ارشاد فرمایا ہے، اگر کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر ہوتا تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ میں ”إثم“ کے بجائے ”کفر“ کا لفظ لاتے۔ واللہ اعلم

حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں

جھوٹ بولنے والے کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟

اگر کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر دی اور ایسا اس نے عمداً کیا، تو اتنی بات تو ظاہر ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، البتہ اس میں کلام ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن المبارک، رافع بن الثرس اور ابو نعیم رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ساری روایات مردود ہیں، اگر وہ صدق دل سے توبہ بھی کر لے تب بھی اس کی

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۲)۔

(۲) النساء: ۴۸۔

روایات معتبر نہیں۔ (۱)

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قواعد کے خلاف ہے، مذہب مختار یہ ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایت بھی معتبر ہے، چنانچہ کفر جیسا جرم توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو یہ تو اس سے کمتر ہے، یہ بدرجہ اولیٰ معاف ہو جائے گا۔ (۲)

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو اس بات میں نہیں ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ کاذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات معتبر ہوں گی یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ معتبر نہیں (۳) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آئندہ کے لئے سد باب ہو جائے اور کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ کرے اور نہ ہی منسوب کرنے کی جرأت کرے۔

فائدہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے، جو اصل مقصودِ باب ہے، اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بہت زیادہ احتراز کیا کرتے تھے، تیسرے نمبر پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے، جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرات صحابہ کرام اس اکتشافی الروایۃ سے احتراز کرتے تھے، جو مفضی الی الخطا ہو، مطلق تحدیث سے احتراز نہیں کرتے تھے، اس کے بعد حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے ہیں، جس میں

(۱) دیکھئے الکفایۃ (ص ۱۱۷ و ۱۱۸)، وشروط الأئمة الخمسة للحارمی (ص ۱۴۶، ضمن ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث)، وعمود الحديث لابن الصلاح (ص ۱۱۶)، والنقييد والإيضاح (ص ۱۵۰ و ۱۵۱)، وفتح المغیث للعراقی (ص ۱۶۴) وفتح المغیث للسخاوی (ج ۲ ص ۷۱-۷۶)۔

(۲) دیکھئے تفریب السنوای بشرحہ تدریب الراوی (ج ۱ ص ۳۳۰)، وشرح النووی لصحیح مسلم (ج ۱ ص ۸)، المقدمة، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) "قال أبو عبد الرحمن عبيد الله بن أحمد الحلبي: سألت أحمد بن حنبل عن محدث كذب في حديث واحد، ثم تاب ورجع، قال: توبته فيما بينه وبين الله تعالى، ولا يكتب حديثه أبداً"۔ الکفایۃ (ص ۱۱۷)۔

”قول“ کی تصریح موجود ہے، جبکہ اس سے پہلی حدیثیں قول و فعل دونوں کی نسبتوں کو عام ہیں۔

اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا کسی بھی موقع پر جائز نہیں، خواہ دعوائے سماع حالت یقظہ میں ہو یا حالت منام میں۔ (۱) واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم

فائدہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار امور ہیں: ۱۔ تسموا باسمی ۲۔ ولا تکتبوا بکنتی ۳۔ ومن رآنی فی المنام فقد رآنی؛ فإن الشیطان لا یتمثل فی صورتی ۴۔ ومن کذب علی متعمداً فلیتبع مقعده من النار۔ ان امور کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے جملہ اور دوسرے جملہ کے درمیان تو مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ ایک میں تسمیہ مذکور ہے اور ایک میں تکذیب، دونوں کا تعلق ایک ہی قبیل سے ہے، آخری دونوں جملوں کے درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ جس طرح بیداری کے عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت حرام اور ناجائز ہے اسی طرح کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نہیں دیکھتا اس کے باوجود کہہ دیتا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے یہ بھی اسی وعید کے تحت داخل ہے البتہ پہلے دونوں جملوں کا تعلق آخری دونوں جملوں سے کس طرح ہے؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بیاض چھوڑی ہے ممکن ہے بعد میں تحریر کرنا چاہتے ہوں اور ذہول ہو گیا ہو۔ تاہم غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تین مختلف احادیث ہیں، ایک ”تسموا باسمی ولا تکتبوا بکنتی“ دوسری حدیث ہے ”من رآنی“ تیسری حدیث ہے ”من کذب علی متعمداً“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان احادیث کو الگ الگ بھی روایت کرتے تھے جب کہ بعض اوقات سب کو ملا کر بھی روایت کر دیتے تھے یہاں یہی صورت ہے کہ تمام احادیث کو ایک ساتھ ملا کر روایت کر دیا۔

۳۹ - باب : کِتَابَةُ الْعِلْمِ .

باب سابق سے مناسبت

مذکورہ باب اور باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ سابق باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے میں کذب سے احتراز کرنے کی تاکید تھی اور اس باب میں اس بات کی ترغیب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ضائع کرنے سے احتراز کیا جائے۔ (۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں چونکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احتراز کا حکم تھا، اس لئے عین امکان تھا کہ بعض لوگوں کی ہمتیں بالکل جواب دے جاتیں اور وہ مطلق نقل حدیث سے احتراز کرتے، ظاہر ہے کہ اس میں بہت بڑا نقصان تھا اور تعلیم و تبلیغ میں خلل پڑتا تھا، اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد یہ ترجمہ قائم فرمایا، جس میں وہ طریقہ بتایا گیا ہے جس سے نقل حدیث بھی جاری رہ سکتی ہے اور غلطیوں سے بھی بچا جاسکتا ہے، وہ طریقہ کتابت حدیث کا ہے کہ سنی ہوئی احادیث اور علم کو لکھ لے اور پھر بیان کرے۔ (۲) واللہ اعلم

مقصد ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طرز ان ابواب میں جو فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہوتے ہیں یہ ہے کہ ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں، کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے، یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے، کیونکہ سلف کا اس میں اختلاف رہا ہے، بعض حضرات کتابت کے قائل

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۵۸)۔

(۲) الکبر المستوری (ج ۲ ص ۳۵۶)۔

رہے ہیں اور بعض حضرات ترک کے۔ اگرچہ بعد میں کتابت حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا، بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہو چکا، اس سے بڑھ کر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم و متعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابت علم و حدیث واجب ہے۔ (۱)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابت حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے، اگرچہ عہد نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہو جائے، یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتابت پر بھروسہ کر کے حفظ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے، کتابت حدیث سے منع کیا گیا تھا، لیکن بعد میں کتابت کی اجازت ہو گئی، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ (۲)

حضرت شیخ البندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حفاظت علم اور بقاء علم اور اشاعت و تبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری اور سہل اور نفع ذریعہ ہے، اس لئے ”باب کتابۃ العلم“ منعقد کر کے کتابت علم کا استحسان اور امور علمیہ کا بغرض بقاء و حفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا، بلکہ اشارۃ علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے۔“ (۳)

کتابت حدیث

کتابت حدیث کے بارے میں سلف میں اختلاف رہا ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم وغیرہ ایک جماعت نے کتابت حدیث کو ناپسند قرار دیا ہے، جبکہ ایک دوسری جماعت جواز کی قائل ہے، جس میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

(۲) شرح تراجم أبواب البخاری (ص ۱۵)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ص ۵۵)۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا مذہب یہ ہے کہ کتابت کی جائے، تاہم یاد کر لینے کے بعد اس کو مٹا دیا جائے۔

لیکن بعد میں یہ سارا اختلاف ختم ہو گیا اور اب اس کے جواز بلکہ استحباب پر اتفاق ہو گیا۔ (۱)
تدوین حدیث اور اس پر منکرین حدیث کے ہفتوات و شبہات کی تردید تفصیلی طور پر مقدمہ میں آچکی ہے۔ فلینظر ثمہ۔

۱۱۱ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنَا وَكَيْعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ مُطَرِّفٍ ، عَنْ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ : قُلْتُ لِعَلِيِّ : هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ ؟ قَالَ : لَا ، إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ ، أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ . قَالَ : قُلْتُ : فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ ؟ قَالَ : الْعَقْلُ ، وَفِكَالُ الْأَسِيرِ ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ . [۲۸۸۲ ، ۶۵۰۷ ، ۶۵۱۷]

(۱) دیکھئے مقدمہ أوجز المسالك (ج ۱ ص ۱۴)۔

(۲) قوله: "العلي": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۲۵۱ و ۲۵۲)، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة، رقم (۱۸۷۰)، و (ج ۱ ص ۴۲۸) كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، رقم (۳۰۴۷)، و (ج ۱ ص ۴۵۰) كتاب الجزية والموادعة، باب دمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم، رقم (۳۱۷۲)، و (ج ۱ ص ۴۵۱) كتاب الجزية والموادعة، باب إثم من عاهد ثم غدر، رقم (۳۱۷۹)، و (ج ۲ ص ۱۰۰۰) كتاب الفرائض، باب إثم من تبرأ من موالیه، رقم (۶۷۵۵)، و (ج ۲ ص ۱۰۲۰) كتاب الديات، باب العاقلة، رقم (۶۹۰۳)، و (ج ۲ ص ۱۰۲۱) كتاب الديات، باب لا يقتل المسلم بالكافر، رقم (۶۹۱۵)، و (ج ۲ ص ۱۰۸۴) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من التعمق والتنازع في العلم والعلو في الدين والمدع، رقم (۷۳۰۰)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب فضل المدينة، رقم (۳۳۲۹-۳۳۲۷)، وفي كتاب العتق، باب تحريم تولي العتيق غير موالیه، رقم (۳۷۹۴)، والترمذي في جامعه، في أبواب الديات، باب ما جاء لا يقتل مسلم بكافر، رقم (۱۴۱۲)، وفي أبواب الولاء والهمة، باب ما جاء في تولي غير موالیه أو ادعي إلى غير أبيه، رقم (۲۱۲۷)، والنسائي في سننه، في كتاب القسامة، باب القود بين الأحرار والمماليك، رقم (۴۷۳۸)، وباب سقوط القود من المسلم للكافر، رقم (۴۷۴۸-۴۷۵۰)، وأبو داود في سننه في كتاب المناسك، باب في تحريم المدينة، رقم (۲۰۳۴)، وفي كتاب الديات، باب إيقاد المسلم من الكافر، رقم (۴۵۳۰)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الديات، باب لا يقتل مسلم بكافر، رقم (۲۶۵۸)۔

تراجم رجال

(۱) محمد بن سلام

یہ ابو عبد اللہ محمد بن سلام البیگندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنا أعلمکم باللہ وأن المعرفة فعل القلب“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) وکیع

یہ مشہور امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرضی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوسفیان ان کی کنیت ہے۔ (۲)
اصہبان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ (۳)

یہ اپنے والد جراح بن ملیح کے علاوہ اسماعیل بن ابی خالد، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ہشام بن عروہ، امام اعمش، خالد بن دینار، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، اسامہ بن زید، سفیان ثوری، امام شعبہ، فضیل بن غزوان، مالک بن مغول، ہشام الدستوائی اور مبارک بن فضالہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔
ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری (وہو من شیوخہ)، عبد الرحمن بن مہدی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، ابو خیمہ زہیر بن حرب، عبد اللہ بن مسلمہ القعنقی، عبد اللہ بن المبارک، ابو کریب محمد بن العلاء، علی بن خشرم، محمد بن سلام، نصر بن علی، یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری اور ابراہیم بن عبد اللہ العبسی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۴)

امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لو شئت قلت: هذا أرجح من سفیان“۔ (۵)

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۹۳)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۶۲ و ۴۶۳)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۶۳-۴۷۰)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۴۷۰)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۱۴۲)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت أوعی للعلم من وکیع، ولا أحفظ منه“۔ (۱) یعنی ”میں نے وکیع سے بڑھ کر علم حدیث کا حافظ اور یاد رکھنے والا نہیں دیکھا“۔

نیز وہ فرماتے ہیں ”کان وکیع مطبوع الحفظ، وکان وکیع حافظاً، وکان أحفظ من عبد الرحمن بن مہدی كثيراً كثيراً“۔ (۲) یعنی ”وکیع کا حافظ فطری تھا، وکیع واقعی حافظ تھے، وہ عبد الرحمن بن مہدی کے مقابلہ میں حفظ کے اعتبار سے بہت قوی تھے“۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت رجلاً قط مثل وکیع، فی العلم والحفظ والإسناد والأبواب مع خشوع وورع“۔ (۳) یعنی ”میں نے علم حدیث، حفظ، سند اور فقہی ابواب میں وکیع جیسا نہیں دیکھا، ساتھ ساتھ ان میں خشوع اور تقویٰ تھا“۔

نیز وہ فرماتے ہیں ”کان وکیع بن الجراح إمام المسلمین فی وقته“۔ (۴)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الثبت بالعراق وکیع“۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں ”وکیع عندنا ثبت“۔ (۶)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

”ما رأیت أفضل من وکیع، قیل له: ولا ابن المبارک؟ قال: لقد کان لابن المبارک فضل، ولكن ما رأیت أفضل من وکیع، کان یستقبل القبلة، ویحفظ حدیثه، ویقوم اللیل، ویسرّد الصوم، ویفتی بقول أبی حنیفہ، وکان قد سمع منه شیئاً كثيراً، قال: وکان یحییٰ بن سعید القطان یفتی بقوله أيضاً“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۱)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۱۴۴)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۱)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۴)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۴ و ۴۷۵)۔

یعنی ”میں نے وکیع سے بڑھ کر افضل کسی کو نہیں دیکھا، جب ان سے کہا گیا کہ ابن المبارک بھی ان سے افضل اور بڑھے ہوئے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ ابن المبارک کا فضل و شرف اپنی جگہ ہے، لیکن میں نے وکیع سے افضل نہیں دیکھا، وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے حدیث یاد کرتے تھے، جو تعظیم حدیث کی دلیل ہے، وہ رات بھر عبادت کرتے اور مسلسل روزے رکھتے تھے اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوے دیتے تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کافی حدیثیں سنی تھیں اور امام یحیی القطان بھی امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوے دیتے تھے۔“

قبلہ رخ ہو کر حدیث یاد کرنے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ حدیث کی تعظیم اور اس کے احترام میں قبلہ رخ بیٹھ جایا کرتے تھے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے یکسوئی بھی رہتی ہے۔

نیز وہ فرماتے ہیں:

”ما رأیت أحداً يحدث لله غير وکیع، وما رأیت رجلاً قط أحفظ من وکیع، ووکیع في زمانه كالأوزاعي في زمانه“۔ (۱)

یعنی ”میں نے وکیع کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ کے لئے حدیث بیان کر رہا ہو، میں نے وکیع سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا، وکیع کی حیثیت اپنے زمانے میں ایسی تھی جیسی حیثیت امام اوزاعی کی اپنے زمانے میں تھی۔“

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”رأیت عند مروان بن معاوية لو حافیه أسماء شیوخ: فلان رافضي، وفلان كذا، وفلان كذا، ووکیع رافضي، قال یحیی: فقلت له: وکیع خیر منك، قال: مني؟ قلت: نعم، قال: فما قال لي شیئاً، ولو قال لي شیئاً لوثب أصحاب الحديث عليه، قال: فبلغ ذلك وکیعاً، فقال: یحیی صاحبنا“۔ (۲)

یعنی ”میں نے مروان بن معاویہ کے پاس ایک تختی دیکھی، جس پر شیوخ کے نام تھے اور لکھا تھا

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۵)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۶)۔

کہ فلاں رافضی ہے، فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے اور وکیع رافضی ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ وکیع تم سے بہتر ہے۔ اس نے کہا مجھ سے؟! میں نے کہا کہ ہاں تم سے! پھر مجھے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ مجھے کچھ کہتا تو اصحاب حدیث اس پر ٹوٹ پڑتے، کہتے ہیں کہ یہ بات وکیع تک پہنچی تو کہا کہ یہی ہمارے دوست ہیں۔“

ابن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ماکان بالكوفة في زمان وكيع أفقه ولا أعلم بالحديث منه، كان وكيع جهبذا“۔ (۱)
یعنی ”کوفہ میں وکیع کے زمانہ میں وکیع سے بڑھ کر کوئی فقیہ یا محدث نہیں تھا، وکیع بڑے ماہر عالم تھے۔“

امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ما دام هذا الثبت -یعنی وکیعاً- حیاً ما یفلح أحد معه“۔ (۲)
یعنی ”جب تک یہ ثقہ اور ثبت شخص زندہ ہے کوئی ان کے ہوتے ہوئے ان سے بڑھ نہیں سکے گا۔“
امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رأيت الثوري وابن عيينة ومعمراً ومالكا، ورأيت ورأيت، فما رأيت عينا قط مثل وكيع“۔ (۳) یعنی ”میں نے ثوری، ابن عیینہ، معمر اور مالک کو دیکھا اور میں نے فلاں کو، فلاں کو دیکھا لیکن میری آنکھوں نے وکیع جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔“
امام محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة مأموناً، عالماً، رفيعاً، كثير الحديث، حجة“۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کوفي، ثقة، عابد، صالح، أديب من حفاظ الحديث، وكان يفتي“۔ (۵)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۷۹ و ۴۸۰)۔

(۴) الطبقات الکبریٰ (ج ۶ ص ۳۹۴)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۴۸۲)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وكان حافظاً

متقناً“۔ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”أجمعوا على جلالته ووفور علمه وحفظه وإتقانه وورعه وصلاحه، وعبادته، وتوثيقه واعتماده“۔ (۲) یعنی ”ان کی جلالت شان، کثرت علم، حفظ و پختگی، ورع و تقویٰ اور نیکو کاری، عبادت گذاری اور ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے“۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان من بحور العلم وأئمة الحفاظ“۔ (۳)

البتہ امام وکیع پر معمولی کلام بھی بعض محدثین سے منقول ہے، چنانچہ امام ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان وکیع يلحن.....“۔ (۴) یعنی ”وکیع روایت حدیث میں بعض اوقات لفظی غلطی کر جاتے تھے“۔

نیز وہ فرماتے ہیں ”كان فيه تشيع قليل“۔ (۵)

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا ”إذا اختلف وکیع وعبدالرحمن بن مهدي بقول من نأخذ؟“ تو انہوں نے جواب دیا ”عبدالرحمن يوافق أكثر وخاصة في سفیان، وعبدالرحمن يسلم منه السلف، ويجتنب شرب المسكر، وكان لا يرى أن تزرع أرض الفرات“۔ (۶) یعنی ”امام احمد سے جب پوچھا گیا کہ وکیع اور عبدالرحمن بن مہدی کے درمیان اگر اختلاف ہو جائے تو کس کی روایت رائج ہوگی؟ تو امام احمد نے جواب دیا کہ عبدالرحمن بن مہدی کی اکثر رواۃ موافقت کرتے ہیں، خاص طور پر سفیان سے روایت کرنے میں، نیز عبدالرحمن سے حضرات سلف محفوظ و مامون ہیں، وہ مسکر کے پینے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، ارض فرات کی زراعت کے بھی قائل نہیں تھے“۔

جہاں تک لحن فی الحدیث کا تعلق ہے، سو لحن سے مراد نحوی غلطی ہے، (۷) اگرچہ علم نحو کی اہمیت مسلم ہے،

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۵۶۲)۔

(۲) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۴۵)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۱۴۲)۔

(۴) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۳۳۶)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) قال السخاوي رحمه الله تعالى: ”..... فاللحن - كما قال صاحب المقاييس - يسكون الحاء إمالة الكلام عن جهته

الصحيحة في العربية.....“۔ فتح المغيبي للسخاوي (ج ۳ ص ۱۶۶) التسميع بقراءة اللحن والمصحف۔

لیکن چونکہ ”نحو“ ایسا فن ہے کہ اس میں انسان اس وقت تک ماہر نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپ کو صرف اُسی کے لئے وقف نہ کر دے، اس لئے محدثین بقدر ضرورت اس علم کو حاصل کرتے تھے، اس میں تعمق اختیار نہیں کرتے تھے (۱)، اسی وجہ سے محدثین ایسی غلطیوں کو عیب شمار نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إنه لا يعاب اللحن على المحدثين، وقد كان إسماعيل بن أبي خالد يلحن،

وسفيان، ومالك بن أنس وغيرهم من المحدثين“۔ (۲)

یعنی ”محدثین کے لئے ”لحن“ کوئی عیب نہیں، چنانچہ اسماعیل بن ابی خالد، سفیان اور مالک بن انس وغیرہ محدثین لحن کیا کرتے تھے۔

امام سلفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وقد كان في الرواة على هذا الوضع قوم، واحتج برواياتهم في الصحاح، ولا يجوز

تخطئتهم وتخطئة من أخذ عنهم“۔ (۳)

یعنی ”راویوں میں بہت سے حضرات ایسے تھے جن سے لحن صادر ہوتا تھا، لیکن صحاح میں ان کی روایات سے احتجاج کیا گیا ہے، لہذا نہ ان کو غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے اور نہ ان سے روایت لینے والوں کا تخطئہ ہو سکتا ہے“۔

(۱) ”كذا سؤمر أن نتعلم القرآن، ثم السنة، ثم الفرائض، ثم العربية: الحروف الثلاثة، فسرّها بالجبر والرفع والنصب، وذلك لأن التوغل فيه قد يعطل عليه إدراك هذا الفن الذي صرح أئمتّه بأنه لا يعلق إلا بمن قصر نفسه عليه، ولم يضم غيره إليه، وقد قال أبو أحمد بن فارس في جزء ذم الغيبة: ”إن غاية علم النحو وعلم ما يحتاج إليه منه أن يقرأ فلا يلحن، ويكتب فلا يلحن، فأما ما عدا ذلك فمشغلة عن العلم وعن كل خير“ وناهيك بهذا من مثله“۔

وقد قال أبو العیناء لمحمد بن یحیی الصولّی: النحو في العلوم كالملح في القدر، إذا أكثر منه صار القدر رُغافاً (الرغاق من الماء: المر الغليظ لا يطاق شربه، ومن الطعام: الكثير الملح۔ المعجم الوسيط ۱: ۳۹۴) وعن الشافعي قال: إنما العلم علمان: علم للدين، وعلم للمدنيّ، فالذي للدين: الفقه، والآخر الطب، وعلى ذلك يحتمل حال من وصف من الأئمة باللحن، كإسماعيل بن أبي خالد الأحمسي، وعوف بن أبي جميلة، وأبي داود الطيالسي، وهشيم، والدراوردي“۔ فتح المغیث للسخاوي (ج ۳ ص ۱۶۲)۔

(۲) الكفاية (ص ۱۸۷)، باب ذكر الرواية عن من كان لا يرى تغيير اللحن في الحديث۔

(۳) فتح المغیث للسخاوي (ج ۳ ص ۱۶۳)۔

دوسری بات جو ان کے بارے میں بیان کی گئی ہے، وہ ہے کہ ان کے اندر قدرے تشیع تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”وعبد الرحمن یسلم منه السلف“ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، گویا عبد الرحمن بن مہدی کی طرف سے تو سلف محفوظ رہتے تھے، جبکہ امام وکیع سے سلف محفوظ نہیں رہتے۔

لیکن پیچھے آپ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے اس کی تردید کی ہے، اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات تو ثیق و تعدیل پیچھے بھی آچکے ہیں اور کتب رجال میں ان جیسے بہت سے کلمات ہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متقدمین کے نزدیک تشیع کا اطلاق اس پر ہوتا تھا کہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے اور ان کو حضرات صحابہ کرام پر فوقیت دے، اگر خاص حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بھی مقدم سمجھے تو وہ ”غسالی فی التشیع“ اور رافضی کہلاتا تھا۔ (۱) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ”کان فیہ تشیع قلیل“ کس درجہ کا کلام ہے۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ امام عبد الرحمن بن مہدی شرب مسکر سے اجتناب کیا کرتے تھے اور ارض فرات کی زراعت کے قائل نہیں تھے، گویا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ امام وکیع ان دونوں چیزوں کے قائل تھے۔

لیکن یہ کلام بھی قاذح نہیں، اول اس لئے کہ ان ”عیوب“ کے باوجود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کو نہایت ثقہ اور معتبر مانتے ہیں، ثانیاً یہ خالص اجتہادی مسئلہ ہے، امام وکیع ایک خاص نبیذ کی حلت کے قائل تھے اور اسے پیتے تھے، جس کو ”مسکر“ سے تعبیر کیا ہے، جبکہ وہ مسکر نہ تھی، محض اس لئے کہ وہ کچھ وقت گزرنے کے بعد مسکر ہو جاتی تھی، مسکر کا اطلاق کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ یہ ایک امام مجتہد کا اجتہاد ہے، جس میں خطا پر بھی ایک اجر کا وعدہ ہے۔ یہی بات ”ارض فرات“ کی کاشت سے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلے میں ایک امام مجتہد نے اجتہاد کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے قول فیصل کے طور پر لکھ دیا ہے ”أجمعوا علی جلالته،

ووفور علمه، وحفظه، وإتقانه، وورعه، وصلاحه، وعبادته، وتوثيقه، واعتماده“۔ (۲)

(۱) دیکھئے ہدی الساری مقدمة فتح الباری (ص ۵۹)، فصل فی تمییز أسباب الطعن۔

(۲) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۴۵)۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی اور وفات یوم عاشوراء ۱۹۷ھ میں ہوئی۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۳) سفیان

اس سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں یا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں احتمال ہیں کیونکہ امام وکیع کو سفیان ثوری سے بھی سماع حاصل ہے اور سفیان بن عیینہ سے بھی، اسی طرح سفیان ثوری اور ابن عیینہ دونوں مطرّف سے روایت کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں التباس کوئی قاذح نہیں ہے، کیونکہ دونوں ہی امام اور حافظ ہیں، ضابط و عدل اور مشہور ہیں، نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رجال میں سے ہیں، جن سے انہوں نے کثرت سے حدیثوں کی تخریج کی ہے۔

لیکن امام ابو مسعود غسانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التقیید میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ابن عیینہ سے محفوظ ہے، اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان نہیں کیا۔

جبکہ یزید عدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”سفیان“ سے سفیان ثوری مراد ہیں، کیونکہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں، لیکن وہ ثوری سے زیادہ روایت کرتے ہیں اور ابن عیینہ سے کم۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو متفق الاسم شیوخ سے روایت کرتا ہو تو اہمال نسبت کی صورت میں اس پر محمول کیا جائے گا جس کے ساتھ اس راوی کو کوئی خصوصیت۔ مثلاً اکثار وغیرہ۔ حاصل ہو، لہذا یہاں سفیان ثوری متعین ہیں۔ (۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ جب یہ بات واضح اور ثابت شدہ ہے کہ

(۱) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۱۸)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

وکیع کو دونوں سے سماع حاصل ہے اور دونوں کو مطرف سے سماع حاصل ہے تو حافظ کی ذکر کردہ بات راجح نہیں ہو سکتی، خاص طور پر جبکہ امام ابو مسعود نے تصریح کی ہے کہ محفوظ ابن عیینہ کی روایت ہے۔ (۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب علامة المنافق“ کے تحت گذر چکے

ہیں۔ (۲)

جبکہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مختصر ابدء الوحی کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۳) اور تفصیلاً،

کتاب العلم، ”باب قول المحدث حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا“ کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۴) مطرف

یہ امام مطرف - بضم المیم وفتح الطاء المهملة وتشديد الراء المكسورة وبعدها فاء - (۵) بن

طریف (بروزن عظیم) (۶) حارثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض نے ان کی نسبت ”خارنی“ لکھی ہے، ان میں سے

کوئی ایک مصحف ہے۔ (۷)

ان کی کنیت ابو بکریا ابو عبد الرحمن ہے۔ (۸)

یہ اشعث نقاش، امام شعمی، ابواسحاق سبیعی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، حبیب بن ابی ثابت، سلمۃ بن کہیل،

الحکم بن عتیبہ، امام اعمش اور عاصم بن ابی النخود رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابو جعفر رازی، ابو حمزہ سکری، ابو عوانہ، محمد

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۵۸ و ۱۵۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۲۷۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۲۳۸)۔

(۴) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۸۶)۔

(۵) تفریب التہذیب (ص ۵۳۴)، رقم (۶۷۰۵)۔

(۶) المغنی فی ضبط أسماء الرجال (ص ۴۹)۔

(۷) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۱۲۷)، وتہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۲)۔

(۸) حوالہ بالا۔

- بن فضیل، امام ابو یوسف، ہشیم بن بشیر اور جریر بن عبد الحمید رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)
- امام احمد بن حنبل اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما کان ابن عیینہ بأحد أشد إعجاباً منه بمطرف“۔ (۳)
- یعنی ”ابن عیینہ کو جس حد تک مطرف پسند تھے اس طرح اور کوئی پسند نہیں تھا“۔
- ذواد بن علبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ما أعرف عربياً ولا عجمياً أفضل من مطرف بن طریف“۔ (۴)
- امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)
- امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صالح الكتاب، ثقة في الحديث، ما يذكر عنه إلا خير في المذهب“۔ (۶)
- امام یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)
- امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت“۔ (۸)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الإمام المحدث القدوة“۔ (۹)
- نیز وہ فرماتے ہیں ”ثقة إمام عابد“۔ (۱۰)

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۲-۶۴)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۴ و ۶۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۵)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۱۲۷)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۶)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۱۲۸)۔

(۵) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۶)۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۱۷۳)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۶۷)، نقلاً عن المعرفۃ والتاریخ (۹۴/۳)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۱۷۳)۔

(۹) سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۱۲۷)۔

(۱۰) الکاشف للذہبی (ج ۲ ص ۲۶۹)، رقم (۵۴۷۷)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة فاضل“۔ (۱)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

ان کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔ (۳) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۵) الشعمی

یہ مشہور امام ابو عمرو عامر بن شراحیل الشعمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴) یہاں قدرے تفصیل سے ان کے حالات ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام شعمی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھٹے سال ہوئی۔ (۵)

کبار تابعین میں ان کا شمار ہے، تقریباً پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ (۶)

یہ حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو جحیفہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت جابر بن عبد اللہ، عبادلہ اربعہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ بنت الحارث، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں۔

تابعین میں سے حارث اعور، خارجہ بن الصلت، زر بن حبیش، قاضی شریح، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عروۃ بن المغیرۃ، عمرو بن میمون، مسروق بن الأجدع اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رحمہم اللہ تعالیٰ سے

(۱) تقریب التہذیب (ص ۵۳۴)، رقم (۶۷۰۵)۔

(۲) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۴۹۳)۔

(۳) الکاشف للذہبی (ج ۲ ص ۲۶۹)، رقم (۵۴۷۷)۔

(۴) کشف الماری (ج ۱ ص ۶۷۹)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۸)۔

(۶) الکاشف للذہبی (ج ۱ ص ۵۲۲)، رقم (۲۵۳۱)۔

روایت کرتے ہیں۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں ابواسحاق سبعی، اسماعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، زکریا بن ابی زائده، سلمۃ بن کہیل، سماک بن حرب، عاصم الأ حول، قتادہ، مطرف بن طریف، مغیرہ بن مقسم الضمی، مکحول شامی، منصور بن المعتمر، امام ابو حنیفہ اور یونس بن ابی اسحاق سبعی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۱)

ابو مجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت فیہم أفقہ من الشعبي“۔ (۲)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان واللہ کبیر العلم، عظیم الحلم، قدیم السّلم،

من الإسلام بمکان“۔ (۳)

امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت أفقہ من الشعبي“۔ (۴)

امام یحییٰ بن معین اور امام ابو زرہ رحمہما اللہ، وغیرہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

نیز امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إذا حدث الشعبي عن رجل، فسماء، فهو ثقة

يحتج بحديثه“۔ (۶)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... ومرسل الشعبي صحيح، لا يكاد يرسل إلا صحيحاً“۔ (۷)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كانت الناس تقول بعد الصحابة: ابن عباس في

زمانه، والشعبي في زمانه، والثوري في زمانه“۔ (۸)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۹-۳۳)، و تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۶۵-۶۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۵)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۶)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۶۷)۔

ابو حصین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت أعلم من الشعبي“۔ (۱)

ابو اسحاق الحبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان واحد زمانه في فنون العلم“۔ (۲)

عاصم بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأیت أحداً أعلم بحديث أهل الكوفة، والبصرة،

والحجاز، والآفاق من الشعبي“۔ (۳)

یعنی ”میں نے اہل کوفہ، بصرہ، حجاز اور تمام اطرافِ عالم کی احادیث کا شععی سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں

دیکھا“۔

امام شععی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمن بن الأشعث کندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت کے ساتھ مل

کر حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا تھا، تاہم بعد میں معافی تلافی ہو گئی، اس طرح حجاج کی پکڑ سے یہ

بچ گئے۔ (۴)

طبیعت میں مزاح کا عنصر تھا، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک شخص آیا، اس وقت میرے پاس

ایک خاتون ہی تھی، اس شخص نے آتے ہی پوچھا ”ایکما الشعبي؟“ تو میں نے کہا ”ہذہ“۔ (۵)

امام شععی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں ہوا۔ (۶)

(۶) ابو جحیفہ

یہ حضرت ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ الشوائی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا اس وقت یہ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ (۷)

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۶۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۳۰۲)۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۳۰۴-۳۰۶)۔

(۵) سیر اعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۳۱۱)۔

(۶) الکامل (ج ۱ ص ۵۲۲)، رقم (۲۵۳۱)۔

(۷) دیکھئے الإصابة (ج ۳ ص ۶۴۲)، وتہذیب الکمال (ج ۳ ص ۱۳۲ و ۱۳۳)۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابوالحق سبعی، سلمۃ بن کہیل، عامر شعبی، علی بن الأقرع، عون بن ابی جحیفہ، زیاد بن زید، حکم بن عتیہ اور اسماعیل بن ابی خالد رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے تو آپ منبر کے نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ”شرطہ“ کی ذمہ داری دی تھی، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام مشاہد میں شرکت کی۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو ”وہب الخیر“ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ (۴)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے کل پینتالیس احادیث مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں، جبکہ امام بخاری دو حدیثوں میں اور امام مسلم تین احادیث میں متفرد ہیں۔ (۵)

اصح قول کے مطابق ۷۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۶) رضی اللہ عنہ وأرضاه

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات ابھی پچھلے باب ”باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۱۳۳)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۰۳)۔

(۳) دیکھئے سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۰۳)، و عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۵۹)۔

(۴) الإصابة (ج ۳ ص ۶۴۲)۔

(۵) تہذیب الاسماء و النعات (ج ۲ ص ۲۰۲)، و خلاصة الخبر و جہی (ص ۴۱۸)۔

(۶) سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۰۳)۔

هل عندكم كتاب؟

کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا کتاب اللہ کے علاوہ آپ کے پاس کوئی ایسا نوشتہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر آپ کو دیا ہو اور وہ وحی ہو؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں روایت نقل کی ہے ”هل عندكم شيء من الوحي إلا ما في كتاب الله“۔ (۱)

نیز مسند اسحاق بن راہویہ میں ہے ”هل علمت شيئا من الوحي“۔ (۲)

اس سوال کا منشا یہ ہے کہ روافض کہتے تھے کہ اہل بیت اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بذریعہ وحی مخصوص ہدایات دی گئی تھیں، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو آگاہ نہیں فرمایا تھا۔ (۳)

قال: لا، إلا كتاب الله، أو فهم أعطيه رجل مسلم أو ما في هذه

الصحيفة۔

فرمایا کہ نہیں، سوائے اللہ کی کتاب کے، یا وہ سمجھ جو کسی مسلمان کو دی جاتی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے

میں ہے۔

یعنی ہمارے پاس کوئی مخصوص وحی نہیں، سوائے کتاب اللہ کے یا اس علم کے سوا جو انسان اپنی قوت عاقلہ کے ذریعہ اور فہم کے واسطے سے استخراج کرتا ہے، یا جو اس صحیفے میں لکھا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ علم لدنی ہے جو عبودیت، متابعت، اخلاص فی

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۴۲۸)، كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، رقم (۳۰۴۷)۔

(۲) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

(۳) شرح الكرماني (ج ۲ ص ۱۱۹)۔

العمل اور کتاب وسنت سے علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ علم لدنی کے لئے تین چیزیں شرط ہیں، اول تو یہ کہ آدمی عمل کرے اور بندگی کرے، دوسرے یہ کہ اس میں اخلاص ہو اور تیسرے یہ کہ وہ عمل کتاب وسنت کے مطابق ہو اور ایک چوتھی چیز یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہو۔

بعض اوقات علم کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے لیکن متابعت نہیں ہوتی، متابعت تو چاہتی ہے اس بات کو کہ نیت صحیح ہو اور افعال میں مقتدا کے پیچھے چلا جائے، اب اگر کوئی صورتہ فعل میں تو مقتدا کی مشابہت اختیار کرتا ہے لیکن نیت و ارادہ میں مخالفت کرتا ہے، یہ شخص متابع نہیں ہے، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود قائم کیں، قصاص لیا، تاکہ عالم سے ان جرائم کا خاتمہ ہو، لیکن اگر کوئی آدمی قصاص لیتا ہے اور دل میں کسی اور وجہ سے جذبہ انتقام مشتعل ہے تو اس کا ظاہر فعل تو سنت کے مطابق ہے، جبکہ باطن مخالف ہے، لہذا کتاب وسنت سے علم حاصل کرنے کے بعد عمل کرنے کی صورت میں یہ ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ وہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز کے مطابق ہو۔ واللہ اعلم

کیا ”فہم“ سے مراد کوئی مکتوب شے ہے؟

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس ”فہم“ کا تذکرہ کیا ہے آیا یہ کوئی کتابی شکل کی چیز تھی، یا لکھی ہوئی نہیں تھی؟

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے کہ لکھی ہوئی تھی (۱)، علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احتمالاً اس کا ذکر کیا ہے۔ (۲) واللہ اعلم

أو ما في هذه الصحيفة

یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

(۲) حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۵)۔

یہ ایک صحیفہ تھا جو تلوار کے میان میں رکھا ہوا تھا، اس میں کچھ مخصوص مسائل تھے، جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور صحیفہ یا کوئی اور چیز از قسم وحی نہیں تھی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے ”من زعم أن عندنا شيئاً نقرأه إلا كتاب الله وهذه الصحيفة - قال: و صحيفة معلقة في قراب سيفه - فقد كذب“۔ (۱) یعنی ”جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ کوئی اور خاص چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو وہ جھوٹا ہے، فرمایا کہ ان کی تلوار کی نیام میں ایک صحیفہ تھا۔“

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے ”والله، ما عندنا من كتاب يُقرأ إلا كتاب الله، وما في هذه الصحيفة“۔ (۲)

قال: قلت: فما في هذه الصحيفة؟

حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا چیز ہے؟

قال: العقل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں ”عقل“ ہے۔

”عقل“ دیت کو کہتے ہیں (۳)، اصل میں دیت کے اونٹ ولی دم کے دروازہ پر لا کر باندھ دیتے تھے،

اس لئے اس کو ”عقل“ کہا جانے لگا، پھر اس کے بعد ہر دیت کو ”عقل“ کہنے لگے۔ (۴)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدينة، رقم (۳۳۲۷ - ۳۳۲۹)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۸۴) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکره من التعمق والتأرجع فی العلم، والعرف فی الدین والبدع، رقم (۷۳۰۰)۔

(۳) معجم مقایس اللغة (ج ۴ ص ۷۰)۔

(۴) وسمیت الدیة عقلاً؛ لأن الإبل التي كانت تؤخذ فی الدیات كانت تجمع، فتعقل بفناء المقنول، وسمیت الدیة عقلاً وإن كانت ذراعهم وذنابهم، وقيل: سمیت عقلاً؛ لأنها تمسك الدمع معجم مقایس اللغة (ج ۴ ص ۷۰)۔

وفكاك الأسير

اور قیدی چھڑانا۔

یعنی اس میں قیدی چھڑانے کے احکام یا اس کے چھڑانے کی ترغیب تھی۔ (۱)

ولا يقتل مسلم بكافر

اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ کتاب الدیات کا ہے، تاہم اس کو قدرے تفصیل سے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

کیا مسلمان کو کافر کے

بدلے میں قصاصاً قتل کیا جاسکتا ہے؟

ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہیں کیا جاسکتا۔
امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، سعید بن المسیب اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا، ہاں کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے، جس میں صراحت ہے ”لا يقتل مسلم

بکافر“۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

حنفیہ نے اس دلیل کے کئی جواب دیے ہیں:

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۵)۔

(۲) مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۶۱)۔

..... ایک جواب جو بہت مشہور ہے، یہ ہے کہ اس حدیث میں ”کافر“ سے مراد ”کافر حربی“ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ألا، لا یقتل مؤمن بکافر، ولا ذو عہد فی عہدہ“۔ (اللفظ لأبی داود)

یہ حدیث امام نسائی اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں، امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (۱)

حافظ ابن عبدالبہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سندہ صحیح“۔ (۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إسناده صحیح“۔ (۳)

اسی طرح یہ روایت امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ”عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ“ کے طریق سے نقل کی ہے۔ (۴)

ابن عبدالبہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إسناده حسن“۔ (۵)

یہ حدیث اس تفصیل کے ساتھ اور بھی کئی حضرات سے مروی ہے۔ (۶)

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ اس میں ”ولا ذو عہد فی عہدہ“ ”مؤمن“ پر معطوف ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ ”لا یقتل مؤمن ولا ذو عہد فی عہدہ بکافر“ یعنی کسی مؤمن کو اور کسی ذوق عہد یعنی ذمی کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ”ذوق عہد“ یعنی ذمی کو جس کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا وہ کافر حربی ہے، کیونکہ اس کو کافر ذمی کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف

(۱) دیکھئے سنن النسائي، کتاب القسامۃ، باب سقوط الفود من المسلم للكافر، رقم (۴۷۴۹ و ۴۷۵۰)، و سنن أبي داود، کتاب

الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر؟ رقم (۴۵۳۰)، و شرح معاني الآثار (ج ۲ ص ۱۲۴)۔

(۲) دیکھئے نصب الراية (ج ۴ ص ۳۳۵)، کتاب الجنایات، باب ما یوجب القصاص، رقم (۷۷۳۱)۔

(۳) الدرایۃ فی تخریج أحادیث الهدایۃ (ج ۲ ص ۲۶۲)، کتاب الجنایات، رقم (۱۰۰۸)۔

(۴) دیکھئے مسند أحمد (ج ۲ ص ۱۸۰ و ۱۹۴)، و سنن أبي داود، کتاب الدیات، باب أيقاد المسلم من الكافر؟ رقم (۳۵۳۱)۔

(۵) نصب الراية (ج ۴ ص ۳۳۵)، کتاب الجنایات، باب ما یوجب القصاص، رقم (۷۷۳۲)۔

(۶) رواہ ابن ماجہ فی سننہ، فی کتاب الدیات، باب لا یقتل مسلم بکافر، رقم (۲۶۶۰)، من حدیث عبداللہ بن عباس رضی

اللہ عنہما۔ و رواہ البخاری فی تاریخہ الکبیر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، کما فی نصب الراية (ج ۴ ص ۳۳۵)۔

اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، جب ذمی کو کافر ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا اور کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا تو ”مسلم“ کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اسے ذمی کے بدلے میں تو قتل کیا جائے گا، البتہ حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث پاک میں دو حکم الگ الگ بیان کئے گئے ہیں، پہلا حکم ”لایقتل مؤمن بکافر“ کا ہے، اس کا تعلق قصاص سے ہے اور دوسرا حکم ”ولا ذو عہد فی عہدہ“ ہے اور یہ مستقل حکم ہے، یعنی کسی ذمی کو عہد ذمہ ہوتے ہوئے قتل نہ کیا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بتا دیا کہ مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے تو ہو سکتا ہے مسلمان کفار کے ”ذمہ“ کو ہلکا سمجھ کر بے فکری کے ساتھ ان کو قتل کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر روک لگائی ہے اور فرما دیا ”ولا ذو عہد فی عہدہ“ کہ ذمی جب تک عہد ذمہ میں ہے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان دونوں باتوں کو الگ الگ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس حدیث کا تعلق ”الدماء المسفوک بعضها ببعض“ سے ہے، کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ”المسلمون ید علی من سواہم، تتکافؤ دماؤہم، ویسعی بذمتہم أدناہم“ اس کے بعد فرمایا ”لایقتل مؤمن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ“ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس خون سے ہے جو قصاصاً بہایا جائے، عہد ذمہ کی وجہ سے حرمت دم سے متعلق نہیں ہے۔ (۲)

۲..... دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف کا تعلق جاہلیت کے زمانہ سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر جاہلیت کے زمانہ میں حالت کفر میں کسی نے کسی کافر کو قتل کر دیا اور اس کے بعد قاتل مسلمان ہو گیا تو اب اس قاتل کو اس مقتول فی الجاہلیۃ کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا قرینہ یہ ہے کہ ”لایقتل مؤمن بکافر“ دو موقع پر وارد ہوا ہے، پہلا موقع وہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں آ کر اہل ایمان اور مدینہ کے دیگر

(۱) دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۲۴)۔

(۲) دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۲۴ و ۱۲۵)۔

باشندوں کے درمیان معاہدہ ہوا، چنانچہ امام ابو عبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الأموال“ میں یہ طویل معاہدہ نقل کیا ہے، جس کی سند یہ ہے ”حدثني يحيى بن عبد الله بن بكير، وعبد الله بن صالح، قالوا: حدثنا الليث بن سعد، قال: حدثني عقيل بن خالد، عن ابن شهاب أنه قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب بهذا الكتاب.....“ (۱)

آگے طویل معاہدہ کے الفاظ ہیں (۲)، ان میں مذکور ہے:

”وإن المؤمنين المتقين أيدىهم على كل من بغى وابتغى منهم دسيسة ظلم أو إثم أو عدوان أو فساد بين المؤمنين، وأن أيدىهم عليه جميعه، ولو كان ولد أحدهم، لا يقتل مؤمن مؤمنًا في كافر، ولا ينصر كافرًا على مؤمن“ (۳)

یعنی ”ایمان والے اہل تقویٰ کا ہاتھ ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو ظلم کرتا ہے، اہل ایمان سے مطلوب ہے کہ وہ ظلم، گناہ، زیادتی اور اہل ایمان کے درمیان فساد کو دفع کریں، وہ سب مجتمع ہو کر ظالم کو روکیں، اگرچہ وہ ظالم ان میں سے کسی کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کرے اور نہ ہی کسی مؤمن کے مقابلے میں کسی کافر کی مدد کرے۔“

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مراد کافر حربی ہے نہ کہ ذمی، چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ مقتول کا بدلہ قاتل کے بیٹوں اور اولاد سے لیتے تھے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کسی مؤمن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو اس بنیاد پر قتل کرے کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں کسی کافر کو قتل کیا تھا۔ (۴)

امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”وإنما كان هذا الكتاب -فيما

(۱) کتاب الأموال لأبي عبيد (ص ۲۰۲)، کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المؤمنین وأهل بئرب وموادعته يهودها مقدمة المدينة۔

(۲) دیکھئے کتاب الأموال (ص ۲۰۲-۲۰۵)۔

(۳) کتاب الأموال (ص ۲۰۳)۔

(۴) إعلال السنن (ج ۱ ص ۱۸)۔ کتاب الجنایات، باب قتل المسلم بالكافر۔

نُری - حدثان مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل أن يظهر الإسلام ويقوى، وقبل أن يؤمر بأخذ الجزية من أهل الكتاب۔ (۱) یعنی یہ مکتوب ہماری رائے میں اس وقت کا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے آئے تھے، اسلام کو ابھی غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اور وہ مضبوط نہیں ہوا تھا۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس ”معادہ“ میں ”للیہود دینہم وللمؤمنین دینہم“ کے الفاظ بھی موجود ہیں (۲)، جو اس بات پر دال ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ آتے ہی یہ معادہ کیا تھا۔ واللہ اعلم

دوسرا موقع جس میں آپ نے ”لا یقتل مؤمن بکافر“ فرمایا وہ فتح مکہ کے موقع پر تھا، جب آپ نے خطبہ دیا، اس میں اعلان فرمایا، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء، طاؤس مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے ”أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال يوم الفتح: لا یقتل مؤمن بکافر۔“ (۳)

آگے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال الشافعی رحمہ اللہ: وهذا عام عند أهل المغازی أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلم به في خطبته يوم الفتح، وهو يروى عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم مسنداً من حديث عمرو بن شعيب وحديث عمران بن حصين۔“ (۴)

”امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اہل مغازی کے نزدیک معروف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا، یہ عمرو بن شعيب اور عمران بن حصين سے مسنداً بھی مروی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلان فرمایا تھا کہ ”ألا كل مائة أو دم أو مال ہم یذعی فهو تحت قدمي هاتين.....“ (۵) یعنی ”ہر قسم کی انتقامی کاروائی اور قصاص یا مال جس کا دعویٰ کیا جاتا

(۱) کتاب الأموال (ص ۲۰۷)۔

(۲) کتاب الأموال (ص ۲۰۴)۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۸ ص ۲۹) کتاب الحنایات، باب فیمن لا قصاص بینہ باختلاف الدینین۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) سیرۃ ابن ہشام (ج ۲ ص ۲۷۴)، وزاد المعاد (ج ۳ ص ۴۰۷)۔

ہو سب میرے قدموں تلے ہے“ اس میں ”دم“ سے جاہلیت میں بہایا ہوا دم مراد ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مغازی و سیر نے ذکر کیا ہے کہ عہد ذمہ کا معاملہ فتح مکہ کے بعد شروع ہوا ہے، اس سے پہلے آپ کے اور مشرکین کے درمیان ایک مقررہ مدت تک مصالحت ہوئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ کفار اسلام کے ذمہ میں داخل ہو گئے ہوں۔ (۱) لہذا آپ کا فتح مکہ کے موقع پر ”لَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ بَكَافِرًا“ کہنا ان کفار کے حق میں ہو سکتا ہے جن سے صلح ہو چکی تھی، کیونکہ اس وقت اہل ذمہ کا وجود ہی نہیں تھا، اس کا قرینہ آپ کا ارشاد ”وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ“ ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ﴾۔ (۲)

حاصل یہ کہ اس وقت کفار کی دو ہی قسمیں تھیں، ایک تو وہ اہل حرب ہیں، جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اور ایک وہ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مخصوص مدت تک کے لئے مصالحت ہو چکی تھی، ذمی کوئی نہیں تھا، لہذا ”لَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ بَكَافِرًا“ میں کافر سے یہی دونوں قسمیں مراد ہوں گی، لہذا قصاص کی نفی کا یہ حکم حربی معاہدہ پر منحصر ہوگا، اس میں ذمی کے داخل ہونے کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ (۳) واللہ اعلم

مذکورہ جواب پر ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر تو اس حدیث میں صرف جاہلیت کے زمانہ کا حکم مذکور ہے، اسلام کے زمانے کا حکم تو مذکور نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوامع الکلم سے نوازا ہے، آپ مختصر سے ایک کلمہ میں بہت سے مسائل بیان کر دیتے تھے، یہاں بھی اگرچہ ”لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بَكَافِرًا“ جاہلیت کے حکم پر روشنی ڈال رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے زمانے کا حکم بھی بیان کر رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ دوسرے دلائل کی روشنی میں

(۱) دیکھئے إعلاء السنن (ج ۱۸ ص ۱۰۲)۔

(۲) التوبة ۴۱۔

(۳) إعلاء السنن (ج ۱۸ ص ۱۰۲)۔

یہاں ”کافر“ سے حربی کافر مراد ہے ”ذمی“ مراد نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۳۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”لایقتل مسلم بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ“ کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ دونوں باتیں ”قصاص“ ہی سے متعلق ہیں، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، یا پہلا جملہ ”لایقتل مسلم بکافر“ قصاص سے متعلق ہے اور ”ولا ذو عہد فی عہدہ“ حرمت دم سے متعلق؟ جیسا کہ جمہور علماء کہتے ہیں۔

سو ہم اگر جمہور کی موافقت کرتے ہوئے یہ کہیں کہ ”ولا ذو عہد فی عہدہ“ کا تعلق حرمت دم سے ہے، قصاص سے نہیں، تب بھی ”ذمی“ کا حکم یہ ہوگا کہ اس کے قتل سے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کئے جانے کا مسئلہ عقد ذمہ سے ماخوذ ہے، اہل ذمہ نے اپنے اموال کو اس لئے خرچ کیا ہے کہ ان کے جان و مال مسلمین کی طرح محفوظ ہو جائیں، لہذا اگر کوئی ان کی جان پر تعدی کرے گا تو اس سے بدلہ لیا جائے گا، جیسا کہ مسلمان پر تعدی کی صورت میں بدلہ لیا جاتا ہے۔

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کسی ذمی کا مال دار الاسلام میں کوئی چرالے تو سارق چاہے مسلم ہو یا کافر، اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر دار الاسلام میں کسی ذمی کو کوئی قتل کر دے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، یا ذمی۔ اور حدیث ”لایقتل مسلم بکافر“ میں کافر سے ”کافر حربی“ مراد ہے، کیونکہ ذمی تو مسلمان ہی کے حکم میں ہے، لہذا حدیث کا مطلب ہوگا: ”لایقتل مسلم و ذمی بکافر“ کسی مسلمان اور ذمی کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جب ذمی اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے مسلم کے حکم میں ہو گیا تو جیسے مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا، ذمی کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، گویا یہاں عبارت مقدر نہیں مانی جا رہی، بلکہ مطلب بیان کیا جا رہا ہے۔ (۱)

احناف کے دلائل

حنفیہ کا استدلال اس باب میں انصوص عامہ سے ہے: **هَذَا أَتَيْنَاهُ الدَّلِيلَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ**

فِي الْقَتْلَى ۝ (۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اس قاتل سے قصاص لیا جائے گا جس نے دھاردار چیز سے عداقتل کیا ہو، البتہ کوئی تخصیص کی دلیل ہو تو تخصیص ہوگی، ورنہ نہیں، خواہ مقتول غلام ہو یا ذمی، مذکر ہو یا مؤنث، کیونکہ ”قتلی“ کا لفظ سب کو شامل ہے۔ (۲)

یہاں کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ اس آیت میں جب خطاب اہل ایمان سے ہے تو ”قتلی“ کا تعلق بھی اہل ایمان سے ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک دلیل خصوص نہ آئے تب تک عموم لفظ کے مطابق عمل کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے اور اس آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بعض کے قتل کے لئے تو موجب ہو اور بعض کے لئے نہ ہو۔

آگے ﴿فَمَنْ عُصِيَ لَهٗ مِنْ أُخِيهِ شَيْءٌ﴾ (۳) سے بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں ”أخيه“ کہا گیا ہے، ظاہر ہے کہ کافر مسلمان کا بھائی نہیں ہو سکتا، اس لئے سیاق آیت سے معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان مراد ہیں، گویا ”قتلی“ سے ”قتلی المؤمنین“ مراد ہیں۔

یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ جب کسی نص میں عموم ہوا اور بعد میں خصوص کے لفظ کے ساتھ جو اس پر عطف ہو تو اس سے سابق عموم میں تخصیص پیدا نہیں ہوتی، دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَالْمُطَلَّفُ يَتَرَبَّصُّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (۴) یہ مطلقہ ثلاث کو بھی شامل ہے، جبکہ آگے ارشاد ہے ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَكُنْ لَهُنَّ فَمَسْكُونُهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرَخُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (۵) اسی طرح ارشاد ہے ﴿وَبِعَوَّلْتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ﴾ (۶) ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں کا تعلق ”مادون الثلاث“

(۱) البقرة ۱۷۸۔

(۲) احکام القرآن للجصاص (ج ۱ ص ۱۳۳)۔

(۳) البقرة ۱۷۸۔

(۴) البقرة ۲۲۸۔

(۵) البقرة ۲۳۱۔

(۶) البقرة ۲۲۸۔

مطلقہ سے ہے، اس کے باوجود ﴿وَالْمُطَلَّقُ يَتَرَبَّصُّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ کے عموم میں کوئی تخصیص نہیں ہوئی۔

پھر یہاں احتمال نسبی اخوت کا بھی ہے، نہ کہ دینی اخوت کا، جیسا کہ فرمایا ﴿وَإِلَىٰ عَادِ أَخَاهُمْ

هُودَ آتٍ﴾ (۱)

دوسری آیت جس کے عموم سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے، وہ ہے ﴿وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ

بِالنَّفْسِ.....﴾ (۲) اس کا عموم بھی یہ تقاضا کر رہا ہے کہ کافر کے بدلے میں مؤمن کو قتل کیا جائے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا.....﴾ (۳) سے معلوم

ہوتا ہے کہ کسی مسلمان یا کافر کی کوئی تخصیص نہیں، کیونکہ ”سلطان“ کے مفہوم میں ”قود“ یعنی ”قصاص“ شامل ہے

اور اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (۴)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصاص کے باب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک کلی قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کا خون عصمت مقومہ کے ساتھ علی التابید معصوم ہو اور اس کو عداً قتل کیا

جائے اور قصاص لینا متعذر نہ ہو تو قصاص واجب ہوگا، ان میں سے کوئی قید یا شرط معدوم ہو تو قصاص نہیں

ہوگا۔ (۵)

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک قانون اور اصل یہ ہے کہ جب کوئی نص کسی اصل کلی کے

معارض ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ نص تاویل کا احتمال رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر نص میں تاویل کا احتمال نہ ہو تو اس اصل

کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی، کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں پہ عمل بیک وقت ممکن نہیں۔

اور اگر نص میں تاویل کا احتمال ہو تو تاویل کی جائے گی، تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو سکے، کیونکہ دونوں

(۱) الأعراف ۶۵۔

(۲) المائدہ ۴۵۔

(۳) الانبیاء ۳۳۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے أحكام القرآن للخصاص (ج ۱ ص ۱۳۴)، وأحكام القرآن للعلامة

ظفر أحمد عثمانی (ج ۱ ص ۱۴۸)۔

(۵) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱ ص ۱۰۰) کتاب الجنایات، باب قتل المسلم بالكافر۔

پر عمل کرنا کسی ایک پر عمل کر کے دوسرے کو چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ (۱)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں جس شخص کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر کلام کرنا ہوا سے چاہئے کہ ان دونوں اصول کلیہ پر اولاً کلام کرے، یا حدیث ”لایقتل مؤمن بکافر“ میں جو تاویل کی گئی ہے اس پر کلام کرے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ان دونوں اصول پر کلام ممکن ہے، کیونکہ ہر انصاف پسند شخص کے نزدیک یہ دونوں اصول بالکل درست ہیں، اسی طرح نص میں جو تاویل کی گئی ہے اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا، کیونکہ ذمی کے واسطے قصاص لیا جاتا ہے اور مسلمان سے قصاص لیا جاسکتا ہے اور قصاص لینا متعذر بھی نہیں ہے، لہذا ترک قصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس طرح یہ لازم ہو گیا کہ حدیث میں ”کافر“ سے ”کافر حربی“ مراد لیا جائے اور مطلب ہو گا کہ کسی مؤمن کو ”کافر حربی“ کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کافر حربی غیر مستامن مطلقاً محقون الدم نہیں ہے اور اگر کافر حربی مستامن ہو تو وہ علی التابید محقون الدم نہیں ہے، اس طرح یہ حدیث اصل کلی کے موافق ہو جاتی ہے۔ (۲)

حنفیہ کا اصل استدلال تو مذکورہ نصوص عامہ سے ہے اور ان ہی کی روشنی میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کردہ اصول وضع کئے ہیں، تاہم حنفیہ کے مذہب کی تائید میں بعض روایات بھی ہیں، ان کو ہم تفصیلاً ذکر کرتے ہیں:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت نقل کی ہے ”بلغنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قتل مسلماً بمعاهد، وقال: أنا أحق من وفی بدمته“۔ (۳)

یعنی ”ہم تک یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے کہ آپ نے ایک ذمی کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا میں ”ذمہ“ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔“

اس روایت کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں مسنداً نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”أخبرنا محمد بن الحسن، أخبرنا إبراهيم بن محمد، عن محمد بن المنكدر،

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) کتاب الآثار (ص ۱۹۲) باب الذمات، باب دمة المعاهد۔ رقم (۵۶)۔

عن عبد الرحمن بن البيلماني: أن رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الذمة، فرفع ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أنا أحق من أوفى بدمته، ثم أمر به فقتل۔ (۱)

یعنی ”ایک مسلمان نے اہل ذمہ میں سے کسی کو قتل کر دیا تھا، مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے ”ذمہ“ کا حق ادا کرنے کا سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہوں، چنانچہ آپ نے اس کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔“

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ”ابراہیم بن محمد“ راوی متروک ہے اور علماء جرح و تعدیل نے ان پر شدید تنقید کی ہے۔ (۲)

حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء نے ابراہیم بن محمد کے بارے میں بہت سخت کلمات کہے ہیں، اس کے باوجود ان کو بالکل متروک قرار دینا درست نہیں۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیشتر حضرات نے ان پر جو کلام کیا ہے ان کے عقائد کی وجہ سے کیا ہے، چنانچہ ان کو معتزلی، قدری، جہمی، رافضی قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ کسی نے ان کو غالی فی العقیدہ اور داعیہ قرار نہیں دیا، لہذا عقائد کی بنیاد پر ان پر کلام محل نظر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن حضرات نے ان پر کلام کیا ہے، وہ بھی ان کے تخریعی کی شہادت دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاریخ الإسلام“ میں ”الفتیۃ السدنی أحد الأعلام“ کے وقوع الفاظ سے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المجر و جین میں نقل کیا ہے کہ رشدین بن سعد، ابراہیم بن ابی تھبی کے پاس اپنی چادر میں کچھ کتابیں اٹھا کر آئے اور کہا ”ہذہ کتبک وأحادیثک أرویہا عنک؟“ انہوں نے اجازت دی اور فرمایا ”نعم“ اس پر رشدین نے کہا ”بلغنی أنک رجل سوء، فاتق الله وتب إليه“ (مجھے

(۱) نظر إعلانی، السی (ج ۱/۸ ص ۹۵) کتاب الجنایات باب قتل المسلم الکافر۔

(۲) دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۵۷) رقم (۱۸۹)۔

معلوم ہوا ہے کہ تم برے آدمی ہو، اللہ سے ڈرو اور توبہ کرو۔) ابراہیم نے پوچھا کہ جب میں برا آدمی ہوں تو مجھ سے حدیث کیوں لیتے ہو؟ تو رشیدین نے کہا ”ألم يبلغك أنه يذهب العلم، ويبقى منه في أوعية سوء، فأنت من الأوعية السوء“۔ یعنی ”کیا تم نے نہیں سنا کہ علم اٹھ جائے گا، لیکن کچھ علم برے برتنوں میں رہ جائے گا، سو تم ان برے برتنوں میں سے ہو“۔

اس واقعہ سے ان کے تجر علمی اور کثرت علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے تعلقات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اچھے نہیں تھے، ایک دفعہ انہوں نے ایک غیر معروف شخص کو تمیز حدیثیں سنائیں اور کہا ”حدثك ثلاثين حديثاً، ولو ذهبت إلى ذاك الحمار، فحدثك بثلاثة أحاديث لفرحت بها“ یعنی مالکاً۔

یعنی ”میں نے تمہیں تیس حدیثیں سنائی ہیں اور اگر تم اس گدھے کے پاس جا کر تین حدیثیں سن لو تو خوش ہو جاؤ گے۔ اشارہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا“۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ امام شافعی کے استاذ ہیں، انہوں نے اپنے استاذ کو اچھی طرح پرکھا اور پھر ان کی توثیق کی، جہ ف امام شافعی ہی نہیں، بلکہ حمدان بن الاصبہانی بھی ان کی توثیق کرتے ہیں، اسی طرح ابن عقدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”نظرت في حديث إبراهيم بن أبي يحيى كثيراً، وليس بمنكر الحديث“۔ ابن عدي رحمۃ اللہ علیہ ابن عقدہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وهذا الذي قاله كما قال، وقد نظرت أنا في حديثه الكثير، فلم أجد فيه منكراً إلا عن شيوخ يُحتملون، وقد نظرت أنا في أحاديثه وتبحر بها، وفحصت الكل منها، فليس فيها حديث منكر، وإنما يروى المنكر من قبل الراوي عنه أو من قبل شيخه، لا من قبله، وهو في جملة من يُكتب حديثه، وقد وثقه الشافعي وابن لأصبهاني وغيرهما“۔ (۱)

یعنی ”بات یہی ہے جو ابن عقدہ کہہ رہے ہیں، میں نے ان کی بہت سی حدیثوں میں غور کیا تو

(۱) تمام تفصیل کے لئے دیکھئے معجم الکمل ومعجمه (ج ۲ ص ۱۸۶-۱۹۱)۔

کوئی حدیث منکر نہیں ملی، البتہ ایسے شیوخ سے کچھ منکر مرویات ہیں، جن کو قبول کیا جاسکتا ہے،..... میں نے ان کی حدیثوں میں غور کیا، خوب تحقیق و تفتیش کی، ان میں کوئی بھی منکر حدیث نہیں ہے، اس میں نکارت آئی ہے تو ان سے روایت کرنے والے راوی کی طرف سے یا ان کے شیخ کی طرف سے آئی ہے، خود ان کی وجہ سے نہیں، وہ خود ان رواۃ میں سے ہیں جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، ان کی امام شافعی اور ابن الاصبہانی وغیرہ نے توثیق کی ہے۔“

اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ ابراہیم بن محمد بن ابی تکیہ متروک راوی ہیں تب بھی اس زوایت سے استدلال کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق میں ان کا واسطہ موجود نہیں ہے، چنانچہ امام طحاوی نے اس کا ایک طریق ”سليمان بن شعيب، عن يحيى بن سلام، عن محمد بن أبي حميد عن محمد بن المنكدر“ نقل کیا ہے، اس میں ابراہیم بن محمد کا واسطہ نہیں ہے۔ (۱)

اسی طرح ایک طریق ”سليمان بن بلال، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن عبد الرحمن بن اليماني“ بھی نقل کیا ہے (۲)، اس میں بھی ابراہیم کا واسطہ نہیں ہے۔

اس پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ اس طریق میں بھی ابراہیم کا واسطہ ہے، کیونکہ ابو عبید نے نقل کیا ہے ”بلغني عن ابن أبي يحيى أنه قال: أنا حدثت ربيعة به“۔ (۳)

علامہ ابن الترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ”من بلغ أبا عبید هذا؟“ (۴) مطلب یہ ہے کہ ابو عبید نے ”بلغ“ کے طور پر جو نقل کیا ہے اس کی سند کیا ہے؟ یہ بے سند بات ہے۔

پھر امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ”مراسيل“ میں ”عن ربيعة عن عبد الرحمن بن اليماني“ کے طریق سے روایت نقل کی ہے (۵) اور اس کے رجال سند ثقات ہیں (۶)، اس سے معلوم ہوا کہ ابن ابی تکیہ مدار

(۱) شرح معالي الآثار (ج ۲ ص ۱۲۶)، کتاب الجنایات، باب المؤمن بقتل الکافر متعمداً۔

(۲) شرح معالي الآثار (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

(۳) السنن الکبریٰ لبیہقی (ج ۸ ص ۳۱) کتاب الجنایات، باب من صعد الحبر لندی روي في قتل المؤمن بکافر۔

(۴) جہدہ صفي (ج ۸ ص ۳۳)۔

(۵) المراسيل لأبي داؤد (ص ۱۲)۔

(۶) إجماع السنن (ج ۱ ص ۹۵)۔

حدیث نہیں ہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے باور کرانے کی کوشش کی ہے۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ربیعہ نے یہ حدیث ابراہیم سے لی ہے، تب بھی یہ کہنا درست نہیں کہ اس حدیث کا مدار ابراہیم ہی ہیں، کیونکہ اس صورت میں سند یوں ہوگی ”ربیعہ عن ابراہیم بن ابی یحییٰ، عن محمد بن المنکدر، عن عبدالرحمن بن البیلمانی“۔ جبکہ ابراہیم اس میں متفرد نہیں ہیں، پیچھے ہم امام طحاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ ابراہیم کی متابعت محمد بن ابی حمید نے کی ہے، جو ابن المنکدر سے نقل کرتے ہیں۔ (۱)

پھر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ”عمار بن مطر، عن ابراہیم بن محمد، عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن عن ابن البیلمانی عن ابن عمر“ کے طریق سے مرفوعاً و موصولاً نقل کی ہے۔ (۲)
امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند پر ایک تو ابراہیم بن محمد کی وجہ سے کلام کیا ہے اور کہا ہے ”وہو متروک الحدیث“۔ (۳)

اس کے علاوہ انہوں نے اس حدیث کو مرسل صحیح قرار دیا اور فرمایا کہ یہ مرسل ہے اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واسطہ نہیں ہے۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”وابن البیلمانی ضعیف، لا تقوم به حجة إذا وصل الحديث فكيف بما يرسله؟“۔ (۵) یعنی ”ابن البیلمانی ضعیف ہیں، وہ اگر حدیث کو موصولاً نقل کریں جب بھی حجت نہیں، چہ جائیکہ مرسل نقل کر رہے ہیں“۔

جہاں تک ابراہیم بن محمد کے بارے میں کلام کا تعلق ہے، سو ہم ان کے بارے میں تحقیقی طور پر بتا چکے ہیں کہ ان کو بالکل متروک قرار دینا درست نہیں۔

(۱) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱ ص ۹۶)۔

(۲) سنن الدارقطني (ج ۳ ص ۱۳۵)، کتاب الحدود والديات وغیرہ، رقم (۱۶۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

جہاں تک ابن ابیہمامانی کے ضعف کا تعلق ہے سو ہمیں تسلیم ہے، کہ ان کو بعض محدثین نے کمزور قرار دیا ہے (۱)، لیکن ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، بلکہ یہ تصریح بھی کر دی کہ اگر ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے محمد بول تو ان کی حدیثوں کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ان کے یہ بیٹے اپنے والد سے عجیب و غریب روایتیں نقل کرتے ہیں۔ (۲) پھر منن اربعہ کے مؤلفین نے ان کی روایات قبول کی ہیں۔ (۳)

پھر ابن ابیہمامانی کی متابعت عبد اللہ بن عبد العزیز بن صالح حضرمی نے کی ہے، چنانچہ امام ابوداؤد نے ”مسند“ میں ”اس دھب عن عبد اللہ بن یعقوب عن عبد اللہ بن عبد العزیز بن صالح الحضرمی“ کے طریق سے نقل کیا ہے ”قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم حنین مسلماً بکافر قتله عبدة، وقال: انا اولیٰ او احب من اومى بدمه“۔ (۴)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے موقع پر ایک مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کیا، جس کو بے خبری میں مار ڈالا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا میں ”ذمہ“ کا حق ادا کرنے میں سب سے بڑھ کر حق دار ہوں۔“

اس روایت کی سند میں عبد اللہ بن یعقوب اور عبد اللہ بن عبد العزیز بن صالح حضرمی کو ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے، اس لئے فی الجملہ یہ روایت ضعیف ہے، تاہم کسی اور ضعیف کے لئے شاہد بننے کی صلاحیت ہے، لہذا ابن ابیہمامانی کی مذکورہ روایت بالکل ماقط نہیں، بلکہ مرسل حسن لعینہ یا غیر وہ ہے۔ (۵)

پھر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر قمار بن مطر کی وجہ سے بھی کلام کیا ہے اور کہا ہے ”کسل

یقتب الأحادیث، ویسرق الأحادیث“۔ (۶)

(۱) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۲) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۳) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۴) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۵) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۶) ح ۱۰۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰۔

لیکن واضح رہے کہ عمار بن مطر کی بعض حضرات نے توثیق کی ہے، بلکہ بعض نے تو انہیں ”حافظ“ کی صفت سے متصف کیا ہے، چنانچہ عبداللہ بن سالم کہتے ہیں ”حدثنا (أبو) عثمان بن مطر الرهاوي، وكان حافظاً للحديث“۔ (۱)

اسی طرح یوسف بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”حدثنا محمد بن الخضر بن علي بالرقعة، حدثنا عمار بن مطر: ثقة.....“۔ (۲)

لہذا عمار بن مطر ایک مختلف فیہ راوی ہیں، ان کی حدیثیں قابل احتجاج ہیں، کم از کم استثنائات تو ان سے ضرور ہو سکتا ہے۔ (۳)

پھر ابن البیلمانی کی یہ حدیث امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے، یہ تینوں حضرات ربیعۃ الراۓ سے روایت کرتے ہیں، و کفی بہؤلاء الأئمة قدوة، جبکہ پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ ابن المنکدر اور عبداللہ بن عبدالعزیز کی مرسل روایتیں بطور متابع موجود ہیں، لہذا ابن البیلمانی کی یہ روایت حجت ہے، اگرچہ مرسل ہے، اس لئے کہ مرسل جب متعدد طرق سے ثابت ہو تو اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ (۴)

خاص طور پر یہاں یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی مروی ہے (۵) اور جب مرسل موصولاً مروی ہوتی ہے اگرچہ موصول کا طریق ضعیف ہی کیوں نہ ہو، سب کے نزدیک اور خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ (۶)

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن البیلمانی کی اس روایت پر خصوم نے متعدد اعتراضات کئے ہیں۔

(۱) میر - الاعتدال (ج ۳ ص ۱۶۹) رقم (۶۰۴)۔

(۲) نسب - نسب (ج ۴ ص ۲۷۶)۔

(۳) دیکھئے علاء النسب (ج ۱ ص ۱۰۱)۔

(۴) غرود الجواهر السیفة (ج ۲ ص ۱۳۱) بیان الخبر الدال على قتل المسلم بالدمی۔

(۵) پیچھے روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(۶) ”وقال الشافعي: يقبل إن اعتضد بسجيته من وجه آخر يبين الطريق الأولى، مسنداً كان أو مرسلًا، وسواء كان السبي صحيحاً أو حسناً أو ضعيفاً“۔ انظر شرح شرح نوبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (ص ۴۰۷، ۴۰۸)۔

ایک تو یہ کہ یہ مرسل روایت ہے اور ضعیف ہے۔

اس کا تفصیلی جواب پیچھے آچکا۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابن البیلمانی کی یہ روایت ”لایقتل مؤمن بکافر“ والی روایت سے منسوخ ہے، کیونکہ ”لایقتل مؤمن بکافر“ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن البیلمانی کی روایت میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کا تعلق فتح مکہ سے پہلے ہے، بلکہ عبداللہ بن عبدالعزیز حضرمی والی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ وہ واقعہ غزوہ حنین کا تھا اور غزوہ حنین ظاہر ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ خراش بن امیہ نے قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو فتح مکہ کے دن قتل کر دیا تھا، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لو کنت قاتلاً مؤمناً بکافر فقتلت خراشاً بالہذلی“ (۱) معترضین کا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ اس کی سند ”واہی“ ہے، تاہم ابن البیلمانی کی روایت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اور ابن البیلمانی کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہذلی اہل ذمہ میں سے نہیں تھا اور کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد اگر قتل سے روکا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں کے باشندے ذمی بن گئے اور اگر ابن البیلمانی کی روایت حنین کے واقعہ ہی سے متعلق ہو، جیسا کہ حضرمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو ابن البیلمانی کی یہ روایت فتح مکہ کے واقعہ کے واسطے ناسخ بن جائے گی۔ (۲) واللہ اعلم

۲۔ حنفیہ کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے:

”محمد قال: أخبرنا أبو حنیفة عن حماد عن إبراهيم، أن رجلاً من بکر بن وائل

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۸ ص ۲۹)، کتاب الجنایات، باب قیس لا قصاص بینه باحتلاف الدین۔

(۲) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱۸ ص ۹۸ و ۹۹)۔

قتل رجلاً من أهل الحيرة، فكتب فيه عمر بن الخطاب أن يُدفع إلى أولياء القتل، فإن شاء واقتلوا، وإن شاء واغفوا، فذفع الرجل إلى ولي المقتول إلى رجل يقال له: حنين من أهل الحيرة، فقتله، فكتب فيه عمر بعد ذلك: إن كان الرجل لم يقتل فلا تقتلوه، فأوأ أن عمر أراد أن يرضيهم بالدية“۔ (۱)

یعنی ”بکر بن وائل کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، اس سلسلے میں حضرت عمر بن الخطاب نے ہدایت دی کہ قاتل کو اولیائے مقتول کے حوالے کیا جائے، چاہیں تو قتل کریں یا معاف کریں، ولی مقتول حنین نامی، اہل حیرہ میں سے ایک شخص تھا، اس کو قاتل دے دیا گیا، اس نے اسے قتل کر دیا، اس کے بارے میں حضرت عمر نے بعد میں لکھا اگر اس آدمی نے اسے قتل نہ کیا ہو تو اسے اب قتل نہ کرو، لوگ یہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اولیائے مقتول کو دیت سے راضی کرنا چاہتے تھے۔“

اس دلیل پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے، خصوصاً ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے مراسیل حجت ہیں۔ (۳)

علامہ ابن الترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے متعدد طرق ہیں ”والمنقطع إذا روي من وجه آخر منقطعاً كان حجة عند الشافعي“۔ (۴)

یعنی ”منقطع اگر کسی دوسرے منقطع طریق سے مروی ہو تو امام شافعی کے نزدیک حجت ہے۔“

(۱) کتاب الآثار (ص ۱۴۱) کتاب الديات، باب دية المعاهد، رقم (۵۹۰)۔

(۲) دیکھئے السنن الكبرى للمبهي (ج ۸ ص ۳۲)۔

(۳) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱ ص ۹۸)۔

(۴) المحرر المقي (ج ۸ ص ۳۳)۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اسی اثر کے اندر مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی رائے یعنی قتل کے فیصلہ سے رجوع کر لیا تھا اور اولیاء مقتول کو دیت دے کر راضی کرنے کی کوشش کی تھی۔ (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ انہوں نے جواز قتل مسلم بالذمی سے رجوع کر لیا تھا، بلکہ انہوں نے امر بالقتل سے رجوع کیا تھا کیونکہ ان کے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس معاملہ کا ایک اور حل ہے، وہ یہ کہ ولی کو دیت دے کر راضی کیا جائے، اگر وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے تو فہما، ورنہ دوبارہ قتل کا حکم کیا جائے۔ دیت دے کر راضی کرنا وجوب قتل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وجوب قتل کے باوجود ولی کو معاف کرنے اور دیت لینے کا اختیار حاصل ہے۔ (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈرایا اور دھمکایا تھا، قتل کی اجازت دینا مقصود نہیں تھا۔ (۳)

لیکن یہاں یہ امکان نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے وجوب قتل سے رجوع مستفاد نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیسے تصور ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں قتل یا عفو کا اختیار دے کر محض ڈرانا چاہ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد اگر یہی ہو تو اولیاء کو یہ مراد کیسے معلوم ہوگی؟ بلکہ اس تخیل سے تو انہوں نے ابا حست قتل سمجھ کر قاتل کو قتل بھی کر دیا۔ (۴)

البتہ یہاں ابن جریر کی ایک روایت سے اشکال ہو سکتا ہے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ نزال بن سمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

”أن رجلاً من المسلمين قتل رجلاً من أهل الحيرة نصرانياً عمداً، فكتب يحيى ابن سعيد في ذلك إلى عمر، فكتب أن أقيده فيه، وكان يقال له: اقتله، فيقول: حتى يحيى، الغيظ، حتى يحيى، الغضب، فيبنيهم كذلك إذ جاء كتاب من عند

(۱) السنن الكبرى (ج ۸ ص ۳۲)۔

(۲) دیکھئے عقود الجواهر المنيفة (ج ۲ ص ۱۳۳)، وإعلاء السنن (ج ۱ ص ۹۸)۔

(۳) دیکھئے السنن الكبرى (ج ۸ ص ۳۲)۔

(۴) دیکھئے عقود الجواهر المنيفة (ج ۲ ص ۱۳۳)، وإعلاء السنن (ج ۱ ص ۱۰۱)۔

عمر أن لا تقتلوه، فإنه لا يقتل مؤمن بكافر، ونيعط الدية“۔ (۱)

یعنی ”ایک مسلمان نے حیرہ کے نصرانیوں میں سے ایک شخص کو عداقت کر ڈالا، اس سلسلے میں تھیں بن سعید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا، آپ نے ہدایت دی کہ اسے قصاص دلاؤ، جب ولی مقتول سے کہا جاتا کہ اسے قتل کروالو تو کہتا کہ غصہ آنے دو، طیش آنے دو، ابھی لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ حضرت عمر کا نامہ آیا کہ اسے قتل مت کرو، کیونکہ کسی مؤمن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جاتا اور دیت دے دی جائے۔“

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل سے جو منع فرمایا وہ جواز قتل مسلم سے رجوع کرنے کی وجہ سے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قطعہ جصاص نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے (۲) اور ابن ابی شیبہ نے بھی (۳)، ان میں سے کسی کی روایت میں ”لأن لا يقتل مؤمن بكافر“ موجود نہیں ہے، غالب یہ ہے کہ ابن جریر کی اس روایت میں کسی راوی نے اپنی طرف سے تصرف کیا ہے اور اس بنیاد پر یہ تصرف کیا ہے کہ نبی کا ہنی ”لا يقتل مؤمن بكافر“ ہے۔

اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے ”قلوا أن عمر أراد أن يرخصهم بالدية“ یعنی ”لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اولیاء مقتول کو دیت دے کر راضی کرنا چاہتے ہیں“ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علت کی تنصیص ”لا يقتل مؤمن بكافر“ کہہ کر کر دی تھی تو لوگوں کے لئے یہ گنجائش کہاں باقی رہتی ہے کہ وہ اپنے طور پر رائے قائم کر لیں، لہذا ابن جریر کی اس روایت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ (۴)

یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں کئی واقعات اور قضایا متعلق ہیں، جن

(۱) إحداء المسس (ج ۱ ص ۸۸)۔

(۲) أحکام عمر بن الخطاب (ج ۱ ص ۱۵۱)۔

(۳) المعتمد والی ابی شیبہ (ج ۵ ص ۵۰۲)۔ (۴) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۷۴)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۷۴)۔

میں سے بعض میں کچھ مخالفتیں بھی ہیں، تاہم ان میں سے روایت و درایت سب سے بہتر وہ روایت ہے جو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

۳..... حنفیہ کا ایک استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أخبرنا محمد بن الحسن، أخبرنا محمد بن يزيد، أخبرنا سفيان بن حسين،
عن الزهري أن ابن شماس الجذامي قتل رجلاً من أنباط الشام، فرفع إلى عثمان
رضي الله عنه، فأمر بقتله، فكلمه الزبير رضي الله عنه وناس من أصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم، فنهوه عن قتله، قال: فجعل ديتة ألف دينار“۔ (۲)

یعنی ”ابن شماس جذامی نے شام کے بنطیوں میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، آپ نے قتل کا حکم دے دیا، حضرت زبیر اور دیگر بعض صحابہ نے حضرت عثمان سے اس سلسلے میں بات کی تو اسے قتل کرنے سے منع فرمایا اور ایک ہزار دینار اس کی دیت مقرر کی۔“

اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص کا حکم دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل موجب یہی ہے، تاہم چونکہ ایک مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کرنے کا معاملہ تھا، اس لئے حضرات صحابہ نے ان سے بات کی کہ کسی طرح ولی مقتول کو راضی کر کے دیت دلادی جائے، تو حضرت عثمان نے پھر یہی کیا کہ ولی مقتول کو دیت پر راضی کر کے مسلمان کو قتل ہونے سے بچالیا۔ قصاص سے دیت کی طرف رجوع اس بنیاد پر نہیں تھا کہ ولی مقتول کو قاتل کی رضامندی کے بغیر اختیار ہے، بلکہ اصل موجب تو قصاص ہی ہے، تاہم قاتل کی رضامندی چونکہ موجود ہی ہوتی ہے، اس لئے دیت دے کر ولی مقتول کو راضی کیا گیا۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) السنن الکبریٰ (ج ۸ ص ۳۳)۔

اس اثر پر امام شافعی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں مجہولین ہیں۔ (۱)

لیکن یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ اس میں ایک تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دوسرے محمد بن یزید ہیں، اور

یہ محمد بن یزید کلاعی مولیٰ خولان ہیں، یہ ثقہ، ثبت اور عابد راوی ہیں۔ (۲)

تیسرے راوی سفیان بن حسین ہیں، یہ بھی معروف راوی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے

تاریخ میں، امام مسلم نے مقدمہ میں اور سنن اربعہ کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات لی ہیں۔ (۳)
لہذا اس سند میں کوئی بھی مجہول نہیں۔

البتہ سفیان اور زہری کے درمیان انقطاع کا اعتراض کیا جاسکتا ہے، لیکن اول تو انقطاع مضر نہیں،

دوسرے دیگر شواہد کے ہوتے ہوئے منقطع قابل احتجاج ہوتی ہے۔ (۴)

۴..... حنفیہ کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل

فرماتے ہیں:

”أبنا محمد بن الحسن، أبنا قيس بن الربيع الأسدي، عن أبان بن تغلب، عن الحسن بن ميمون، عن عبد الله بن عبد الله مولى بني هاشم عن أبي الجنوب الأسدي، قال: أتني علي بن أبي طالب رضي الله عنه برجل من المسلمين، قتل رجلاً من أهل الذمة، قال: فقامت عليه البينة، فأمر بقتله، فجاء أخوه، فقال: إني قد عفوت، قال: فلعلهم هددوك، وفرقوك، وفرعوك؟ قال: لا، ولكن قتله لا يرد علي“

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) قال الحافظ في التقریب: ”ثقة، ثبت، عابد“۔ (ص ۵۱۴) رقم (۶۴۰۳)، وقال الذهبي في الكاشف: ”حجة، يعد من

الأبدال“۔ (ج ۲ ص ۲۳۱) رقم (۵۲۲۴)۔

(۳) دیکھئے عقود الجواهر المنيفة (ج ۲ ص ۱۳۴)، وتقریب التهذيب (ص ۲۴۴) رقم (۲۴۳۷)، والكاشف (ج ۱ ص ۴۴۸) رقم

(۱۹۹۰)، نیز دیکھئے حاشیة سبط ابن العجمي على الكاشف للذهبي۔

(۴) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱ ص ۹۷)۔

أحي، وعوضوني فرضيت، قال: أنت أعلم، من كانت له ذمتنا فدمه كدمنا، وديته

كديتنا۔ (۱)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مسلمان لایا گیا، جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا، گواہوں سے قتل ثابت ہو گیا تو حضرت علی نے قصاص کا حکم دے دیا، اس کے بعد اس مقتول کا بھائی آیا اور کہا کہ میں نے معاف کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شاید ان لوگوں نے تمہیں دھمکی دی یا ڈرایا تھا؟ اس شخص نے کہا نہیں! دراصل بات یہ ہے کہ اس کو قتل کر ڈالنے سے میرا بھائی مجھے واپس نہیں ملے گا، انہوں نے مجھے عوض دیا ہے، اس لئے میں معاف کرنے پر راضی ہو گیا ہوں، فرمایا کہ تم جانو! جن کا ذمہ ہم نے لیا تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔“

اس روایت پر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ ابو الجحوب ضعیف الحدیث

ہے۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو الجحوب کا ضعف یہاں مضر نہیں ہے، اس لئے کہ ہم ان کی روایت سے مستقلاً استدلال نہیں کرتے، بلکہ اس بات پر تائید حاصل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”لا یقتل مؤمن بکافر“ میں کافر کی تاویل کافر حربی سے کی جائے گی، جب کسی نص میں مجتہد کے اجتہاد سے تاویل کی گنجائش ہے تو پھر ضعیف آثار سے گنجائش کیوں نہیں ہوگی؟ (۳) واللہ أعلم

۵۔ حنفیہ کی تائید حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے، جس میں

وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں ”من قتل یہودیا أو نصرانیا قتل بہ“۔ (۴)

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۸ ص ۳۳)۔

(۲) دیکھئے سنن الدار قطنی (ج ۱ ص ۲۳۱)، باب الأمر بتعلیم الصلوات والضرب علیہا، وحد العورة التي یحب سترها، رقم (۴)۔

(۳) إعلال السنن (ج ۱۸ ص ۹۷)۔

(۴) المحلی لاین حرم (ج ۱۰ ص ۲۲۱) کتاب الدماء۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مرسل ہے۔ (۱)

۶..... حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم نامے سے بھی مذہب حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ

عمر بن میمون کہتے ہیں ”شہدت کتاب عمر بن عبد العزیز إلی بعض أمرائه فی مسلم قتل ذمیاً، فأمره أن يدفعه إلی ولیه، فإن شاء قتله، وإن شاء عفا عنه“۔ میمون کہتے ہیں ”فدفع إلیه، فضرب عنقه، وأنا أنظره“۔ (۲)

یعنی ”میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان دیکھا، جو انہوں نے اپنے بعض امراء کو ایک مسلمان کے بارے میں، جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا، لکھا تھا، انہوں نے حکم دیا تھا کہ ولی مقتول کے سپرد کیا جائے، چاہے تو قتل کر دے، چاہے تو معاف کر دے، چنانچہ قاتل کو حوالے کیا گیا، میں دیکھ رہا ہوں کہ اسے قتل کیا گیا۔“

۷..... مدینہ منورہ کے فقیہ ابان بن عثمان کے فیصلہ سے ہی حنفیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے:

”أن رجلاً من النبط عدا علیہ رجل من أهل المدينة، فقتله قتل غيلة، فأتی به أبان بن عثمان، وهو إذ ذاك علی المدينة، فأمر بالمسلم الذي قتل الذمی أن یقتل“۔ (۳)

یعنی ”ایک نبطی شخص پر اہل مدینہ کے ایک شخص نے حملہ کیا اور اچانک مار ڈالا، ابان بن عثمان جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے، ان کے پاس لایا گیا، انہوں نے قاتل مسلمان کو جس نے ذمی کو قتل کیا تھا، قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔“

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) المصنف لأبی شیبہ (ج ۵ ص ۴۰۸)، کتاب الدیات، باب من قال: إذا قتل الذمی المسلم قتل به، رقم (۲۷۴۶۰)۔

چند اشکالات اور ان کا جواب

ایک اشکال حنفیہ کے مذہب پر یہ کیا جاسکتا ہے کہ ”الحدود تدرأ بالشبهات“ ایک مسلم قاعدہ ہے، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”لایقتل مؤمن بکافر“ تو اس حدیث سے شبہہ تو پیدا ہو گیا تو اس شبہہ کی وجہ سے قتل مسلم ساقط کیوں نہیں ہو جاتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم نے اس حدیث کے اندر یہ تاویل کر دی کہ ”کافر“ سے مراد کافر حربی ہے تو پھر یہ شبہہ شبہہ ہی نہیں رہا۔

اگر اس ”نہی“ کو شبہہ مان لیں تو سوال یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے دوسرے ذمی کو قتل کر دیا ہو اور پھر قاتل مسلمان ہو گیا ہو تو اس کو قتل کیوں کیا جاتا ہے، حالانکہ ”لایقتل مؤمن بکافر“ تو یہاں بھی صادق آ رہا ہے؟!

بعض حضرات نے کہا ہے ”لایقتل مسلم بکافر“ میں ”مسلم“ صفت کا صیغہ ہے اور بیان حکم کے موقع پر صیغہ صفت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ علت ہے، گویا ”لایقتل مسلم بکافر“ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ مسلمان کو اسلام کی بدولت فضیلت حاصل ہے، اس لئے اسے کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ”مسلم“ کے مبداء اشتقاق کو علت قرار دیں تو مطلب ہوگا ”المسلم لکونہ مسلماً لایقتل بکافر لکونہ کافراً“ جبکہ ہم بھی اس بات کے قائل نہیں ہیں، ہم تو یہ کہہ رہے ہیں ”المسلم لکونہ قاتلاً یقتل بالكافر، لکونہ محقون الدم علی التأیید بعقد الذمة“ لہذا یہ شبہہ بھی وارد نہیں ہوتا۔

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ذمی کے مقابلہ میں اشرف ہے اور ذمی احسن، لہذا اشرف کو احسن کے بدلے میں کیسے قتل کیا جاسکے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قصاص کے باب میں ”شرافت“ کے معنی ہدر ہیں، اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، دیکھئے مرد عورت کے مقابلہ میں اشرف ہے، اس کے باوجود عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے مرد و عورت کے درمیان شرف کے اعتبار کو حد و حدیث کی وجہ سے قرار دیا ہے، جبکہ مسلم و ذمی کے درمیان ”شرف“ کا اعتبار حدیث ”لایقتل مؤمن بکافر“ کی وجہ سے کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب شارع نے ایک مقام پر، یعنی مرد و عورت کے درمیان قصاص کے معاملہ میں ”شرف“ کو حد و قرار دے دیا اور دوسری جگہ شرف کے اعتبار کی تصریح نہیں کی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ حکم اعتبار شرف پر مبنی نہ ہو، بلکہ کسی اور امر پر، مثلاً کافر کے غیر محقون الدم علی التابید ہونے پر مبنی ہو، لہذا مجرد رائے سے شرف کا اعتبار کر لینا کیسے درست ہوگا؟!

حاصل یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ حربی ہو یا ذمی ہو اور ان کی دلیل اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”لایقتل مؤمن بکافر“ ہے، اس میں ”کافر“ مطلق ہے، جو ذمی و حربی دونوں کو شامل ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو مسلمان سے اس کا قصاص لیا جائے گا، ان کی اصل دلیل وہ عمومی نصوص ہیں جن میں مسلمان اور ذمی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اصول وضع کئے کہ جب کسی معصوم کا خون بہایا جائے اور وہ علی التابید معصوم ہو، خون بہانا عدا ہو اور ولایت ہونے کی وجہ سے قصاص متعذر نہ ہو، تو قصاص واجب ہے، ورنہ نہیں۔

اسی طرح انہوں نے یہ اصل بھی پیش نظر رکھی کہ اگر کوئی نص کسی اصل کلی کے معارض ہو جائے اور اس نص میں کوئی تاویل نہ چل سکتی ہو تو اصل کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی اور اگر تاویل کا احتمال ہو تو نص میں تاویل کی جائے گی۔

ان اصول کے پیش نظر ذمی کا قصاص واجب ہے، حربی کا نہیں اور ”لایقتل مؤمن بکافر“ کی نص محتمل التاویل ہے، اس لئے اس میں ”کافر حربی“ کی تاویل کی جائے گی۔

اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق جس قدر آثار و روایات ہیں وہ سب مؤید ہیں، ان سے باقاعدہ استدلال و احتجاج نہیں کیا جا رہا، اس لئے اگر بالفرض ان میں کسی قدر ضعف بھی ہو تب بھی تائید ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۲ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ : عَنْ يَحْيَى : عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ خُرَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ - عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ - بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ ، فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ . فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ ، فَقَالَ : (إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ ، أَوْ الْفِيلَ - شَكَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ - وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ ، أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي . أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ . لَا يُحْتَلَى شَوْكُهَا ، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا . وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطُهَا إِلَّا لِلْمُسْنَدِ ، فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ : إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ ، وَإِمَّا أَنْ يُنَادَى أَهْلُ الْقَتِيلِ) . فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ : اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ، فَقَالَ : (اَكْتُبُوا لِأَبِي فَلَانٍ) . فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ : إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ) .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : يُقَالُ : يُقَادُ بِالْقَافِ ، فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ : أَيُّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ ؟ قَالَ : كَتَبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةُ . [۲۳۰۲ : ۶۴۸۶]

تراجم رجال

(۱) ابو نعیم الفضل بن دُکین

یہ مشہور محدث ابو نعیم الفضل بن دُکین المولائی الکوفی الا حول رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب

(۱) وہ "عن" سے روایت فرماتے ہیں، الحدیث، أخرجه البحاری أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۳۲۸ و ۳۲۹) في كتاب الملقطة، باب كيف عرف نقطة أهل مكة، رقم (۲۵۳۴)، وفي (ج ۲ ص ۱۰۱۶) في كتاب الديات، باب من قتل به قتيل فهو بحير سقط من رقم (۶۸۸۰)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وحلالها وشجرها ونقضها إلا لمسسه على الدوام، رقم (۳۳۰۵) و (۳۳۰۶)، و نسائي في مسنده، في كتاب القسامه، باب هل يؤخذ من قاتل العمدة ادية إذا عمدا ولي المقتول عن القود؟، رقم (۴۷۸۹) و (۴۷۹۰)، وأبو داود في مسنده، في كتاب المناسك، باب تحريم مكة، رقم (۲۰۱۷)، وفي كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم (۳۶۴۹)، وفي كتاب الديات، باب ولي العمدة يأخذ ادية، رقم (۴۵۰۵)، والترمذي في جامعه، في أبواب الديات، باب ما جاء في حكمه ولي القتل في الفصاح والعقو، رقم (۱۴۰۵)، وفي كتاب العلم، باب ما جاء في الرحمة فيه (أي في كتابة العلم)، رقم (۲۶۶۷)۔

الإيمان، ”باب فضل من استبرأ لدينه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) شبیان

یہ ابو معاویہ شبیان بن عبد الرحمن تمیمی نحوی بصری مؤدب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ایک عرصہ تک کوفہ میں رہے، اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے تھے، یہ سلیمان بن داؤد ہاشمی اور ان کے

بھائیوں کے اتالیق رہے تھے۔ (۲)

یہ اسماعیل بن ابی خالد، اشعث بن ابی الشعثاء، حسن بصری، زیاد بن علاقہ، امام اعمش، امام قتادہ، لیث

بن ابی سلیم، منصور بن المعتمر اور یحییٰ بن ابی کثیر رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں آدم بن ابی ایاس، زائدہ بن قدامہ، ابوداؤد الطیالسی، عبد الرحمن بن

مہدی، ابو نعیم الفضل بن ذکین، امام ابو حنیفہ، ولید بن مسلم، یزید بن ہارون اور یونس مؤدب رحمہم اللہ وغیرہ

حضرات ہیں۔ (۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما أقرب حدیثہ“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”شیبان صاحب کتاب صحیح، قد روی شیبان عن الناس، فحدیثہ

صالح“۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں ”شیبان ثبت فی کل المشایخ“۔ (۶)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شیبان ثقة، وهو صاحب کتاب“۔ (۷)

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۲ ص ۶۶۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۲ و ۵۹۳)۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۳ و ۵۹۴)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۴)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۵)۔

(۷) حوالہ بالا۔

- نیز وہ فرماتے ہیں ”ثقة في كل شيء“۔ (۱)
- امام محمد بن سعد، امام عجل اور امام نسائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)
- يعقوب بن شيبة رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان صاحب حروف وقراءات، مشهور بذلك، كان يحيى بن معين يوثقه“۔ (۳)
- امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حسن الحديث، صالح الحديث، يكتب حديثه“۔ (۴)
- عبدالرحمن بن يوسف بن خراش کہتے ہیں ”كان صدوقاً“۔ (۵)
- ابوالقاسم بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شيان أثبت في يحيى بن أبي كثير من الأوزاعي“۔ (۶)
- امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شيان ثقة عندهم، صاحب كتاب“۔ (۷)
- نیز وہ فرماتے ہیں ”شيان صاحب كتاب وهو صحيح الحديث“۔ (۸)
- امام ابوبکر البرز از رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۹)
- عثمان بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان معلماً صدوقاً، حسن الحديث“۔ (۱۰)
- ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، وكان صاحب كتاب، رجل صالح“۔ (۱۱)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔ نیز دیکھئے طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۳۷۷) و (ج ۷ ص ۳۲۲)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۶)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) جامع الترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۳۷۱)۔

(۸) جامع الترمذی، کتاب الأدب، باب المستشار مؤتمن، رقم (۲۸۲۳)۔

(۹) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)۔

(۱۰) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)۔

(۱۱) تعليقات تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۷)، نقلاً عن کتاب الثقات لابن شاہین۔

امام عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت کرتے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ (۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”الإمام الحافظ الثقة“۔ (۲)

نیز وہ فرماتے ہیں ”صاحب حروف و قراءات، حجة“۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں ”ثقة مشہور“۔ (۴)

ان زبردست توثیقات اور کلماتِ تعدیل کے ساتھ ساتھ ان پر بعض حضرات نے کلام بھی کیا ہے،

چنانچہ:

ساجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”صدوق وعنده منا کیر، وأحادیث عن الأعمش تفرد بها“۔ (۵)

اسی طرح ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لا یحتج به“۔ (۶)

جہاں تک ساجی کا کلام ہے سو منا کیر سے مراد بھی تفردات ہیں اور تفرّد کوئی مضر نہیں۔

دوسرے ساجی کا کلام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے معارض ہے، جو فرماتے ہیں ”ثقة في كل

المشايع“ (۷) نیز امام تھیمی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة في كل شيء“۔ (۸)

پھر حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں ان کی روایات اعمش کے طریق سے ہیں ہی

نہیں، بلکہ دوسرے شیوخ سے ہیں۔ (۹)

اسی طرح ابو حاتم کے کلام کے بارے میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں ہے،

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۷ ص ۴۰۶)۔

(۳) الکاشف (ج ۱ ص ۴۹۱)، رقم (۲۳۱۶)۔

(۴) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۲۸۵)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)۔

(۶) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۲۸۵)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۵)۔

(۸) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۵)۔

(۹) عذی الساری (ص ۴۱۰)۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”وہذہ اللفظة ما رأيتها في كتاب ابن أبي حاتم، فينظر، ليس فيه إلا“ يكتب
حدیثہ“ فقط۔ (۱)

اسی طرح ابو حاتم کے کلام کو مزید اور باجی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی
”لا یحتج بہ“ کا جملہ نقل نہیں کیا۔ (۲)

اور اگر اس کو ثابت مان بھی لیں تب بھی یہ مذکورہ تعدیلات کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں، چنانچہ
حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قول أبي حاتم فيه: لا يحتج به ليس بحيد“۔ (۳)

لہذا یہ شیبان بن عبد الرحمن متفق علیہ طور پر حجت اور ثقہ ہیں چنانچہ اصحاب اصول ستہ نے ان کی احادیث
کو قبول کیا ہے اور ان سے احتجاج کیا ہے۔ (۴)
ان کی وفات ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ (۵)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

فائدہ

ان کی نسبت میں جو ”نحوی“ آیا ہے اس سے علم نحو کی طرف نسبت مراد ہے یا قبیلہ ”نحو“ کی
طرف؟

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ ”قبیلہ“ ”نحو“ کی طرف منسوب ہیں، جبکہ ابن ابی داؤد وغیرہ کہتے ہیں کہ علم ”نحو“
کی طرف منسوب ہیں نہ کہ قبیلہ کی طرف۔ (۶) واللہ اعلم

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)، وھدی الساری (ص ۴۱۰)، شاید حافظ کے نسخے میں یہ جملہ نسخ کی غلطی سے رو گیا ہوگا، جبکہ حافظ
ذہبی کے نسخے میں یہ جملہ موجود ہے، مطبوعہ نسخوں میں بھی یہ جملہ مذکور ہے، دیکھئے، کتاب الخرج والسعدیل (ج ۲ ص ۳۲۵)، رقم (۱۵۶۱)۔

(۲) ھدی الساری (ص ۴۱۰)، وتہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۷۴)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء (ج ۷ ص ۴۰۸)۔

(۴) دیکھئے ھدی الساری (ص ۴۱۰)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵۹۶)، والکاشف (ج ۱ ص ۴۹۱)، رقم (۲۳۱۶)۔

(۶) دیکھئے حاشیہ سبط ابن العجمی علی الکاشف (ج ۱ ص ۴۹۱)، رقم (۲۳۱۶)۔

(۳) یحییٰ

یہ مشہور امام یحییٰ بن ابی کثیر طائی یمامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے والد ابو کثیر کے نام میں بڑا اختلاف ہے، صالح، یسار، شیط اور دینار، مختلف اقوال ہیں۔ (۱)

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، ہلال بن ابی میمونہ، یعلیٰ بن حکیم، ابوقلابہ جرمی، ابونضرۃ العبدی، زید بن سلام، عقبہ بن عبد الغافر اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت ابو امامہ، عروہ بن الزبیر، الحکم بن مینا اور ابوسلام حبشی رحمہم اللہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے عبد اللہ، ایوب سختیانی، یحییٰ بن سعید انصاری، اوزاعی، حسین المعلم، معمر بن راشد، ہشام دستوائی، ہمام، ایوب بن النجار، ابان العطار، حرب بن شداد، عکرمہ بن عمار اور عمران القطان رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۲)

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما بقی علی وجه الأرض مثل یحییٰ بن أبی کثیر“۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں ”ما أعلم أحدا بعد الزهري أعلم بحديث أهل المدينة من یحییٰ بن أبی کثیر“۔ (۴)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یحییٰ بن أبی کثیر أحسن حديثاً من الزهري“۔ (۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یحییٰ بن أبی کثیر من أثبت الناس، إنما يعد مع الزهري“۔

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۵۰۴ و ۵۰۵)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۵۰۵-۵۰۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۵۰۷)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۵۰۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

ویحیی بن سعید، فإذا خالفه الزهري، فالقول قول يحيى بن أبي كثير“۔ (۱)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة كان يعد من أصحاب الحديث“۔ (۲)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إمام لا يحدث إلا عن ثقة“۔ (۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے شروع میں لکھتے ہیں: ”الإمام الحافظ أحد

الأعلام.....“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”وكان طلبة للعلم، حجة“۔ (۵)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”كان من العباد العلماء الأثبات“۔ (۶)

نیز انہوں نے فرمایا ”أحد الأعلام الأثبات“۔ (۷)

البتہ عقلمی نے ان کے بارے میں ذکر کیا ہے ”ذكر بالتدليس“۔ (۸)

اسی طرح ان کے بارے میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت لكنه يدلس ويرسل“۔ (۹)

جہاں تک ان کی تدلیس کا تعلق ہے، سو یہ مضرت نہیں، کیونکہ یہ ان مدلسین میں سے ہیں جو امامت کے مقام

پر فائز ہیں اور اپنی دیگر روایات کی نسبت بہت کم تدلیس کرتے ہیں، یا تدلیس کرتے بھی ہیں تو ثقہ ہی سے

کرتے ہیں، جیسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ، یہی وجہ ہے کہ ان کی تدلیس کو علماء نے قبول کیا

ہے اور اپنی ”صحیح“ کے اندر ان کی روایات کو لیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تعریف اہل

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۵۰۹)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء، (ج ۶ ص ۲۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الکاشف (ج ۲ ص ۳۷۳ و ۳۷۴)، رقم (۶۲۳۵)۔

(۷) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۴۰۲)، رقم (۹۶۰۷)۔

(۸) الضعفاء الكبير للعقيلي (ج ۴ ص ۴۲۳)، رقم (۲۰۵۱)۔

(۹) تقریب التہذیب (ص ۵۹۶)، رقم (۷۶۳۲)۔

التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس“ میں ان کو مرتبہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

پھر ان کی تدلیس سے غالب مراد یہ ہے کہ یہ صحابہ کرام سے مرسل نقل کرتے ہیں، اسی کو ”تدلیس“ سے

تعبیر کر دیا گیا۔ (۲)

اس کے علاوہ یہ یحییٰ بن ابی کثیر اگرچہ کثیر التدلیس اور کثیر الارسال مشہور ہیں، تاہم حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تدلیس کم کیا کرتے تھے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر ابوسلمہ سے بہت زیادہ روایت کرتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے ایک حدیث ”عن محمد بن ابراہیم التیمی عن أبي سلمة عن عائشة مرفوعاً: من ظلم قيد شبر من الأرض طُوقه إلى سبع أرضين“ (۳) روایت کی ہے، اس میں انہوں نے ابوسلمہ سے مباشرۃ نقل کرنے کے بجائے محمد بن ابراہیم تیمی کا واسطہ ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ قلیل التدلیس ہیں، اگر کثیر التدلیس ہوتے تو محمد بن ابراہیم تیمی کا واسطہ حذف کر دیتے۔ (۴) واللہ اعلم۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وكان يحيى بن أبي كثير من العباد، إذا رأى جنازة لم يتعش تلك الليلة، ولا قدر أحد من أهله أن يكلمه“۔ (۵) یعنی ”یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ عبادت گزار لوگوں میں سے تھے، جب کوئی جنازہ دیکھ لیتے تو اس رات کو نہ تو کھانا کھاتے اور نہ ہی گھر والوں میں سے کسی کو ان سے بات چیت کرنے کی ہمت ہوتی تھی“۔

رائج قول کے مطابق ۱۲۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۶) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) دیکھئے طبقات المدلسین (تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس) ص ۲۵۔

(۲) ”أرسل عن أنس بن مالك، وجابر بن عبد الله الأنصاري، والحكم بن مينا، وعروة بن الزبير، وأبي أمامة الباهلي، وأبي سلام الحبشي، فروايتهم عن الصحابة منقطعة، ولعل هذا هو مرادهم بالتدليس“، تحرير تقريب التهذيب للدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرناؤوط (ج ۴ ص ۹۹)، رقم (۷۶۳۲)۔

(۳) أخرجه البخاري في صحيحه، في كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض، رقم (۲۴۵۲)۔

(۴) قال الحافظ: ”وفي هذا الإسناد ما يشعر بقلّة تدليس يحيى بن أبي كثير؛ لأنه سمع الكثير من أبي سلمة، وحدث عنه هنا بواسطة محمد بن إبراهيم“۔ فتح الباري (ج ۵ ص ۱۰۵)، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۵۹۱ و ۵۹۲)۔

(۶) سير أعلام النبلاء، (ج ۶ ص ۲۸)۔

(۴) ابو سلمہ

یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک بڑے فقیہ اور مشہور تابعی محدث ہیں۔

ان کے حالات کتاب الإیمان ”باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان ”باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

أن خزاعة قتلوا رجلاً من بني ليث عام فتح مكة بقتيل منهم قتلوه۔

قبیلہ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال بنو لیث کے ایک شخص کو اپنے ایک مقتول کے بدلے قتل کر دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ خزاعہ کے جس شخص نے قتل کیا تھا اس کا نام خراش بن امیہ خزاعی ہے اور جس کو قتل کیا اس کا نام ابن الاثوٰع الہذلی ہے، جاہلیت میں ابن الاثوٰع نے خزاعہ کے احمر نامی شخص کو قتل کیا تھا، اب فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ خزاعی نے اس کا بدلہ لیا کہ ابن الاثوٰع ہذلی کو قتل کر ڈالا۔

اس کا تفصیلی واقعہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے، جس کا

حاصل یہ ہے کہ:-

احمر نامی ایک شخص بڑا بہادر تھا، اس کی عادت تھی کہ جب سوتا تھا تو بہت زور زور سے خراٹے لیتا

تھا، لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ جب اپنے قبیلہ میں ہوتا تو الگ تھلگ سوتا تھا، اگر قبیلہ پر

حملہ ہو جاتا تو لوگ ”یا احمر“ کہہ کر پکارتے تو یہ شخص شیر کی مانند اٹھ کھڑا ہوتا، پھر اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں

سکتا تھا۔

کہتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی ایک جماعت لڑتی بھڑتی ہوئی آئی اور قبیلہ خزاعہ پر حملہ کا ارادہ کیا، جب

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۲۳)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

قریب آئی تو ابن الاثوع ہڈی نے کہا کہ جلدی نہ کرو، میں دیکھتا ہوں کہ یہاں احمر ہے یا نہیں، کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو حملہ کرنا ممکن نہیں ہوگا، چنانچہ وہ خراٹوں کا تعاقب کرتا ہوا اس تک پہنچا اور نیند کی حالت میں اسے مار ڈالا، پھر جو قبیلہ والوں پر ہلہ بولا تو وہ ”یا احمر یا احمر“ پکارتے رہے لیکن یہاں تو احمر کا کام ہی تمام ہو چکا تھا۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو ابن الاثوع ہڈی جواب تک حالت شرک میں تھا، مکہ مکرمہ آیا اور حالات جاننے کی کوشش کرنے لگا۔

قبیلہ خزاعہ نے جو اسے دیکھا تو پہچان لیا اور اس کا گھیراؤ کر لیا، اس سے پوچھا کہ تم ہی احمر کے قاتل ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں ہی احمر کا قاتل ہوں، اتنے میں خراش بن امیہ آیا اور لوگوں کو ہٹنے کا اشارہ کیا، جب لوگ ہٹ گئے تو ابن الاثوع کے پیٹ میں تلوار گھسادی اور اس کا پیٹ پھاڑ دیا کہ انتڑیاں نکل آئیں۔ اس طرح اسے مار ڈالا۔

اس موقع پر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے قتل و قتال سے منع فرمایا اور خون بہا دے دیا۔ (۱)

قبیلہ خزاعہ کے ہاتھوں

قتل ہونے والے شخص کے نام کی تحقیق

ابن اسحاق کی اس روایت میں مقتول کا نام ”ابن الاثوع (بالثاء المثلثة) الہذلی“ آیا ہے۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”وبلغنی أن أول قتيل وداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يوم الفتح جنید بن الأكوع، قتلته بنو كعب فوداه بمئة ناقة“۔ (۲) یعنی ”مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے روز سب سے پہلا مقتول جس کی دیت عطا کی جنید بن الاکوع تھے، ان کو بنو کعب نے قتل کیا تھا، آپ نے سواونٹیاں دیت میں دیں۔“ اس میں ”اکوع“ کاف کے ساتھ ہے، نہ کہ ثاء مثلثہ کے ساتھ۔

(۱) دیکھئے السيرة النبوية لابن هشام، القسم الثاني (ص ۴۱۴)، طبعة مصطفى البابی الحلبي، والسيرة النبوية لابن هشام مع

الروض الأنف (ج ۲ ص ۲۷۵)۔

(۲) السيرة النبوية لابن هشام مع الروض الأنف (ج ۲ ص ۲۷۶)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق اور واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مقتول کا نام ”جنید بن الأدلع“ تھا (۱)، جبکہ طبری نے ابن اسحاق سے یہ قصہ جو نقل کیا اس میں ”جنید بن الأدلع“ مذکور ہے۔ (۲)

اس طرح اس مقتول کے نام کے بارے میں ایک اختلاف ہو جاتا ہے کہ آیا وہ جنید تھا یا جنید، اسی طرح اس کے باپ کے بارے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے کہ آیا اس کا نام اثوع تھا یا اُدلع؟ اس کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے اس کو جنید مکبراً بھی کہتے ہوں اور جنید مصغراً بھی کہتے ہوں۔

اسی طرح باپ کے نام میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان تینوں ناموں سے اُسے پکارا جاتا ہو۔ البتہ یہاں ایک بڑا اشکال یہ ہوتا ہے کہ ابھی ابن اسحاق کے حوالے سے ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ ”ابن الاثوع“ جو احمر کا قاتل ہے اور اب فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ کے ہاتھوں قتل ہوا وہ حالت شرک میں تھا۔

جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جنید یا جنید کو اپنی کتاب ”الإصابة“ کی ”القسم الأول“ میں ذکر کیا ہے اور وہ ”قسم اول“ میں ایسے حضرات کو ذکر کرتے ہیں جن کی صحابیت ثابت شدہ ہو۔ (۳) اس اشکال کے بارے میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک یہ ابھی مشرک ہی تھا، مسلمان نہیں ہوا تھا، جبکہ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق یہ مسلمان ہو گیا تھا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔

مقتول کا تعلق بنو لیث سے تھا یا بنو ہذیل سے؟

پھر حدیث باب میں ”قتلوا رجلاً من بني ليث“ آیا ہے، جبکہ ابن اسحاق کی جس روایت کو ہم نے

(۱) دیکھئے الإصابة (ج ۱ ص ۲۴۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے مقدمة الإصابة (ج ۱ ص ۵۴)۔

تفصیلاً ذکر کیا ہے، اس میں ”بنو ہذیل“ کا ذکر ہے، کیونکہ ابن الاثووع ہذلی تھا، نہ کہ لیشی اور یہ دونوں الگ الگ قبائل ہیں۔

اس تعارض کا حل اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس مقتول کا تعلق ان دونوں قبیلوں میں سے ایک کے ساتھ خاندانی اور نسبی اعتبار سے ہو اور دوسرے سے معاہدہ کا تعلق ہو۔

قاتل کا تعلق

خزاعہ سے تھا یا بنو کعب سے؟

پھر حدیث باب میں مذکور ہے ”أن خزاعة قتلوا رجلاً.....“ جبکہ ابن ہشام کہتے ہیں ”قتلہ بنو کعب“ گویا کہ اس بات میں تعارض ہے کہ آیا قاتل خزاعی تھا یا کعبی؟ اس تعارض کو دور کرنے کے لئے یا تو یوں کہا جائے کہ صحیح بخاری کی روایت رائج ہے، یا یہاں بھی تطبیق کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک کے ساتھ خاندانی تعلق تھا اور دوسرے کے ساتھ معاہدے کا تعلق تھا۔ واللہ اعلم

تعارض دور کرنے کی رائج صورت

یہاں تعارض دور کرنے کی صورت یہ بھی ہے، جو تکلفات سے خالی ہونے کی وجہ سے رائج بھی ہے کہ صحیح بخاری میں مذکور واقعہ کو مستقل قرار دیں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں وارد واقعات مستقل ہوں، گویا یہ روایات مختلفہ تعدد واقعہ پر محمول ہیں، فتح مکہ کے موقع پر کئی واقعات پیش آئے تھے، اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں ”وبلغني أن أول قتيل وداه رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح جنيد“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتولین کئی تھے، ان میں سے اولیت جنید بن الاثووع کو حاصل ہے۔

اسی طرح ابن اسحاق نے جو ”ابن الاثووع“ کو حالت شرک میں مقتول قرار دیا، وہ اور ہے اور حافظ رحمۃ

اللہ علیہ نے ”جنید“ یا ”جنید بن الأكوع“ کو صحابہ میں سے قرار دے کر مقتول قرار دیا ہے، یہ اور شخصیت ہیں، اس طرح ہر قسم کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے اور ان تکلفات کے ارتکاب کی بھی ضرورت نہیں پڑتی جو پہلے تطبیق کے لئے کئے گئے۔

واللہ أعلم بالصواب

فأخبر بذلك النبي صلى الله عليه وسلم، فركب راحلته فخطب۔

اس قتل کے واقعہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی، آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا۔

فقال: إن الله حبس عن مكة القتل أو الفيل، شك أبو عبد الله

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ سے قتل کو روک دیا، یا آپ نے فرمایا ہاتھی کو روک دیا، ابو عبد اللہ کو شک ہے۔

یہاں چار نسخے ہیں:-

ایک تو یہی نسخہ ہے ”شك أبو عبد الله“۔

دوسرے نسخہ کی عبارت ہے ”قال محمد: وجعلوه على الشك، كذا قال أبو نعيم: الفيل أو

القتل“۔

تیسرے نسخہ کی عبارت ہے ”إن الله حبس عن مكة القتل أو الفيل، كذا قال أبو نعيم،

واجعلوا على الشك: الفيل أو القتل“۔

چوتھے نسخہ کی عبارت ہے ”قال أبو عبد الله: كذا قال أبو نعيم، اجعلوه على الشك“۔

یہاں ”أبو عبد الله“ اور ”محمد“ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، ان میں پہلے نسخہ میں شك

کی نسبت ظاہراً امام بخاری کی طرف کی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ مجمل ہے، باقی نسخوں میں تفصیل ہے، یہ

اجمال مذکورہ تفصیل پر محمول ہے، یعنی اصل شك امام بخاری کو نہیں، بلکہ ابو نعیم یا کسی اور راوی کو ہے۔

پھر ان میں سے دوسرے نسخہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راویوں نے اس کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے، ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں انہوں نے رواۃ سے شک کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تیسرے نسخہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ”اجعلوا.....“ کا مقولہ ابو نعیم کا ہے، گویا وہ حاضرین سے کہہ رہے ہیں کہ اس کو شک کے ساتھ رکھو۔

چوتھے نسخہ کے مطابق ”اجعلوا.....“ کا مقولہ امام بخاری کا ہوگا، گویا وہ یہ فرما رہے ہیں کہ اس کو شک کے ساتھ رکھو، کیونکہ میرے شیخ ابو نعیم نے اس کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے۔

و غیرہ يقول: الفيل

ابو نعیم کے سوا دوسرے رواۃ بغیر شک کے ”الفیل“ کہتے ہیں۔

یہاں ”غیر“ سے مراد عبید اللہ بن موسیٰ ہیں (۱)، جو ابو نعیم کے رفیق اور شیبان سے روایت کرنے میں

ابو نعیم کے شریک ہیں۔ (۲)

اسی طرح حرب بن شداد بھی مراد ہیں، جو یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں (۳) اور شیبان کے

رفیق اور ساتھی ہیں۔ (۴)

حبس فیل کا واقعہ

یہاں ”إن الله حبس عن مكة الفيل“ سے مراد اصحاب الفیل ہیں اور اس سے اصحاب فیل کے مشہور

واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) قال البخاري: ”تابعه عبید الله عن شیبان في ”الفيل“ - صحيح البخاري (ج ۲ ص ۱۰۱۶)، کتاب الديات، باب من قتل له

قتيل فهو بحير النظرين، رقم (۶۸۸۰)۔

(۲) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج ۲ ص ۱۰۱۶)، کتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بحير النظرين، رقم (۶۸۸۰)۔

(۴) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پچاس یا پچپن روز قبل یہ واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ نجاشی شاہ حبشہ کی جانب سے یمن کا حاکم ابرہہ نامی شخص تھا، جب اس نے دیکھا کہ عرب کے سارے لوگ حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان عمارت بنائی جائے، جو نہایت مکلف اور مرصع ہو، تاکہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پر تکلف کعبہ کا طواف کرنے لگیں۔

چنانچہ یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک نہایت خوبصورت گرجا بنایا، عرب میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ایک روایت کے مطابق قبیلہ کنانہ کا کوئی آدمی وہاں آیا اور پاخانہ کر کے بھاگ گیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق عرب کے نوجوانوں نے اس کے قرب و جوار میں آگ جلائی ہوئی تھی، ہوا سے اڑ کر اس گرجا میں آگ لگ گئی اور گرجا جل کر خاک ہو گیا۔ ابرہہ نے غصہ میں آ کر قسم کھائی کہ خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔

اس ارادہ سے مکہ پر فوج کشی کی، راستہ میں جس عرب قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچا۔ لشکر اور ہاتھی بھی ہمراہ تھے، اطراف مکہ میں اہل مکہ کے مویشی چرتے تھے، ابرہہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑے، جن میں دو سو اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کے تھے۔

اس وقت قریش کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی عبدالمطلب تھے، جب ان کو ابرہہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کر کے کہا کہ گھبراؤ مت، مکہ کو خالی کر دو، خانہ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کر سکتا، یہ اللہ کا گھر ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

بعد ازاں عبدالمطلب چند رؤساء قریش کو لے کر ابرہہ سے ملنے گئے، ابرہہ عبدالمطلب کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور نہایت اکرام اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔

اثنا گفتگو میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے

تعب کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارے میں کلام کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین اور مذہب ہے، اس کے بارے میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا! عبدالمطلب نے جواب دیا ”أنا رب الإبل، وللبیت رب سیمنعہ“ میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا اور کعبہ کا خدا خود مالک ہے، وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا، ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔

عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا کہ مکہ خالی کر دیں اور تمام اونٹوں کو خانہ کعبہ کی نذر کر دیا اور چند آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے دروازہ پر حاضر ہوئے کہ سب گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

عبدالمطلب دعا سے فارغ ہو کر مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ اپنا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے بڑھا، یکا یک بحکم خداوندی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول نظر آئے، ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، جو دفعۃً لشکر پر برسے لگیں، خدا کی قدرت سے وہ کنکریاں گولیوں کا کام دے رہی تھیں، سر پر گرتی تھیں اور نیچے سے نکل جاتی تھیں، جس پر وہ کنکری گرتی تھی وہ ختم ہو جاتا تھا۔

غرضیکہ اس طرح ابرہہ کا لشکر تباہ و برباد ہوا، خود ابرہہ کے بدن پر چیچک کے دانے نمودار ہوئے، جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا، یکے بعد دیگرے ایک ایک عضو اس کا کٹ کٹ کر گرتا جاتا تھا، بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس کا دم آخر ہوا، جب سب مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا، جو سب کو بہا کر دریا میں لے گیا۔ (۱)

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی حرمت کے پیش نظر اصحاب فیل کو مکہ والوں سے روکا اور ان پر ابانیل کو مسلط کیا، لہذا اسلام کے بعد تو وہاں کے لوگوں کی حرمت مزید مؤکد ہو جاتی ہے۔ (۲)

(۱) دیکھئے سیرۃ المصطفیٰ (ج ۱ ص ۴۶-۴۹) واقعۃً اصحاب فیل۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

روایت کے لفظ میں اگر لحن

یا غلطی واقع ہو تو اس کی تصحیح کرنی چاہئے یا نہیں؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ سے جس طرح سنا تھا اسی طرح نقل کر دیا اور تاملہ سے کہہ دیا کہ اسے اسی طرح رکھا جائے اور صواب پر تنبیہ کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روایت کے لفظ میں اگر غلطی واقع ہو جائے تو اس کو اسی طرح روایت کرنا چاہئے۔

اس مسئلہ میں علماء کے دو مذاہب ہیں :-

۱۔ نافع مولیٰ ابن عمر، ابو عمر عبد اللہ بن خزیمہ، محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوة کے علاوہ اور بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح سنا ہے اسی طرح نقل کیا جائے، اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے۔ (۱)

۲۔ اکثر محدثین مثلاً ہمام، ابن المبارک، ابن عیینہ، الضمر بن شمیل، ابو عبیدہ، عثمان، ابن المدینی، ابن راتویہ، حسن بن علی اشلوانی، حسن بن محمد الزعفرانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر روایت میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو اس کو درست کر کے علی الصواب نقل کرنا چاہئے۔ (۲)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہذا إجماع منهم أن إصلاح اللحن جائز“۔ (۳)
یعنی ”علاء حدیث کا اجماع ہے کہ لحن کی اصلاح جائز ہے۔“

نیز وہ فرماتے ہیں :

(۱) دیکھئے الکفایۃ (ص ۱۸۵-۱۸۸) باب ذکر الروایۃ عن کما لا یری تغیر اللحن فی الحدیث۔ والجامع لأخلاق الراوی واداب السامع (ص ۲۵۲ و ۲۵۳)، وعلوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۱۸) النوع السادس والعشرون فی صنفۃ روایۃ الحدیث بشرط أدائه وما یعلق بہ۔ وفتح المعیث لمسحوی (ج ۳ ص ۱۶۸) إصلاح اللحن والحفظ۔

(۲) دیکھئے المسحذات المفصل من الراوی والواعی (ص ۵۲۴-۵۲۶)، والکفایۃ (ص ۱۹۴-۱۹۸)، وفتح المعیث للعرفانی (ص ۲۶۶)، وفتح المعیث لمسحوی (ج ۳ ص ۱۶۹)۔

(۳) الکفایۃ (ص ۱۹۸)۔

”والذي نذهب إليه رواية الحديث على الصواب، وترك اللحن فيه وإن كان قد سمع ملحونا؛ لأن من اللحن ما يحيل الأحكام ويصير الحرام حلالاً، والحلال حراماً، فلا يلزم اتباع السماع فيما هذه سبيله، والذي ذهبنا إليه قول المحصلين والعلماء من المحدثين“۔ (۱)

یعنی ”ہمارا مذہب یہ ہے کہ حدیث کو درست روایت کیا جائے، لحن پر عمل نہ کیا جائے، اگرچہ سماع لحن کے ساتھ ہی ہوا ہو، کیونکہ بعض لحن ایسے ہیں جو احکام تبدیل کر دیتے ہیں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں، لہذا جہاں ایسی صورت ہو تو سماع کا اتباع کرنا لازم نہیں ہے۔ ہمارا یہی مذہب علماء و محدثین کا مذہب ہے“۔

حافظ ابن الصلاح اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)

یہ گفتگو اس لحن کے بارے میں ہے جس سے معنی نہیں بدلتے اور جہاں معنی بدل جاتے ہوں وہاں تو بلا تردد ان حضرات کے یہاں علی الصواب روایت کرنا چاہئے۔ (۳)

البتہ شیخ عزالدین عبدالسلام کے بارے میں علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”سمعت أبا محمد بن عبد السلام - وكان أحد سلاطين العلماء - كان يري في هذه المسألة ما لم أره لأحد، إن هذا اللفظ المحتمل لا يروى على الصواب ولا على الخطأ؛ أما على الصواب فإنه لم يسمع من الشيخ كذلك، وأما على الخطأ فلأن سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقله كذلك“۔ (۴)

یعنی ”شیخ عزالدین عبدالسلام کی اس مسئلہ میں ایک رائے ہے جو کسی اور سے منقول نہیں ہے اور وہ یہ کہ اس لفظ محتمل کو نہ تو درست کر کے روایت کیا جائے اور نہ غلط برقرار رکھا کر نقل کیا جائے، درست اس لئے نہ روایت کرے کہ اس کا شیخ سے سماع نہیں ہے اور خطا اس لئے نقل نہ کرے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح منقول نہیں ہے“۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر روایت میں غلطی واقع ہوئی ہو تو نہ صواب روایت کرے اور نہ خطا، کیونکہ

(۱) الجامع لأحلاق الراوي وآداب السامع (ص ۲۴۳) القول في رد الحديث إلى الصواب، إذا كان راويه قد خالف موجب الإعراب۔

(۲) فتح المغيب للسخاوي (ج ۳ ص ۱۷۰)۔

(۳) دیکھئے علوم الحديث لابن الصلاح (ص ۲۱۸)، وتقريب النواوي (ج ۲ ص ۱۰۷)۔

(۴) فتح المغيب للعرفي (ص ۲۶۶)، والنظر أيضاً فتح المغيب للسخاوي (ج ۳ ص ۱۶۸ و ۱۶۹)۔

صواب کا سماع نہیں ہے اور خطا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا۔

کتاب میں اگر غلطی واقع ہو تو اس کو

اسی حال پر برقرار رکھا جائے گا یا اس کی تصویب ہوگی؟

یہ گفتگو تو روایت کے بارے میں تھی اور اگر کتاب میں غلطی واقع ہو جائے تو اصلاح کی جاسکتی ہے یا

نہیں؟

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کو اسی حال پر چھوڑا جائے، کتاب

میں تصحیح نہ کی جائے، البتہ حاشیہ میں تصحیح کی نشاندہی کر دی جائے۔ (۱)

وجہ اس کی واضح ہے کہ بسا اوقات اہل علم ایک بات کو غلط سمجھتے ہیں، جبکہ اس کی کوئی صحیح توجیہ بن رہی

ہوتی ہے، خاص طور پر عربیت کے لحاظ سے تخطئه کافی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ لغات عرب مختلف ہیں،

لہذا کسی ایک جہت یا لغت کو خطا قرار دے دینا معمولی بات نہیں ہے۔ (۲) چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

علیہ کی عادت تھی اگر کوئی فحش غلطی دیکھتے تو اس کی تصحیح کر دیا کرتے تھے اور اگر کوئی معمولی غلطی ہوتی تو اسے چھوڑ

دیتے تھے۔ (۳)

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک محدث کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کے

ہونٹ یا زبان میں کچھ عیب ہے، جب پوچھا گیا تو بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک میں،

میں نے ایک لفظ کے اندر اپنی رائے سے تبدیلی کی تھی، اس لئے میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ (۴)

نیز قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: "إن الذي استمر عليه عمل أكثر الأشیاء أن

ينقلوا الرواية كما وصلت إليهم ولا يغيرونها في كتبهم....."۔ (۵)

(۱) علوم الحديث لابن الصلاح (ص ۲۱۹)۔

(۲) دیکھئے علوم الحديث لابن الصلاح (ص ۲۱۹) وفتح المغیث للسحاوی (ج ۳ ص ۱۷۲)۔

(۳) علوم الحديث لابن الصلاح (ص ۲۱۹)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الإسماع (ص ۱۳۱)، باب إصلاح الخط و تقويم اللحن والاختلاف في ذلك، وعلوم الحديث (ص ۲۱۹)۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات علماء نے کتابوں کے اندر تبدیلی اور اصلاح کی جسارت کی، جیسے علامہ ابوالولید ہشام بن احمد کنانی وقشی تھے، یہ چونکہ انتہائی ثاقب فہم، تیز ذہن، متفنن اور کثیر المطالعہ بزرگ تھے اس لئے انہوں نے کتابوں کے اندر بڑی اصلاحات کیں، لیکن بہت سی چیزوں میں خود غلطی کر گئے، جس کسی نے بھی اس طرح اصلاح کی، اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ (۱)

اس لئے کتاب کے اندر اصلاح و تغیر کے باب کو بند کرنا چاہئے، خاص طور پر جبکہ حاشیہ میں اس غلطی کی وضاحت کی جا رہی ہو۔ (۲)

پھر اس میں اختیار ہے کہ روایت کرتے ہوئے پہلے علی الصواب نقل کرے، اس کے بعد جو استاذ سے سنا ہے وہ بیان کرے اور چاہے تو جس طرح سنا ہے پہلے اسے نقل کرے، اس کے بعد صواب کو نقل کر دے۔ ان میں سے بہتر پہلا قول ہے، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کی نسبت بالکل نہ ہو پائے۔ (۳) واللہ اعلم

وسلط علیہم رسول اللہ والمؤمنین

اور ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو غالب کر دیا۔

یہاں ”سَلَطَ“ معروف کا صیغہ ہے، ایک دوسرے نسخہ میں ”والمؤمنون“ ہے، اس صورت میں

”سَلَطَ“ مجہول کا صیغہ ہوگا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنون“ نائب فاعل ہوگا۔ (۴)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ابرہہ اور اس کے لشکریوں کو تو داخل ہونے کا موقع نہیں

دیا گیا، بلکہ ان کو کعبہ سے باہر ہی ہلاک کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے غالب

فرمادیا۔

(۱) علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۲۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) علوم الحدیث (ص ۲۲۰)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

ألا، وإنها لم تحل لأحد قبلي ولم تحل لأحد بعدي

غور سے سنو! یہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔
اس حدیث کی بناء پر بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اہل مکہ اگر بغاوت پر اتر آئیں اور باطل پر جم جائیں
تب بھی ان سے قتال کرنا درست نہیں، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک بغیر قتال کے وہ اگر باز نہ آئیں تو قتال کی
اجازت ہے۔ فریقین کے مذاہب کی تفصیل اور دلائل پیچھے ”باب لیسع العلم الشاہد الغائب“ کے تحت
گزر چکے ہیں، اسی طرح اس باب کے تحت حرم مکہ میں قتل و قصاص کا حکم بھی تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔

ألا، وإنما حلت لي ساعة من نهار، ألا، وإنها ساعتي هذه حرام

سنو! میرے لئے دن کے ایک حصہ میں یہ حلال ہوا تھا اور اب یہ حرام ہے۔

لا يختلى شو كها ولا يعضد شجرها۔

اس کا کاٹنا توڑنا نہ جائے اور اس کا درخت کاٹنا نہ جائے۔

”لا يختلى“ باب افتعال سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اختلاء کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ (۱)

شوك: شوكة کی جمع ہے، کانٹے کو کہتے ہیں۔ (۲)

لا يعضد: عضد يعضد (باب ضرب) سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اس کے معنی بھی کاٹنے کے ہیں۔ (۳)

حرم مکہ کی نباتات و اشجار کے قطع کا کیا حکم ہے؟ تفصیل کے ساتھ پیچھے ”باب لیسع العلم الشاہد

الغائب“ کے تحت آچکا ہے۔

ولا تلتقط ساقطتها إلا لمنشد

اور اس کی گری ہوئی چیز (یعنی لقطہ) نہ اٹھائی جائے، مگر معترف کے لئے اجازت ہے۔

(۱) دیکھئے النہایۃ لابن الأثیر (ج ۲ ص ۷۵)، والقاموس الوحید (ص ۴۷۳)۔

(۲) القاموس الوحید (ص ۸۹۹)۔

(۳) النہایۃ لابن الأثیر (ج ۳ ص ۲۵۱)۔

لقطہ حرم کا حکم

حرم میں اگر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو آیا اس کا حکم بھی عام لقطہ کی طرح ہے یا اس کے حکم میں دوسری جگہوں کے لقطوں کے مقابلہ میں کوئی فرق ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حل و حرم میں فرق ہے۔

ان کے نزدیک عام لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ التقاط لقطہ واجب یا مستحب ہے، اس کے بعد ایک مخصوص مدت تک تعریف ہوگی، اگر تعریف کے بعد مالک نہ آئے تو اس کو ملقط اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، خواہ ملقط غنی ہو یا فقیر۔ (۱)

جبکہ حرم کے لقطہ کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ اس کا التقاط صرف حفاظت کی غرض سے ہی جائز ہے، تملک کی نیت سے بالکل جائز نہیں ہے، پھر اس کی ہمیشہ تعریف کی جائے گی، گویا اس کا تملک ممکن نہیں ہوگا۔ (۲)

جمہور ائمہ امام ابو حنیفہ، امام مالک کا مذہب اور امام احمد رحمہم اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ لقطہ حل اور لقطہ حرم میں کوئی فرق نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ (۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ایک تو حدیث باب سے ہے۔

دوسرا استدلال صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبدالرحمن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کی روایت: ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لقطة الحاج“ سے ہے۔ (۴) یعنی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کے لقطہ سے منع فرمایا“۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام لقطہ کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”عرفہا

(۱) دیکھئے المغنی لابن قدامة (ج ۶ ص ۷۳)، وتكملة فتح الملهم (ج ۲ ص ۶۰۷)، نقلاً عن معني المحتاج (ج ۲ ص ۴۱۴)۔

(۲) تكملة فتح الملهم (ج ۲ ص ۶۲۲)، نقلاً عن معني المحتاج (ج ۲ ص ۴۱۷)۔

(۳) دیکھئے المغنی لابن قدامة (ج ۶ ص ۱۱)۔

(۴) الصحيح لمسلم، كتاب اللقطة، باب في لقطة الحاج، رقم (۴۵۰۹) والسنن لأبي داود، كتاب اللقطة، باب التعريف

باللقطة، رقم (۱۷۱۹)۔

سنۃ“ فرمایا ہے۔ (۱)، جبکہ لقطہ حرم کے بارے میں کوئی توقیت نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ اس کی دانمنا تعریف ضروری ہے، تا آنکہ مالک مل جائے، ورنہ اس طرح تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اس میں سر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ”مثابة للناس“ بنایا ہے، جہاں سے لوگ واپس جا کر پھر لوٹ لوٹ کے آتے ہیں، عین ممکن ہے کہ اس مفقود شے کی وجہ سے مالک لوٹ آئے، یا کسی کو بھیجے، اس طرح اس کا مال محفوظ رہے گا۔ (۲)

جمہور کا استدلال لقطہ کے بارے میں وارد اُن عام احادیث سے ہے جن میں لقطہ حل و حرم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ (۳)

پھر لقطہ ایک امانت ہے، عام و دلیعتوں کی طرح اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں، خواہ حل کی امانت ہو یا حرم کی۔ (۴) جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے، سو اس کے بارے میں علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”إلا لمنشد“ کا مطلب ”إلا لمن عرفها عاماً“ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لقطہ اٹھانے کی اجازت اسے حاصل ہے جو تعریف کا ارادہ رکھتا ہو، تملک کی نیت سے اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (۵)

اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب حل اور حرم دونوں کے لقطوں میں کوئی فرق نہیں تو مخصوص طور پر یہاں ”لا تلتقط ساقطتها.....“ کہہ کر مکہ مکرمہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مکہ مکرمہ کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں کہ یہ تعریف صرف وہاں ہی واجب ہو، بلکہ اس کی تاکید مقصود ہے کہ مکہ مکرمہ میں تعریف کا اہتمام اور زیادہ کیا جائے، حرم میں چونکہ بے شمار حجاج آتے ہیں اس لئے وہاں تعریف میں مبالغہ کرنا پڑے گا، مساجد و اسواق اور محافل و مجامع میں بار بار جا کے اعلان کرنا پڑے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ”ضالة المسلم جرق النار“ (۶) کہ مسلمان کی گم شدہ چیز آگ

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۹)، کتاب العلم، باب العطب فی المعیضة والتعلیم إذا رآی ما یکرہ، رقم (۹۱)۔

(۲) دیکھئے تکملة فتح المسلم (ج ۲ ص ۲۲۳)، کتاب النقطة، باب فی لقطۃ الحد۔

(۳) دیکھئے المعنی لابن قدامة (ج ۶ ص ۱۱)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ سابقہ۔

(۶) جامع ترمذی، کتاب الاشریة، باب ما جاء فی النهی عن الشراب قائماً، رقم (۱۸۸۱)۔ ومسند ابن ماجہ، کتاب النقطة،

باب ضالة الابل والبق والغنم، رقم (۲۵۰۲)۔ ومسند احمد (ج ۴ ص ۴۵) مسند مطرف بن عبد اللہ عن ابيه، رقم (۱۶۴۲۳)

و (ج ۵ ص ۸۰) مسند الحارود العبدی، رقم (۲۱۰۳۴-۲۱۰۴۰)۔

میں جلانے کی باعث ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حکم صرف مسلمان کی چیز کے لئے ہے، ذمی کے لئے نہیں، بلکہ یہ حکم دونوں کی چیزوں کے لئے ہے، البتہ مسلمان کی چیز میں تاکید زیادہ مقصود ہے۔ (۱)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ اس کا التقاط تعریف کے لئے ہی جائز ہے، جہاں تک حرم کی تخصیص کا تعلق ہے سو یہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ حرم میں کسی کو یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ چونکہ یہاں اجنبی لوگوں کا عام طور پر ورود ہوتا رہتا ہے، معلوم نہیں اصل مالک کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوگا، لہذا تعریف کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ یہ سمجھ کر کوئی تعریف اور اعلان نہ کرے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی دوسرے علاقوں کی طرح ہے کہ یہاں بھی تعریف ضروری ہے، جیسے دوسری جگہوں میں تعریف لازمی ہے۔ (۲)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں چونکہ ملقط کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ بس صرف ”موسم“ میں اعلان و تعریف کافی ہے، اس لئے آپ نے تاکید فرمادی کہ عام لقطہ کی طرح پورے سال کی تعریف ضروری ہے۔ (۳)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کی تخصیص اس بنیاد پر ہے کہ چونکہ لوگ مکہ مکرمہ سے جلد چلے جاتے ہیں، اس لئے ایک سال تک تعریف بسا اوقات مفید نہیں ہوگی، اس لئے وہی شخص وہاں کے لقطہ کو اٹھا سکتا ہے جو لوگوں کے متفرق ہونے اور چلے جانے سے پہلے تعریف کر سکتا ہو، جبکہ دوسری جگہوں میں چونکہ یہ وجہ نہیں ہے اس لئے وہاں تخصیص نہیں کی گئی۔ (۴)

جہاں تک حدیث ”نہی عن لقطۃ الحاج“ کا تعلق ہے، سو یہ نبی بالکل صریح ہے اور بظاہر اس کا حکم دوسرے لقطہ کے حکم سے مختلف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نبی کا مال بھی یہی نکلتا ہے کہ ”لقطۃ الحاج“ اور ”لقطۃ غیر الحاج“

(۱) المغنی لابن قدامة (ج ۶ ص ۱۱)۔

(۲) دیکھئے الہدایۃ (ج ۴ ص ۳۷۴) کتاب اللقطۃ (طبعة: إدارة القرآن کراچی)، وفتح القادیر (ج ۵ ص ۳۵۷)۔

(۳) تکملة فتح الملہم (ج ۲ ص ۶۲۳) نقلاً عن مغنی المحتاج (ج ۲ ص ۴۱۷)۔

(۴) دیکھئے تہذیب السنن (ج ۲ ص ۲۷۳)۔

میں کوئی فرق نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ لقطۃ الحاج کے التقاط سے نہیں اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ حاجی اپنے ساتھ ضروری ضروری اشیاء ہی لے جاتا ہے اور جو چیز وہ لے جاتا ہے اس سے وہ عموماً مستغنی نہیں ہوتا، گویا اس چیز کی ضرورت اسے شدید ہوتی ہے، ایسی صورت میں جب وہ کوئی چیز گرم کرے گا تو اسے ڈھونڈے گا اور عام طور پر وہیں ڈھونڈے گا جہاں اس نے وہ چیز گرم کی ہوگی، لہذا اگر کوئی شخص اس چیز کو نہ اٹھائے تو مالک اسے آسانی سے پالے گا، برخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص اسے اٹھالے اور تعریف کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ چیز ایک جگہ گرم ہوئی ہو اور وہ شخص تعریف کسی اور جگہ کر رہا ہو، مثلاً چیز مکہ میں گرم ہوئی وہ منیٰ میں اعلان کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لقطۃ الحاج کا حکم دوسرے لقطوں سے مختلف نہیں، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ التقاط لقطہ نہ ہو، ہاں اگر ضائع ہو جانے اور تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو التقاط کیا جائے گا، جیسا کہ لقطۃ الابل کے بارے میں نہیں وارد ہے۔ بعینہ اسی طرح لقطۃ الحاج کی بھی اسی بنیاد پر ہے۔ (۱)

لقطۃ الحاج کے

بارے میں ایک وضاحت

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حاجیوں کے لقطہ کا التقاط جو ممنوع ہے یہ حکم معلول بالعلۃ ہے، اُس صورت میں التقاط نہیں کیا جائے گا جب ضیاع و سرقة سے مامون ہو۔ (۲)

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں جو ”نہی عن لقطۃ الحاج“ آیا ہے، اس کے بارے میں ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے، حتیٰ کہ مالک آجائے اور اسے لے لے، لیکن ہمارے زمانے میں اس پر عمل ممکن نہیں، کیونکہ

(۱) دیکھئے تکملة فتح الملہم (ج ۲ ص ۶۲۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے ارد گرد بہت زیادہ چوریاں ہوتی ہیں، چہ جائیکہ مالک موجود نہ ہو تو لفظ بالکل مامون نہیں ہوگا۔ (۱) واللہ اعلم

فمن قُتل فهو بخير النظرين : إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتل
سو جس شخص کو قتل کیا گیا ہو تو اُسے (یعنی اس کے ولی کو) دو اختیار میں سے بہتر کا اختیار ہے، یا تو اس مقتول کی دیت دی جائے یا مقتول کے اہل کو قصاص دیا جائے۔

یہاں ”من قتل فهو بخير النظرين“ واقع ہے اور ظاہر اس کے معنی درست نہیں ہوتے کیونکہ ”من قتل“ سے مقتول مراد ہے ”هو“ ضمیر اسی کی طرف لوٹ رہی ہے، حالانکہ مقتول کو اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیری عبارت ”من قتل فهو أى أهله بخير النظرين“ ہے، یعنی مراد ”أهل“ ہے، اگرچہ اس کی جگہ ”هو“ یعنی مقتول کی ضمیر کو رکھا گیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مقتول ہی اس اختیار کا سبب بن رہا ہے۔ (۲)

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اضماع قبل الذکر لازم آرہا ہے، جو درست نہیں، کیونکہ ”أهل“ کا پہلے ذکر نہیں آیا۔ (۳)

علامہ خطابی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہاں تقدیر عبارت ”من قتل له قتل.....“ ہے۔ (۴)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقدیر پر بھی اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں حذف فاعل (یعنی نائب فاعل) لازم آتا ہے۔ (۵)

(۱) فتح الباری (ج ۵ ص ۳۵۷)۔

(۲) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۲۲)۔

(۳) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۶۵)۔

(۴) دیکھئے أعلام الحديث للخطابی (ج ۱ ص ۲۱۶)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

(۵) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۶۵)۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مبتدا محذوف مانا جائے اور تقدیر عبارت یوں ہونی چاہئے ”فمن أهلكه قتل فهو بخير النظرين“ اس میں ”من“ مبتدا ہے، ”أهلكه قتل“ مبتدا اور خبر پر مشتمل جملہ ”من“ موصول کے لئے صلہ ہے ”فهو بخير النظرين“ پورا جملہ مبتدائے اول کے لئے خبر ہے، ”قتل“ کے اندر جو ضمیر ہے وہ ”أهل“ مقدر کی طرف راجع ہے اور ”فهو“ کی ضمیر ”من“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اور ”بخير النظرين“ کا متعلق محذوف ہے ”فهو مرضي بخير النظرين“ یا ”فهو عامل بخير النظرين“ یا ”فهو مأمور بخير النظرين“ کی تقدیر نکالی جاسکتی ہے۔ (۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب اور ابن حجر رحمہما اللہ کی تقدیر پر اعتراض اگرچہ اپنی جگہ درست ہے، تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ دراصل یہاں عبارت تھی ”من قتل له قتيل“ کیونکہ کتاب الدیات والی روایت میں صریح طور پر ”من قتل له قتيل“ وارد ہوا ہے۔ (۲)

پھر علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں خود اس مقام پر ”من قتل له قتيل“ کی پوری عبارت موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر بعض نسخوں میں غلطی سے ”له قتيل“ رہ گیا۔ (۳) واللہ اعلم۔

إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتل

یا تو اہل مقتول کو دیت دی جائے یا مقتول کا قصاص لیا جائے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ”أهل القتل“ ”يعقل“ کا نائب فاعل ہے اور ”يقاد“ کا نائب فاعل ضمیر ہے، جو مقتول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (۴)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دماینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ہو سکتا ہے ”يقاد“ ”یمکن من القود“ کے معنی میں ہو، اب مطلب ہو جائے گا ”یمکن أهل القتل من القود“ مقتول کے اولیاء کو قصاص

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۱۶) کتاب الدیات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (۶۸۸۰)۔

(۳) دیکھئے إرشاد الساری (ج ۱ ص ۲۰۵)۔

(۴) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۲۲)۔

لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ (۱)

قتل عمد کا موجب

احد الامرین ہے یا صرف قصاص؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد کا موجب دیت اور قصاص میں سے کوئی ایک ہے، ان میں سے کسی ایک کے اختیار کا حق ولی مقتول کو ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ولی مقتول کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے، قصاص نہ لے تو معاف کر دے۔ جہاں تک دیت کے ایجاب کا تعلق ہے، سو یہ قاتل کی رضامندی پر موقوف ہے۔ (۲)

علامہ ابو القاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے درمیان اختلاف کا منشا آیت کریمہ ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٍ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (۳) کے اندر احتمال ہے، اس آیت میں ”اتباع“ کا حکم بالاتفاق ولی دم کو ہے اور ”اداء“ کا حکم قاتل کو ہے، لیکن ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ کے اندر دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ ”مَنْ“ سے مراد ولی دم ہو اور ”عُفِيَ لَهُ“ کے معنی ”یسرلہ“ ہوں اور ”مَنْ أَخِيهِ“ سے مراد مقتول ہو اور ”شیء“ سے دیت مراد ہو۔ اب مطلب ہوگا ”مَنْ يَسْرُلُهُ مِنْ أَخِيهِ الْمَقْتُولِ شَيْءٌ أَيْ مِنَ الدِّيَةِ“ یعنی اگر ولی دم کے لئے اس کے بھائی کی وجہ سے دیت مہیا کر دی جائے تو ﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٍ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”مَنْ“ سے مراد قاتل ہو اور ”عُفِيَ“ عفو سے ماخوذ ہو، جس کے معنی معاف کر دینے کے ہیں اور ”أَخِيهِ“ سے مراد ولی دم ہو، مطلب یہ ہو جائے گا کہ اگر قاتل کو ولی دم کی طرف سے قتل کی معافی دے دی جائے تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور قاتل کے ذمہ دیت واجب ہو جائے گی،

(۱) إرشاد الساري (ج ۱ ص ۲۰۵)۔

(۲) دیکھئے شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج ۸ ص ۵۰۶ و ۵۰۷)، كتاب الديات، باب من قتل له قتيلا فهو بخير النظرين۔

(۳) المقرة ۱۷۸۔

سواب ولی دم کے ذمہ تو معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا ہے کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے اور مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہے کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور نہ ہی خواہ مخواہ ٹالے۔ (۱)

شافیہ و حنابلہ ان میں سے دوسرے احتمال کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو کلی طور پر یا جزئی طور پر معاف کر دیا جائے تو قصاص ساقط ہو کر دیت واجب ہونے کی صورت بن سکے گی، ورنہ نہیں۔ گویا قصاص معاف کر کے دیت واجب کرنے کا اختیار ولی دم کو ہو گا نہ کہ قاتل کو۔

جبکہ حنفیہ و مالکیہ آیت کو پہلے احتمال پر محمول کر کے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصل حکم ﴿کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ کے بموجب قصاص ہی ہے، البتہ ولی دم اگر قصاص نہ لے، بلکہ دیت لینے پر راضی ہو جائے اور قاتل دیت دینے پر راضی ہو جائے تو اب اس کا طریقہ کار بتایا جا رہا ہے کہ ولی دم ”اتباع بالمعروف“ کرے اور قاتل ”اداء باحسان“ کرے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾۔ (۲)
- ۲۔ ﴿وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾۔ (۳)
- ۳۔ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾۔ (۴)
- اس آیت میں بالاتفاق قصاص بھی مراد ہے۔ (۵)
- ۴۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾۔ (۶)
- ۵۔ ﴿فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾۔ (۷)

(۱) دیکھئے الروض الألف (ج ۲ ص ۲۷۸)، ومعارف القرآن (ج ۱ ص ۴۳۴ و ۴۳۵) خلاصہ تفسیر۔

(۲) البقرة/۱۷۸۔

(۳) المائدة/۴۵۔

(۴) الإسراء/۳۳۔

(۵) إعلاء السنن (ج ۱ ص ۷۸)، کتاب الجنایات، باب ثبوت الخيار لولی المقتول بین الفصاص والدية بعد رضاء القتال بالدية۔

(۶) النحل/۱۲۶۔

(۷) البقرة/۱۹۴۔

اس میں بھی ”مثل“ سے ”قود“ یعنی قصاص مراد ہے۔ (۱)

ان تمام آیات کا تقاضا یہ ہے کہ قتل عمد کا موجب صرف قصاص ہی ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

آیات کریمہ کے علاوہ درج ذیل روایات بھی حنفیہ کی دلیل ہیں:-

۱۔ سنن نسائی، سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل في عميا أو رميا تكون بينهم بحجر أو

سوط أو بعصا فعقله عقل خطا، ومن قتل عمداً فقود يده، فمن حال بينه وبينه فعليه لعنة

الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل“۔ (اللفظ للنسائي)۔ (۲)

یعنی ”جو شخص اندھی لڑائی میں مارا جائے یا ان کے درمیان سنگ باری ہو یا کوڑوں ڈنڈوں کی

جنگ ہو تو اس کی دیت قتل خطا کی دیت ہے اور جسے عمداً قتل کیا جائے تو اس میں ہاتھ سے

قصاص لیا جائے گا، پھر جو قاتل اور قصاص کے درمیان حائل ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام

فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہوگی، اس سے نہ نفل قبول کیا جائے گا نہ فرض“۔

۲۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه

عن جده“ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے ”العمد قود والخطأ دية“۔ (۳) یعنی ”قتل عمد کا موجب

قصاص اور خطا کا موجب دیت ہے“۔

یہاں ”جد“ سے مراد عمرو بن حزم ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طریق سے

وضاحت ہو جاتی ہے۔ (۴)

(۱) إعلال السنن (ج ۱ ص ۷۸)۔

(۲) السنن للنسائي، كتاب الفسامة والقود والديات، باب من قتل بحجر أو سوط، رقم (۴۷۹۳) و (۴۷۹۴)، والسنن لأبي

داود، باب من قتل في عميا بين قوم، رقم (۴۵۳۹) و (۴۵۴۰)۔ والسنن لابن ماجه، أبواب الديات، باب من حال بين ولي

المقتول وبين القود أو الدية، رقم (۲۶۳۵)۔

(۳) مجمع الروائد (ج ۶ ص ۲۸۶) كتاب الديات، باب قتل الخطأ والعمد۔

(۴) دیکھئے المحلى لابن حزم (ج ۱ ص ۲۴۲)۔

۳۔ حنفیہ و مالکیہ کی ایک دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے، آپ نے قاتل سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا، آپ نے اس موقع پر ولی مقتول کے بجائے قاتل سے پوچھا ”هل لك من شيء، تؤديه عن نفسك؟“ (یعنی تمہارے پاس کچھ ہے جو تم اپنے نفس کے بدلہ دے سکو؟) اس شخص نے بتایا کہ میرے پاس سوائے میری چادر اور کلہاڑی کے اور کچھ نہیں، آپ نے پھر پوچھا کہ تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری مدد کریں گے یا نہیں؟ اس نے بتایا کہ قبیلے میں میری کوئی حیثیت نہیں، آپ نے اُسے ولی مقتول کے حوالہ کر دیا۔ (۱)

اس حدیث میں آپ کا ولی مقتول کے بجائے قاتل سے دریافت کرنا کہ تمہارے پاس ادائیگی کے لئے کچھ ہے یا نہیں اس بات کی دلیل ہے کہ ولی مقتول کو اختیار نہیں ہے، اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو آپ قاتل کے بجائے ولی مقتول سے پوچھتے کہ آیا تم قصاص چاہتے ہو یا دیت؟

۴۔ اس قسم کی ایک روایت سنن نسائی میں اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں ہے:

”أن رجلاً أتى بقاتل وليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اعف عنه، فأبى، فقال: خذ الدية، فأبى، فقال: اذهب فاقتله...“ (۲)

یعنی ”ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ولی کے قاتل کو پکڑ کے لایا، آپ نے فرمایا معاف کر دو، اس نے انکار کیا، پھر آپ نے فرمایا دیت لے لو، اس نے انکار کیا، پھر آپ نے فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو...“

(۱) صحیح مسلم، کتاب القسامة والمحابرین والقصاص، باب صحة الإقرار بالقتل، رقم (۴۳۸۷) و (۴۳۸۸)، و مسند السنائی، کتاب القسامة والقود والديات، باب القود، رقم (۴۷۲۷)، و باب ذكر اختلاف الماقلن لبحر غلظة بن وائل فيه، رقم (۴۷۲۸-۴۷۳۳)۔

(۲) مسند السنائی، کتاب القسامة والقود والديات، باب القود، رقم (۴۷۳۴)، و مسند ابن ماجه، کتاب الدیات، باب العفو عن القاتل، رقم (۲۶۹۱)۔

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن النضر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”یا أنس، کتاب اللہ القصاص“ (۱) (یعنی اے انس! کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہی ہے)، اس میں دیت کا ذکر نہیں ہے، اگر ولی مقتول کو قصاص یا دیت کے درمیان اختیار ہوتا اور دیت کے لئے قاتل کی رضامندی ضروری نہ ہوتی تو دیت کا بھی ذکر فرماتے۔

۶۔ حنفیہ و مالکیہ کی ایک دلیل مصنف عبدالرزاق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری دستاویز ہے، جس میں ہے ”إذا اصطلحوا في العمد فهو على ما اصطلحوا عليه“۔ (۲) یعنی ”قتل عمد کی صورت میں اگر صلح کر لیں تو جس چیز پر ان کی صلح ہوگی اسی کو واجب سمجھا جائے گا“۔

اس سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوئی کہ مال واجب کرنے کے لئے ”صلح“ کی ضرورت ہے، اور ”صلح“ فریقین کی رضامندی سے ہوتی ہے۔

۷۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”لا يمنع سلطان ولي الدم أن يعفو إن شاء أو يأخذ العقل إذا اصطلحوا ولا يمنعه أن يقتل إن أبي إلا القتل بعد أن يحق له القتل في العمد“۔ (۳)

یعنی ”سلطان کو یہ حق حاصل نہیں کہ ولی دم کو روکے، چاہے تو وہ معاف کرے یا دیت لے، اگر آپس میں صلح کر لیں، اسی طرح اگر قتل عمد کا حکم ثابت ہو جائے اور وہ قصاص ہی لینا چاہے تو اس سے کوئی مانع نہیں بن سکتا“۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولی مقتول دیت کا مستحق اسی صورت میں ہوگا جب مصالحت ہوگی۔

شافعیہ کے دلائل اور ان کا جائزہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں واضح طور پر مذکور ہے ”فمن قتل فهو

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۳۷۲) كتاب الصلح، باب الصلح في الدية، رقم (۲۷۰۳)۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق (ج ۹ ص ۲۸۳) كتاب العقول، باب شبه العمد، رقم (۱۷۲۱۶)۔

(۳) المصنف لعبد الرزاق (ج ۱۰ ص ۱۴) كتاب العقول، باب العفو، رقم (۱۸۱۹۶)۔

بخیر النظرین: إما أن یعقل وإما أن یقاد أهل القتیل۔ اس حدیث نے صاف طور پر بتا دیا کہ ولی مقتول کو دو چیزوں میں اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے، یادیت لے لے یا قصاص۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے استدلال تام نہیں، اس لئے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے، حافظ ابوالقاسم سیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں سات آٹھ قسم کے الفاظ وارد ہیں، چنانچہ:-

بعض روایات میں ہے ”إما أن یقتل وإما أن یفادی۔“

بعض میں ہے ”یقتل أو یفادی۔“

بعض میں ہے ”إما أن یفدی وإما أن یقتل۔“

بعض میں ہے ”إما أن یعقل أو یقاد۔“

بعض میں ہے ”إما أن تعطى الدية أو یقاد أهل القتیل۔“

بعض میں ہے ”إما أن یعفو أو یقتل۔“

بعض میں ہے ”من قتل متعمداً دفع إلى أولیاء المقتول فإن شاء واقتلوا، وإن شاء واأخذوا

الدية۔“

بعض روایات میں ہے ”فمن قتل بعد مقامي هذا فأهله بخیر النظرین إن شاء وأقدم قاتله، وإن

شاء وأعقله۔“ (۱)

ان میں سے جن جن روایات میں ”مفاداة“ یا ”فدیہ“ کا ذکر ہے وہ روایات حنفیہ و مالکیہ کی تائید کرتی ہیں، کیونکہ ان میں دیت کا ذکر نہیں ہے، ”مفاداة“ کا ذکر ہے، مفاداة میں مشارکت ہوتی ہے، اس میں فریقین کی رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا باقی روایات بھی اس پر محمول ہوں گی کہ قاتل کی رضامندی

(۱) یکتی الروح الألف (ج ۲ ص ۲۷۸)۔ نیز دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکہ، رقم (۳۳۰۵)

و (۳۳۰۶) و سنن نسائی، کتاب القسامۃ والقود والديات، باب هل یؤخذ من قاتل العمد الدية إذا عفا ولی المقتول عن

القود؟، رقم (۵۷۸۹) و (۵۷۹۰)، والسنن لأبی داود، کتاب الدیات، باب ولی العمد يأخذ الدية، رقم (۴۵۰۵)، والجامع

لترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو، رقم (۱۴۰۵ و ۱۴۰۶)، والسنن لابن ماجه،

کتاب الدیات، باب من قتل له قتیل فیهما بالخیار بین إحدى ثلاث، رقم (۲۶۲۳ و ۲۶۲۴)۔

سے دیت لی جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ (۱) یہاں ”فداء برضی الأسیر“ مراد ہے، چونکہ مخاطبین کو علم ہے کہ بغیر رضامندی کے اسیر پر مال کو لازم نہیں کیا جاسکتا اس لئے اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اسی طریقہ سے یہاں بھی چونکہ یہ امر معلوم ہے کہ قاتل فدیہ کی ادائیگی پر راضی ہو تو اس پر لاگو کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں، اس لئے صرف ”دیت کی ادائیگی“ کا ذکر کیا گیا ہے، رضامندی کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (۲)

چنانچہ امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”فہو بخیر النظرین“ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ولی کو مال دے کر اس سے عفو کا سوال کیا جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو مال کو قبول کرے اور معاف کر دے اور اگر چاہے تو قصاص لے، ولی کے ذمہ ”اتباع اولی“ ہے، اس جملہ کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ قاتل کو بذل دیت پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ (۳)

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت ابو شریح کعمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا إنكم يا معشر خزاعة، قتلتم هذا القتل من هذيل، وإني عاقله، فمن قتل له بعد مقاتلي هذه قتل فأهله بين خيرتين، بين أن يأخذوا العقل أو يقتلوا“۔ (۴)

یعنی ”اے قبیلہ خزاعہ! تم نے بنو ہذیل کے اس شخص کو قتل کیا ہے، میں اس کی دیت دے رہا ہوں، میرے اس قول کے بعد اگر قتل کا واقعہ پیش آئے تو مقتول کے اولیاء کو دو اختیار ملیں گے یا دیت لے لیں یا قتل کر دیں۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”فأهله بين خيرتين“ کا جملہ دلالت کر رہا ہے کہ قتل عمد

(۱) سورۃ محمد/۴۔

(۲) دیکھئے إعلال المسنن (ج ۱۸ ص ۷۹ و ۸۰) کتاب الجنایات، باب ثبوت الخيار لولي المقتول بين الفصاض والدية۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۰۹)، کتاب الدیات، باب من قتل له قتل فأهله بين خيرتين نیز دیکھئے شرح صحیح

المحاری لابن بطال (ج ۸ ص ۵۰۸ و ۵۰۹)۔

(۴) المسنن لأبي داود، کتاب الدیات، باب ولي العمد يأخذ الدية، رقم (۴۵۰۴)۔

کا موجب احد الامرین ہے، یعنی قصاص یا دیت، ان میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا اختیار ولی مقتول کو ہے۔ (۱)

ہم کہتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال تو واقعی وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں، جبکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہوں ”فأهله بين خيرتين بعد أن يرضى القاتل بالدية“ اس قید کو اس لئے چھوڑ دیا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرنے کے لئے دیت پر راضی ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے یہ دوسرا احتمال اس لئے رائج ہے، کیونکہ قصاص قضاء بالمثل ہے اور دیت قضاء بالقيمة، صاحب حق کو ”مثل“ لینے کا حق تو حاصل ہے ”قیمت“ لینے کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر مثل لینا متعذر ہو جائے تو فریقین کی رضامندی سے قیمت لی جاسکتی ہے۔ یہ ایک قانون کلی ہے، بغیر نص صریح کے اس کے خلاف نہیں کیا جائے گا، یہ مذکورہ دلیل چونکہ محتمل ہے، نص صریح نہیں ہے، لہذا اس اصل کلی سے عدول نہیں کیا جائے گا اور حدیث مذکور میں سے اسی احتمال کو ترجیح دی جائے گی جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (۲) واللہ اعلم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ ﴿فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وارد ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”كان في بني اسرائيل القصاص ولم تكن فيهم الدية، فقال الله تعالى لهذه الأمة: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرِّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأَنْثَى فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾، فالعفو: أن يقبل الدية في العمد، ﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾، يتبع بالمعروف ويؤدي بإحسان، ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾، مما كتب على من كان قبلكم، ﴿فَمَنْ اعْتَدَى بِعَدَاكَ فَلَهُ عَذَابٌ

(۱) دیکھئے کتاب الأم (ج ۶ ص ۱۰)، کتاب جراح العمد، باب الحكم في قتل العمد۔

(۲) إعلال السنن (ج ۱ ص ۷۷ و ۷۸)۔

أَلَيْسَ ﴿١﴾، قَتَلَ بَعْدَ قَبُولِ الدِّيَةِ۔ (۱)

یعنی ”بنی اسرائیل میں قصاص کا حکم جاری تھا، دیت کا حکم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت سے فرمایا تمہارے اوپر مقتولین کے سلسلہ میں قصاص کو لازم کیا گیا ہے، آزاد کو آزاد کے بدلے میں، غلام کو غلام کے بدلے میں، عورت کو عورت کے بدلے میں، پھر جب اس کے بھائی کی طرف سے اسے کچھ معافی مل جائے۔ معافی یہ ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت قبول کر لے۔ تو دستور کے مطابق تقاضا اور خوش اسلوبی سے ادائیگی ہونی چاہئے، یعنی دستور کے مطابق اس کا مطالبہ کرے اور خوش اسلوبی سے دوسرا ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گزرے ہیں، سو جو شخص اس کے بعد تعدی کرے، یعنی دیت قبول کرنے کے بعد قتل کر دے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

یہاں ”عفو“ کی تفسیر ”قبول دیت“ سے کی ہے، گویا ولی دم کو قصاص یا قبول دیت میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال درست نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہاں صرف اتنی بات بتانا چاہ رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے حق میں قصاص ہی مشروع تھا، دیت کی مشروعیت ہی نہ تھی، اس آیت نے ولی کے واسطے قبول دیت کی مشروعیت اور اباحت بتادی اور بنی اسرائیل کے اوپر جو قبول دیت کی ممانعت تھی اس کو منسوخ کر دیا۔

اگر تخیر بین الأمرین کا اثبات مقصود ہوتا تو ”فالعفو أن يقبل الدية“ نہ فرماتے، کیونکہ ”قبول“ تو کہتے ہیں اس صورت میں جب دوسرے نے بذل کیا ہو، کیونکہ دوسرا شخص رضا مندی سے دے گا تو اسے قبول کیا جاسکے گا۔ (۲) واللہ اعلم

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۴۶) کتاب التفسیر، باب ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْفَتْلِ﴾، رقم

(۴۴۹۸)، و (ج ۲ ص ۱۰۱۶) کتاب الدیات، باب من قتل له قتل فهو بخير النظرين، رقم (۶۸۸۱)۔

(۲) دیکھئے إعلال السنن (ج ۱ ص ۸۰)، کتاب الحنایات، باب ثبوت الحبار لولي المقتول بين القصاص والدية۔

فجاء رجل من أهل اليمن

اہل یمن میں سے ایک شخص آیا۔

یہ حضرت ابو شاہ یمنی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ کتاب اللقطة اور کتاب الدیات کی روایات میں تصریح

ہے ”فقام أبو شاہ رجل من أهل اليمن“۔ (۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بنو کلب سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ فارسی تھے، ان کا تعلق ان

”اہباء“ (۲) سے تھا، جو یمن میں سیف بن ذی یزن کی مدد کے لئے آئے تھے۔

ان کے نام میں ”شاہ“ ہاء کے ساتھ ہے، جس کے معنی فارسی میں بادشاہ کے ہوتے ہیں، بعض حضرات

نے ”شاة“۔ بالتاء المدورة۔ بمعنی بکری کہا ہے، لیکن یہ تصحیف ہے۔ (۳)

فقال: اكتب لي يا رسول الله، فقال: اكتبوا لأبي فلان

اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے لکھ دیجئے (لکھوادیتجئے)۔ آپ نے فرمایا کہ ابو شاہ

کے لئے لکھ دو۔

آگے ولید بن مسلم والی روایت میں ہے ”قلت لأوزاعي: ما قوله: اكتبوا لي يا رسول الله،

قال: هذه الخطبة التي سمعها من رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ (۴)

اس سے حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ (۵)

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۲۹) کتاب اللقطة، باب کیف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲۴۳۴) ورج ۲ ص ۱۰۱۶

کتاب الدیات، باب من قتل له قتل فهو بحیر المظنن، رقم (۶۸۸۰)۔

(۲) الأبناء: هم قوم باليمن من ولد الفرس الذين جهزهم كسرى مع سيف بن ذي يزن، إلى ملك الحشة، فعلم الحشة،

وأقاموا باليمن، وقال أبو حاتم بن حبان: كل من ولد باليمن من أولاد الفرس، وليس من العرب يقال: أساوي، وهم الأساويين۔

عمدة القاري (ج ۱ ص ۲۵۴) کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)، والإصابة (ج ۴ ص ۱۰۰)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۲۹) کتاب اللقطة، باب کیف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲۴۳۴)۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

فقال رجل من قریش: إلا الإذخر یا رسول اللہ، فإننا نجعله فی بیوتنا وقبورنا

قریش کے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ”إذخر“ کا استثناء فرما دیجئے، کیونکہ اسے ہم گھروں (کی چھتوں) میں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔

یہ قریشی شخص حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ آگے کتاب اللقطة والی روایت میں ”فقال العباس“ کی تصریح موجود ہے۔ (۱)

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ”فقال رجل من قریش یقال له: شاہ“ آیا ہے، جو غلط ہے۔ (۲)

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إلا الإذخر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذخر مستثنیٰ ہے۔

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو احکام میں اجتہاد کا حق حاصل تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ”إذخر“ کا جو استثناء فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو احکام میں اجتہاد کا حق حاصل تھا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے:-

اشاعرہ اور اکثر معتزلہ و متکلمین کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں تھا۔

پھر ان میں سے ابوعلی جبائی اور ان کے بیٹے ابوہاشم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عقلاً اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں۔

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۲۸ و ۳۲۹) کتاب اللقطة، باب کیف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲۴۳۴)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں عقلاً تو گنجائش ہے، تاہم شرعاً اجتہاد کر کے اس کے مطابق عمل کرنا درست نہیں۔

ان کے مقابلہ میں اکثر اہل اصول کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جس طرح وحی کے ذریعہ معلوم شدہ احکام پر عمل جائز ہے اسی طرح رائے اور اجتہاد سے جو احکام مستنبط ہوں گے ان پر بھی عمل جائز ہے۔

یہی حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے منقول ہے، امام مالک، امام شافعی اور اکثر اصحاب حدیث رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اکثر حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی معاملہ میں سب سے پہلے وحی کے نازل ہونے کا مکلف بنایا گیا ہے، اگر انتظار کے بعد وحی نازل نہ ہو تو یہ اجتہاد کرنے کی اجازت کی دلیل ہے۔

پھر کتنی مدت تک انتظار ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ تین روز تک اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مقصد اور غرض کے فوت ہو جانے کے خوف کے ساتھ متعلق ہے، جو ظاہر ہے کہ مختلف ہو سکتا ہے۔

پھر ان تمام حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رائے اور اجتہاد پر عمل حروب اور امور دنیا میں جائز ہے۔ (۱)

مانعین کے دلائل

مانعین اس سلسلہ میں آیت قرآنی ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۲) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت نے واضح طور پر بتا دیا کہ آپ جب بھی نطق فرماتے ہیں وحی ہی کے تحت نطق فرماتے ہیں، اجتہاد کے ذریعہ جو آپ نطق فرمائیں گے وہ ظاہر ہے کہ وحی نہیں ہے، لہذا آیت کے ذریعہ اجتہاد کی نفی ہو گئی۔ (۳)

(۱) دیکھئے کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۵ و ۲۰۶)۔

(۲) المعجم ۴۳۔

(۳) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۶)۔

اسی طرح یہ حضرات عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت شرع کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ”اجتہاد“ رائے ہونے کی حیثیت سے ایسی دلیل ہے جس میں خطا کا احتمال ہے، لہذا ایسی چیز کے ذریعہ جس میں غلطی اور خطا کا امکان ہو اقامت شرع ممکن نہیں، چونکہ اقامت شرع حق اللہ ہے، لہذا یہ حق کسی بندے کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، جس کے عمل میں غلطی کا احتمال ہو۔

جہاں تک معاملات دنیویہ یا امور حرب کا تعلق ہے، سو چونکہ یہ حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان کے اندر یا تو دفع مضرت ہے یا جلب منفعت، بندے ان کے محتاج ہیں، اسلئے بندوں کو امور حرب اور معاملات دنیویہ میں اجتہاد کا حق حاصل ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ چونکہ حاجتمند یا عاجز نہیں، اس لئے حقوق اللہ کے اثبات کے لئے دلیل محتمل للخطا کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے ایسی دلیل چاہئے جو موجب اذعان و یقین ہو۔ (۱)

مجوزین کے دلائل

مجوزین نے کتاب اللہ، سنت اور عقلی دلیل سے اس کو ثابت کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾ (۲) یہاں ”بصر“ سے ”بصیرت“ مراد ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے تمام اہل بصیرت کو ”اعتبار“ کی دعوت دی ہے اور ”أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ ہونا ”اعتبار“ کی علت ہے، گویا یہ فرمایا ہے کہ اے اہل بصیرت! چونکہ تم بصیرت والے ہو، اس لئے ”اعتبار“ کرو اور قیاس سے اور اجتہاد سے کام لو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر صاحب بصیرت، پاک نفس، بہتر اجتہاد کرنے والے ہیں، لہذا وصف بصیرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہیں تو ”اعتبروا“ کا امر بھی آپ کی طرف بطریق اولیٰ متوجہ ہوگا۔ (۳)

اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ﴾، فَفَهَّمْنَاهَا

(۱) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۶)۔

(۲) الحشر ۲/۔

(۳) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۶)۔

سُلَيْمَن ﴿١﴾

یعنی ”اور داود و سلیمان کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے، جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں اور ہم اس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے، سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔“

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ کوئی وحی کی بنیاد پر نہیں تھا، ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی، گویا حضرت داود علیہ السلام نے اجتہاد کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اجتہاد کر کے دوسرا فیصلہ فرمایا، جس کو حضرت داود علیہ السلام نے قبول کر کے نافذ فرمایا، معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو احکام میں اجتہاد کا حق تھا۔ (۲)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد باری تعالیٰ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (۳) (بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھاوے تجھ کو اللہ) سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس میں ﴿بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ کے اندر عموم ہے، جو حکم بالنص اور استنباط من النص دونوں کو شامل ہے۔ (۴)

حضرات مجوزین نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ”دین اللہ“ کو ”دین العباد“ پر قیاس کر کے جواب دیا گیا ہے:

”عن عبد الله بن الزبير قال : جاء رجل من خثعم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال : إن أبي شيخ كبير لا يستطيع الركوب وأدر كته فريضة الله في الحج، فهل يجزئ أن أحج عنه؟ قال : أنت أكبر ولده؟ قال : نعم، قال : أرأيت لو كان عليه دين أكننت تقضيه؟ قال : نعم، قال : فحج عنه“۔ (۵)

(۱) الأنبياء / ۷۷ و ۷۸۔

(۲) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۶ و ۲۰۷)۔

(۳) النساء / ۱۰۵۔

(۴) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۷)۔

(۵) سنن النسائي، کتاب مناسک الحج، باب تشبیه قضاء الحج بقضاء الدين، رقم (۲۶۳۹)۔

یعنی ”ایک شخص قبیلہ خثعم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد بوڑھے شیخ ہیں، وہ سواری پر سوار نہیں ہو سکتے اور ان پر فریضہ حج بھی لازم ہے، کیا ان کی طرف سے میں حج کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کی سب سے بڑی اولاد ہو؟ عرض کیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا یہ تو بتلاؤ کہ اگر ان پر فرض ہوتا تو ادا کرتے یا نہیں؟ عرض کیا کہ ہاں میں ادا کرتا، آپ نے فرمایا تو پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو۔“

اس طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (۱)

اسی طرح مجوزین کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہے:

”عن جابر بن عبد اللہ قال: قال عمر بن الخطاب: هششت، فقبلت وأنا صائم، فقلت: يا رسول الله، صنعت اليوم أمراً عظيماً: قبلت وأنا صائم، قال: أرأيت لو مضمضت من الماء وأنت صائم؟ قال عيسى بن حماد في حديثه: قلت: لا بأس به، ثم اتفقا، قال: فمه“۔ (۲)

یعنی ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسرت محسوس کی، میں نے روزہ کی حالت میں تقبیل کر لی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج میں نے ایک بہت بڑا کام کر لیا، میں نے روزہ کی حالت میں تقبیل کر لی، آپ نے فرمایا بتاؤ! اگر روزہ کی حالت میں کلی کر لو تو کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ کوئی حرج نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تقبیل میں ایسی کیا بات ہے؟“

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”قبلة الصائم“ کو مضمضہ پر قیاس کر کے حکم بیان فرمایا ہے۔

حضرات مجوزین کا ایک استدلال اس حدیث سے بھی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وفي بضع أحدكم صدقة، قالوا: يا رسول الله، أيأتي أحدنا شهوته ويكون له فيها

(۱) حوالہ بالا، رقم (۲۶۳۰)۔

(۲) السنن لأبي داود، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، رقم (۲۳۸۵)۔

أجر؟ قال: أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه فيها وزر؟ فكذلك إذا وضعها في

الحلال كان له أجر۔ (۱)

یعنی ”تمہیں اپنی بیوی سے صحبت کرنے پر بھی صدقہ کا ثواب ملے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اس پر بھی اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ اگر حرام میں اپنی شہوت پوری کرتے تو اس پر کوئی گناہ تھا یا نہیں؟ اسی طرح حلال جگہ شہوت پوری کرنے پر اجر ہے۔“

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کر کے جواب دیا، ظاہر ہے کہ یہ آپ کے حق میں اجتہاد کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔

عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجتہاد درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ”اجتہاد“ اس بات پر مبنی ہے کہ مجتہد نصوص کے معانی و علل کا عالم ہو، ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم اور اس کے معانی و علل کے جاننے میں مخلوق میں سب سے اکمل ہیں، حتیٰ کہ اصولیین کی تصریح کے مطابق ”متشابہات“ کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، جب کسی چیز کا علم بھی ہو، اس کے جمیع معانی و علل اور طریقہ استعمال سے بھی واقفیت ہو تو پھر اجتہاد سے ممانعت کیوں ہوگی؟! (۲)

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ”اجتہاد“ جو بندوں کی نسبت سے عبادت کا اعلیٰ ترین درجہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اس میں صواب و سداد کا پہلو عدم صواب کے مقابلہ میں زیادہ ہے، کیونکہ ”اجتہاد“ میں مشقت کا تحمل کیا جاتا ہے، لہذا اس عبادت کا استحقاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ہوگا، خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ اس کو امت کے لئے جائز قرار دیا جا رہا ہے، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”اجتہاد“ کی اجازت نہ ہو تو امت کو آپ کے اوپر اس باب میں فضیلت لازم آئے گی، جو ناممکن ہے۔ (۳)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، رقم (۲۳۲۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الاستار (ج ۳ ص ۲۰۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”اجتہاد“ سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر استدراک حکم بالوحی کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں وحی کا علم اجتہاد سے اعلیٰ ہے، تاہم اس میں وہ تحمل مشقت نہیں جو اجتہاد میں ہے، اس میں جو دستِ خاطر اور قوتِ قریحہ کا اظہار نہیں ہوتا، چونکہ ”اجتہاد“ میں یہ ایک منفرد امتیازی شان اور فضیلت ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فضیلت میں سے کچھ حاصل نہیں۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ کے

اجتہاد اور امت کے اجتہاد میں فرق

یہاں کسی کو یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ”اجتہاد“ کے جواز کے قائل ہوں گے تو یقیناً یہ اجتہاد نص کے مقابلہ میں ادون ہوگا، لہذا جس طرح امت کا اجتہاد ظنی ہوتا ہے اسی طرح آپ کا اجتہاد بھی ظنی ہوگا اور دوسرے اجتہاد سے اس کا معارضہ بھی کیا جاسکے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امت کے اجتہاد میں اور آپ کے اجتہاد میں فرق ہے، وہ یہ کہ عام امت کے اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی ہے اور مجتہد اس پر برقرار بھی رہتا ہے، جبکہ آپ کے اجتہاد میں بہت سے علماء کے نزدیک خطا کا احتمال ہی نہیں، کیونکہ ہمیں احکام میں آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (۲) (سو قسم ہے تیرے رب کی! وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔)

اگر آپ کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہوگا تو ہمیں خطا کی اتباع کا حکم دینا لازم آئے گا، جو درست

نہیں۔ (۳)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) النساء/ ۶۵۔

(۳) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۹)۔

اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہو، جیسا کہ اکثر حنفیہ کی رائے یہی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ﴾ (۱) (اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے! آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟) سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تب بھی اس میں قرار علی الخطا کا احتمال نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہاد پر برقرار رکھا تو وہی صواب ہے، اس سے نص کی طرح علم الیقین حاصل ہوگا اور اس کی مخالفت حرام ہوگی، اس کی نظیر الہام ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام حجت قاطعہ ہے، اس کی مخالفت کسی بھی طور پر جائز نہیں، جبکہ دوسروں کا الہام حجت نہیں ہے۔ (۲) واللہ اعلم

مانعین کے دلائل کا جواب

مانعین نے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ سے استدلال کیا، تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب ”وحی من اللہ“ ہوتا ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ نہیں فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا قطعی کوئی امکان نہیں، بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن ہے، دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام ”حدیث“ اور ”سنت“ ہے۔

پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے احکام نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اس اجتہاد میں امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام

(۱) سورۃ البقرہ ۲۵۳۔

(۲) کشف الأمرار (ج ۳ ص ۲۰۹)۔

انبیاء کی خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے، وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے، بخلاف دوسرے علماء مجتہدین کے، کہ ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے، جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے، چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے۔ (۱) واللہ اعلم

جہاں تک مانعین کی دلیل عقلی کا تعلق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت شرع کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اجتہاد محتمل للخطا دلیل ہونے کی حیثیت سے اقامت شرع کی اس میں صلاحیت نہیں، لہذا آپ کے حق میں اجتہاد کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

سو اس کا جواب ہماری تقریر سے واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ گو عام امت کا اجتہاد دلیل محتمل للخطا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد محتمل للخطا ہے ہی نہیں، جیسا کہ بہت سے علماء فرماتے ہیں، یا اگر اس میں احتمال خطا ہو تب بھی آپ کو خطا پر قائم نہیں رکھا جاتا، اس لئے آپ کے ”اجتہاد“ سے اقامت شرع میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔ (۲) واللہ اعلم

فقال أبو عبد الله: يقال: يقاد بالقاف، فقل لأبي عبد الله: أي شيء كتب

له؟ قال: كتب له هذه الخطبة۔

ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یقاد“ ”قاف“ کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو شاہ رضی اللہ عنہ کے واسطے کیا لکھ کر دیا، فرمایا کہ یہ خطبہ لکھ کر دیا۔

(۱) دیکھئے معارف القرآن (ج ۸ ص ۱۹۴ و ۱۹۵) تفسیر سورة النجم۔

(۲) دیکھئے کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۱۱)۔

اس عبارت میں پہلے جملہ سے مقصد یہ ہے کہ اس مقام پر ”یقاد“ قاف کے ساتھ ”قود“ سے مشتق ہے ”فاد“ نہیں ہے، جو ”مفاداة“ یا ”فدیة“ سے مشتق ہے۔

اور دوسرے جملے سے حضرت ابو شاہ رضی اللہ عنہ نے جو ”اكتب لي يا رسول الله“ عرض کیا تھا اور اس کے جواب میں آپ نے ”اكتبوا لأبي فلان“ فرمایا تھا، اس میں یہ مذکور نہیں تھا کہ کس چیز کی کتابت مقصود ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی کہ خطبہ کی کتابت مراد ہے۔

تنبیہ

واضح رہے کہ ”قال أبو عبد الله.....“ سے آخر تک کی یہ عبارت صرف ایک نسخہ میں ہے، جبکہ ابو ذر، اصیلی، ابو الوقت اور ابن عساکر میں سے کسی نسخہ میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ (۱)

۱۱۳ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرُو قَالَ : أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنْبِهٍ ، عَنْ أَخِيهِ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ : مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي . إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ . تَابِعَهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .

تراجم رجال

(۱) علی بن عبد اللہ

یہ امام علی بن عبد اللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری المعروف بابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے

(۱) إرشاد الساری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

(۲) قولہ ”أما هُرَيْرَةُ“ : الحديث، أخرجه النسائي في سننه الكبرى، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم (۵۸۵۳)، والترمذي في جامعه، في أبواب العلم، باب ما جاء في الرخصة فيه (أي في كتابة العلم)، رقم (۲۶۶۸)۔

حالات کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) سفیان

یہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے ذیل میں مختصراً (۲) اور کتاب العلم، ”باب قول المحدث : حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا“ کے ذیل میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) عمرو

یہ مشہور امام و فقیہ عمرو بن دینار کی جُمحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابو محمد ان کی کنیت ہے۔ (۴)
یہ حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو الطفیل لیثی، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہم کے علاوہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، سعید بن جبیر، ابن ابی ملیکہ، عروہ بن الزبیر، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن یسار، عطاء بن میناء، عکرمہ اور امام زہری رحمہم اللہ جیسے بہت سے حضرات سے روایت کرتے ہیں۔
ان سے روایت کرنے والوں میں امام قتادہ، ایوب سختیانی، عبد الملک بن جریج، جعفر الصادق، امام مالک، امام شعبہ، ابو عوانہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بہت سے حضرات ہیں۔ (۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان شعبۃ لا یقدم علی عمرو بن دینار أحداً، لا الحکم

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۲۵۶)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۲۳۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۸۶)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۶۵)۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۶)۔

ولا غيره، يعني في الثبت“۔ (۱) یعنی ”شعبہ عمرو بن دینار کے مقابلے میں کسی کو مقدم قرار نہیں دیتے تھے“۔

نیز وہ فرماتے ہیں ”وكان عمرو مولی، ولكن الله شرفه بالعلم“۔ (۲)

ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ماكان عندنا أحد أفقه ولا أعلم من عمرو بن

دینار“۔ (۳)

حضرت منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأيت أثبت من عمرو بن دينار والقاسم بن

عبدالرحمن“۔ (۴)

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حدثنا عمرو بن دينار، وكان ثقة ثقة ثقة، وحديث أسمع

من عمرو أحب إلي من عشرين من غيره“۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں ”كان عمرو بن دينار أعلم أهل مكة“۔ (۶)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما رأيت شيخاً أنص للحديث الجيد من هذا

الشيخ“۔ (۷)

امام ترمذی القطان اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عمرو بن دينار أثبت عندي من

قتادة“۔ (۸)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عمرو بن دينار أثبت الناس في عطاء - يعني ابن أبي

ربيع“۔ (۹)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۱) و مسیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۳۰۴)۔

- امام ابو زرہ اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۱)
- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت“۔ (۲)
- ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان يفتي بالبلد..... وكان عمرو ثقة ثبتا كثير الحديث“۔ (۳)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مكي إمام“۔ (۴)
- نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ”تذکرہ“ کی ابتدا میں لکھتے ہیں ”الإمام الكبير الحافظ..... أحد الأعلام وشيخ الحرم في زمانه“۔ (۵)
- امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تابعي ثقة“۔ (۶)
- امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
- ”كان أصحاب ابن عباس ستة: عطاء، وطاووس، ومجاهد، وسعيد بن جبیر، وجابر بن زيد، وعكرمة، فكان أعلم الناس بهؤلاء، عمرو بن دينار، ولقيهم كلهم، وأعلم الناس بعمرو وهؤلاء: سفیان بن عیینة وابن جریج“۔ (۷)
- امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”من الحفاظ، وزيادته مقبولة“۔ (۸)
- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت“۔ (۹)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱۰)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۱)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (ج ۵ ص ۴۸۰)۔

(۴) الکشف (ج ۲ ص ۶۵) رقم (۴۱۵۲)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۳۰۰)۔

(۶) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۲)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۲)، نقلاً عن المعرفة والتاريخ للفسوي (ج ۱ ص ۷۱۳-۷۱۴)۔

(۸) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۳)، نقلاً عن علل الدارقطني۔

(۹) تقریب التہذیب (ص ۴۲۱) رقم (۵۰۲۴)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۶۷)۔

بعض حضرات نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا بھی الزام لگایا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان پر اس قسم کا کوئی الزام ثابت نہیں، چنانچہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”أهل المدينة لا يرضون عمراً، يرمونه بالتشيع، والتحاملي علي ابن الزبير، ولا بأس به، هو بري، مما يقولون“۔ (۱)

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أما عمرو بن دينار الجُمَحِي، عالم الحجاز: فحجة، وما قيل عنه من التشيع: فباطل“۔ (۲)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی راتوں کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک ثلث میں آرام کرتے تھے، ایک ثلث میں اپنی حدیثوں کو یاد کرتے تھے اور ایک ثلث میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ احادیث کو لکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ یاد کرنے پر زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے ”أخرج علي من يكتب عني، فما كتبت عن أحد شيئا، كنت أتحفظ“۔ (۴)

یعنی ”جو شخص مجھ سے حدیث لکھنا چاہے اس کے لئے حرام ہے کہ وہ میری حدیثیں لکھ کر یاد کرے، میں نے کسی سے کوئی حدیث لکھ کر یاد نہیں کی، بلکہ میں زبانی یاد کیا کرتا تھا“۔

فقہ میں مرتبہ امامت پر فائز ہونے کے باوجود زیادہ مسائل نہیں بتاتے تھے، فرمایا کرتے تھے ”يسألوننا عن رأينا، فنخبرهم، فيكتبونه، كأنه نقر في حجر، ولعلنا أن نرجع عنه غدا“۔ (۵)

یعنی ”لوگ ہم سے ہماری رائے پوچھتے ہیں اور ہم بتا دیتے ہیں تو لوگ اسے اس طرح لکھ لیتے ہیں گویا

(۱) سير اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۳۰۲)۔

(۲) مير - الاعتدال (ج ۳ ص ۲۶۰)، رقم (۶۳۶۷)۔

(۳) سير اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۳۰۲)۔

(۴) سير اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۳۰۲)۔

(۵) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۵ ص ۴۸۰)۔

پتھر کی لکیر ہے، کیا بعید ہے کہ ہم کل کلاں اس سے رجوع کر لیں؟“

ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، اس پر اس آدمی نے دوبارہ اصرار کرتے ہوئے عرض کیا ”إن فی نفسی منها شیئا فأجبنی“ یعنی ”میرے دل میں تھوڑا سا تردد ہے، آپ جواب مرحمت فرمائیے“۔ تو انہوں نے جواب دیا ”واللہ لأن یکون فی نفسک مثل أبی قیس أحب إلی من أن یکون فی نفسی منها مثل الشعرة“۔ مطلب یہ ہے کہ ”بخدا! تمہارے دل میں تھوڑا سا تردد ہی نہیں اگر ابو قیس پہاڑ کے برابر تردد بھی ہو تب بھی مجھے ایسا جواب دینا گوارا نہیں جس میں مجھے بال برابر بھی تردد ہو۔ (۱)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن ہشام نے کہا کہ میں تمہارے واسطے وظیفہ مقرر کر دیتا ہوں، تم لوگوں کو فتوے دیا کرو، میں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (۲)

تنبیہ

آپ پیچھے تفصیل سے جان چکے ہیں کہ عمرو بن دینار کی ہیں اور یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ (۳) جبکہ عمرو بن دینار ہی کے نام سے ایک اور راوی بھی ہیں، جو ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں اور ضعیف ہیں۔ (۴) نیز اسی نام سے ایک اور راوی بھی ہیں، جو کوئی ہیں، ان کی کوئی روایت اصول ستہ میں موجود نہیں ہے اور یہ مجہول ہیں۔ (۵)

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۶ھ میں اسی سال کی عمر میں ہوئی۔ (۶)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۵)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۳-۱۶)، وتقریب التہذیب (ص ۴۲۱)، رقم (۵۰۲۵)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶)، وتقریب التہذیب (ص ۴۲۱)، رقم (۵۰۲۶)۔

(۶) الکاشف للذہبی (ج ۲ ص ۷۵) رقم (۴۱۵۲)۔

(۴) وہب بن منبہ

یہ ابو عبد اللہ وہب بن منبہ بن کامل بن سنج بن ذی کبار (۱) الیمانی الصنعانی الأبنوی (۲) رحمۃ اللہ علیہ

ہیں۔ (۳)

یہ ہمام بن منبہ، معقل بن منبہ، غیلان بن منبہ اور عقیل بن منبہ کے بھائی ہیں۔ (۴)

یہ حضرت انس، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ طاووس بن کیسان، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، ہمام بن منبہ اور ابو خلیفہ بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن دینار، سماک بن الفضل، عوف الاعرابی، عاصم بن رجا، بن حیوۃ، اسرائیل ابو موسیٰ، عقیل بن معقل بن منبہ، منذر بن النعمان، المغیرہ بن حکیم، صالح بن عبید اور عبد الکریم بن حوران رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تابعی ثقہ، وکان علی قضاء صنعاء“۔ (۶)

امام ابو زرعد اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقہ“۔ (۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وکان عابداً فاضلاً، قرأ

الکتب.....“۔ (۸)

(۱) کل من کان من اهل اليمن له "ذی" هم شريف، يقال: فلان له ذی، وفلان لادی له۔ سیر اعلام النبلاء (ج ۴ ص ۵۴۵)،

وتهدیب الکمال (ج ۳۱ ص ۱۴۲)۔

(۲) بفتح الهمزة، منسوب إلى "الأبناء" بناءً موحدة لم يوں، وهم کل من ولد من أبناء الفرس الذین وجہہم کمبری مع سیف بن

ذی مرث۔ عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۶۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۱۴۰)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۸۸)۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۱۴۰-۱۴۲)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۱۴۲)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۸۷)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وروايته للمسند قليلة، وإنما غزارة علمه في

الإسرائيليات، ومن صحائف أهل الكتاب“۔ (۱)

یہ شروع میں قدریہ کی طرف مائل تھے، اس سلسلہ میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، پھر یہ اس پر نادم

ہوئے اور اس سے رجوع کر لیا، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان يتهم بشيء من القدر،

ثم رجع“۔ (۲)

ابو سنان نقل کرتے ہیں:

”سمعت وهب بن منبه يقول: كنت أقول بالقدر، حتى قرأت بضعة وسبعين

كتاباً من كتب الأنبياء، في كلها: من جعل إلى نفسه شيئاً من المشيئة فقد كفر،

فتركت قولي“۔ (۳)

یعنی ”میں پہلے قدری عقیدہ رکھتا تھا، حتیٰ کہ میں نے سابقہ انبیاء کرام کی ستر سے زائد کتابیں

پڑھیں، ان سب میں یہ بات لکھی تھی کہ جو کوئی شخص مشیت و ارادہ میں اپنے آپ کو مختار کل سمجھے

گا وہ کافر ہوگا، سو میں نے اپنا وہ عقیدہ ترک کر دیا“۔

امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان وهب كتب كتاباً في القدر، ثم حدث أنه ندم

عليه“۔ (۴)

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دخلت على وهب داره بصنعاء، فأطعمني جوزاً من جوزة في داره، فقلت له:

وددت أنك لم تكن كتبت في القدر! فقال: أنا والله وددت ذلك“۔ (۵)

(۱) سیر اعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۵۴۵)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۱۶۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۱۴۷)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

یعنی ”مطلب یہ ہے کہ میں وہب بن منبہ کے گھر گیا، انہوں نے مجھے اپنے گھر کا ناریل کھلایا، میں نے کہا کہ میری خواہش تھی کہ آپ ”قدر“ سے متعلق کچھ نہ لکھتے! تو کہنے لگے کہ بخدا! اب میرا بھی یہی خیال ہے کہ کاش! میں نہ لکھتا۔“

عمر بن علی الفلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ضعیفا“۔ (۱)
لیکن علماء نے فلاس رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو قبول نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلاس کے قول کی بنیاد وہی اتہام بالقدر ہے اور اس سے ان کا رجوع ثابت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”وَتَقَّهَ الْحَمَّاهُ وَشَذَّ الْفَلَّاسُ، فَقَالَ: كَانَ ضَعِيفًا، وَكَانَ شَبَّهَتْهُ فِي ذَلِكَ أَنَّهُ كَانَ

بَتُّهُمْ بِالْقَوْلِ بِالْقَدْرِ، وَصَنَّفَ فِيهِ كِتَابًا، ثُمَّ صَحَّ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ“۔ (۲)

اسی طرح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ ثِقَّةً، صَادِقًا، كَثِيرَ النُّقْلِ مِنْ كُتُبِ الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ وَقَدْ صَعَفَهُ الْفَلَّاسُ وَحْدَهُ، وَ

وَتَّقَّهَ جَمَاعَةٌ“ (۳)

اس کے بعد انہوں نے ان کے قدر یہ کی طرف میلان اور اس سے ان کے رجوع کا ذکر کیا ہے۔ (۴)
پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بخاری شریف میں ”وہب بن منبہ“ کی سوائے اس ایک روایت کے اور کوئی روایت نہیں ہے، اس میں بھی ان کی متابعت کی گئی ہے (۵)، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً

۱۱۴ھ میں ان انتقال ہوا۔ (۶)

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۱۶۸)۔

(۲) ہدی الساری (ص ۴۵۰)۔

(۳) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۳۵۲ و ۳۵۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) ہدی الساری (ص ۴۵۰)۔

(۶) الکاشف (ج ۲ ص ۳۵۸)، رقم (۶۱۱۶)۔

(۵) أخیه

”أخ“ سے مراد ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

یہ ہمام بن منبہ بن کامل بن سبج بن ذی کبار الیمانی الصنعانی النابٹاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱)

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ان کے بھتیجے عقیل بن معقل بن منبہ، علی بن الحسن، معمر بن راشد اور وہب بن منبہ رحمہم اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ (۲)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۳)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یمانی تابعی ثقة“۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... المحدث المتقن“۔ (۵)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... واتفقوا علی توثيقه.....“۔ (۶)

ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ (۷)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

صحیفہ ہمام بن منبہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان ہی ہمام بن منبہ کو ڈیڑھ سو کے قریب حدیثیں لکھوائی تھیں، یہ نوشتہ

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۹۸)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۹۹)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۹۹)، و تاریخ الدارمی (ص ۲۲۴) رقم (۸۵۱)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۶۷)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۳۱۱)۔

(۶) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۴۰)۔

(۷) الکاشف (ج ۲ ص ۳۳۹) رقم (۵۹۸۴)۔

”الصحيفة الصحيحة“ کے نام سے معروف ہے، یہ صحیفہ ”صحيفة همام بن منبه“ کے نام سے مطبوع و متداول ہے۔

اس صحیفہ کی درس و تدریس کا سلسلہ صدیوں بعد تک جاری رہا، چونکہ اس کی سب حدیثیں بعد کے مؤلفین مثلاً امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنی کتابوں میں بعینہ نقل کر دی ہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی الگ تدریس کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ۸۵۶ھ میں تقریباً ختم ہو گیا۔ یہ رسالہ صدیوں سے نایاب تھا، مگر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس کے صدیوں پرانے دو قلمی نسخے دمشق (شام) اور برلن (جرمنی) کے کتب خانوں میں فاضل محقق جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو دستیاب ہو گئے، اور انہوں نے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں اسے اپنے فاضلانہ مقدمے اور قابل رشک تحقیق و ترجمہ کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

حدیث کی دستیاب کتب میں یہ سب سے قدیم ترین تالیف ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تالیف ان کی وفات سے پہلے ہی کی ہے۔ (۱) واللہ اعلم

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ کے تحت گزر چکے

ہیں۔ (۲)

ما من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد أكثر حديثاً عنه مني إلا ما

كان من عبد الله بن عمرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والا نہیں، ہاں!

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں کہ ان کی حدیثیں مجھ سے زیادہ ہیں۔

(۱) دیکھئے ”کتابت حدیث عبد رسالت و عبد صحابہ میں“ (ص ۱۳۴، ۱۳۵)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

فإنه كان يكتب ولا أكتب

اس لئے کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

یہ اس بات کی علت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیثیں زیادہ تھیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کم۔

اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہیں، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے (۱) اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث کی تعداد صرف سات سو ہے۔ (۲) جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد کے مقابلہ میں تقریباً ساتواں حصہ ہے۔

اس کا جواب ہم کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے ذیل میں تفصیلاً دے چکے ہیں۔ (۳) جس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشغلہ زیادہ تر تعلیم و تعلم رہا ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا مشغلہ زیادہ تر عبادت کا رہا ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رہے، جہاں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ تھی، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما زیادہ تر مصر اور طائف میں رہے، جہاں علم کا چرچا اتنا نہیں تھا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعائیں تھیں۔

(۱) دیکھئے فتح المغیث للسخاوی (ج ۴ ص ۱۰۲)۔

(۲) فتح المغیث للسخاوی (ج ۴ ص ۱۰۲ و ۱۰۳) ومعرفة الصحابة (ج ۳ ص ۱۹۷)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۶۰)۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو غزوہ یرموک کے موقع پر کچھ اہل کتاب کے صحائف مل گئے تھے، جن کو وہ دیکھا کرتے تھے، بہت سے ائمہ تابعین نے اس وجہ سے ان سے روایات نہیں لیں۔
ان وجوہات کی وجہ سے ہم تک ان کی روایات کم پہنچیں۔ (۱) واللہ اعلم

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تصریح فرما رہے ہیں کہ وہ حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے ”فإنہ کان یکتب ولا أکتب“ جبکہ ”مستدرک حاکم“ اور ”جامع بیان العلم وفضله“ میں حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی ایک حدیث روایت کی، انہوں نے اس کا انکار کیا، میں نے اصرار کیا کہ یہ روایت میں نے آپ سے سنی ہوئی ہے تو انہوں نے فرمایا ”إن كنت سمعته مني فإنه مكتوب عندي“ اس کے بعد وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اپنی کتابوں میں سے ایک کتاب دکھائی، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھی، وہاں وہ حدیث مل گئی، فرمایا ”قد أخبرتك أني إن كنت حدثتك به فهو مكتوب عندي“ (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث لکھا کرتے تھے، اس طرح دونوں حدیثوں میں تعارض ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں بعض حضرات نے ترجیح کے طریقہ کو اختیار کیا ہے اور بعض نے طریق جمع و تطبیق کو۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں ”هذا منكر لم يصح“۔ (۳)

اسی طرح حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وحدیثہ ذاک أصح فی النقل من هذا، لأنه

أثبت إسناداً عند أهل الحديث، إلا أن الحديثين قد يسوغ التأول في الجمع بينهما“۔ (۴)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۳۰۷)۔

(۲) دیکھئے المستدرک (ج ۳ ص ۵۱۱) کتاب معرفة الصحابة، ذکر أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، وجامع بيان العلم وفضله

(ج ۱ ص ۳۲۴)، باب ذكر الرحمة في كتاب العلم، رقم (۴۲۲)۔

(۳) تلخیص المستدرک ص ۵۱۱ المستدرک (ج ۳ ص ۵۱۱)۔

(۴) جامع بیان العلم وفضله (ج ۱ ص ۳۲۴)۔

گویا یہ حضرات صحیح بخاری کی حدیث کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس حدیث کو ضعیف ہونے کی وجہ سے رد کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کے سلسلہ میں فرماتے ہیں ”ویمکن الجمع بأندہ لم یکن یکتب فی العهد النبوی ثم کتب بعدہ“۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کتابت کی نفی فرمانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے متعلق ہے، جبکہ انہوں نے بعد میں حدیثیں لکھی ہیں۔ (۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بڑھ کر مضبوط بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے نہیں لکھتے تھے اور جو مکتوب شکل میں حدیثیں ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ (۲) واللہ اعلم۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .

معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے ہمام عن ابی ہریرۃ سے روایت کرنے میں وہب بن منبہ کی متابعت کی ہے۔

تراجم رجال

(۱) معمر

یہ معمر بن راشد از دی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی پانچویں حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں، تاہم یہاں ان کے قدرے تفصیلی حالات لکھے جا رہے ہیں۔

یہ مشہور امام معمر بن راشد از دی، محدثی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو عروہ ہے۔ (۳)

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۰۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۳۰۳)۔

یہ ثابت بنانی، قتادہ، زہری، عاصم الاحول، ایوب سختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، یحییٰ بن ابی کثیر، امام اعمش، ہمام بن منبہ، ہشام بن عروہ، محمد بن المنکدر اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شیوخ یحییٰ بن ابی کثیر، ابواسحاق سبیعی، ایوب سختیانی، عمرو بن دینار کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ، ابان بن یزید العطار، اسماعیل بن علقمہ، امام شعبہ، ہشام الدستوائی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک، عبد الرزاق بن ہمام، محمد بن جعفر غندر اور محمد بن کثیر صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أثبت الناس في الزهري: مالك ومعمّر.....“ (۲)

نیز وہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۳)

عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”معمّر من أصدق الناس“۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”معمّر بن راشد بصري سكن اليمن، ثقة، رجل

صالح“۔ (۵)

يعقوب بن شيبه رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ومعمّر ثقة، وصالح الثبت عن الزهري“۔ (۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”معمّر بن راشد الثقة المأمون“۔ (۷)

ابن جرتج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عليكم بهذا الرجل - يعني معمراً - فإنه لم يبق أحد من

أهل زمانه أعلم منه“۔ (۸)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۰۴-۳۰۶)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۹۴)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۰۹)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۱۰)۔

(۸) حوالہ بالا۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۱)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”معمر ثقة مأمون“۔ (۲)

امام خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أثنى عليه الشافعي“۔ (۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”نعم الرجل كان معمر، لولا روايته التفسير عن

قتادة“۔ (۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لست تصم معمرأ إلى أحد إلا وجدته فوقه“۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وكان فقيها متقنا،

حافظاً، ورعاً“۔ (۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان معمر رجلاً له حلم ومروءة ونبل في نفسه“۔ (۷)

البتہ امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی توثیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی منقول ہے ”إذا حدثك

معمر عن العراقيين فخالفه، إلا عن ابن طاووس والزهري، فإن حديثه عنهما مستقيم، فأما أهل

الكوفة وأهل البصرة فلا، وما عمل في حديث الأعمش شيئاً“۔ (۸)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”وحدث معمر عن ثابت، وعاصم بن أبي النجود، وهشام بن

عروة، وهذا الضرب، مضطرب كثير الأوهام“۔ (۹)

(۱) دیکھئے سنن الدار قطنی (ج ۱ ص ۱۶۴)۔

(۲) دیکھئے المحلی لابن حزم (ج ۹ ص ۴۴۱) کتاب النکاح۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۴۵)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۹)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۰)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۴۸۴)۔

(۷) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۵ ص ۵۴۶)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۴۵)۔

(۹) حوالہ بالا۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما حدث معمر بالبصرة فيه أغاليط، وهو صالح

الحديث“۔ (۱)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سبب الحفظ لحديث قتادة والأعمش“۔ (۲)

حاصل ان تمام اقوال کا یہ ہے کہ امام معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت و جلالت شان پر اتفاق ہے، تاہم یہ جب یمن سے دوبارہ بصرہ گئے تو وہاں انہوں نے اپنے حافظہ کی مدد سے حدیثیں سنائیں، جن میں غلطیاں ہوئیں، چنانچہ ان کی وہ حدیثیں جو وہ اعمش، ثابت بنانی، عاصم بن ابی النخود، ہشام بن عروہ اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں وہ اس قدر قوی نہیں ہیں جس قدر قوی دوسری روایتیں ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں ان کی جو روایتیں لی ہیں وہ امام زہری، ابن طاووس، ہمام بن منبہ، یحییٰ بن ابی کثیر، ہشام بن عروہ، ایوب سختیانی، ثمامہ بن انس اور عبد الکریم جزری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے روایت کردہ ہیں، امام اعمش کی کوئی روایت نہیں لی، اسی طرح امام قتادہ اور ثابت بنانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی احادیث تعلیقاً لائی گئی ہیں، اہل بصرہ میں سے جس کی روایت بھی لی اس کی متابعت موجود ہے۔ (۳)

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أحد الأعلام الثقات، له أوهام معروفة، احتملت له

في سعة ما أتقن“۔ (۴)

یعنی ”یہ ثقاتِ اعلام میں سے ہیں، ان کے کچھ اوہام ہیں جو معروف ہیں، لیکن ان کی متقن روایات کی کثرت کے پیش نظر ان معمولی اوہام والی روایات کا تحمل کر لیا گیا ہے“۔ واللہ اعلم

امام معمر اصلاً تو بصرہ کے رہنے والے تھے، لیکن جب یہ صنعاء گئے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے پر

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۰۹ و ۳۱۰)۔

(۲) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۱۲)۔

(۳) قالہ الحافظ فی ہدی الساری (ص ۴۴۴ و ۴۴۵)۔

(۴) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۱۵۴)، رقم (۸۶۸۲)۔

تولنے لگے تو وہاں کے اصحاب نے سوچا کہ ان جیسے صاحب کمال کو یمن سے جانے نہیں دینا چاہئے، چنانچہ وہاں کے اصحاب رائے نے یہ تدبیر کی کہ ان کا نکاح کرادیا، پھر وہ وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ (۱)
 رمضان ۱۵۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۲) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۲) ہمام

یہ ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی اسی باب کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

مذکورہ متابعت کی تخریج

اس متابعت کو موصولاً، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مصنف“ میں (۴) اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ”جامع بیان العلم وفضله“ میں (۵) تخریج کیا ہے۔

نیز حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وأخرجها أبو بكر بن علي المروزي في كتاب العلم له عن حجاج بن الشاعر عنه“۔ (۶)

نیز وہ فرماتے ہیں ”وقد تابع حجاجا عليه أحمد بن منصور الرمادي، رواه البغوي في شرح

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۰۹)۔

(۲) ”کاشف“ (ج ۲ ص ۲۸۲) رقم (۵۵۶۷)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

(۴) مصنف عبد الرزاق (ج ۱ ص ۲۵۹) باب العلم، باب کتاب العلم، رقم (۲۰۴۸۹)۔

(۵) جامع بیان العلم وفضله (ج ۱ ص ۲۹۹) باب ذکر الرخصة في كتاب العلم، رقم (۳۸۷)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۰۷)۔

السنة من طريقه، رواه ابن منده في الوصية من طريق مجاهد عن أبي هريرة نحوه“۔ (۱)

مذکورہ متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد

اس متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ چونکہ وہب بن منہ رحمۃ اللہ علیہ باوجود ثقہ ہونے کے ان پر بعض علماء نے کلام کیا ہے، چنانچہ پیچھے فلاس رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ یہ اسرائیلیات بھی بہت روایت کرتے تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابعت ذکر کر کے بتا دیا کہ وہب کی یہ روایت قوی ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث سے، نیز اس سے پہلی حدیث میں ”اكتبوا لأبي شاه“ سے اور اسی طرح اس باب کی پہلی حدیث سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کتابت حدیث کی اجازت مستفاد ہو رہی ہے، جہاں تک ممانعت کتابت حدیث کا تعلق ہے سو اس کا ہم تفصیلاً مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ (۲)

۱۱۴ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو وَهْبٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ^(۳) قَالَ : لَمَّا أَشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ : (أَتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ) . قَالَ عُمَرُ : إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا . فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ ، قَالَ : (قُومُوا عَنِّي ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ) . فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ : إِنَّ الرِّزْيَةَ كُلَّ الرِّزْيَةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ كِتَابِهِ .

[۲۸۸۸ ، ۲۹۹۷ ، ۴۱۶۸ ، ۴۱۶۹ ، ۵۳۴۵ ، ۶۹۳۲]

(۱) دیکھئے تعلیق التعليق (ج ۲ ص ۹۲)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۸-۳۱)۔

(۳) قولہ ”عن ابن عباس“: الحديث أخرجه البخاري في صحيحه (ج ۱ ص ۴۲۹) في كتاب الجهاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)، و (ج ۱ ص ۴۴۹) في كتاب الحزبة والموادعة، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، رقم (۳۱۶۸)، و (ج ۲ ص ۶۳۸) كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم (۴۴۳۱) و (۴۴۳۲)، و (ج ۲ ص ۸۴۶ و ۸۴۷) كتاب المرضى، باب قول المريض: قوموا عني، رقم (۵۶۶۹)، و (ج ۲ ص ۱۰۹۴) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب كراهية الخلاف، رقم (۷۳۶۶)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء، يوصي فيه، رقم (۴۲۳۲-۴۲۳۴)۔

تراجم رجال

(۱) یحییٰ بن سلیمان

یہ ابوسعید یحییٰ بن سلیمان بن یحییٰ بن سعید جعفی مقرئ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ مصر میں بھی سکونت پذیر رہے۔ (۱)

یہ عبد اللہ بن وہب، اسماعیل بن علیہ، حفص بن غیاث، محمد بن فضیل بن غزوان، وکیع بن الجراح، ابوبکر بن عیاش اور ابو خالد الاحمر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، احمد بن الحسن ترمذی، حسن بن علی الحلوانی، ابوزرعة رازی، ابو حاتم رازی اور محمد بن یحییٰ ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۲)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شیخ“۔ (۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

مسلمہ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لابأس به، وكان عند العقيلي ثقة، وله أحاديث

مناكير“۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صويلح“۔ (۶)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا ”ربما أغرب“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۳۶۹ و ۳۷۰)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۳۷۰ و ۳۷۱)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۳۷۱)۔ لفظ ”شیخ“ تعدیل کے الفاظ میں سے ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمة الکاشف للشیخ محمد عوامۃ حفظہ اللہ (ص ۴۵ و ۴۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۲۲۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الکاشف للذہبی (ج ۲ ص ۳۶۷)، رقم (۶۱۸۱)۔

(۷) الثقات لابن حبان (ج ۹ ص ۲۶۳)۔

البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تضعیف کی ہے، فرمایا ”لیس بثقة“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق یخطئ“۔ (۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں ”وكان النسائي

سبیء الرأي فيه“۔ (۳)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول ”صدوق یخطئ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض محققین

کہتے ہیں:

”بل صدوق، حسن الحديث، فقد روى عنه جمع من الثقات، منهم: البخاري

في الصحيح، وأبو حاتم، وقال: شيخ، وثقه العقيلي والدارقطني، وذكره ابن حبان

في الثقات وقال: يُعرب، وضعفه النسائي وحده، وقال مسلمة بن قاسم

الأندلسي: لا بأس به..... وله أحاديث منكير“۔ (۴)

یعنی ”ان کا مرتبہ ”صدوق یخطئ“ کے بجائے ”صدوق حسن الحديث“ ہونا چاہئے، کیونکہ

ان سے ثقات کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ

انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے، اس طرح ان میں ابو حاتم بھی ہیں جو فرماتے ہیں

”شیخ“۔ عقیلی اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا

اور فرمایا کہ کبھی وہ غریب حدیثیں بھی نقل کر جاتے ہیں، البتہ صرف امام نسائی نے تنہا ان کی

تضعیف کی ہے نیز مسلمہ بن قاسم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ”لا بأس

به“ اور فرمایا کہ ان کی کچھ احادیث منکر ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اول تو ان کی زیادہ احادیث نہیں

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۳۷۱)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۵۹۱)، رقم (۷۵۶۴)۔

(۳) ہدی الساری (ص ۴۵۱)۔

(۴) تحریر تقریب التہذیب للدکتور بشار عواد معروف، والشیخ شعیب الأرناؤوط (ج ۴ ص ۸۷) رقم (۷۵۶۴)۔

لیں، بلکہ ان کی کچھ احادیث لی ہیں، جو معروف ہیں اور ابن وہب سے مروی ہیں۔ (۱) واللہ أعلم
تکبیری بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۷ھ میں ہوا۔ (۲)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۲) ابن وہب

یہ مشہور امام حدیث و فقہ ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم قرشی، فہری، مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے
حالات کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) یونس

یہ یونس بن یزید ایللی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ
خیراً یفقہ فی الدین“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۴) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً
”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۵)

(۵) عبید اللہ بن عبد اللہ

یہ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے

(۱) ہدی الساری (ص ۴۵۱)۔

(۲) الکاشف للذہبی (ج ۲ ص ۳۶۷) رقم (۶۱۸۱)۔

(۳) کشف الباری (ج ۳ ص ۲۳۸)۔

(۴) کشف الباری (ج ۳ ص ۲۴۲)۔

(۵) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

حالات کتاب العلم، ”باب متی یصح سماع الصغیر؟“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۶) ابن عباس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات ”بدء الوحي“ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۲) اور

کتاب الإیمان، ”باب کفران العشیر و کفر دون کفر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

قال: لما اشتد بالنبي صلى الله عليه وسلم وجعه قال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں شدت

پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا۔۔۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا واقعہ ہے، آپ تقریباً دو ہفتے بیمار رہے، پنجشنبہ

(جمعرات) سے آپ کی بیماری شدید ہو گئی تھی اور یہ جمعرات کے دن کا واقعہ تھا، اس کے بعد پیر کے روز آپ کا

وصال ہو گیا، گویا آپ نے اپنے وصال سے چار روز پہلے یہ ارشاد فرمایا۔ (۴)

ایتونی بکتاب أكتب لكم كتاباً لاتضلوا بعده

میرے پاس لکھنے کا سامان لے آؤ کہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ

ہو سکو۔

یہاں پہلے لفظ ”کتاب“ سے ”أدوات الكتاب“ مراد ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں تصریح

موجود ہے ”ایتونی بالکتف والدواة أو اللوح والدواة“ (۵) اس میں ”کتف“ سے مراد کندھے کی ہڈی

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۳۲۷)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۵)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۰۵)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۲۹) کتاب الجہاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)۔

(۵) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ترك الوصیة لمن ليس له شيء، یوصي فيه، رقم (۴۲۳۳)۔

ہے، اس قسم کی چیزوں پر یہ حضرات لکھا کرتے تھے۔ (۱)

دوسرے لفظ ”کتاب“ سے ”مکتوب“، یعنی تحریر مراد ہے اور ”اكتب“ اور ”لا تظنوا“ جواب امر واقع

ہیں، اس لئے مجزوم ہیں۔ (۲)

قال عمر: إن النبي صلى الله عليه وسلم غلبه الوجع، وعندنا كتاب الله، حسبنا، فاختلفوا، وكثر اللغط، قال: قوموا عني، ولا ينبغي عندي التنازع، فخرج ابن عباس يقول: إن الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كتابه

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کی شدت ہے اور ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے، سو صحابہ کرام میں اختلاف ہوا اور شور و غل زیادہ ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے پاس لڑنا جھگڑنا درست نہیں، حضرت ابن عباس (نے جب یہ حدیث روایت کی تو) یوں کہتے ہوئے نکلے: ہائے مصیبت! وائے مصیبت! جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کیوں کی؟ آیا روافض کے بقول کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استحقاق خلافت ظاہر کرنا چاہتے تھے؟ کیا آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا استحقاق نہیں تھا؟ ان تمام امور کا ان شاء اللہ قدرے تفصیل سے ہم جائزہ لیں گے۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

حضور اکرم ﷺ

کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو احتمال ہیں:-

ایک یہ کہ آپ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا نام لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں کہ اس سے فتنہ و ضلال کا دروازہ کھل جاتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام دین لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ اختلاف رفع ہو جائے۔ (۱)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے اہل علم نے پہلے احتمال کو رائج قرار دیا ہے (۲)، جس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے:

”عن عائشة قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه: ادعي لي أبا بكر أباك، وأخاك، حتى أكتب كتاباً، فإنني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر“۔ (۳)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت کے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں تحریر لکھواؤں، کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرتا ہوا کہے گا کہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔“

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے یہ فرمایا تھا

(۱) أعلام الحديث (ج ۱ ص ۲۱۷ و ۲۱۸)۔

(۲) عمدة الفاري (ج ۲ ص ۱۷۱)۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۸۱)۔

”ایتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً“ کہ دیکھیں! یہ حضرات قرآن و حدیث پر پوری طرح عمل کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”حسبنا کتاب اللہ“ تو آپ کو یقین ہو گیا۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا ”لاتصلوا بعدہ“ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد امتحان ہوتا تو ”لاتصلوا بعدہ“ کیوں کہتے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے مخالفت کیوں کی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اس موقع پر تحریر کی مخالفت کی، اس کو کسی غلط محمول پر محمول کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں متہم کیا جاسکتا ہے، غور کرنے سے اس مخالفت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ جل شانہ نے دین کو مکمل کر دیا ہے اور ایک معلوم و متعین طریقہ پر دین کا کام جاری و ساری ہو چکا، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تکلیف کی شدت کا عالم ہے اور وصال کا وقت بھی قریب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح دوسرے لوگوں کو امراض و آلام لاحق ہوتے ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ مستثنیٰ نہیں بلکہ آپ کے اوپر ان آلام و امراض کا اثر عام لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے ”إني أوعك كما يوعك رجال منكم“ (۱) یعنی ”مجھے اتنا شدید بخار ہوتا ہے جس قدر تم میں سے دواشخاص کو“۔

اسی طرح ارشاد ہے ”اللهم إنما محمد بشر يغضب كما يغضب البشر“۔ (۲) اسی طرح آپ کا

ارشاد ہے ”إنا معشر الأنبياء يضاعف لنا البلاء“۔ (۳)

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۸۴۳)، كتاب المرضى، باب أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأول فالأول، رقم (۵۶۴۸)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب من لعنه النبي صلى الله عليه وسلم، أو دعا عليه، وليس هو أهلاً

لذلك: كان له زكاة وأحرا ورحة، رقم (۶۶۲۲)۔

(۳) مسند أحمد (ج ۳ ص ۹۴)، مسند أبي سعيد الحدری رضي الله عنه، وانظر السنن لابن ماجة، كتاب الفتن، باب الصبر

على البلاء، رقم (۴۰۲۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایسے موقع پر کسی تحریر کے لکھوانے سے منافقین وغیرہ کو تلبیس کا موقع مل جاتا، مثلاً وہ کسی دوسری تحریر کو پیش کر کے کہہ سکتے تھے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ایسے موقع پر تحریر کی خاص ضرورت نہیں، تمام امور دین، ہمیں معلوم ہیں، اصول و قواعد کے لئے ”کتاب اللہ“ موجود ہے، لہذا فی الحال اس تحریر کی ضرورت نہیں۔ (۱)

خاص طور پر اس لئے بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزاج رسول کے شناسا تھے، موارد کلام کی حیثیت کو پہچانتے تھے، آپ وجوہاً اور حتماً کوئی کلام ارشاد فرما رہے ہیں یا نہ یا اور ارشاداً، اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ ان باتوں کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ”عندنا کتاب اللہ حسبنا“ کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرادی کہ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، انشاء اللہ یہ امت من حیث المجموع ضلال پر مجتمع نہیں ہوگی، ہمارے پاس ”کتاب اللہ“ موجود ہے۔

اور اگر خلافت ہی کی بات لکھوانا چاہتے تھے، تب بھی بات واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا چکے تھے، مرض وفات کے ایام میں آپ کو امامت کا حکم بھی دے چکے، اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ خلیفہ کے طور پر کس کو نامزد کرنا چاہتے تھے، اس لئے بھی یہ تحریر لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات وجوبی ہوتے ہیں، ان میں نہ کسی سے آپ مشورہ لیتے ہیں اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی مراجعت کرتا ہے، لیکن بعض اوقات آپ کے ارشادات وجوبی نہیں ہوتے، ایسی صورت میں آپ مشورے بھی کرتے ہیں اور آپ کی بات پر صحابہ کرام مراجعت بھی کر لیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن و شواہد سے جان لیا کہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں بھی ہیں اور یہ ارشاد آپ کا وجوبی بھی نہیں، پھر یہ کہ آپ جو کچھ تحریر کروانا چاہ رہے ہیں اس پر عمل ہو بھی رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، اس لئے انہوں نے اس موقع پر تحریر کی مخالفت کی۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی وجوہی حکم ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نہیں، پوری دنیا بھی آپ کی مخالفت کرتی تو آپ کو اس حکم کے بجالانے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا، آپ کا اس موقع پر یا اس کے بعد فرصت ملنے کے باوجود تحریر کا نہ لکھوانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ حکم وجوہی نہیں تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی راحت کی خاطر اس تحریر کو لکھوانے کی مخالفت کی، یہ کسی قسم کی بے ادبی یا گستاخی ہرگز نہیں۔

دیکھئے صلح حدیبیہ کے موقع پر ”صلح نامہ“ لکھواتے ہوئے جب مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا ”امحہ“۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غایت محبت و وفور جذبات میں عرض کیا ”واللہ، لا أمحو أبداً“ (۱) اس پر نہ آپ ناراض ہوئے اور نہ کوئی اور ناراض ہوا۔

پھر یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس حکم کے مخاطب صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تو نہیں تھے، بلکہ سب اہل بیت تھے، وہاں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے تو سب شور و غل کرتے رہے، مگر کوئی کاغذ نہیں لایا، کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سب کا راستہ روکے کھڑے تھے کہ ان میں کوئی ایسا نہ نکلا جو قلم دوات لے آتا، اگر کہا جائے کہ کاغذ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے لے کر نہیں آئے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شیر خدا تھے، ان کے بہادر اور شجاع ہونے میں کوئی شک نہیں تھا، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ڈر گئے؟!

حاصل یہ کہ آپ فریقین میں سے کسی کی رائے سے ناراض نہیں تھے، وگرنہ سزا دیتے یا بلیغ تنبیہ فرماتے، یا کم از کم دوبارہ تاکید حکم فرماتے اور حضرت عمر کو ڈانٹ دیتے، البتہ اس شور کی وجہ سے وقتی طور پر کچھ متاثر ہوئے اور اس پر ایک درجہ میں ناگواری بھی ہوئی۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

یہاں یہ بھی امکان ہے کہ آپ اس موقع پر وہ وصیتیں لکھوانا چاہ رہے ہوں جو بعد میں آپ نے کیں،

(۱) السيرة الحلیة (ج ۳ ص ۲۰)، غزوة الحديبية۔

(۲) دیکھئے فضل الباری (ج ۲ ص ۱۴۹-۱۵۲)۔

چنانچہ آپ نے مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالنے (۱)، آنے والے وفود کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے (۲)، عمل بالقرآن کرنے (۳)، جیش اسامہ کو اپنے ہدف کی طرف بھیجنے (۴)، نمازوں کا اہتمام کرنے (۵)، غلاموں کے حقوق کی رعایت کرنے (۶) اور آپ کی قبر مبارک کو بت پرستی کی آماجگاہ نہ بنانے (۷) کی وصیتیں فرمادیں۔

واقعہ قرطاس

اس حدیث کو ”حدیث قرطاس“ کہتے ہیں اور یہ واقعہ ”واقعہ قرطاس“ کہلاتا ہے۔ اس واقعہ کی بنیاد پر روافض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خوب طعن و تشنیع کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ دراصل خلیفہ بلا فصل ہونے کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، آپ اسی کو لکھوانا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو (معاذ اللہ) اس سے روک دیا۔ اس سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی احق بالخلافۃ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق کوئی تحریر لکھوانا نہیں چاہتے تھے۔

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۲۹) کتاب الجہاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قال الداودي: وجزم به ابن التين۔ انظر فتح الباري (ج ۸ ص ۱۳۵)، کتاب المغازی، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته۔

(۴) قاله المهلب، وقواه ابن بطل، انظر شرح صحيح البخاري لابن بطل (ج ۵ ص ۲۱۵) کتاب الجہاد، باب جوائز الوفود۔

(۵) قاله الحافظ احتمالاً۔ فتح الباري (ج ۸ ص ۳۵)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) قاله عياض، فتح الباري (ج ۸ ص ۱۳۵)۔

استحقاق خلافت

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ہم ذیل میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت سے متعلق روایات ذکر کر رہے ہیں:-
۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه: ادعي لي أبا بكر أباك وأخاك، حتى أكتب كتاباً، فإني أخاف أن يتمنى متمن، ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر“۔ (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں مجھ سے فرمایا، میرے لئے اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلواؤ، تاکہ میں تحریر لکھ دوں، کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا یوں کہے کہ میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں، جبکہ اللہ اور اہل ایمان کو ابوبکر کے سوا کوئی اور منظور نہیں“۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقت بالخلافۃ بداہتہ ثابت ہو رہی ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے:

”..... لقد هممت - أو أردت - أن أرسل إلى أبي بكر وابنه، وأعهد، أن يقول القائلون، أو يتمنى المتمنون، ثم قلت: يأبى الله ويدفع المؤمنين، أو يدفع الله ويأبى المؤمنين“۔ (۲)

یعنی ”میرا ارادہ ہوا کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجوں اور وصیت کر دوں، اس ڈر سے کہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۸۱)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۸۴۶)، کتاب المرضی، باب قول المريض: إني وجع، أو وارأساه! أو اشتد بي الوجع، رقم

(۵۶۶۶)، (ج ۲ ص ۱۰۷۲) کتاب الأحكام، باب الاستخلاف، رقم (۷۲۱۷)۔

کہنے والے کہنے لگیں اور تمنا کریں کہ خلافت انہیں ملنی چاہئے، پھر سوچا کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان خود اس کو رد کر دیں گے۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

”سمعت أذناي ووعاه قسبي من رسول الله صلى الله عليه وسلم: الناس تبع

لقريش، صالحهم تبع لصالحهم، وشرارهم تبع لشرارهم۔“ (۱)

یعنی ”لوگ ہر صورت میں قریش کے تابع ہیں، ان کے نیکو کار نیکو کاروں کے تابع اور ان کے بدکار بدکاروں کے تابع۔“

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

”أبو بكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين، ما خلا النبيين والمرسلين، لا تخبرهما يا علي“۔ (۲)

یعنی ”ابو بکر اور عمر جنت کے ادھیڑ عمر حضرات کے سردار ہوں گے، ماسوائے انبیاء و رسل کے، لیکن اے علی! ان کو مت بتانا۔“

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

”رحم الله أبا بكر زوجني ابنته، وحملني إلى دار الهجرة، وأعتق بلالاً من ماله، رحم الله عمر، يقول الحق وإن كان مرأاً، تركه الحق وماله صديق، رحم الله عثمان تستحييه الملائكة، رحم الله علياً، اللهم أدر الحق معه حيث دار۔“ (۳)

یعنی ”اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی، مجھے دار ہجرت تک لے کر آئے اور اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، حق بات

(۱) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۰۱) رقم (۷۹۰) من مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه۔

(۲) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۶۶)۔

(۳) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۳۷۱۴)۔

کہتے ہیں اگرچہ کڑوی ہو، حق بات نے ان کو یہاں تک پہنچایا کہ ان کا کوئی دوست نہیں، اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے کہ ملائکہ بھی ان سے شرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ علی پر رحم فرمائے، اے اللہ! حق کو اسی طرف موڑ دے جس طرف علی کا رخ ہو۔

اس سے خلفاء کی ترتیب خلافت پر جلی تعریض ہو رہی ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ”حدیث قَلْب“ مروی ہے، حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ فِي صَعِيدٍ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنْبًا أَوْ ذَنْبَيْنِ، وَفِي بَعْضِ نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَمْرٌ، فَاسْتَحَالَتْ بِيَدِهِ غَرْبًا، فَلَمْ أَرِ عَبْقَرِيًّا فِي النَّاسِ يَفْرِي فَرِيهَ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسَ بَعْطُنَ“۔ (۱) (اللفظ لحدیث ابن عمر)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کھڑے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے ایک دو ڈول پانی کے کھینچے، ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی (اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں چونکہ مانعین زکوٰۃ کا فتنہ کھڑا ہو گیا تھا اور دوسری طرف کچھ مدعیان نبوت نے ہنگامہ آرائی کی تھی، اس لئے وہ ان فتنوں کے کچلنے میں مصروف ہو گئے تھے، اسی وجہ سے وہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کا وہ کارنامہ انجام نہ دے سکے جو حالات کے سازگار ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا) اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے۔“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ڈول سنبھال لیا، ان کے ہاتھ میں آ کر وہ ڈول چرس

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۱۳) کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، رقم (۳۶۳۳)، و (ج ۱ ص ۵۱۷) کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب (بدون ترجمة، بعد باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذًا خلیلاً)۔ رقم (۳۶۶۴)، و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، رقم (۶۱۹۲ - ۶۱۹۷)۔

(چمڑے کا بڑا ڈول) بن گیا، میں نے کسی قوی اور مضبوط آدمی کو حضرت عمر کی طرح ڈول کھینچتا ہوا نہیں دیکھا، حتیٰ کہ لوگوں نے وہاں اپنے اونٹوں کے باڑے بنائے، (وہاں انہوں نے مستقل قیام شروع کر دیا، اس وجہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کارکردگی سے ان کو راحت اور اطمینان زیادہ حاصل ہوا اور انہوں نے اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔)

اس حدیث سے واضح طور پر اشارہ مل رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، کیونکہ انبیاء کرام کا خواب بھی وحی ہی ہوتا ہے۔
 ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء اربعہ کا تذکرہ ان کے بعض مناقب کے ساتھ کیا ہے، یہ تذکرہ بھی علی ترتیب الخلافة ہوا ہے ”أرأف أمتي بأمتي أبوبكر، وأشدّهم في الإسلام عمر، وأصدقهم حياء عثمان، وأقضاهم علي“۔ (۱)
 یعنی ”میری امت میں اس امت پر سب سے زیادہ شفیق ابو بکر ہیں، اسلام کے بارے میں سب سے سخت عمر ہیں، سب سے سچی حیا والے عثمان ہیں اور عدل و انصاف میں سب سے بڑھ کر علی ہیں۔“
 ۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت مروی ہے، جس کے اشارہ سے شیخین کی ترتیب خلافت معلوم ہوتی ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا أول من تنشق عنه الأرض، ثم أبوبكر، ثم عمر.....“۔ (۲)

یعنی ”سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، پھر ابو بکر کی، پھر عمر کی۔“

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بكر: يا أبا بكر، إن الله أعطاني ثواب

(۱) رواه أبو يعلى في مسنده، انظر المطالب العالی بروائد المسانید الثمانية (ج ۴ ص ۸۵) باب ما اشترك فيه جماعة من الصحابة،

رقم (۴۰۳۱)۔

(۲) جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب ثلاث جمعة، تحت مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم (۳۶۹۲)۔

من آمن بي منذ خلق آدم إلى أن بعثني، وإن الله تعالى أعطاك يا أبا بكر ثواب من آمن بي منذ بعثني إلى يوم القيامة“۔ (۱)

یعنی ”اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت آدم کی پیدائش سے میری بعثت تک جتنے لوگ ایمان لائے سب کا ثواب عطا فرمایا اور تمہیں میری بعثت سے قیامت تک جتنے لوگ ایمان لائیں گے ان سب کا ثواب عطا فرمایا ہے۔“

۱۰۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت منقول ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي لقوم فيهم أبو بكر أن يؤمهم غيره“۔ (۲)

یعنی ”جس قوم اور جماعت میں ابوبکر ہوں تو کسی اور کو امامت نہیں کرنی چاہئے۔“

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أهل الدرجات العلى يراهم من أسفل منهم كما يرى الكوكب الطالع في الأفق من آفاق السماء، وإن أبا بكر وعمر منهم وأنعماء“۔ (۳)

یعنی ”بلند درجات والے حضرات کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جیسے آسمان کے افق پر طلوع ہونے والا ستارہ دکھائی دیتا ہے اور ابوبکر و عمر ان ہی میں سے ہیں اور ان کو مزید بہت کچھ ملے گا۔“

۱۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، جو آپ نے حضرت علی

(۱) کبر الأعمال (ج ۱ ص ۵۵۹)، کتاب الفضائل، الباب الثالث في ذكر الصحابة وفضلهم، رقم (۳۲۶۵۲)۔

(۲) جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۷۳)۔

(۳) مسند ابن مسعود، المقدمة، فضل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۹۶)، وجامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۵۸)۔

رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

”هذان سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين، إلا النبيين والمرسلين، لا

تخبرهما يا علي“۔ (۱)

۱۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدي: أبي بكر

وعمر“۔ (۲)

یعنی ”میرے بعد جو دو افراد ہیں یعنی ابو بکر اور عمر، ان کی اقتدا کرو“۔

۱۴۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أرى الليلة رجل صالح، أن أبا بكر يبط

برسول الله صلى الله عليه وسلم، ويبط عمر بأبي بكر، ويبط عثمان بعمر، قال

جابر: فلما قمنا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا: أما الرجل الصالح

فرسول الله صلى الله عليه وسلم، وأما ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم من

سوط بعضهم ببعض، فهم ولادة هذا الأمر الذي بعث الله به نبيه صلى الله عليه

وسلم“۔ (۳)

یعنی ”آج ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابو بکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے

ہوئے ہیں اور حضرت عمر ابو بکر کے ساتھ، عثمان عمر کے ساتھ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ نیک شخص

(۱) جامع الترمذی، باب مناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۶۴)۔

(۲) جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۶۲ و ۳۶۶۳)۔

(۳) مسند أحمد (ج ۳ ص ۲۵۵)، مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، رقم (۱۴۸۸۱)، والمستدرک للحاكم (ج ۳ ص ۷۱)،

كتاب معرفة الصحابة، فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے دوسرے کے ساتھ معلق ہونے کا جو ذکر کیا ہے سو یہ دین اور خلافت کے ذمہ داروں کا تذکرہ ہے، جس کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اس روایت سے نہ صرف یہ کہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحق بالخلافة ہیں، بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

۱۵۔ حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”أتت امرأة النبي صلى الله عليه وسلم، فأمرها أن ترجع إليه، قالت: أرأيت إن جئت ولم أجدك؟ كأنها تقول: الموت، قال عليه الصلاة والسلام: إن لم تجديني فأني أبا بكر“ (۱)

یعنی ”ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ نے ان کو دوبارہ آنے کو کہا، انہوں نے عرض کیا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں گویا وہ آپ کے وصال کی طرف اشارہ کر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس چلی جانا“۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر واضح طور پر دلالت ہو رہی ہے۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”كنا نخير بين الناس في زمن النبي صلى الله عليه وسلم، فنخير أبا بكر، ثم عمر

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۱۶) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب (بدون ترجمة)، عديان قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذاً خليلاً، رقم (۳۶۵۹) و (ج ۲ ص ۱۰۷۲) كتاب الأحكام، باب الاستحلاف، رقم (۷۲۲۰) و (ج ۲ ص ۱۰۹۴) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الأحكام التي تعرف بالدلائل وكيف معنى الدلالة وتفسيرها، رقم (۷۳۶۰)، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۷۹ و ۶۱۸۰)۔

ابن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضي الله عنهم“۔ (۱)

یعنی ”ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض حضرات کو دوسرے بعض پر فضیلت دیتے تھے، چنانچہ ہم سب سے افضل ابوبکر کو، پھر عمر بن خطاب کو اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو قرار دیتے تھے۔“

اسی حدیث کے ایک دوسرے طریق کے الفاظ ہیں:

”كسافي زمن النبي صلى الله عليه وسلم لانعدل بأبي بكر أحداً، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نترك أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لانفاضل بينهم“۔ (۲)

یعنی ”ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں قرار دیتے تھے، پھر عمر کا درجہ تھا، پھر عثمان کا، پھر دیگر حضرات صحابہ کے درمیان مفاضلت کا معاملہ نہیں کرتے تھے۔“

یہ روایت بھی ان حضرات کی ترتیبِ افضلیت اور پھر ترتیبِ احقیت بالخلافۃ پر گویا صریح ہے۔
۱۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أبو بكر سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ (۳)

یعنی ”ابوبکر ہمارے سردار، ہم میں سب سے بہتر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب تھے۔“

۱۸۔ حضرت ابومویٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۱۶) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۶۵۵)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۲۲ و ۵۲۳)، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القريشي رضي الله عنه، رقم (۳۶۹۷)۔

(۳) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳۶۵۶)۔

”مرض النبي صلى الله عليه وسلم، فاشتد مرضه، فقال: مروا أبابكر فليصل بالناس، قالت عائشة: إنه رجل رقيق، إذا قام مقامك لم يستطع أن يصلي بالناس، قال: مروا أبابكر فليصل بالناس، فعادت، فقال: مري أبابكر فليصل بالناس، فإنكن صواحب يوسف، فأتاه الرسول، فصلّى بالناس في حياة النبي صلى الله عليه وسلم“۔ (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں جب شدت پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ وہ نرم دل آدمی ہیں، آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھاسکیں گے، آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا ابوبکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں اور تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، قاصد ابوبکر کے پاس پہنچا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔“

یہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ (۲)، حضرت عبداللہ بن مسعود (۳)، حضرت عبداللہ بن عباس (۴)، حضرت عبداللہ بن عمر (۵)، حضرت عبداللہ بن زمعہ (۶) اور حضرت علی بن ابی طالب (۷) رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (۸)

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۹۳) کتاب الأذان، باب أهل العلم والفصل أحق بالإمامة، رقم (۶۷۸)، و (ج ۱ ص ۴۷۹) کتاب أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ولقد كان في يوسف وإخوته آيات للسائلين، رقم (۳۳۸۵)، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحلاف الإمام، رقم (۹۴۸)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۹۳) کتاب الأذان، باب أهل العلم والفصل أحق بالإمامة، رقم (۶۷۹)۔

(۳) التمهيد (ج ۲ ص ۱۳۱)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۱ ص ۲۳۱ و ۲۳۲)، رقم (۲۰۵۵)، و (ج ۱ ص ۳۵۶) مسند عبد اللہ بن عباس، رقم (۳۳۵۵)۔

(۵) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۹۴)، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفصل أحق بالإمامة، رقم (۶۸۲)۔

(۶) مسند أحمد (ج ۴ ص ۳۲۲) مسند عبد اللہ بن زمعہ، رقم (۱۹۱۱۳)۔

(۷) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج ۲ ص ۲۵۱)، و التمهيد (ج ۲ ص ۱۲۹)۔

(۸) تاريخ الخلفاء (ص ۵۵)، فصل في الأحاديث والآيات المشيرة إلى خلافته وكلام الأئمة في ذلك۔

۱۹۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: إن اللہ خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عنده، فاختار ما عند اللہ، فبکی أبو بکر رضي اللہ عنه... قال: یا أبا بکر، لا تبث، إن من آمن الناس علي في صحبته وماله أبو بکر، ولو كنت متخذاً خليلاً لاتخذت أبا بکر، ولكن أخوة الإسلام ومودته، لا يبقين في المسجد باب إلا سد، إلا باب أبي بکر“۔ (۱)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ یا تو دنیا میں رہنا پسند کر دیا جو کچھ میرے پاس ہے اس کو اختیار کر لو۔ سو اس بندہ نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو اختیار کر لیا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رو پڑے، آپ نے فرمایا اے ابوبکر! مت رو! اور فرمایا کہ اپنی صحبت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں، اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، البتہ اسلامی اخوت اور اسلامی مودت ہی کافی ہے، مسجد کی طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند کر دیا جائے، ہاں! ابوبکر کا دروازہ مستثنیٰ ہے۔“

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی

طرف اشارہ ہے۔ (۲)

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ”أمر

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۶۶ و ۶۷) کتاب الصلاة، باب الخوۃ والمیر فی المسجد، رقم (۵۶۶) و (ج ۱ ص ۵۱۶) کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سددوا الأبواب إلا باب أبي بکر، رقم (۳۶۵۴) و (ج ۱ ص ۵۵۲) کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابه إلى المدينة، رقم (۳۹۰۴) و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بکر الصديق رضي اللہ عنہ، رقم (۶۱۷۰ و ۶۱۷۱)۔

(۲) تاریخ الخلفاء (ص ۵۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسد الأبواب الشارعۃ فی المسجد وترك باب علی۔ (۱) یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے سارے دروازے بند کر دیے جائیں البتہ حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا جائے۔“

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مسند احمد کی یہ روایت صحیحین کی روایت سے متعارض ہے، جس میں استثناء صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، پھر مسند احمد والی روایت ”حجاج عن فطر، عن عبد اللہ بن شریک، عن عبد اللہ بن الرقیم الكنانی“ کے طریق سے مروی ہے، یہ روایت صحیحین کی روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی، کیونکہ فطر بن خلیفہ شیعہ ہیں۔ (۲) عبد اللہ بن شریک عامری بھی شیعہ ہیں (۳) اور عبد اللہ بن الرقیم مجہول ہیں۔ (۴)

اور اگر صحیح ہو تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے یہ شروع شروع میں ارشاد فرمایا تھا، جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازہ کو باقی رکھنے کا حکم آپ نے بالکل آخر میں دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۰۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کچھ لوگ آئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی خواہش ظاہر کی، اس پر انہوں نے فرمایا: ”تأتونی وفیکم ثالث ثلاثہ، یعنی ابابکر، فقلت لمحمد: من الثالث ثلاثہ؟ قال: قول اللہ: ﴿ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾“۔ (۵)

(۱) مسند احمد (ج ۱ ص ۱۷۵) مسند أبي إسحاق سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (۱۵۱۱)۔

(۲) شیعہ جلد، انظر الكاشف (ج ۲ ص ۱۲۵) رقم (۴۴۹۴)۔

(۳) ذکرہ ابن حبان فی المحروحين۔ فقال: ”كان غالباً في التشيع، يروي عن الأثبات ملايشه حديث الثقات، فالتنكب عن حديثه أولى من الاحتجاج به، وقد كان مع ذلك محتارياً (أي من أصحاب المختار)“۔ انظر تعليقات تهذيب الكمال (ج ۱۵ ص ۸۹)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج ۱۴ ص ۵۰۵ و ۵۰۶)۔

(۵) المصنف لابن أبي شيبة (ج ۷ ص ۴۳۳ و ۴۳۴) كتاب المغازي باب ما جاء في خلافة أبي بكر رضي الله عنه وسيرته في الردة، رقم (۳۷۰۴۰)۔

یعنی ”تم میرے پاس آرہے ہو جبکہ تم میں تین میں سے تیسرے شخص موجود ہیں؟ مراد ابو بکر ہیں، میں نے محمد سے پوچھا کہ یہ تیسرے فرد کون ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”دو میں سے دوسرے، جب وہ دونوں غار میں تھے۔“

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اجعلوا امامکم خیرکم، فإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل إمامنا خیرنا

بعده۔“ (۱)

یعنی ”اپنا امام اس شخص کو بناؤ جو تم میں سے سب سے بہتر ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہمارا امام اس شخص کو بنایا تھا جو ہم میں سے سب سے بہتر تھا۔“

۲۲۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ما رأی المسلمون حسناً فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئاً فهو عند الله سيئ،

وقد رأی أصحابه جميعاً أن يستخلف أبابکر۔“ (۲)

یعنی ”جس چیز کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ بہتر ہے اور جس چیز کو وہ بدتر سمجھیں وہ بدتر ہے اور آپ کے تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنانے کو بہتر سمجھا ہے۔“

۲۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

”کانا إمامی ھدی، راشدین مرشدین مصلحین منجحين خرجا من الدنیا

حیصیل۔“ (۳)

یعنی ”یہ دونوں حضرات ہدایت کے امام اور رہنما تھے، مصلح تھے، مقاصد خیر میں کامیاب و کامران

(۱) الاستیعاب بھامس الإصالة (ج ۲ ص ۲۵۱)، والتمہید (ج ۲ ص ۲۲) (۱۳)۔

(۲) المستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۷۸)، کتاب معرفة الصحابة۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج ۳ ص ۲۱۰)۔

تھے، دنیا سے بھوکے اور گرسنہ رخصت ہوئے، یعنی طمع و لالچ کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔

۲۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

”إن الله جعل أبا بكر وعمر حجة على من بعدهما من الولاة إلى يوم القيامة، فسبقا والله سبقاً بعيداً، وأتعبا والله من بعدهما إتعاباً شديداً.....“ (۱)

یعنی ”اللہ تعالیٰ نے ابو بکر و عمر کو بعد میں قیامت تک آنے والے خلفاء پر حجت بنا دیا ہے، چنانچہ بخدا! وہ دونوں بہت آگے تک سبقت لے گئے اور اپنے بعد آنے والوں کو بہت سخت تعب و مشقت میں ڈال دیا۔“

۲۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک طویل اثر ہے، جس میں آپ نے نہایت واضح طور پر حضرات شیخین

کی منقبت بیان فرما کے ان کے احق بالخلافہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے:

”.....فلما حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم الوفاة قال: مروا أبا بكر أن يصلي بالناس، وهو يرى مكاني، فصلى بالناس ساعة أيام في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما قبض الله نبيه ارتد الناس عن الإسلام، فقالوا: نصلي ولا نعطي الزكاة، فرضي أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي أبو بكر منفرداً برأيه، فرجح برأيه رأيهم جميعاً، وقال: والله، لو منعوني عقلاً ما فرض الله ورسوله لجاهدتهم عليه، كما أجاهدكم على الصلاة، فأعطى المسلمون البيعة طائعين، فكان أول ما سبق في ذلك من ولد عبد المطلب أنا، فمضى - رحمة الله عليه - وترك الدنيا وهي مقبلة، فخرج منها سليماً، فسار فينا بسيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم، لانكر من أمره شيئاً، حتى حضرته الوفاة، فرأى عمر أقوى عليها ولو كانت محاباة لأثر بها ولده، واستشار المسلمين في ذلك، فمنهم من رضي، ومنهم من كره، وقالوا: أتؤمر علينا من كان عتناً وأنت حي؟ فماذا تقول لربك إذا

قدمت عليه؟ قال: أقول لربي إذا قدمت عليه: إلهي! أمّرت عليهم خير أهلِكَ، فأمر علينا عمر، فقام فينا بأمر صاحبيه، لأنكر منه شيئاً، نعرف فيه الزيادة كل يوم في الدين والدنيا، فتح الله به الأرضين، ومَصَّر به الأمصار، لاناخذه في الله لومة لائم، البعيد والقريب سواء في العدل والحق، وضرب الله بالحق على لسانه وقلبه، حتى إن كنا لنظن أن السكينة تنطق على لسانه، وأن ملكاً بين عينيه يسدده ويوفقه..... الحديث“۔ (۱)

یعنی ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری موجودگی اور قرب خاص کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سات دنوں تک نماز پڑھائی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلا لیا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے، کہنے لگے ہم نماز تو پڑھیں گے پر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے، تمام صحابہ راضی ہو گئے، لیکن ابو بکر اکیلے اپنی رائے پر نہ صرف جمے رہے، بلکہ دوسروں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو برتر ثابت کر دیا اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی بھی دینے سے انکار کر دیں جو اللہ و رسول نے ان پر لازم کی ہو تو میں اس کی وجہ سے ان سے جہاد کروں گا، جیسا کہ نماز کے واسطے جہاد کرنا لازم ہوگا۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے خوشی اور رضامندی سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس سلسلے میں عبدالمطلب کی اولاد میں، میں سب سے سبقت کرنے والا ہوں، ابو بکر۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ چلے گئے اور دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ ان کی طرف دنیا بڑھ رہی تھی، لیکن وہ دنیا سے اپنے آپ کو بچا کر نکل گئے، ہم میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور طریقہ کے مطابق چلتے رہے، چنانچہ ہم نے ان کے کسی بھی معاملہ کو اوپر نہیں پایا، یہاں تک کہ ان کی وفات کا وقت آ گیا، انہوں نے دیکھا کہ خلافت کے لئے عمر بہت مضبوط ہیں، اگر محض نواز نے

کا ارادہ ہوتا تو اپنی اولاد میں سے کسی کو وہ ترجیح دیتے، لیکن انہوں نے مسلمانوں سے مشورے کئے، بعض راضی ہوئے اور بعض نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہمارے اوپر ایک ایسے شخص کو امیر بنانا چاہتے ہیں جو آپ کی زندگی میں آپ کو اپنی رائے سے پھیر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو کر آپ کیا جواب دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں عرض کروں گا کہ اے الہی! میں نے مسلمانوں پر تیرے بندوں میں سب سے بہتر آدمی کو مقرر کیا ہے۔ سو انہوں نے ہمارے اوپر عمر کو امیر بنادیا، وہ اپنے پیشرو دونوں اصحاب کی طرح ہمیں لے کر چلے، کوئی چیز قابل نکیر نہیں تھی، ہر روز دینی و دنیوی ترقی ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں ممالک فتح کرائے، شہروں کو بسایا، ان کو کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں تھا، عدل و انصاف میں قریب و بعید برابر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب و زبان پر حق کو ڈال دیا تھا، حتیٰ کہ ہم سمجھتے تھے کہ سلکیت و وقار ان کی زبان کے تابع ہے اور یہ کہ ایک فرشتہ ان کے سامنے رہتا ہے، جو ان کو سیدھی راہ بتاتا ہے۔

۲۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

”إن أول من يدخل الجنة من هذه الأمة أبو بكر وعمر، قال: فقال رجل: يا أمير المؤمنين، يدخلانها قبلك؟ قال: إي، والذي فلق الحبة وبرأ النسمة، ليدخلاها قبلي، ويشبعان من ثمارها، وليرويان من مائها، وإني لموقوف مع معاوية في الحساب“۔ (۱)

یعنی ”اس امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ابو بکر و عمر ہوں گے، ایک شخص نے عرض کیا یا امیر المؤمنین! کیا وہ دونوں آپ سے بھی پہلے جائیں گے؟ فرمایا: ہاں! اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور جانوں کو پیدا کیا، وہ دونوں مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، وہاں کے پھلوں سے شکم سیر اور وہاں کے پانی سے سیراب ہوں گے، جبکہ میں

معاویہ کے ساتھ حساب کتاب میں کھڑا ہوں گا۔“

۲۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

”سبق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلى أبوبکر وثلاث عمر، ثم خبطتنا - أو أصابتنا - فتنة فمأشأ اللہ عز وجل“ - (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے، دوسرے نمبر پر ابوبکر تھے اور تیسرا نمبر عمر کا تھا، پھر ان کے بعد ہمیں فتنوں نے پکڑ لیا۔“

۲۸۔ عن أبي الزناد قال: قال رجل لعلی: یا أمير المؤمنين، ما بال المهاجرين والأَنْصار قد مَوَّأُوا أبابکر وأنت أوفى منه منقبة، وأقدم منه سلماً، وأسبق سابقة؟! قال: إن كنت قرشياً فأحسبك من عائدة، قال: نعم، قال: لولا أن المؤمن عائد اللہ لقتلتك، ولئن بقيت لتأتيتك مني روعة حصراء، ويحك! إن أبابکر سبقني إلى أربع، سبقني إلى الإمامة، وتقديم الإمامة وتقديم الهجرة وإلى الغار وإفشاء الإسلام، ويحك! إن اللہ ذم الناس كلهم ومدح أبابکر، فقال: ﴿إلا تنصروه فقد نصره اللہ﴾ - (۲)

یعنی ”ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، امیر المؤمنین! یہ کیا بات ہے کہ انصار و مهاجرین نے ابوبکر کو مقدم کیا، حالانکہ آپ ان کے مقابلہ میں زبردست مناقب کے حامل، اسلام میں ان سے سابق اور کارناموں کے اعتبار سے بڑھ کر ہیں؟! آپ نے فرمایا کہ اگر تم قریشی ہو تو تمہارا تعلق عائدہ سے ہوگا، اس نے عرض کیا کہ ہاں، آپ نے فرمایا اگر صاحب ایمان اللہ تعالیٰ کی پناہ لئے ہوئے نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا اور اگر تو زندہ رہا تو میری طرف سے تجھ پر زبردست خوف کا معاملہ پیش آئے گا، تیرا ناس جائے! ابوبکر مجھ سے چار چیزوں

(۱) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۲۴) رقم (۱۰۲۰) و (ج ۱ ص ۱۴۷) رقم (۱۲۵۶) و (۱۲۵۹)۔

(۲) کنز العمال (ج ۱۲ ص ۵۱۴)، رقم (۳۵۶۷۶)۔

میں سابق ہیں، امامت، ہجرت، غار میں سکونت اور اسلام کی نشر و اشاعت، تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کی مذمت بیان کی اور ابوبکر کی تعریف کی، فرمایا اگر تم ان کی نصرت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہے۔“

۲۹۔ صلۃ بن زفر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

”کان علیؑ إذا ذکر عندہ أبوبکر قال: السَّبَّاقُ یَذکرون! السَّبَّاقُ یَذکرون! والذي نفسی بیدہ، ما استبقنا إلی خیر قط إلا سبقنا إلیہ أبوبکر“۔ (۱)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوتا تو بار بار فرماتے سب سے سبقت لے جانے والے کا تذکرہ ہو رہا ہے!! اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب بھی کسی خیر کے کام میں ہمارا مقابلہ ہوا تو ابوبکر ہم سے ہمیشہ گئے سبقت لے جاتے ہیں۔“

۳۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

”لقد أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم أبابکر أن یصلي بالناس، وإنی لشاهد وما أنا بغائب، وما بی مرض، فرضینا لدنیانا ما رضی بہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا“۔ (۲)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو جب لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو میں وہاں حاضر تھا، غائب نہیں تھا، میں بیمار بھی نہیں تھا، آپ نے جس شخص کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا ہم نے اپنی دنیا کے لئے بھی ان ہی کو پسند کر لیا۔“

۳۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

”إن أکرم الخلق من هذه الأمة علی اللہ بعد نبیہا وأرفعہم درجۃ: أبوبکر؛

(۱) کنز العمال (ج ۱۲ ص ۵۱۴)، رقم (۳۵۶۷۵)۔

(۲) کنز العمال (ج ۱۲ ص ۵۱۳) رقم (۳۵۶۷۰)، وانظر الطبقات لابن سعد (ج ۳ ص ۸۳)۔

لجمعه القرآن بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقيامه بدين الله مع قديم
سوابقه وفضائله“۔ (۱)

یعنی ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کا سب سے معزز ترین فرد
اور درجہ کے اعتبار سے سب سے ارفع ابوبکر ہیں، کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد قرآن کریم کو جمع کیا، اللہ کے دین کی حفاظت کی، ان کے علاوہ دیگر فضائل اور کارنامے
بھی ہیں۔“

۳۲۔ حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لما توفي أبو بكر سجد ثوباً، وارتجت المدينة بالبكاء، وذعش الناس، كيوم
قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم: جاء علي بن أبي طالب مسرعاً باكياً
مسترجعاً، وهو يقول: اليوم انقطعت خلافة النبوة، حتى وقف على باب البيت الذي
فيه أبو بكر، ثم قال: رحمتك الله! أبابكر، كنت أول القوم إسلاماً، وأخلصهم
إيماناً، وأكثرهم يقيناً، وأعظمهم عتياً، وأحدثهم على الإسلام، وأحوطهم على
رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأمتهم على أصحابه، وأحسنهم صحبة،
وأعظمهم مناقب، وأكثرهم سوابق، وأرفعهم درجة، وأقربهم من رسول الله صلى
الله عليه وسلم، وأشبههم به هدياً، وسمتاً، وخلقاً، ودلاً، وأشرفهم منزلة، وأكرمهم
عليه وأوثقهم عنده“۔ (۲)

یعنی ”جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر ایک کپڑا ڈال دیا گیا، مدینہ میں
کبرام برپا ہو گیا، لوگوں پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے
موقع پر تھی، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ تیزی سے انا اللہ پڑھتے ہوئے اور روتے

(۱) کبر العباد (ج ۱۲ ص ۵۱۶)، رقم (۳۵۶، ۵۵۳)۔

(۲) کبر العباد (ج ۱۲ ص ۵۵۲ و ۵۵۳)۔

ہوئے آئے، وہ کہہ رہے تھے کہ آج نبوت والی خلافت ختم ہوگئی، یہاں تک کہ گھر کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اللہ! آپ پر۔ اے ابوبکر۔ رحمتیں نازل فرمائے، آپ سب سے پہلے اسلام لانے والے، ایمان میں سب سے مخلص، یقین میں سب سے زیادہ، استغناء میں سب سے بڑھ کر، اسلام کے لئے سب سے شفیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے، آپ کے صحابہ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے، صحبت کے اعتبار سے سب سے بہتر، مناقب کے اعتبار سے سب سے عظیم، فضائل میں سب سے زیادہ، درجہ میں سب سے بلند، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب، طریقہ کار، اخلاق اور عادت کے اعتبار سے آپ کے مشابہ، درجہ کے اعتبار سے سب اشرف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے معزز اور معتمد تھے۔

۳۳۔ عن عبد خیر قال: سمعته يقول: قام عليٌّ على المنبر، فذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم، واستخلف أبو بكر رضي الله عنه، فعمل بعمله، وسار بسيرته، حتى قبضه الله عز وجل على ذلك، ثم استخلف عمر، فعمل بعملهما وسار بسيرتهما، حتى قبضه الله على ذلك۔ (۱)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، آپ ہی کے عمل اور سیرت پر چلتے رہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر ان کو اپنے پاس بلا لیا، پھر عمر خلیفہ بنے، وہ بھی اپنے دونوں پیشروؤں کے عمل اور سیرت پر عمل کرتے رہے، تا آنکہ ان کا بھی اسی پر انتقال ہو گیا۔“

۳۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ”یوم الجمل“ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يعهد إلينا عهداً نأخذ به في إماره، ولكنه

شيء رأيناه من قبل أنفسنا، ثم استخلف أبوبكر، رحمة الله على أبي بكر، فأقام
واستقام، ثم استخلف عمر، رحمة الله على عمر، فأقام واستقام، حتى ضرب
الدين بجرانه“۔ (۱)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کے سلسلہ میں ہمیں کوئی حکم نہیں دیا تھا کہ ہم اس پر
چلتے، البتہ یہ معاملہ ہم نے اپنی رائے سے طے کیا، پھر ابو بکر خلیفہ ہوئے، اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحمت
نازل فرمائے، خود بھی درست رہے، دوسروں کو بھی درست رکھا، پھر عمر خلیفہ ہوئے، اللہ ان پر
رحمت نازل فرمائے، وہ خود بھی استقامت پر گامزن رہے اور دوسروں کو بھی رکھا، حتیٰ کہ دین مکمل
طور پر جم گیا۔“

۳۵۔ محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قلت لأبي: أي الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: أبو بكر،
قلت: ثم من؟ قال: عمر، وخشيت أن يقول عثمان، قلت: ثم أنت؟ قال: ما أنا إلا
رجل من المسلمين“۔ (۲)

یعنی ”میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون
ہے؟ فرمایا: ابو بکر، میں نے کہا کہ پھر کون ہے؟ فرمایا: عمر، اس کے بعد مجھے خوف ہوا کہ عثمان کا
نام لیں گے، اس لئے پوچھا کہ پھر آپ ہیں؟ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام
مسلمان ہوں۔“

اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخیں کی صراحتہ افضلیت بیان فرمائی ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۱۴)، مسند علي رضي الله عنه، رقم (۹۲۱)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۱۸) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب (بدون ترجمه)، بعد - قال النبي

صلى الله عليه وسلم: لم كنت متخذاً خليلاً، رقم (۳۶۲۱)۔

”اما بیان افضلیت شیخین، پس از دے متواتر شدہ مرفوعاً و موقوفاً، ہر چند این مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، اما کسے از صحابہ آن را مصرح تر و محکم تر چوں علی مرتضیٰ نیاوردہ“۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ”حضرات شیخین کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متواتر طور پر ثابت ہے، اگرچہ افضلیت شیخین کا مسئلہ تمام اہل حق کا مذہب ہے، تاہم صحابہ میں سے کسی نے اس مسئلہ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح تصریح اور مضبوطی کے ساتھ بیان نہیں کیا۔“

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے علاوہ عبداللہ بن سلمہ (۲)، علقمہ بن قیس (۳)، عبدخیر (۴)، حضرت ابو جحیفہ (۵)، النزال بن سبرہ (۶)، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔

۳۶۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ ان کو حضرات شیخین سے افضل قرار دے رہے ہیں تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”أينما الناس، إنه بلغني أن قوماً يفضلوني على أبي بكر وعمر، ولو كنت تقدمت فيه لعاقبت فيه، فمن سمعته بعد هذا اليوم يقول هذا فهو مفتر، عليه حد المفتر، ثم قال: إن خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر، ثم عمر، ثم الله أعلم بالخير بعد قال: وفي المجلس الحسن بن علي، فقال: والله، لو سمي الثالث لسمي عثمان“۔ (۷)

یعنی ”اے لوگو! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر و عمر پر فضیلت دے رہے ہیں، اگر

(۱) دیکھئے بحوالہ الحنفاء، مترجم (ج ۱ ص ۲۵۴)۔

(۲) دیکھئے بحوالہ المفصلة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فضل عمر رضي الله عنه، رقم (۱۰۶)۔

(۳) رواه أحمد - النظر في إنباء الحنفاء (ج ۱ ص ۲۵۶)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۱۳)، رقم (۹۰۹، ۹۰۸)۔

(۵) مسند أحمد (ج ۱ ص ۱۰۶)، رقم (۸۳۳)۔

(۶) لا سماع له من رواية (ج ۲ ص ۲۵۲)، ترجمه سيدنا أبي بكر الصديق رضي الله عنه۔

(۷) دیکھئے بحوالہ الحنفاء (ج ۱ ص ۲۶۱ و ۲۶۲)۔

پہلے سے میری طرف سے تنبیہ ہو چکی ہوتی تو میں ایسے لوگوں کو سزا دیتا، آج کے بعد جس کسی سے میں نے یہ سنا تو سمجھ لو کہ وہ بہتان تراش ہے، اس پر بہتان باندھنے کی حد لگے گی، پھر فرمایا نبی کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہم میں ہے کہ کون افضل ہے، اسی مجلس میں حسن بھی تھے، فرمایا کہ اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے۔“

۳۷۔ عن أبي وانل قال: قيل لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه، ألا تستخلف علينا؟ قال: ما استخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فأستخلف، ولكن إن يرد الله بالناس خيراً فسيجمعهم بعدي على خيرهم، كما جمعهم بعد نبيهم على خيرهم۔ (۱) (صحيح الحاكم وقرره الذهبي)۔

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے واسطے کسی کو خلیفہ مقرر کر دیتے، آپ نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نامزد نہیں کیا، پھر میں کیوں کروں! البتہ اللہ تعالیٰ نے اگر لوگوں کے ساتھ خیر کا فیصلہ کیا ہوگا تو میرے بعد جو سب سے بہتر ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمادیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بعد سب سے بہتر شخص پر ان کو جمع کر دیا۔“

۳۸۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ

منقول ہے۔

”أمر علي بن أبي طالب رضي الله عنه خراج من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم في وجعه الذي توفي فيه... فأخذ بيده عباس بن عبد المطلب، فقال له: أنت والله بعد ثلاث عبد العصا، وإنني والله لأرى رسول الله صلى الله عليه وسلم سوف يتوفي من وجعه هذا، إنني لأعرف وجود بني عبد المطلب عند الموت،

(۱) تصحيح الحاكم (ج ۳ ص ۷۹) كتاب معرفة الصحابة باب من ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلم

اذهب بنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فلنسأله فيمن هذا الأمر، إن كان فينا علمنا ذلك، وإن كان في غيرنا علمناه، فأوصى بنا، فقال علي: إنا والله، لئن سألتها رسول الله صلى الله عليه وسلم فمَنَعَناها لا يعطيناها الناس بعده وإني لأسألها رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔ (۱)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے جبکہ آپ مرض الوفا میں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ بخدا! تم تین دن بعد عصا کے تابع بن جاؤ گے، مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرض میں وفات ہو جائے گی، مجھے موت کے وقت بنو عبد المطلب کے چہروں کی شناخت حاصل ہے، ہمیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو، تاکہ ہم آپ سے پوچھ سکیں کہ یہ خلافت کس کو ملے گی؟ اگر ہمارے پاس آنے والی ہو تو معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے پاس نہ آئے تو جس کے پاس جائے گی اس کو آپ کچھ تاکید و وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کو مانگا اور آپ نے انکار کر دیا تو پھر کبھی لوگ ہمیں نہیں دیں گے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھوں گا۔“

سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے وہاں پہنچنے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر بیعت خلافت کا واقعہ ذکر کر دیا جائے، جس سے استحقاق خلافت کی اس بحث میں کافی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) صحیح بخاری (ج ۲ ص ۶۳۹) کتاب المغازی، باب من رخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ووفاته، رقم (۵۵۵۷)۔

(۲) ج ۲ ص ۶۲۱ کتاب الامتداد، باب المعافاة، قول الرجل: کیف أصبحت؟ رقم (۶۲۶۶)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شنبہ کے روز دوپہر کے وقت عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

شام کے وقت ایک شخص نے آ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے۔

انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت انصار کو ہے، اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہو کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کیا، بعضوں نے اس کی مخالفت کی اور باہم بحث و تکرار ہونے لگی۔

جب اس بات کی اطلاع حضرات شیخین کو ہوئی تو یہ دونوں بزرگ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لے کر اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے، مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کی:

”أما سعد: فلحق الأنصار وكتيبة الإسلام، وأنتم يا معشر قريش، رهط بيننا، وقد

دفت إلينا دافة من قومكم، فإذا هم يريدون أن يعصبوا الأمر! (۱)

یعنی ”ہم انصار یعنی دین اسلام کے مددگار ہیں اور اسلام کے لشکر ہیں اور تم اسے گروہ مہاجرین! ہم میں ایک قلیل جماعت ہو، (یعنی تم اقلیت میں ہو اور ہم اکثریت میں ہیں) اور تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت نے ہمارے یہاں پناہ لی ہے اور اب وہ ہمارا حق خلافت ہم سے غصب کرنا چاہتی ہے۔“

ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”يا معشر الأنصار، لكم سابقة في الدين وفضيلة في الإسلام، ليست لأحد من

العرب، إن محمداً صلى الله عليه وسلم لبث في قومه بضع عشرة سنة، يدعوهم

(۱) الکامل لابن الأثیر (ج ۲ ص ۲۲۱)، حدیث السقیفہ، و خلافتہ ابی بکر رضی اللہ عنہ و ارضاء

إلى عبادة الرحمن وخلع الأنداد والأوثان، فما آمن به إلا القليل، ما كانوا يقدرون على منعه ولا على إعزاز دينه، ولا على دفع ضيم حتى إذا أراد الله بكم الفضيلة ساق إليكم الكرامة، وخصكم بالنعمة، ورزقكم الإيمان به وبرسوله، والمنع له ولأصحابه، والإعزاز له ولدينه، والجهاد لأعدائه، فكنتم أشد الناس على عدوه، حتى استقامت العرب لأمر الله طوعاً وكرهاً، وأعطى البعيد المقادة صاغراً، فدانت لرسوله بأسيا فكم العرب، وتوفاه الله وهو عنكم راض، وبكم قرير العين، استبدوا بهذا الأمر دون الناس، فإنه لكم“۔ (۱)

یعنی ”اے انصار کے لوگو! تمہیں دین میں سبقت حاصل ہے اور اسلام نے تمہیں فضیلت دی ہے، جو عرب میں سے کسی کو حاصل نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں دس سال سے زائد رہے، وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بتوں کو چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے، ان پر ایمان لانے والے بہت تھوڑے تھے، وہ نہ تو آپ کا دفاع کر سکتے تھے، نہ دین کی تائید کر سکتے تھے اور نہ کسی ظلم کو دور کر سکتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جب انہیں نوازنے کا ہوا تو تمہارے لئے یہ اعزاز مقدر کر دیا، اس نعمت کو تمہارے لئے مخصوص کر دیا، تمہیں اللہ و رسول پر ایمان لانے، ان کا اور ان کے اصحاب کا دفاع کرنے، ان کی اور ان کے دین کی نصرت کرنے، ان کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی توفیق دی، تم لوگ آپ کے دشمنوں پر سب سے زیادہ بھاری تھے، حتیٰ کہ سارا عرب خواہی نخواہی اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گیا، وہ شخص جو اطاعت گزار نہیں تھا اس نے بھی ذلیل اور عاجز ہو کر اطاعت کر لی، سارا عرب تمہاری تلوار کے زور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو گیا، آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ ہم سے راضی تھے، ہماری وجہ سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں، لہذا اس خلافت کے معاملہ کو خود اپنے ہاتھ میں لو، اس لئے کہ یہ تمہارے واسطے ہے۔“

حاضرین نے تو اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی، تقریر ختم ہونے کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر قریش کے مہاجرین انکار کریں اور یہ کہیں کہ ہم ہجرت کرنے والے ہیں، آپ کے اولین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ہم آپ کا قبیلہ اور گروہ ہیں، ہمارا حق زیادہ بنتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرو گے؟!

اس پر بعض انصار نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہوگا اور ایک امیر ہم میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح و مشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں گے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر چاہا کہ کچھ بولیں اور دل دل میں کہنے کے لئے بہت کچھ سوچ رکھا تھا، تاہم جب وہ اٹھنے لگے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:-

”إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ فِيكُمْ رَسُولًا إِلَى خَلْقِهِ، وَشَهِيدًا عَلَى أُمَّتِهِ، لِيَعْبُدُوهُ وَيُوحِدُوهُ، وَهُمْ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً شَتَّى مِنْ حَجَرٍ وَخَشَبٍ، فَعُظِمَ عَلَى الْعَرَبِ أَنْ يَتَرَكَوا دِينَ آبَائِهِمْ، فَحَصَّ اللَّهُ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ قَوْمِهِ يَتَصَدَّقُهُمْ، وَالْإِيمَانُ بِهِ، وَالْمَوَاسَّةَ بِهِ، وَالصَّبْرَ مَعَهُ، عَلَى شِدَّةِ أَدَى قَوْمِهِمْ وَتَكْدِيرِهِمْ إِيَّاهُ، وَكُلُّ النَّاسِ لَهُمْ مُخَالِفٌ زَائِرٌ عَلَيْهِمْ، فَلَمْ يَسْتَوْحِشُوا لِقَلَّةِ عَدَدِهِمْ، وَشَفِ النَّاسُ لَهُمْ، فَبِهِمْ أَوَّلٌ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ فِي هَذِهِ الْأَرْضِ، وَأَمِنَ بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ، وَهُمْ أَوْلِيَاءُ وَعَشِيرَتُهُ، وَأَحَقُّ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِهِ، لَا يَبَارِعُهُمْ إِلَّا ظُلَمٌ، أَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، مَنْ لَا يَكْفُرُ قَسْبُهُمْ فِي النَّاسِ، وَلَا سَابِقَتُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ، رَضِيَكُمْ اللَّهُ أَنْصَارًا لِدِينِهِ، وَرَسُولِهِ، وَجَعَلَ إِلَيْكُمْ مَجْرَتَهُ، وَفِيكُمْ حِلَّةَ أَرْوَاجِهِ وَأَصْحَابِيهِ، فَلَيْسَ بَعْدَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ عَمَلًا يَسْتَرِيضُكُمْ، فَحَسْبُ الْأَمْرُ، وَأَنْتُمْ أَوْرَرَاءُ لَا تَفَاوَتُونَ بِمَشُورَةٍ، وَلَا تَقْصِي دُورَكُمْ الْأُمُورَ“ (۱)

یعنی ”اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنی مخلوق کے واسطے رسول کو شہید اور گواہ بنا کر بھیجا، تاکہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کی توحید کو اختیار کریں، جبکہ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ مختلف پتھر اور لکڑیوں کے معبودوں کو پوجتے تھے، عرب کے لوگوں کے واسطے اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑنا بھاری ہو گیا، سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو آپ کی تصدیق کے ساتھ مختص کیا، وہ آپ پر ایمان لائے، آپ کی غمخواری کی، آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، جبکہ آپ کی قوم کی طرف سے سخت اذیتوں کا سامنا تھا، وہ لوگ جھٹلا رہے تھے، ہر شخص مخالف تھا اور ان کی مخالفت کر رہا تھا، لیکن یہ لوگ اپنی تعداد کے کم ہونے کے باوجود وحشت میں مبتلا نہیں ہوئے، حالانکہ کفار مسلمانوں کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش آرہے تھے، لیکن یہی مسلمان اس زمین میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے، اس پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے تھے، یہی آپ کے قریبی اور خاندان والے تھے، یہی حضرات اس خلافت کے آپ کے بعد سب سے بڑھ کر حق دار ہیں، ان کے ساتھ منازعت کرنے والا ظالم ہی ہوگا، اے گروہ انصار! تم لوگوں کے فضل و شرف اور دین میں تمہارے کارناموں کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسول کا انصار بنایا، تمہاری طرف ہجرت ہوئی، تم میں آپ کے ازواج اور بڑے بڑے اصحاب ہیں، مہاجرین اولین کے بعد تمہارے درجہ کا کوئی نہیں، ہم امیر ہیں تو تم وزیر ہو، کسی مشورہ میں تمہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے بغیر کوئی فیصلہ ہوگا۔“

ایک روایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انصار کے جواب میں فرمایا:

”ما ذکرتم فیکم من خیر فأنتم له أهل، ولن یعرف هذا الأمر إلا لهذا الحي من قریش، هم أوسط العرب نسباً وداراً۔“ (۱)

یعنی ”تم نے جو اپنی فضیلت بیان فرمائی واقعی تم اس کے اہل ہو، لیکن خلافت کا حق دار قریش ہی ہے، کیونکہ یہ عرب میں نسب اور قبیلہ کے اعتبار سے سب سے افضل ہے۔“

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۱)، کتاب المحاربین، باب رجم الحسبی من الموالا إذا حصت، رقم (۶۸۳۰)۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد حباب بن الممذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا

کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو، ایک تم میں سے۔ (۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”الأئمة من قریش“ (۲) یعنی ”خلفاء و امراء قریش میں ہوں گے۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

”إنه لا یحل أن یکون للمسلمین أمیران، فإنه منہما یکن ذلکم یختلف أمرهم

وأحكامهم، وتنفرد جماعتهم وینتزعون فیما بینهم، هنالك تترك السنة وتظهر

البدعة، وتعظم الفتنة، ونیس لأحد علی ذلک صلاح، وإن هذا الأمر فی قریش ما

أطاعوا الله، واستقاموا علی أمره، قد بلغکم ذلک أو سمعتموه عن رسول الله صلی

الله علیہ وسلم، ولا تنزعوا فتفسلوا، ولذهب ریحکم واصبروا، إن الله مع

الصابرين، فتحس الأمراء والله المورث لهم الخیر لما فی الدین وألصقنا علیہ“ (۳)

یعنی ”مسلمانوں کے دو امیر یک وقت نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایسا ہوگا تو ان کا معاملہ و انواں

دول اور اختلاف کا شکار ہو جائے گا، ان کی جماعت تتر بتر ہو جائے گی، آپس میں لڑنے لگیں

گے، اس موقع پر سنت چھوڑ دی جائے گی اور بدعت کا ظہور ہوگا، فتنہ بڑا ہو جائے گا، پھر معاملے

کی درستی کسی کے اختیار میں نہیں رہے گی، یہ خلافت قریش میں رہے گی، جب تک قریش کے

لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں اور دین پر قائم رہیں، یہ بات تم تک پہنچ چکی ہے، یا آپ

نے فرمایا کہ یہ بات تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے ہو، جھگڑ مت کہ کمزور ہو جاؤ گے اور

(۱) السنن للترمذی مع شرحہ للقاری (ج ۲ ص ۲۱۶)۔

(۲) المستدرک للحاکم (ج ۴ ص ۷۶)، کتاب معروفة الصحابة، ذکر فضائل قریش من حديث عیسیٰ، والسنن لأحمد

(ج ۳ ص ۱۲۹)، (ج ۲ ص ۱۲۳۳۲)۔ قال القاری: ”وهو حديث صحيح، ومن خبری عن أنس بن مالك قال: سمعت رسول الله

صلى الله عليه وسلم يقول: (ج ۲ ص ۲۱۹)۔

(۳) کتاب العمال (ج ۵ ص ۵۹۶)، کتاب الخلافة والإمامة، کتاب الأول فی خلافة الخلفاء، خلافة أبي بكر الصديق، صلی اللہ

عليه وسلم (ج ۵ ص ۱۵۰)۔

تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ہم امیر اور تم وزیر ہو، تم ہمارے دینی بھائی ہو اور دین میں ہمارے مددگار ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ارشاد فرمایا ”سیفان فی غمد واحد لایکونان“ اور ایک روایت میں ہے ”حیہات! لایجتمع فحلان فی مغرس“۔ (۱) یعنی ”ایک نیام میں دو تلواریں اور ایک جگہ دو زنبیں ہو سکتے۔“

ان حضرات کے نقلی و عقلی دلائل سنتے ہی حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

”ولقد علمت باسعد، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال — وأنت قاعد—:

قریش ولادہ هذا الأمر، خیر الناس تبع لبرہم، وفاجرہم تبع لفاجرہم“۔ (۲)

یعنی ”اے سعد! تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ایک موقع پر جب تم وہاں موجود تھے، فرمایا تھا کہ قریش خلافت کے ذمہ دار ہوں گے، کیونکہ اچھے لوگ ان کے نیکوکاروں کے تابع ہیں اور برے لوگ ان کے بروں کے تابع۔“

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ”صدقت، نجبن الوزراء وأئتم

الأمراء“۔ (۳) یعنی ”واقعی آپ نے درست فرمایا، ہم وزیر ہوں گے اور آپ لوگ امیر۔“

اس روایت میں صراحتہً موجود ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی

اللہ عنہ کو قسم دے کر کہا کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، حضرت سعد نے ”صدقت“ کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی۔

شمال ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے ”منا امیر ومنکم امیر“ کہا تو حضرت فاروق اعظم

(۱) السیرۃ النحلۃ (ج ۳ ص ۳۵۸)، باب ما یدکر فیہ مدۃ مرضہ وما وقع فیہ وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) المسند لأحمد (ج ۱ ص ۵) رقم (۱۸) مسند أبي بكر الصديق رضي الله عنه۔

(۳) حوالہ بالا۔

رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیتیں بیان کیں اور علی الاعلان فرمایا کہ بتلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابوبکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں:

اول: یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْهُمَا فِي الْغَارِ﴾ (۱) فرمایا، ابوبکر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بتایا اور آپ کا یارِ غار بتایا۔

دوم: یہ کہ ابوبکر کو آپ کا صاحبِ خاص اور محبِ بااختصاص فرمایا ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ﴾ (۲)۔ سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیتِ خاصہ کو ذکر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (۳) ورنہ علم اور احاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام اور سب کو شامل اور متناول ہے، ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (۴)۔

یہ تین فضیلتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نص قرآن سے ثابت ہیں، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں اور وہی سب سے زیادہ مستحقِ خلافت ہیں۔ (۵)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفا فرمایا، جو روزِ روشن کی طرح بالکل واضح تھے، ورنہ آیت کے سیاق و سباق میں صدیق اکبر کی افضلیت کے اور بھی دلائل موجود ہیں، چنانچہ:-

اول: ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (۶)۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو ترکِ نصرت پر عتاب اور تہدید ہے، اس لئے کہ ابوبکر صدیق تو آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے ناصر و مددگار تھے، ابوبکر عتاب سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم: یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نصرت کو

(۱) التوبة/۳۹۔

(۲) التوبة/۳۹۔

(۳) التوبة/۳۹۔

(۴) الحديد/۴۔

(۵) دیکھئے مسائل الترمذی مع جمع الوسائل (ج ۲ ص ۲۲۰)۔

(۶) التوبة/۳۹۔

متضمن ہے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، پس حضور پر نور کی طرح ابوبکر منصور اور مؤید من اللہ تھے، وہی حق بالخلافۃ ہوں گے۔

سوم: یہ کہ ﴿فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ﴾ میں ”علیہ“ کی ضمیر صحیح قول کی بنا پر ابوبکر صدیق کی طرف راجع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اور طمانینت ابوبکر پر نازل کی، اس لئے کہ ابوبکر صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غایت درجہ حزیں و مضطرب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص سکینت و طمانیت سے سرفراز فرمایا۔

چہارم: یہ کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”ثَانِي اثْنَيْنِ“ بتلایا گیا ہے، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اور قائم مقام ہیں اور مقام قرب اور غار انوار و تجلیات میں آپ کے رفیق اور یارِ غار ہیں۔

پنجم: یہ کہ ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ میں ”صاحب“ سے باجماع مفسرین ابوبکر صدیق مراد ہیں، حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طور پر ابوبکر صدیق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب یعنی رفیق خاص، مصاحب با اختصاص اور محب صادق سراپا اخلاص بتایا، اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحبت اور معیت اور رفاقت دائم اور مستمر ہے، حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالم آخرت اور میدان حشر اور حوض کوثر پر بھی آپ کے رفیق ہوں گے، اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول ”لصاحبه“ کا منکر ہے۔

ششم: یہ کہ ابوبکر کے متعلق یہ فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ ”اے ابوبکر! تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو۔“ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جاں نثار اور آپ کے لئے غمگین و غمگسار تھے۔

ہفتم: یہ کہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے بعد ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی۔ (۱)

اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں، تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔ (۱)

ادھر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: خدا کی قسم! یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں، آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں، نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے، اے ابوبکر! آپ اپنا دست مبارک بڑھائیے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ، تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں، عمر نے ابوبکر سے کہا کہ تم افضل ہو، ابوبکر نے جواب دیا ”أنت أقوى مني“ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو، اسی پر تکرار ہوتا رہا، آخر میں عمر نے کہا کہ ”إن قوتي لك مع فضلك“ میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرے گی، یعنی امیر تو افضل ہوگا اور ”أقوى“ اس کا وزیر ہوگا۔ (۳)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاؤ، پس جب ان دونوں حضرات یعنی حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے بیعت کی۔ (۴)

جب حباب بن الممذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم یعنی سعد بن عبادہ کی امارت کو پسند نہیں کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا، بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔ (۵)

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۸ ص ۱۴۲)، کتاب قتال أهل البغی، حجاج أبواب الرعاة، باب: الأنعة من قریش۔

(۲) کنز العمال (ج ۵ ص ۶۴۰)، رقم (۱۴۱۲۷)۔

(۳) کنز العمال (ج ۵ ص ۶۵۲)، رقم (۱۴۱۴۰)، وجمع الوسائل (ج ۲ ص ۲۲۱)۔

(۴) السیرة الحلیة (ج ۳ ص ۳۵۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

پھر قبیلہ اوس کے لوگ قبیلہ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کر سکتے تھے اور انہیں اندیشہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنالیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلہ اوس کو اس فضیلت میں کبھی حصہ نہیں ملے گا، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے، انہوں نے قبیلہ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کا معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے اٹھ پڑے اور کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ (۱)

بیعت عامہ

یہ بیعت خاصہ تھی، جو دو شنبہ کی شام کو ہوئی، جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور اس کے بعد دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی کے منبر پر بیعت عامہ ہوئی۔ (۲)

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے، تمام اصحاب کبار اور مہاجرین و انصار موجود تھے، پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور اس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوابق و فضائل شمار کر کے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو باصرار منبر پر بٹھایا اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۳)

بیعت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ:

”اے لوگو! تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے یہ خلافت اس لئے قبول کی ہے کہ میں امارت یا خلافت کا شوق رکھتا تھا، یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری اور فوقیت چاہتا تھا تو قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول نہیں کیا، خدا کی قسم! میں نے امارت

(۱) دیکھئے سیرۃ المصطفیٰ (ج ۳ ص ۲۱۱ و ۲۱۲)۔

(۲) دیکھئے السیرۃ الحلبيۃ (ج ۳ ص ۲۵۹)۔

(۳) البدایۃ والنہایۃ (ج ۵ ص ۲۴۸)۔

یا خلافت کی کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی خواہش نہیں کی، نہ ظاہر ایا باطن میں نے اس کی تمنا کی۔

”میری تو تمنا تھی کہ میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپا جاتا، جو مسلمانوں میں عدل کرتا، اب میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو چاہو امارت اور خلافت سپرد کرو، کیونکہ میں تم میں سے ایک فرد ہوں۔“ (۱)

حضرت علی اور

حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نظر نہیں آنے، فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا، ان کو بھی بلاؤ، انصار میں سے کچھ لوگ اٹھے اور ان دونوں حضرات کو بلا کر لے آئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد! کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو؟!“ اور یہی حضرت زبیر سے بھی کہا۔

ان دونوں حضرات نے کہا کہ ”اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ہمیں آپ ملامت نہ کریں، ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے، ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں، خیال صرف یہ ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا، باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابو بکر ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہیں، ہمیں ان کا فضل و شرف اور ان کی بھلائی بخوبی معلوم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ (۲)

اور ایک روایت کے مطابق اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”إنہ رضىہ لدینا أفلا

(۱) دیکھئے کنز العمال (ج ۵ ص ۶۱۵)، رقم (۱۴۰۸۱)۔

(۲) دیکھئے البدایہ والنہایہ (ج ۵ ص ۲۵۰)۔

نرضاه لدنیانا“ (۱) یعنی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے پسند نہیں کریں گے؟“۔

یہ کہہ کر ان دونوں حضرات نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہ پوچھا اور نہ بلایا تو شیعہ یہ بتلائیں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا، خود ہی فتنہ کے خوف سے چلے گئے تھے۔
بہر حال حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے شروع ہی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت یا تو اسی روز کر لی تھی یا دوسرے دن، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان (سقیفہ بنی ساعدہ) میں لوگ جمع ہوئے، ان حضرات میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق موجود تھے، انصار کے ایک خطیب (زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور ہم ہمیشہ حضور کے انصار اور معاون بنے رہے، اب جو خلیفہ ہوگا اس کے بھی ہم انصار و مددگار ہوں گے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم معاون تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تمہارے خطیب نے درست کہا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت بتاتے تو ہم موافقت نہ کر سکتے تھے، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر عمر فاروق نے کہا کہ اے حاضرین! تم سب کے یہ امیر ہیں، ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو، خود حضرت عمر نے اور اس موقع پر موجود تمام مہاجرین و انصار

نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

پھر (مسجد نبوی میں تشریف لاکر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد حاضرین پر نظر فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے، آپ نے لوگوں سے پوچھا، انصار کے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپہنچے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی! آپ کے داماد! کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ ملامت نہ کیجئے اور فوراً ہی بیعت کر لی۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے تو ان کا پوچھا، وہ بھی حاضر ہوئے، ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی! اللہ کے رسول کے حواری! کیا آپ مسلمانوں کے درمیان تفریق چاہتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ملامت نہ کیجئے اور بیعت کر لی۔ (۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے پاس امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ آئے اور یہ حدیث سنی تو انہوں نے فرمایا، ”هذا حديث يسوي بدنة“ کہ یہ حدیث تو قربانی کے اونٹ یا گائے کے برابر ہے، ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ”بدنة“ نہیں بلکہ ”بدرة“ یعنی ایک ہزار دینار کی تھیلی کے برابر ہے۔ (۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وهذا إسناد صحيح محفوظ من حديث أبي نضرة المنذر بن مالك بن قطعة عن أبي سعيد سعد بن مالك بن سنان الخدري، وفيه فائدة جلية، وهي مبايعة علي بن أبي طالب إما في أول يوم، أو في اليوم الثاني من الوفاة، وهذا حق؛ فإن علي بن أبي طالب لم يفارق الصديق في وقت من الأوقات، ولم ينقطع في صلاة من الصلوات خلفه.....، وخرج معه إلى ذي القصة، لما خرج الصديق شاهراً سيفه، يريد قتال أهل

(۱) السنن الكبرى للبيهقي (ج ۸، ص ۱۴۳)، کتاب قتال أهل البغي، جماع أبواب الرعدة، باب: الأئمة من قریش۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (ج ۸، ص ۱۴۳)۔

(۱) - الردۃ

یعنی ”ابونضرہ عن ابی سعید کے طریق سے مروی یہ سند بالکل صحیح اور محفوظ ہے اور اس میں ایک عظیم فائدہ کی بات یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پہلے ہی روزیادوسرے روز بیعت کر لی تھی، یہی بات برحق ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی وقت بھی الگ نہیں ہوئے، نہ ہی کسی نماز میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے سے منقطع رہے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر ذی القصدہ کے مقام کی طرف مرتدوں کے ساتھ قتال کے لئے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے معاون بن کر ان کے ساتھ نکلے تھے۔“

واضح رہے کہ مذکورہ روایات کو شیعہ علماء نے بھی اپنی کتابوں میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی، چنانچہ نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید شیعہ نے اپنی شرح نہج البلاغۃ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”قال علي والزبير: ما غضبنا إلا لأننا أخرنا عن المشورة، وإنا لنرى أبا بكر أحق الناس بها، إنه صاحب الغار، وإنا لنعرف له سنة..... وأمره رسول الله صلى الله عليه وآله، بالصلاة وهو حي“ - (۲)

یعنی ”حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہماری یہ رنجیدگی صرف مشورہ میں شامل نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہوئی، حالانکہ ہم ابوبکر کو اور لوگوں سے خلافت کا زیادہ حق دار جانتے ہیں اور غار کی صحبت کی فضیلت ان کو حاصل ہے، ہم ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا.....“

تعبیراً بیعت کے سلسلہ میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی اہم ہے، جس کو ابن جریر

(۱) السداية والنهاية (ج ۵ ص ۳۹۹)۔

(۲) شرح نهج البلاغة لأبي الحديد (ج ۱ ص ۱۵۴)، دیکھئے ”رحماء بينهم“ (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے:

”قال عمرو بن حریث لسعيد بن زيد: أشهدت وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم، قال: فمتى أبو بكر؟ قال: يوم مات رسول الله صلى الله عليه وسلم، كرهوا أن يبقوا بعض يوم وليسوا في جماعة، قال: فخالف عليه أحد؟ قال: لا، إلا مرتد أو من قد كاد أن يرتد لولا أن الله عز وجل ينقذهم من الأنصار، قال: فهل قعد أحد من المهاجرين؟ قال: لا، تتابع المهاجرون على بيعته من غير أن يدعوهم“۔ (۱)

یعنی ”عمرو بن حریث نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر موجود تھے؟ فرمایا کہ ہاں! پوچھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کب ہوئی؟ فرمایا کہ جس روز آپ کی وفات ہوئی اسی روز بیعت ہو گئی تھی، صحابہ کرام کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ دن کا کچھ حصہ بھی بغیر جماعت اور امیر کے گزرے، پوچھا کہ کیا کسی نے مخالفت بھی کی تھی؟ فرمایا کہ نہیں! ہاں مرتدین نے بیعت نہیں کی، البتہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو بچالیا، ورنہ وہ بھی بس پھرنے والے ہی تھے۔ پوچھا کہ مهاجریں میں سے کوئی باقی رہا؟ فرمایا کہ نہیں! مهاجریں نے بغیر بلائے ہی مسلسل بیعت کی۔“

اسی طرح حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں:

”كان علي في بيته إذ أتني، فقبل له: قد جلس أبو بكر لبيعة فخرج في قميص ما عليه إزار ولا رداء، كراهية أن يخطئ عنها حتى يابعه، ثم جلس إليه، وبعث إلى ثوبه، فأثاد، فتخلله، ولزم مجلسه“۔ (۲)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے کہ ان کے پاس خبر پہنچی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیعت کے واسطے تشریف فرما ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتا پہنے ہوئے تھے، جسم پر کوئی چادر وغیرہ نہیں تھی، اسی حال میں تیز رفتاری کے ساتھ نکلے، کیونکہ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی

(۱) تاریخ ابن جریر الطبری (ج ۲ ص ۵۵۶)، حدیث المستفیضة۔

(۲) تاریخ الامم والملوک (ج ۲ ص ۵۵۶)۔

کہ اس سلسلہ میں تاخیر ہو، وہاں پہنچتے ہی بیعت کر لی، پھر وہاں بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کے لئے کسی کو بھیجا، ان کپڑوں کو وہیں زیب تن کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس کو لازم پکڑ لیا۔“

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی؟

یہاں صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی، یہ روایت ”ابن شہاب عن عروۃ عن عائشہ“ کے طریق سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

”فوجدت فاطمة علي أبي بكر في ذلك فهاجرته فلم تكلمه حتى توفيت، وعاشت بعد النبي صلى الله عليه وسلم ستة أشهر، فلما توفيت استنكر عني وجوه الناس، فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته، ولم يكن يبايع ذلك إلا شهر“۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کے دوسرے طرق کو جمع کر کے دیکھنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ ”عدم مبايعت“ والی یہ بات امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے، جو روایت کے درمیان مُدرج ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ حدیث کے درمیان ادراج کر دیتے تھے۔ (۲)

چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: ”قال معمر:

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۰۹)، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، رقم (۴۲۴۰ و ۴۲۴۱)، صحیح مسلم، کتاب

الجهاد، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث، ماثر كانوا فيه صدقة، رقم (۸۵۸۰)۔

(۲) وکذا کن ابن جریر یفسر الأحادیث کثیراً، وربما سقط أداة التفسير، فكان بعض أقرانه ربما يقول له: فصل كلامك من

كلام النبي صلى الله عليه وسلم، انظر التكت على كتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸۲۹) النوع العشرون: المدرج۔ وفتح المعیث

المسحوي (ج ۱ ص ۲۸۸)۔

فقال رجل للزهري: أفلم يبایعه علي ستة أشهر؟ قال: لا، ولا أحد من بني هاشم.....“ (۱)

اسی طرح سنن کبریٰ بیہقی کے الفاظ ہیں:

”قال معمر: قلت للزهري: كم مكثت فاطمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: ستة أشهر، فقال رجل للزهري: فلم يبایعه علي رضي الله عنه حتى ماتت فاطمة رضي الله عنها؟ قال: ولا أحد من بني هاشم.....“ (۲)

ان دونوں روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صحیحین کی روایتوں میں راوی کی طرف سے ”قال رجل للزهري“ یا ”قلت للزهري“ کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں، یہ حقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا حصہ نہیں ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وقول الزهري في فعود علي عن بيعة أبي بكر رضي الله عنه حتى توفيت فاطمة: منقطع، وحديث أبي سعيد الخدري في مبايعته إياه حين بويع بيعة العامة بعد السقيفة أصح.....“ (۳)

یعنی ”حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے رکے رہنے کا جو زہری کا قول ہے وہ منقطع ہے اور بیعت عامہ کے موقع پر واقعہ سقیفہ کے بعد ان کی بیعت کی جو روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اصح ہے۔“

اسی طرح انہوں نے اپنی ایک اور تصنیف میں ادراج کی وضاحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”والذي روي أن عياض يبایع أبابكر ستة أشهر ليس من قول عائشة، إنما هو من قول الزهري، فأدرجه بعض الرواة في الحديث عن عائشة في قصة فاطمة، وحفظه معمر بن راشد، فرواه مفصلاً، وجعله من قول الزهري منقطعاً من الحديث، وقد روينا

(۱) تاریخ الامم والملوک (ج ۲ ص ۴۴۸)۔

(۲) السنن الکبریٰ لبیہقی (ج ۶ ص ۳۰۰)، کتاب قسم النبی، والعیسة، باب بیان مصرف أربعة أخماس النبی، ص ۱۰۰۔

(۳) حوالہ بالا۔

في الحديث الموصول عن أبي سعيد الخدري ومن تابعه من أهل المغازي أن علياً بايعه في بيعة العامة بعد البيعة التي جرت في السقيفة“۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ”یہ جو مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جس کو بعض راویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر دیا، اس بات کو امام معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ضبط کیا اور انہوں نے اس روایت کو تفصیلاً نقل کیا ہے اور ہم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی موصول روایت نقل کی ہے اور انہی کی متابعت دیگر اہل مغازی نے بھی کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سقیفہ کے فوراً بعد بیعت عامہ کے موقع پر بیعت کر لی تھی۔“

اسی طرح امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں بیعت کر لی تھی۔ (۲)

لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس بیعت کا ذکر ہے، اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ دوسری بیعت تھی، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ولعل الزهري أراد فعوده عنها بعد البيعة، ثم نهوضه إليها ثانياً وقيامه بواجباتها“۔ (۳)

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے بیعت کر چکے تھے، پھر جب حضرت فاطمہ اور حضرت ابو بکر صدیق کے درمیان میراث کا معاملہ پیش آیا اور اس سلسلہ میں کسی حد تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اندر کبیدگی پیدا ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری اور دل جوئی کے واسطے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون وغیرہ سے بیٹھے رہے تھے، پھر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو دوبارہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دیا۔

(۱) ”رحمۃ اللہ علیہ“ (ج ۱ ص ۲۲۷)، نقلاً عن ”الاعتقاد علی مذهب السلف“ (ص ۱۸۰)۔

(۲) فتح الباری (ج ۷ ص ۴۹۵)، کتاب المغازی، باب غزوة حبیر۔

(۳) المسند الکبری للبیہقی (ج ۶ ص ۳۰۰)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَجُمِعَ غَيْرُهُ بِأَنَّهُ بَايَعَهُ يَبْعَةً ثَانِيَةً مُؤَكَّدَةً لِلأَوَّلَى، لِإِزَالَةِ مَا كَانَ وَقَعَ بِسَبَبِ الْمِيرَاثِ كَمَا تَقْدُمُ، وَعَلَى هَذَا فَيَحْمِلُ قَوْلُ الزَّهْرِيِّ: ”لَمْ يَبَايَعَهُ عَلِيٌّ فِي تِلْكَ الْأَيَّامِ“ عَلَى إِرَادَةِ الْمَلَارَمَةِ لَهُ وَالْحَضُورِ عِنْدَهُ وَمَا شَبَّهَ ذَلِكَ؛ فَإِنْ فِي انْقِطَاعِ مِثْلِهِ عَنْ مِثْلِهِ مَا يُوْهِمُ مِنْ لَا يَعْرِفُ بِاطْنِ الْأَمْرِ أَنَّهُ بِسَبَبِ عَدَمِ الرِّضَا بِخِلَافَتِهِ، فَأُطْلِقَ مِنْ أُطْلِقَ ذَلِكَ، وَبِسَبَبِ ذَلِكَ أَظْهَرَ عَلِيٍّ الْمَبَايَعَةَ الَّتِي بَعْدَ مَوْتِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لِإِزَالَةِ هَذِهِ الشُّبْهَةِ“۔ (۱)

یعنی ”امام بیہقی کے علاوہ دوسرے حضرات نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی بیعت کی تاکید کے لئے دوسری بیعت کی تھی، تاکہ میراث کے مسئلہ کی وجہ سے جو واقعات پیش آچکے تھے وہ ختم ہو جائیں، اس مطلب کی بنیاد پر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ ”حضرت علی نے ان ایام میں بیعت نہیں کی تھی“ کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضری نہیں ہو رہی تھی، وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دور رہے تو حقیقت حال سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے خوش نہیں تھے، چنانچہ بعض نقل کرنے والوں نے ایسی بات کہہ بھی دی، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوبارہ بیعت کی“۔ واللہ اعلم۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت

سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر وہاں موجود اعیانِ مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد بیعت عامہ ہوئی، جس میں تمام مہاجرین و انصار شریک ہوئے۔ اس طرح

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۵۹۵)، کتاب المغازی، أواخر باب عزوة خیر۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

البتہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے آخر تک بیعت نہیں کی، بلکہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ حضرت سعد سے ضرور بیعت لینی چاہئے، لیکن بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اس معاملہ میں تنہا ہیں، ان سے درگزر کرو اور انہیں اپنی حالت پر رہنے دو، وہ ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں، زبردستی چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ ان کا قبیلہ اور کنبہ حمایت پر اتر آئے اور گشت و خون تک نوبت پہنچے۔ چنانچہ سب کو یہ رائے پسند آئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں وہ وہیں مدینہ منورہ ہی میں رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ (۱)

اس سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع نہیں ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ”أن سعداً بايع يومئذ“۔ (۲) یعنی ”حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسی روز بیعت کر لی تھی“۔

قرائن بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی، کیونکہ عقیقہ بنی ساعدہ کے موقع پر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ

”ولقد علمت يا سعد، أن رسول الله قال - وأنت قاعد : قریش ولادة هذا الأمر، فبر الناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم“۔

یعنی ”اے سعد! تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا تھا: اس خلافت کے ذمہ دار قریش کے لوگ ہوں گے، کیونکہ ان کے نیلوکار

(۱) دیکھئے الطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۳ ص ۶۱۶ و ۶۱۷)، ترجمۃ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، وکبر العمال

(ج ۵ ص ۶۲۷-۶۲۸)، رقم (۱۴۱۰۷)۔

(۲) دیکھئے تاریخ ابن خلدون (ج ۲ ص ۴۰۰)۔

ان ہی کے نیکو کاروں کے اور ان کے فاجران ہی کے فاجروں کے تابع ہیں۔“

اس پر انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی تصدیق کرتے ہوئے اعتراف کیا تھا ”صدقت، نحن

المرء والنتم الامراء۔“ (۱)

اس تصدیق و اقرار کے بعد ان کا بیعت سے انکار بظاہر سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہا جائے گا کہ انہوں نے بیعت کر لی تھی۔

جہاں تک بیعت سے انکار والی روایت کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احق بالخلافۃ ہونے کا اقرار کر لیا تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے کو ضروری نہیں سمجھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار اسی پر تھا کہ ان سے ظاہراً بھی بیعت لی جائے، جس سے انہوں نے انکار کیا۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دل سے تسلیم نہیں کیا، بلکہ حقیقت واقعہ یہی ہے کہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اقرار بھی کیا اور دل سے اسے تسلیم بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پورے عہد خلافت میں مدینہ منورہ ہی میں رہے، صدیق اکبر کی وفات کے بعد شام منتقل ہوئے، اس دوران ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا جسے حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے خلاف کہا جاسکے۔

جہاں تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز کے لئے حاضر نہ ہونے یا ان کی مجالس میں نہ آنے کا تعلق ہے، سو یہ ایک فطری سارد عمل ہے کہ ایک شخص کو لوگ خلیفہ بنانے کے لئے گھر سے نکال لائے ہوں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کے لئے لوگ جذباتی ہو چکے ہوں، پھر وہ بھی معمولی آدمی نہیں، قبیلہ خزرج کے سردار، جود و سخا میں بے مثال تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً انصار کا علم انہی کو عطا فرماتے تھے، پھر مستزاد ان کی خود داری اور غیرت! ان تمام اوصاف کے حامل شخص کو حق کے اعتراف کے ساتھ جب خلافت کے امر سے دستبردار ہونا پڑا تو فطری طور پر ایک شرمندگی سی ان کے اندر پیدا ہوئی، جس کی

وجہ سے وہ گوشہ نشین رہے۔

اس لئے قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔

مسئلہ خلافت پر

اہل سنت اور اہل تشیع کا منشأ اختلاف

یہاں تک ہم قرآن کریم کے اشارات، بے شمار احادیث و آثار اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور اجماع سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے اور حضرات صحابہ کرام نے ان کا بالکل برحق انتخاب کیا۔

یہاں اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان منشأ اختلاف کا جائزہ لینے سے بھی یہ مسئلہ اور زیادہ منقح ہوگا۔ اہل تشیع کے نزدیک خلافت کا دار و مدار قرابت اور علاقہ مصاہرت پر ہے، اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہئے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ خلافت کا مدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت پر، جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا وہ شخص خلیفہ رسول اور جانشین نبی ہوگا، خلافت نبوت کو قرابت اور مصاہرت یعنی رشتہ داری سے کیا تعلق؟!۔

خلافت کا دار و مدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ یا تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوتے، یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہوتیں، پھر حضرت فاطمہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم ہوتے، ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ سوم ہوتے، ان کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حیات ہوتے تو پھر وہ خلیفہ چہارم بنتے۔

حاصل یہ کہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہوتا تو شیعوں کے اس قاعدہ کی بنیاد پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ

خلیفہ چہارم بنتے۔ لہذا اگر اہل سنت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا؟! پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دور میں جو خلافت ملی وہ حضرات مہاجرین و انصار کی بیعت سے ملی، شیعوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی نہیں دیا۔

اور اگر مدار خلافت علاقہ مصاہرت کو قرار دیا جائے تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خلافت بلا فصل کے مستحق تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے، جن کے عقد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں ”ذوالنورین“ کے خاص لقب سے مشہور ہوئے۔

رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پر نور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں، سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سبب سے ان کو جو خاص شرف حاصل ہوا تھا وہ صرف نکاح سے حاصل ہو چکا تھا، بی بی کے زندہ رہنے یا نہ رہنے کو اس میں دخل نہیں، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرف دامادی حاصل رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ شرف سیدہ فاطمہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھیں، بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکا اور فریب ہے۔

شیعوں کی کتاب ”اصول کافی“ میں صاف موجود ہے:

”وتزوج خدیجۃ وهو ابن بضع وعشرين سنة، فولد له منها قبل مبعثه القاسم

ورقیۃ وزینب وأم کلثوم، وولد له بعد المبعث الطیب والطاهر وفاطمۃ“۔ (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت

آپ کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی، چنانچہ بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے

صاحبزادے قائم اور صاحبزادیاں رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں، جبکہ بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

غرضیکہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں تھیں، جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے تقدم و تاخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا، حضرت سیدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہو گیا، اسی طرح حضرت عثمان کے دوہرے شرف دامادی کو سمجھئے۔ (۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم و علمہ اتم و أحکم۔

مسئلہ خلافت کو ہم نے یہاں نہایت مختصر انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تفصیل کے لئے ”ازالۃ الخفاء“ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ”رحماء بینہم“ از مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم اور ”سیرت المصطفیٰ“ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فخرج ابن عباس یقول: إن الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كتابه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہوئے نکلے کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتابت کے درمیان حائل ہو گئی۔

اس جملہ سے ظاہر ایوں لگتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس مجلس میں موجود تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اس مجلس میں موجود نہیں تھے، وہ یہ جملہ عموماً اس وقت کہا کرتے تھے جب یہ حدیث سناتے تھے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ایک طریق میں نقل کیا ہے ”قال عبيد الله: فكان ابن عباس یقول: إن الرزية.....“ (۲) اسی طرح مستخرج ابی نعیم کی حدیث میں ہے ”قال عبيد الله:

(۱) دیکھئے سیرت المصطفیٰ (ج ۳ ص ۲۳۲-۲۳۳)۔

(۲) صحيح البخاری (ج ۲ ص ۸۴۶ و ۸۴۷) کتاب المروسی، قال ابن نعیم: سمعنا علی بن ابی طالب (۲۶۶)۔

فسمعت ابن عباس يقول إلخ۔ (۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث عبید اللہ کو سنائی، آخر میں یہ جملہ کہتے ہوئے اس جگہ سے نکل گئے، جہاں وہ حدیث سنار ہے تھے۔

اس غیر ظاہر صورت پر محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عبید اللہ تابعی ہیں اور ان کا شمار طبقہ ثانیہ میں ہوتا ہے، وہ اس قصہ اور واقعہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، کیونکہ ان کی ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کافی بعد ہوئی تھی اور پھر انہوں نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کافی مدت گزر جانے کے بعد سنی۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اپنی رائے یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تحریر لکھ دیتے۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب کی مناسبت ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا، جس سے امت کا اختلاف فرو ہو جاتا اور آپ کا ارادہ بھی برحق اور جائز ہے، اس سے کتابت حدیث کا جواز معلوم ہوا۔

فائدہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں چار احادیث ذکر کی ہیں:
پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صحیفہ لکھا تھا، جس کو وہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے۔

اس روایت میں یہ امکان موجود تھا کہ انہوں نے یہ احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

بعد لکھی ہوں اور آپ نے جو کتابت حدیث سے منع فرمایا وہ حضرت علی تک نہ پہنچا ہو۔

اس لئے اس کے بعد دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذکر کی، جس میں کتابت کا حکم ہے، چونکہ یہ نبی کے بعد وارد ہے، اس لئے نبی عن کتابت الحدیث منسوخ ہوئی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے، اس کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ آپ سے انہوں نے کتابت کی اجازت طلب کی تھی، آپ نے اجازت دی۔ (۱)

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ”اكتبوا لأبي شاه“ کے مقابلہ میں اس حیثیت سے قوی ہے کہ امر بالکتابت والی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ کسی شخص کے امی یا اعمی وغیرہ صاحبِ عذر ہونے کی وجہ سے آپ نے اجازت دی ہو۔

اور آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے باب کا اختتام فرمایا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ مذکور ہے جس سے اختلافات ختم ہو جاتے اور ضلالت و گمراہی کا راستہ بند ہو جاتا۔ (۲) واللہ اعلم

(۱) أخرجه العقيلي، كما في فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۹)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۰)۔

۴۰ - باب : الْعِلْمُ وَالْعِظَةُ بِاللَّيْلِ .

ترجمة الباب میں یہاں ”العظة“ ہے، جبکہ بعض نسخوں میں ”البقطة“ ہے، یہی حدیث کے زیادہ مناسب ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں یہ باب اگلے باب کے بعد ہے۔ (۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت بایں طور ہے کہ سابق باب میں کتابتِ علم کا ذکر ہے جو ضبطِ علم اور جہد و محنت پر دل ہے اور اس باب میں رات کے وقت تعلیم و موعظت مذکور ہے، یہ بھی محنت اور جدوجہد اور حصولِ علم کے مشکل ہونے کی دلیل ہے۔ (۲) واللہ اعلم

ترجمة الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف اس باب سے متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ عشاء کے بعد گفتگو اس صورت میں ممنوع ہے جب خیر کی بات نہ ہو۔ (۳)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے بعد ”باب السمر فی العلم“ آ رہا ہے، یہ دونوں باب متقارب ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے، اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے یہ دو باب الگ الگ لائے گئے ہیں۔

اس باب کی غرض اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ سوکراٹھنے کے بعد بات چیت ”سمر“ میں داخل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ”سمر“ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۲)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۲)۔

(۳) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۰)۔

اگلے ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہے کہ عام سمر تو ممنوع ہے، البتہ سمر فی العلم منہی عنہ نہیں ہے۔ (۱)
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یتحولنا بالموعظة فی الأيام کراهة السامة علینا“۔ (۲)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ”یسروا ولا تعسروا.....“۔ (۳)
اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے ”لا تمل الناس هذا القرآن.....“۔ (۴)
ان تمام روایات و آثار سے ظاہر ہے کہ تذکیر و تعلیم میں نشاط سامعین کا لحاظ ضروری ہے، اور رات
چونکہ نوم اور راحت کے لئے ہے، اس سے رات میں تعلیم و تذکیر کی کراہیت کا خیال ہوتا ہے۔
سومؤلف نے ”باب العلم والعظة باللیل“ منعقد فرما کر ایسی روایت بیان فرمائی کہ جس
سے صاف معلوم ہو گیا کہ عند الضرورت سوتوں کو جگا کر تعلیم و تذکیر لازم ہے۔ (۵)

۱۱۵ : حَدَّثَنَا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَيْيَةَ : عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ هِنْدٍ ، عَنْ
أُمِّ سَلَمَةَ . وَعَمْرٍو وَبَحْيٍ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ هِنْدٍ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : أَسْتَيْقِظُ
النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ : (سُبْحَانَ اللَّهِ ، مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةُ مِنَ الْفِتَنِ ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ ،
أَيَقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِبَةٌ فِي الْآخِرَةِ) .

[۱۰۷۴ ، ۳۴۰۴ ، ۵۵۰۶ ، ۵۸۶۴ ، ۶۶۵۸]

- (۱) دیکھئے لامع الدراری مع الكنز المتواری فی معادن لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۵۹ و ۳۶۰)۔
(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۶)، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحولہم بالموعظة.....، رقم (۶۸)۔
(۳) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۶) کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحولہم بالموعظة.....، رقم (۶۹)۔
(۴) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۹۳۸) کتاب الدعوات، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء، رقم (۶۳۳۷)۔
(۵) الأبواب والتراجم (ص ۵۵)۔
(۶) قولہ: ”عن أم سلمة رضي الله عنها“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في (ج ۱ ص ۱۵۱ و ۱۵۲) کتاب التہجد (الصلاة)
باب تحريض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلاة اللیل والنوافل من غیر إيجاب، رقم (۱۱۲۶)، وفي (ج ۱ ص ۵۰۸) کتاب
المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، رقم (۳۵۹۹)، وفي (ج ۲ ص ۸۶۹) کتاب اللباس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یتجوز من اللباس والبسط، رقم (۵۸۴۴)، وفي (ج ۲ ص ۹۱۸) کتاب الأدب، باب التکبیر والتسبیح عند التعجب،
رقم (۶۲۱۸)، و (ج ۲ ص ۱۰۴۷) کتاب الفتن، باب لا یأتی زمان إلا انذی بعده شرمته، رقم (۷۰۶۹)، والترمذی فی جامعہ،
کتاب الفتن، باب ما جاء ستكون فتنة کقطع اللیل المعظم، رقم (۲۱۹۶)۔

تراجم رجال

(۱) صدقہ

یہ صدقہ بن الفضل ابو الفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱)

انہوں نے اسماعیل بن علیہ، حجاج بن محمد، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمن بن مہدی، محمد بن جعفر غندر، ابو معاویہ، معتمر بن سلیمان، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید القطان اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، محمد بن نصر مروزی، یعقوب بن سفیان فارسی، عبید اللہ بن واصل بخاری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۲)

وہب بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”جزی اللہ إسحاق بن راہویہ، وصدقہ، ویعمر عن الإسلام خیراً، أحيوا السنة بأرض المشرق“۔ (۳)

عباس بن عبد العظیم عنہ فرماتے ہیں: ”رأيت ثلاثة جعلتهم حجة فيما بيني وبين الله: أحمد بن حنبل، وزيد بن المبارك، وصدقہ بن الفضل“۔ (۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الإمام الحافظ القدوة شيخ الإسلام“۔ (۶)

ابو بشر دولابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۳ ص ۱۴۴)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۳ ص ۱۴۴ و ۱۴۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۳ ص ۱۴۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۱۳ ص ۱۴۶)۔

(۶) سیر أعلام النبلاء، (ج ۱۰ ص ۴۸۹)۔

(۷) کتاب النکبی والأسماء (ج ۲ ص ۸۰)۔

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إمام ثبت“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ”کان صاحب حدیث

وسنة“۔ (۳)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعةً

ان کا انتقال ۲۲۳ھ یا ۲۲۶ھ میں ہوا۔ (۴)

(۲) ابن عیینہ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصر ابدء الوحی کی پہلی

حدیث کے ذیل میں (۵) اور قدرے تفصیل سے کتاب العلم، ”باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا.....“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۶)

(۳) معمر

یہ امام معمر بن راشد ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پچھلے باب ”باب کتابہ

العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۴) عمرو

یہ مشہور امام و فقیہ عمرو بن دینار مکی جَمَحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی گذشتہ باب ”باب

(۱) الکاشف (ج ۱ ص ۵۰۲)، رقم (۲۳۸۶)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۲۷۵)، رقم (۲۹۱۸)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۳۲۱)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۴۹۰)۔

(۵) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۳۸)۔

(۶) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۰۲)۔

کتابۃ العلم“ کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۵) یحییٰ بن سعید

یہ امام یحییٰ بن سعید انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۱) اور قدرے تفصیل سے کتاب الإیمان، ”باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان“ میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

تنبیہ

بعض حضرات نے یہاں یحییٰ بن سعید کا مصداق یحییٰ القطان کو قرار دیا ہے، یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ یحییٰ القطان کا امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے لقاء و سماع نہیں ہے۔ (۳)

(۶) الزہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۷) ہند

یہ ہند بنت الحارث الفراسیۃ - بکسر الفاء بعدھا راء مہملۃ ثم ألف ثم سین مہملۃ - رحمہا اللہ تعالیٰ ہیں، ان کو ”قرشیۃ“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۵) یہ معبد بن المقداد بن الاسود کی زوجہ ہیں۔ (۶)

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۳۸)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۲۱)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۰)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۷۲)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

(۵) کما فی صحیح البخاری: ”حدثني هند القرشية“۔ (ج ۱ ص ۱۱۷) کتاب الأذان، باب مکث الإمام فی مصلاة بعد

السلام، رقم (۸۵۰)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۲۰)۔

یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، ان کے ساتھ خصوصی تعلق رکھنے والوں میں سے تھیں۔ (۱)

ان سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

ان کی احادیث مسلم کے سوا باقی کتب صحاح میں موجود ہیں۔ (۵) رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعةً

تنبیہ

یہ ہند بنت الحارث فراسیہ صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، جبکہ ان سے روایت کرنے والے سوائے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی اور نہیں، ان کے بارے میں علماء جرح و تعدیل سے کسی قسم کی تعدیل و تخرج بھی منقول نہیں ہے، البتہ صرف امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”کتاب الثقات“ میں ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ ہر اس راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں جس کے بارے میں کسی سے جرح منقول نہ ہو، خواہ کسی سے تعدیل بھی منقول نہ ہو۔ (۶)

لیکن جمہور کے نزدیک ایسا راوی مجہول کہلاتا ہے اور اس کی حدیث مرتبہ ”صحیح“ کو نہیں پہنچتی۔ (۷)
اس کا جواب یہ ہے کہ بعض حضرات نے ان کو صحابیہ قرار دیا ہے، اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۵۱۷)۔

(۴) تقریب التہذیب (ص ۷۵۴) رقم (۸۶۹۵)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۲۰)۔

(۶) قال ابن حبان: ”... لأن العدل من لم يعرف منه الجرح ضد التعديل، فمن لم يعلم بجرح فهو عدل إذا لم يبين ضده“

الثقات لابن حبان (ج ۱ ص ۱۳)۔

(۷) فتح المغیث للسخاوی (ج ۲ ص ۴۴)۔

اور اگر یہ صحابیہ نہ ہوں تو تابعیہ ہوں گی۔ تابعین میں جو ایسے حضرات ہیں جن کی تعدیل و تخریج منقول نہ ہوں ان کی روایات کو بعض حضرات تو قبول نہیں کرتے، جبکہ بہت سے حضرات قبول بھی کرتے ہیں، چنانچہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وقد قبل هذا القسم مطلقاً من العلماء مَنْ لم يشترط في الراوي مزيداً على الإسلام، وعزاه ابن المواق للحنفية، حيث قال: إنهم لم يفصلوا بين من روى عنه واحد، وبين من روى عنه أكثر من واحد، بل قبلوا رواية المجهول على الإطلاق“ (۱)

انتہی قول ابن المواق۔

یعنی ”علماء میں بعض حضرات نے راوی کے اندر سوائے مسلم ہونے کی شرط کے اور کوئی شرط نہیں لگائی، یہ حضرات ایسے ”مجهول“ راوی کی روایت کو قبول کرتے ہیں، یہی بات ابن المواق نے حنفیہ کی طرف منسوب کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حنفیہ نے کسی راوی میں یہ تفریق نہیں کی کہ اس سے ایک شخص روایت کرتا ہے یا ایک سے زائد شخص روایت کرتے ہیں، بلکہ علی الاطلاق مجهول کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔“

نیز حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”مجهول راوی جس سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہو، اس کو قبول کرنا ان حضرات علماء کے مذہب پر لازم ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ کسی عادل راوی کا کسی سے روایت کرنا اس کی تعدیل ہے، بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے محققین کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک ایسا راوی قابل احتجاج ہے۔ اسی طرح ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جہالت عین کسی ایک مشہور راوی کے روایت کرنے سے مرتفع ہو جاتی ہے، اسی طرف ان کے شاگرد ابن حبان کا کلام بھی اشارہ کر رہا ہے.....“ (۲)

(۱) فتح المغیث للسخاوی (ج ۲ ص ۴۵)۔

(۲) فتح المغیث (ج ۲ ص ۴۵)۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وبالجملة: فرواية إمام ناقل للشریعة لرجل ممن لم یرو عنه سوى واحد في مقام

الاحتجاج: كافية في تعريفه وتعديله“۔ (۱)

یعنی ”کوئی امام جو ناقل شریعت و راوی مشہور ہو اور وہ مقام احتجاج و استدلال میں کسی ایسے راوی سے روایت کرے جس سے سوائے ایک راوی کے کسی نے روایت نہ کیا ہو تو اس کی تعریف و تعدیل کے لئے کافی ہے۔“

اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ناقل شریعت امیر المؤمنین فی الحدیث کا ہند بنت الحارث یا ان جیسے کسی راوی سے حدیث نقل کرنا اس راوی کو جہالت سے نکال دے گا۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إذا كان في عصر التابعين والقرون المشهود لهم بالخير: فإنه يستأنس بروايته

ويستضاء بها في موطن“۔ (۲)

یعنی ”اگر وہ راوی جس سے صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، تابعین یا قرون فاضلہ سے تعلق رکھتا ہو تو اس کی روایت بطور استیناس لی جاسکتی ہے اور مختلف مقامات میں اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔“ واللہ سبحانہ اعلم

(۸) أم سلمة رضي الله عنها

یہ ام المؤمنین ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم قرشیہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا

ہیں، ابو امیہ کا نام حذیفہ یا سہیل بتایا جاتا ہے۔ (۳)

(۱) فتح المغیث للسخاوی (ج ۲ ص ۵۰)۔

(۲) اختصار علوم الحدیث (ص ۸۱) النوع الثالث والعشرون: معرفة من تقبل روايته ومن لا تقبل، وبيان الجرح والتعديل۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۱۷)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان سے ان کی اولاد عمر، برہ، سلمہ، عمرہ اور درہ پیدا ہوئی، یہ حضرت ابوسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ (۱)

حضرت ابوسلمہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ (۲)

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد کے بعد انتقال ہو گیا تو اصح قول کے مطابق ۴ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سابق زوج حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ایک دن تذکرہ کیا کہ سنا ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ جنتی ہو، اس کی بیوی اس کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت میں جمع فرمائیں گے، اسی طرح اگر عورت کا انتقال ہو گیا اور شوہر رہ گیا تب بھی یہی صورت حال ہوگی۔ اس پر حضرت ابوسلمہ نے کہا کہ کیا تم معاہدہ کرنا چاہتی ہو کہ میں تمہارے بعد کسی سے نکاح نہ کروں اور تم میرے بعد کسی کے ساتھ نکاح نہ کرو؟ پھر کہا کہ تم میری بات مانو گی؟ حضرت ام سلمہ نے کہا کہ ماننے کی غرض ہی سے تو مشورہ کر رہی ہوں۔ اس پر حضرت ابوسلمہ نے کہا کہ تم میرے بعد نکاح کر لینا اور دعا کی ”اللہم ارزق أم سلمة بعدي رجلاً خيراً مني لا يخزيها ولا يؤذيها“۔ یعنی ”ام سلمہ کو میرے بعد ایسا شخص نصیب فرما جو مجھ سے بہتر ہو، جو نہ انہیں رسوا کرے اور نہ تکلیف پہنچائے“، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں سوچتی رہی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون شخص ہو سکتا ہے؟! (۴)

ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شوہر کے انتقال کے بعد بتایا کہ :

”ما من عبد تصيبه مصيبة، فيقول: إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم أجر لي في مصيبتك وأخلف لي خيراً منها“۔

معيشتي وأخلف لي خيراً منها إلا أجره الله في مصيبته وأخلف له خيراً منها“۔

(۱) دیکھئے السيرة الحبية (ج ۳ ص ۳۱۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب المہذب (ج ۱۲ ص ۴۵۶)۔

(۴) الإصالة (ج ۴ ص ۲۲۳)۔

یعنی ”جو بندہ مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ کہنے کے بعد عرض کرے کہ اے اللہ! مجھے اپنی اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور اس سے بہتر بدلہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ اس مصیبت پر اسے اجر عطا فرماتے اور اس سے بہتر اس کا بدلہ دیتے ہیں۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں سوچنے لگی کہ ابو سلمہ سے بڑھ کر کون بہتر ہو سکتا ہے؟ پھر جی کڑا کر کے میں نے کہہ دیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا۔ (۱)

جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کر دیا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جہاں خوش ہوئیں وہاں زبردست دانشمندی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے کہا میری عمر کافی ہو چکی ہے، پھر میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میرے اندر غیرت بھی زیادہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی کرا دی تو ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔ (۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فضل و کمال اور فراست و دانائی مسلم تھی، غزوہ حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرا لینے کا تین مرتبہ حکم دیا، لیکن کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ حلق کرایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ ہیں، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، آپ اپنی ہدی ذبح کر لیں اور حلق کرا لیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ پر عمل فرمایا، بس! آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً

(۱) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند المصیبة، رقم (۲۱۲۶-۲۱۲۹)۔

(۲) دیکھئے الإحصاء (ج ۴ ص ۴۲۳)۔

اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر لیا اور حلق کرالیا، چنانچہ یہ عقدہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے بآسانی حل ہو گیا۔ (۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوسلمہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث نقل کرتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والوں میں عمر بن ابی سلمہ، زینب بنت ابی سلمہ، عامر بن ابی امیہ، مصعب بن عبد اللہ بن ابی امیہ، عبد اللہ بن رافع، نافع، سفینہ، خیرہ (حضرت حسن بصری کی والدہ)، سلیمان بن یسار، حضرت اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث، صفیہ بنت شیبہ، ابو عثمان النہدی، عروہ بن الزبیر، امام شعبی اور کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات صحابہ و تابعین ہیں۔ (۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً تین سو اٹھتر (۳۷۸) حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے تیرہ حدیثیں متفق علیہ ہیں، جبکہ تین حدیثوں میں امام بخاری متفرد ہیں اور تین میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں کافی اختلاف ہے، بعض نے ۵۹ھ بتایا ہے، جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ (۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں وفات ہوئی۔ (۵)

رضي الله عنها وأرضاها

حدثنا صدقة، أخبرنا ابن عيينة، عن معمر، عن الزهري عن هند عن أم

سلمة و عمرو ويحيى بن سعيد عن الزهري عن هند عن أم سلمة

(۱) دیکھئے السيرة الحلبية (ج ۳ ص ۲۳)۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۱۷-۳۱۹)۔

(۳) خلاصة الحزري (ص ۴۹۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱۲ ص ۴۵۶ و ۴۵۷)۔

(۵) سيرة المصطفى (ج ۳ ص ۳۰۶)۔

اس سند کے اندر کشمینی کی روایت میں ”عن ہند“ کی جگہ ”عن امرأة“ واقع ہوا ہے، اسی طرح دوسری سند میں بھی ابو ذر کی روایت ”ہند“ کی جگہ ”امرأة“ کے لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔
گویا امام زہری بعض اوقات نام ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات مبہم ذکر کر دیتے ہیں۔ (۱)

وعمر و یحییٰ بن سعید

یہ دونوں نام یا تو مرفوع ہیں یا مکسور ہیں۔

مرفوع ہونے کی صورت میں استیناف ہے، گویا ابن عیینہ جہاں معمر سے روایت کرتے ہیں وہاں عمرو بن دینار اور یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کرتے ہیں، البتہ عمرو سے پہلے صیغہ اداء حدیث کو حذف کر دیا، چنانچہ مسند الحمیدی میں اس کی سند اس طرح ہے ”حدثنا الحمیدی قال: حدثنا سفیان، قال: ثنا عمرو بن دینار و یحییٰ بن سعید عن الزہری..... وحدثنا معمر.....“۔ (۲)

اور مکسور ہونے کی صورت میں ”معمر“ پر عطف ہے۔ (۳)

استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نیند سے جاگ اٹھے۔

فقال: سبحان الله!

آپ نے فرمایا: سبحان الله!

یہ لفظ مصدر ہے، لیکن تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں تعجب ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (۴)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۰)۔

(۲) مسند الحمیدی (ج ۱ ص ۱۴۰) أحادیث أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۹۲)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۰)۔

(۴) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۷۳)۔

ماذا أنزل الليلة من الفتن وماذا فتح من الخزائن؟

آج رات کیا کیا فتنے اتارے گئے ہیں اور کیا کیا رحمت کے خزانے کھولے گئے ہیں؟

”ماذا“ میں ”ما“ استفہامیہ ہے اور ”ذا“ اسم اشارہ ہے، گویا ”ما هذا الوقوف“ کے معنی میں ہے، یعنی

یہ کیسی واقفیت ہے.....

یہ بھی ممکن ہے کہ ”ما“ تو استفہامیہ ہو اور ”ذا“ موصولہ ہو، اب مطلب ہو جائے گا ”ما الذي أنزل

الليلة.....“ یعنی آج رات نازل ہونیوالے فتنے کیا کیا ہیں؟

یہ بھی احتمال ہے کہ ”ماذا“ پورا استفہامی کلمہ ہو۔

ایک احتمال یہ ہے کہ ”ما“ نکرہ موصوفہ یعنی ”شيء“ کے معنی میں ہو۔

ایک امکان یہ بھی ہے کہ ”ما“ زائدہ ہو اور ”ذا“ اشارہ کے لئے ہو۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ”ما“ استفہام کے لئے ہو اور ”ذا“ زائدہ ہو۔ (۱)

”أنزل“ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، جبکہ کشمینی کی روایت میں ”أنزل الله“ آیا ہے۔

”إنزال“ کے لغوی معنی اقامت کے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے ”أنزل الجيش بالبلد“ اور کہا جاتا ہے ”نزل

الأمير بالقصر“ اور یا اس کے معنی لغت میں کسی چیز کو اوپر سے نیچے حرکت دینے اور اتارنے کے ہوتے ہیں۔

یہاں لغوی معانی سے قطع نظر اعلام مراد ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں

بطور وحی مذکورہ اشیاء دکھائیں، جس کو ”أنزل“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲)

پھر یہاں ”فتن“ سے مراد عذاب ہیں اور ”خزائن“ سے مراد رحمت ہے۔

”عذاب“ کو ”فتنة“ سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ فتنے دراصل عذاب تک پہنچانے والے اسباب

ہیں۔ (۳)

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ماذا أنزل الليلة من الفتن“ اور ”ماذا فتح من الخزائن“

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۳ و ۱۷۴)۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۴)، وفتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۰)۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

دونوں ایک ہی ہیں، دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے، کیونکہ خزائن مفتوحہ سبب فتنہ بن جاتے ہیں۔ (۱)

لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ الگ الگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً خواب میں دیکھا کہ آپ کے بعد بہت سے فتنے واقع ہونے والے ہیں اور آپ کی امت کو خزائن حاصل ہوں گے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد تعبیر کے ذریعہ یا وحی کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

آپ کی اس پیشین گوئی کے مطابق آپ کے بعد امت میں کتنے فتنے پیدا ہوئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کو کتنے خزائن حاصل ہوئے اور انہوں نے کتنے ہی ممالک فتح کئے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ (۲)

أَيَقْظُوا صَوَاحِبَ الْحَجَرِ

حجرہ والیوں کو جگاؤ۔

”أَيَقْظُوا“ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے اور ”صَوَاحِبَ“ ”صَاحِبَةُ“ کی جمع ہے، بعض نسخوں میں ”صَوَاحِبَاتِ الْحَجَرِ“ ہے اور یہ جمع الجمع ہے۔ اس سے مراد حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، گویا اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، آپ نے جب یہ کلمات ارشاد فرمائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں سنا اور نقل کیا۔ (۳)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ یہ ”أَيَقْظُوا“ مجرد سے ہے، اس کے معنی ”انتبہوا“ کے ہیں، اس کے بعد ”صَوَاحِبَ الْحَجَرِ“ منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ (۴)

لیکن یہ مجرد احتمال ہے، نہ روایت سے ثابت ہے اور نہ ہی لفظ سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اگر ”أَيَقْظُوا“ مجرد سے ہوتا تو ”أَيَقْظُنْ“ جمع مؤنث حاضر کا صیغہ لایا جاتا۔ (۵)

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۴)۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) شرح الکرماني (ج ۲ ص ۱۳۰)۔

(۵) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۴)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد مبارک کے ذریعہ گویا یہ فرمایا ہے کہ یہ وقت سونے اور سستی کا نہیں ہے، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، تاکہ فتنوں سے محفوظ رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مالا مال ہوں۔

فائدہ

اس میں مردوں کو تعلیم ہے کہ اپنے گھر والوں کو رات کے اوقات میں نماز اور اللہ کے ذکر کے لئے جگائیں، خاص طور پر ایسے حالات میں جب اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے والے حالات سامنے ہوں۔ (۱)

فرب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرة۔

بہت سی عورتیں دنیا میں پہنے اوڑھے ہوں گی، آخرت میں نکلی ہوں گی۔

”رُب“ تقلیل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور تکثیر کے لئے بھی کثرت سے آتا ہے، یہاں تکثیر کے لئے ہے۔

”رُب“ کا مجرور موصوف ہوتا ہے، اس کی صفت یا تو مفرد لاتے ہیں، کہا جاتا ہے ”رُب صدیق وفی عرفته“ اور کبھی جملہ بطور صفت لایا جاتا ہے، جیسے ”رُب صدیق لم یتغیر عرفته“ اور کبھی اس کی صفت شبہ جملہ لاتے ہیں، جیسے ”رُب صدیق عندک عرفته“ اور ”رُب صدیق فی الشدة عرفته“۔

یہاں بھی ”فی الدنیا“ کو شبہ جملہ قرار دے کر ”کاسیۃ“ کی صفت قرار دیں گے۔

پھر ”عاریۃ“ کو مجرور بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں یہ براہ راست ”کاسیۃ“ کی صفت ہوگا۔ اور اس کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں اس کو مبتدا کی خبر بنائیں گے، یعنی ”ہی عاریۃ فی الآخرة“ اور پھر اس پورے جملے کو ”کاسیۃ“ کی صفت قرار دیں گے۔

یہاں یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ ”رُب“ اور اس کے مجرور کا کسی فعل ماضی کے ساتھ معنوی اعتبار سے تعلق و اتصال ہوتا ہے، لہذا تقدیر عبارت یوں ہوگی ”رُب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرة عرفتها“۔

پھر ”رب“ حرف جار اور اس کے مجرور کے واسطے اعرابی اعتبار سے کسی فعل یا شبہ فعل کے ساتھ تعلق ضروری ہوتا ہے یا نہیں؟ دونوں ہی قول ہیں، تعلق ضروری قرار دیا جائے تو یہ جار و مجرور ”عرفتھا“ کے ساتھ متعلق ہو جائیں گے، ورنہ ”رب“ کو اسم قرار دے کر اس کو مبتدا یا مفعول قرار دیں گے لہذا ”رب کاسیہ.....“ مبتدا ہو جائے گا اور ”عرفتھا“ اس کی خبر، یا ”رب کاسیہ.....“ مفعول بہ مقدم اور ”عرفتھا“ اس کا عامل ہوگا۔ (۱)

لفظ ”کاسیہ“ کی تحقیق

لفظ ”کاسیہ“ کسا یکسو سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، اس کے معنی کپڑا دینا اور پہنانا ہے، لیکن یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے، گویا ”کاسیہ“ ”مکسوة“ کے معنی میں ہے، جیسے ﴿ماء دافق﴾، ”مدفوق“ کے معنی میں اور ﴿عیشة راضیة﴾، ﴿مرضیة﴾ کے معنی میں ہے، اسی معنی میں حطینہ شاعر کا یہ شعر بھی ہے:

دع المکارم لا ترحل لبغیتھا واقعد فإنک أنت الطاعم الکاسی

یعنی ”شرافت کی چیزوں کو چھوڑ، ان کے پیچھے نہ پڑ، بیٹھا رہ، کیونکہ تو تو صرف کھانے کے لئے ہے اور پہننے کے لئے ہے۔“

یہاں ”الکاسی“ ”المکسو“ کے معنی میں ہے، جس کو کپڑا پہنایا گیا ہو۔ (۲)

حدیث شریف کا مفہوم

اس جملہ کا مفہوم یا تو یہ ہے کہ یہ عورتیں ایسا باریک اور مہین لباس پہنتی ہیں جس سے اندرونی اعضاء مکشوف ہو جاتے ہیں، یا اعضاء کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکم میں یہ بھی ہے کہ لباس اس قدر چست اور تنگ پہنا جائے کہ اندرونی اعضاء ابھر

(۱) ”رب“ کے بارے میں مذکورہ تفصیلات کے علاوہ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ”جمع الهوامع“ (ج ۲ ص ۲۵-۲۸)۔

(۲) دیکھئے عمدة الفاری (ج ۲ ص ۱۷۵)۔

آئیں اور ان کی ساخت ظاہر ہو جائے۔

اسی طرح اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ عورتیں دنیا میں انتہائی بڑھیا اور بیش قیمت لباس پہننے والیاں ہوں گی، لیکن آخرت میں حسنات اور نیکیوں سے بالکل عاری ہوں گی۔ (۱)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ازواج مطہرات کو جگایا اس جملہ میں اس کی علت بیان کی گئی ہے، گویا آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ازواج مطہرات کو اس حیثیت سے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور ازواج ہیں، تغافل اور نکاسل سے کام نہیں لینا چاہئے اور اس بات پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے کہ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ کیونکہ اگر عمل نہ ہو تو بسا اوقات ایسا تعلق کام نہیں دیتا۔ (۲)

حدیث شریف سے مستنبط چند فوائد

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ آدمی کو رات کے اوقات میں اپنے گھر والوں کو اٹھانا چاہئے، تاکہ وہ نماز پڑھیں اور اللہ کا ذکر کریں، خاص طور پر جبکہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے، یا کوئی خوفناک خواب دکھائی دے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعجب کے موقع پر ”سبحان اللہ“ کہنا چاہئے۔

اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ عالم کو جن باتوں کا اندیشہ لاحق ہو ان سے اپنے ماننے والوں کو آگاہ کر دینا چاہئے اور ان متوقع حوادث سے بچنے کا طریقہ بھی بتانا چاہئے۔

نیز یہ حدیث ایک بڑی پیشین گوئی پر مشتمل ہے کہ آئندہ زمانے میں کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود برہنہ ہوں گی، آج ہمارے دور میں یہ کس قدر واضح طور پر منطبق ہے! اعدائے اللہ من جمیع الشرور والفتن مآظہر منها وما یبطن۔ (۳) واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحکم۔

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۴ و ۱۷۵)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۱)۔

۴۱ - باب : السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ .

”باب“ کی اضافت ”السمر“ کی طرف کی گئی ہے، یہی ابوذر کی روایت ہے اور معنی ہیں ”ہذا باب فی بیان السمر فی العلم“۔

ابوذر کے سوا باقی روایات میں ”باب“ کے لفظ پر تنوین ہے، گویا اضافت نہیں ہے اور ”السمر“ مرفوع ہے، گویا تقدیر عبارت یوں ہے ”هذا باب : فيه السمر بالعلم“۔ (۱)

لفظ ”سمر“ کی تحقیق

”سمر“ میم کے فتح کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے اور اس کو سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کے معنی رات کو بات چیت کرنے کے ہیں۔

سَمَرَ يَسْمُرُ سَمُراً وَ سَمَراً : رات کو قصہ گوئی کرنا۔

اصل میں ”سمرہ“ چاند کے رنگ کو کہتے ہیں، کیونکہ عرب لوگ چاندنی راتوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے اور قصہ گوئی کرتے تھے۔ (۲)

باب سابق سے مناسبت

اس باب میں اور سابق باب میں مناسبت واضح ہے کہ پہلے باب میں رات کو علم و موعظت کے مشغلہ کا بیان تھا اور اس باب میں رات کو علمی مشغلہ کا ذکر ہے۔ (۳)

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۵)۔

(۲) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۳۱۲ و ۳۱۳)، و عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۵)۔

(۳) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۵)۔

مقصد ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ سونے سے پہلے اگر علمی قصہ گوئی کی جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

اس ترجمہ میں اور گذشتہ ترجمہ میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ ترجمہ عام ہے، اس میں سونے سے پہلے کی تخصیص نہیں ہے اور یہاں یہ قید ملحوظ ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً رات میں وعظ و تذکیر اور تعلیم و تبلیغ کا جواز بیان کیا اور اب یہاں اس باب سے سونے سے پہلے علمی قصہ گوئی کا جواز بیان کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایات میں سمر بعد العشاء یعنی عشاء کے بعد قصہ گوئی سے ممانعت آئی ہے، مگر حسب حاجت، مناسب اوقات میں سمر فی العلم ثابت اور مسلم ہے اور یہ ممانعت مذکورہ سے خارج ہے۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق بے فائدہ گفتگو سے ہے اور اگر علمی قصہ گوئی ہو اور اس میں کچھ علمی قصے بیان کئے جائیں تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو غرض بیان کی ہے، اس پر پہلے ترجمہ اور اس ترجمہ میں فرق ظاہر ہے، پہلے ترجمہ کا تو مقصود رات میں وعظ و تذکیر کا جواز بیان کرنا ہے، اس توہم کو دور کرنے کے لئے کہ اس میں سامعین کو ملال ہوگا، لہذا یہ مکروہ ہونا چاہئے تو حدیث سے بتلادیا کہ نہیں، یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ (۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱۶ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَفِيرٍ قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، وَأَبِي بَكْرٍ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ ، فَقَالَ : (أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا ، لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ) . [۵۳۹ ، ۵۷۶]

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۱)۔

(۲) دیکھئے الأبواب والنراحم (ص ۵۵ و ۵۶)۔

تراجم رجال

(۱) سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین“ کے تحت آچکے ہیں۔ (۱)

(۲) اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) عبد الرحمن بن خالد

یہ عبد الرحمن بن خالد بن مسافر فہمی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو خالد یا ابوالولید ہے، یہ امام لیث بن سعد کے آقاؤں میں سے تھے۔ (۳)

ہشام بن عبد الملک کی طرف سے یہ مصر کے امیر تھے۔ (۴)

یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام لیث بن سعد اور یحییٰ بن ایوب مصری رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۵)

(۳) قولہ: ”عبد اللہ بن عمر رضي الله عنهما“ الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج ۱ ص ۸۰) في كتاب مواقيت الصلاة، باب ذكر العشاء والعنمة ومن رآه واسعا، رقم (۵۶۴)، و (ج ۱ ص ۸۴)، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء، رقم (۶۰۱)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الفضائل، باب بيان معنى قوله صلى الله عليه وسلم: على رأس مائة سنة لا يبقی نفس منقوسة ممن هو موجود الآن، رقم (۶۴۷۹) و (۶۴۸۰)۔

(۱) كشف الباري (ج ۳ ص ۲۷۴)۔

(۲) كشف الباري (ج ۱ ص ۳۲۴)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۱۷ ص ۷۶)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

- امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صالح“۔ (۱)
- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس بہ بأس“۔ (۲)
- ابوسعید بن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... وکان ثباً فی الحدیث“۔ (۳)
- امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مصري ثقة“۔ (۴)
- امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت“۔ (۵)
- امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)
- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو امام زہری کے تلامذہ میں ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے طبقات میں شمار کیا ہے۔ (۷)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- ”کان عنده عن الزهري كتاب، فيه مائتا حديث أو ثلاث مائة حديث، كان الليث يحدث بها عنه، وکان جده شهد فتح بیت المقدس مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه“۔ (۸)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۹)
- البتہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”هو عندهم من أهل الصدق، وله مناكير“۔ (۱۰)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۷۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۱۶۶)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) تہذیب الکمال (ج ۱۷ ص ۷۷)۔

(۹) الثقات لایم حبان (ج ۷ ص ۸۳)۔

(۱۰) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۱۶۶)۔

یہاں ”مناکیر“ کو تفرّد کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ (۱)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ (۲)

(۴) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”بدء الوجدی“ کی

تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۵) سالم

یہ جلیل القدر تابعی، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے مشہور فقیہ، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کے پوتے ابو عمر یا ابو عبد اللہ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے

حالات کتاب الإیمان، ”باب الحیاء من الإیمان“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۶) ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ

یہ ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۵)

ابو بکر کی کنیت سے معروف ہیں، ان کا کوئی اور نام نہیں ہے، ابو حثمہ کا نام عبد اللہ بن حذیفہ ہے، بعض

نے عدی بن کعب بتایا ہے۔ (۶)

یہ حکیم بن حزام، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن ابی حثمہ، ابو ہریرہ، ام المؤمنین

حفصہ بنت عمر بن الخطاب اور الشفاء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) تعبیقات الکاشف (ج ۱ ص ۶۲۶)، رقم (۳۱۸۴)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۷۷)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۲۸)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۹۲)۔

(۶) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۷۶)، وتہذیب الکمال (ج ۳ ص ۹۴)۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابن شہاب زہری، اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص، صالح بن کیسان، محمد بن المنکدر، خالد بن الیاس اور یزید بن عبد اللہ بن قسیط رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۱)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان من علماء قریش“۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة عارف بالنسب“۔ (۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۴)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعةً

(۷) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الإیمان وقول

النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۵)

صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر حیات میں، میں عشاء کی نماز پڑھائی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ کے وصال سے ایک ماہ پیشتر کی تصریح موجود ہے

”سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول قبل أن يموت بشهر“۔ (۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

”لَمَّا رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَبُوكَ سَأَلُوهُ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۹۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تقریب التہذیب (ص ۶۲۳)، رقم (۱۹۶۷)۔

(۴) الثقات لاس حبان (ج ۵ ص ۵۶۶)۔

(۵) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب بیان معنی قوله صلى الله عليه وسلم: على رأس مائة سنة لا يبقی نفس

من مائة سنة من هو موجود الآن۔ رقم (۶۴۸۱) و (۶۴۸۳)۔

صلی اللہ علیہ وسلم: لا تأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منقوسة اليوم“۔ (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد جب آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا تو یہ ارشاد فرمایا تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا آج جتنے لوگ جیتے جاگتے ہیں ان پر سو سال کا عرصہ نہیں گزرے گا کہ سب ختم ہو جائیں گے۔“

فلما سلم قام، فقال:

جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

أرأيتم ليلتكم هذه؟

کیا تم نے اس رات کو دیکھا؟! (اسے یاد رکھنا)۔

”أرأيتم“ میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور یہ جملہ استخبار کے لئے آتا ہے، یعنی یہ ”أخبروني“ کے

معنی میں ہے، کیونکہ روایت سبب اخبار ہے اور مقصود تنبیہ ہے، یعنی اس رات کو یاد کرلو۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ”أرأيتم ليلتكم هذه؟“ فرمایا، اس کے معنی یہ ہوئے: بتاؤ یہ کونسی رات ہے؟ اور یہ وہی شخص بتائے گا جس کو یہ رات معلوم ہو، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے متعلق صورتہ خبر معلوم کی ہے اور حقیقتہً اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اس رات کو یاد کرلو اور یاد رکھو۔

فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد

اس لئے کہ اس رات کے سو سال بعد ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں کوئی باقی

نہیں رہے گا۔

یہی روایت آگے آرہی ہے: اس میں ہے ”یرید بذلك أنها تحرم ذلك القرن“ (۳) یعنی مطلب

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: علی رأس مائة سنة لا يبقى نفس

منقوسة..... إلخ، رقم (۷۴/۸۵)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۱)۔

(۳) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۸۴)، کتاب موافقت الصلاة، باب السمر في الفقه والحير بعد العشاء، رقم (۶۰۱)۔

یہ ہے کہ ”یہ سو سال تمام اہل قرن کو ختم کر دیں گے۔“

حدیث شریف کا مفہوم اور مقصد

حدیث شریف کا مفہوم تو واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنے لوگ موجود ہیں آج سے سو سال پورے ہونے کے بعد کوئی باقی نہیں رہے گا۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد مبارک سے آپ تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آئندہ سو سال کے اندر اندر سب ختم ہو جائیں گے، تمہاری عمریں اُمم گزشتہ کی طرح طویل نہیں ہیں، لہذا اپنی ان قصیر عمروں کو کام میں لاؤ اور عبادت میں خوب محنت سے کام لو۔ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس رات کو جتنے لوگ روئے زمین پر تھے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ سو سال سے زیادہ نہیں رہیں گے، خواہ اس سے پہلے عمر اس کی کم ہو یا زیادہ ہو۔ (۲)

تنبیہ

ابو امامہ بن النقاش رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اس امت کے کسی آدمی کی عمر سو سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ (۳)

لیکن محققین علماء نے اس کو رد کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں، بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے ارشاد کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا، سب سو سال آنے تک ختم ہو جائیں گے اور یہی ہوا بھی۔ ابو امامہ کا یہ کہنا کہ کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا غلط ہے۔ (۴)

(۱) شرح صحیح البخاری لابن بطال (ج ۱ ص ۱۹۲)۔

(۲) دیکھئے شرح السنوی علی صحیح مسلم (ج ۲ ص ۳۱۰)، کتاب فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم:

علی رأس مائة سنة لا یقی۔ الخ۔

(۳) دیکھئے الأجوبة المرضیة للسخاوی (ج ۲ ص ۳۸۰)۔

(۴) حوالہ بالا۔

چنانچہ صحابہ کرام میں حضرت حکیم بن حزام بن خویلد، حضرت حسان بن ثابت، حضرت حویطب بن عبدالعزی، حضرت سعید بن ربیع، حضرت حمّٰن بن عوف اور حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہم کی عمریں ایک سو بیس سال تک ہوئیں۔ (۱)

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ (۲)
اسی طرح حضرات تابعین میں اور پھر ان کے بعد محدثین میں بہت سے حضرات گذرے ہیں، جنہوں نے سو سال سے زائد عمر پائی۔ (۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ”کتاب اہل المائة فصاعداً“ ہے۔

مذکورہ پیشین گوئی کا تحقق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ﷺ میں جو پیشین گوئی فرمائی تھی کہ آج سے سو سال کے بعد موجودہ افراد میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا، حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی حضرت عامر بن واثلہ لیشی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی وفات کے سلسلہ میں آخری قول ﷺ ہے، جس کی تصحیح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ (۴)
باقی جتنے صحابہ کرام ہیں وہ سب اس سن سے پہلے پہلے وفات پا چکے تھے۔

حیاتِ خضر

حدیث باب سے ان حضرات نے، جو وفاتِ خضر کے قائل ہیں، استدلال کیا ہے، کیونکہ اس میں ہے

(۱) دیکھئے فتح المغیث للعراقی (۴۵۵-۴۵۷)۔

(۲) قال الذہبی فی الکاشف (ج ۱۰ ص ۲۵۶)، رقم (۴۷۷): ”جاوز المائة“۔

(۳) کالقاسی شریح؛ فإنہ عمر نحو مائة وثمان سنین أو أكثر۔ انظر تقریب التہذیب (ص ۲۶۵)، وکالقاسی أبی الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری؛ فإنہ عاش مائة سنة وستین۔ انظر وفيات الأعیان لابن خلکان (ج ۲ ص ۵۱۴)۔

(۴) قال الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فی ”الکاشف“ (ج ۱ ص ۵۲۷)، رقم (۲۵۴۸): ”وبہ ختم الصحابة فی الدنیا، مات سنة عشر ومائة علی الصحیح“۔

”فإن على رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد“۔

جبکہ حیاتِ خضر کے قائلین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ”على ظهر الأرض“ کی قید ہے اور خضر علیہ السلام اس وقت سمندر میں تھے۔ یا یہ کہ اس حدیث کے عموم سے حضرت خضر علیہ السلام مخصوص ہیں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اسی طرح ابلیس اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱)

حیاتِ خضر کی بحث ہم کتاب العلم ہی میں ”باب ما ذكر في ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم في البحر إلى الخضر“ میں ذکر کر چکے ہیں۔ (۲)

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس میں ہے ”صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته، فلما سلم قام، فقال: أرأيتمكم.....“ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد گفتگو فرمائی اور یہ سمر فی العلم ہے، یعنی رات کے وقت علمی باتوں کا مذاکرہ ہے۔

والله سبحانه وتعالى أعلم

۱۱۷ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِي عُبَّاسٍ (۳) قَالَ : بَتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ . وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا ، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ، ثُمَّ نَامَ ، ثُمَّ قَامَ ، ثُمَّ قَالَ : (نَامَ الْغُلَامُ) . أَوْ كَلِمَةً تُشَبِّهُهَا ، ثُمَّ قَامَ ، فَقُمْتُ عَنْ بَسَارِهِ ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ نَامَ ، حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ .

[۱۳۸ : ۱۸۱ : ۶۶۵-۶۶۷ : ۶۹۳ : ۶۹۵ : ۸۲۱ : ۹۴۷ : ۱۱۴۰ : ۴۲۹۳-۴۲۹۶ .

۵۵۷۵ : ۵۸۶۱ : ۵۹۵۷ : ۷۰۱۴]

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۶ ص ۴۳۴) کتاب أحادیث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۳۴۵-۳۵۰)۔

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمن العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان،

(۳) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۲۵) كتاب الوضوء، باب التحفيف في الوضوء، رقم (۱۳۸)، و(ج ۱ ص ۳۰) كتاب الوضوء، باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره، رقم (۱۸۳)، و(ج ۱ ص ۹۷) كتاب الأذان، باب يقوم عن يمين الإمام بحدائنه سواء إذا كانا اثنين، رقم (۶۹۷)، وباب إذا قام الرجل عن يسار الإمام، رقم (۶۹۸) وباب إذا لم ينو الإمام أن يؤم ثم جاء قوم فأمرهم، رقم (۶۹۹)، و(ج ۱ ص ۱۰۰) كتاب الأذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام، رقم (۷۲۶)، و(ج ۱ ص ۱۰۱) كتاب الأذان، باب ميمنة المسجد والإمام، رقم (۷۲۸)، و(ج ۱ ص ۱۱۸)، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان، رقم (۸۵۹)، و(ج ۱ ص ۱۳۵) كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، رقم (۹۹۲)، و(ج ۱ ص ۱۵۹ و ۱۶۰)، كتاب العمل في الصلاة، باب استعانة اليد في الصلاة إذا كان من أمر الصلاة، رقم (۱۱۹۸)، و(ج ۲ ص ۶۵۷)، كتاب التفسير، سورة آل عمران، باب: ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ...﴾ الآية، رقم (۴۵۶۹)، وباب: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ...﴾، رقم (۴۵۷۰)، وباب: ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مِّنْ تَدْخُلِ النَّارَ فَقَدْ أَحْرَقْتَهُ...﴾، رقم (۴۵۷۱)، وباب: ﴿رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ...﴾، رقم (۴۵۷۲)، و(ج ۲ ص ۸۷۷) كتاب اللباس، باب الدوائب، رقم (۵۹۱۹)، و(ج ۲ ص ۹۱۸) كتاب الأدب، باب رفع البصر إلى السماء، رقم (۶۲۱۵)، و(ج ۲ ص ۹۳۴ و ۹۳۵)، كتاب الدعوات، باب إذا انتبه بالليل، رقم (۶۳۱۶)، و(ج ۲ ص ۱۱۱۰)، كتاب التوحيد، باب ما جاء في تخليق السماوات والأرض وغيرها من الخلائق، رقم (۷۴۵۲)، ومسلم في صحيحه في كتاب الطهارة، باب السواك، رقم (۵۹۶)، وفي كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل، رقم (۱۷۸۸-۱۸۰۱)، والنسائي في سننه، في كتاب الأذان، باب إيدان المؤذنين الأئمة بالصلوة، رقم (۶۸۷)، وفي كتاب الافتتاح، باب الدعاء في السجود، رقم (۱۱۲۲)، وفي كتاب قيام الليل، باب ذكر ما يستفتح به القيام، رقم (۱۶۲۰ و ۱۶۲۱)، وباب ذكر الاختلاف على حبيب بن أبي ثابت في حديث ابن عباس في الوتر، رقم (۱۷۰۵-۱۷۰۷)، وأبو داود في سننه، في كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام من الليل، رقم (۵۸)، وفي كتاب الصلاة، باب الرجلين يوم أحدهما صاحبه كيف يقومان؟، رقم (۶۱۰ و ۶۱۱)، وفي كتاب التطوع، باب في صلاة الليل، رقم (۱۳۵۳-۱۳۵۸) و(۱۳۶۴ و ۱۳۶۵) و(۱۳۶۷)، والترمذي في جامعه، في كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي ومعه رجل، رقم (۲۳۲)، وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في الدعاء إذا قام الرجل من الليل، رقم (۱۳۵۵)، وباب ما جاء في كم يصلي بالليل؟، رقم (۱۳۶۳)۔

”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) شعبہ

یہ امام شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب میں گزر

چکے ہیں۔ (۲)

(۳) الحکم

یہ الحکم - بفتح الحاء المهملة والكاف - بن عُتْبِيَّة - مصغراً - الکندي الكوفي رحمۃ اللہ علیہ

ہیں، ابو محمد یا ابو عبد اللہ یا ابو عمر کنیت ہے۔

یہ عدی بن عدی کنڈی یا قبیلہ کنڈہ کی ایک خاتون کے مولیٰ تھے۔ (۳)

یہ حضرت ابو جحیفہ السَّوَّائِي رضی اللہ عنہ کے علاوہ قاضی شریح، عبدالرحمن بن ابی لیلی، ابو دائل شقیق بن

سلمہ، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مصعب بن سعد، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، عمرو بن میمون، عامر شععی، عطاء بن

ابی رباح، مقسم، قیس بن ابی حازم، ابوصالح السمان اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث

کرتے ہیں۔

ان سے حدیث نقل کرنے والوں میں منصور بن المعتمر، امام اعمش، مسعر بن کدام، مالک بن مغول،

امام اوزاعی، امام شعبہ، ابو عوانہ اور حمزہ بن حبیب الزیات رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۴)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... فما بين لايتها أفقه منه“۔ (۵)

مجاہد بن رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”رأيت الحکم في مسجد الخيف، وعلماء الناس عيال

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۴)۔

(۴) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۵-۱۱۷)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۷)۔

علیہ۔ (۱)

عباس دوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان صاحب عبادة وفضل۔ (۲)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ماكان بالكوفة بعد ابراهيم والشعبي مثل الحكم

وحماد۔ (۳)

عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت ثقة۔ (۴)

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں ”سألت أبي: من أثبت الناس في ابراهيم؟ قال:

الحكم بن عتيبة، ثم منصور۔ (۵)

امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الحكم بن عتيبة ثقة۔ (۶)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة۔ (۷)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة ثبت۔ (۸)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثبت ثقة في الحديث، وكان من فقهاء أصحاب ابراهيم،

وكان صاحب سنة واتباع۔ (۹)

يعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان فقيهاً ثقة۔ (۱۰)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۸ و ۱۱۹)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۹)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۹)۔

(۱۰) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۴۳۴)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان الحکم بن عتیبۃ ثقۃ، فقیہاً، عالماً، عالیا، رفیعاً، کثیر

الحديث“۔ (۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”فقیہ الکوفۃ مع حماد عابد، قانت، ثقۃ، صاحب

سنة“۔ (۲)

البتہ عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وکان فیہ تشیع إلا أن ذلك لم يظهر منه إلا بعد موته“۔ (۳)

اسی طرح امام شعبہ سے منقول ہے ”کان الحکم یفضل علیاً علی بکر وعمر“۔ (۴)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قول شاذ اور مردود ہے، بہت سے حضرات نے ان کے ”صاحب سنة“

ہونے کی تصریح کی ہے اور کسی نے بھی تشیع کا ذکر نہیں کیا۔

پھر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شعبہ کا یہ قول سلیمان شاذکونی کے واسطے سے منقول ہے

اور شاذکونی معتمد نہیں ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الشاذ کونی لیس بمعتمد، وما

أظن أن الحکم يقع منه هذا“۔ (۵)

اسی طرح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ جب ”ثقات“ میں کیا تو ساتھ یہ بھی لکھا ”کان

یدلس“۔ (۶)

اسی بنیاد پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے ”ثقة، ثبت، فقیہ إلا أنه ربما

دلس“۔ (۷)

لیکن خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ”تعریف اهل التقديس بمراتب

(۱) الطبقات لابن سعد (ج ۶ ص ۳۳۲)۔

(۲) الکاشف (ج ۱ ص ۳۴۴) رقم (۱۱۸۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۱۹)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۲۰۹)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۴۳۴)۔

(۷) تقریب التہذیب (ص ۱۷۵)، رقم (۱۴۵۳)۔

الموصوفین بالتدلیس“ میں دوسرے طبقہ کے مدلسین میں شمار فرمایا ہے اور یہ دوسرے طبقہ کے حضرات وہ ہیں جو ائمہ کبار میں سے ہیں اور ان کی عمومی روایات کے مقابلہ میں تدلیس بہت کم ہے، لہذا ان کی امامت و جلالت شان اور قلت تدلیس کی وجہ سے ائمہ نے ان کی تدلیس کا تحمل بھی کیا ہے اور اپنی ”صحیح“ میں ان کی احادیث کو قبول بھی کیا ہے۔ (۱)

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

”وقال بعض أهل النسب: الحكم بن عتيبة بن النہاس، واسمه عبدل، من بني سعد

بن عجل بن لجیم، فلا أدري حفظه أم لا؟“۔ (۲)

یعنی ”بعض نسابوں نے ”حکم بن عتیبہ“ کا نسب نامہ لکھتے ہوئے یہ تفصیل ذکر کی ہے، معلوم نہیں کہ انہوں نے صحیح طور پر ضبط کر کے لکھا ہے یا نہیں؟“۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احتمال کے درجہ میں ذکر کر رہے ہیں کہ حکم بن عتیبہ جو فقیہ مشہور ہیں وہ اور یہ ”الحکم بن عتیبہ بن النہاس“ ایک ہی ہیں۔

در اصل یہاں بعض علماء سے خلط واقع ہوا ہے، چنانچہ ہشام بن الکلی نے سب سے پہلے ان کا نسب نامہ اسی طرح ذکر کیا، ان کے بعد ابن حبان اور ابواحمد الحاکم نے ان کی اتباع میں یہی بات نقل کی، گویا ان حضرات کے نزدیک یہ دونوں بالجزم ایک ہی شخصیت ہیں۔ (۳)

جبکہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بالجزم یہ بیان کیا ہے کہ حکم بن عتیبہ جو مشہور فقیہ ہیں وہ اور ہیں اور حکم بن عتیبہ بن النہاس ایک الگ شخصیت ہیں، مؤخر الذکر کوفہ کے قاضی تھے اور ان سے کوئی روایت

(۱) دیکھئے ضیقات المدلسین (تعریف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس) (ص ۵۸)۔

(۲) التاريخ الكبير (ج ۲ ص ۳۳۳)، رقم (۲۶۵۴)۔

(۳) دیکھئے تهذيب التهذيب (ج ۲ ص ۴۳۵)، وتعليقات التاريخ الكبير (ج ۲ ص ۳۳۳-۳۳۵)۔

منقول نہیں۔ (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یقین کے ساتھ یہ بات منسوب کرنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ وہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں، انہوں نے بعض اہل النسب کا قول ذکر کر کے ایک احتمال کا اظہار کیا ہے۔ (۲)

واللہ اعلم

الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے سال یعنی ۴۶ھ میں ہوئی اور ۱۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۴) سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی عالم امام سعید بن جبیر بن ہشام اسدی والبی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابو محمد یا ابو عبد اللہ ان کی کنیت ہے۔ (۴)

یہ صحابہ کرام میں حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن مغفل، حضرت عائشہ، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مسعود بدری (وہو مرسل) حضرت ابن عمر، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت ضحاک بن قیس، حضرت انس اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ تابعین میں سے ایک بڑی جماعت سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابوصالح السمان، ایوب سختیانی، حبیب بن ابی ثابت، سلمۃ بن گھیل، سلیمان الأحول، امام اعمش، عدی بن ثابت، عطاء بن السائب، مالک بن دینار، مجاہد، امام زہری، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابواسحاق سبعی اور ابوالزبیر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بہت سے حضرات تابعین و اتباع تابعین ہیں۔ (۵)

(۱) دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۵۷۷)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۴۳۵)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۲۱۲)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۵۸)۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۵۸-۳۶۱)۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان سعید من کبار أئمة التابعین ومتقدمیہم فی التفسیر

والحدیث والفقه والعبادة والورع وغيرها من صفات أهل الخیر“۔ (۱)

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ پر علمی اعتبار سے فوقیت دیتے تھے۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اہل کوفہ آ کر مسائل پوچھتے تو فرماتے تھے ”ألیرس فیکم

سعید بن جبیر؟“۔ (۳)

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لقد مات سعید بن جبیر وما علی ظهر الأرض أحد

إلا وهو محتاج إلى علمه“۔ (۴)

نُصیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کان أعلمهم بالقرآن مجاهد، وأعلمهم بالحج عطاء، وأعلمهم بالحلال والحرام

طاووس، وأعلمهم بالطلاق سعید بن المسيب، وأجمعهم لهذه العلوم سعید بن

جبیر“۔ (۵)

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس فی أصحاب ابن عباس مثل سعید بن جبیر،

قلیل: ولا طاووس؟ قال: ولا طاووس، ولا أحد“۔ (۶)

ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”هو ثقة إمام حجة على المسلمين“۔ (۷)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور ان کے مناقب

وفضائل بھی بہت زیادہ ہیں۔

(۱) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۲) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۳) حوالہ بالا، وسیر أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۳۲۵)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۳۲۵)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۳۴۱)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۳۷۶)۔

۹۴ھ میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (۱) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات ”بدء الوحی“ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۲) اور کتاب الإیمان، ”باب کفران العشیر و کفر دون کفر“ کے تحت آچکے ہیں۔ (۳)

بث في بيت خالتي ميمونة بنت الحارث زوج النبي صلى الله عليه وسلم

وكان النبي صلى الله عليه وسلم عندها في ليلتها۔

میں نے اپنی خالہ ميمونہ بنت الحارث، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں، کے گھر میں رات گزاری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باری کی رات میں ان کے پاس تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ”لیلة البیت“ والی حدیث کہلاتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مختصراً اور آگے مفصلاً تخریج فرمائی ہے۔ (۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ بیان فرمایا اس وقت ان کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ مسند احمد میں تصریح وارد ہوئی ہے۔ (۵)

ميمونة بنت الحارث رضی اللہ عنہا

یہ ام المؤمنین حضرت ميمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں، پہلے ان کا نام ”برہہ“ تھا، آپ نے اسے

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال، وتعلیقات تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۷۶) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے

دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۰ ص ۳۵۸-۳۷۶)، وسیر اعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۳۲۱-۳۴۳)، والتعلیقات الکبریٰ لابن سعد

(ج ۶ ص ۲۵۶-۲۶۷)، وتہذیب الأسماء والتلقا (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۵)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۰۵)۔

(۴) قدمہ تحریرجہ انفا۔

(۵) دیکھئے مسند احمد (ج ۱ ص ۳۶۴)، رقم (۳۴۳۷)۔

بدل کر ”میمونہ“ رکھا۔ (۱)

جاہلیت میں ان کا نکاح مسعود بن عمرو سے ہوا تھا، اس نے ان کو چھوڑ دیا تو ابو زہم کے نکاح میں آئیں، ابو زہم کے انتقال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ (۲)

حضرت میمونہ حضرت ابن عباس اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں (۳) اور حضرت عباس کی اہلیہ حضرت ابن عباس کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث کی سگی بہن، اسماء بنت عمیس، سلمی بنت عمیس، ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ یہ تینوں حضرت میمونہ کی ماں شریک، بہنیں ہیں۔ (۴)

سچے میں جب عمرۃ القضاء کے لئے آپ تشریف لے گئے تھے، اس موقع پر آپ نے ان سے نکاح کیا۔ (۵)
ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری زوجہ تھیں، جن کے بعد آپ نے پھر کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔ (۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ذریعہ انہیں پیام نکاح بھیجا، انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نکاح کرادیا۔ (۷)
حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا تھا یا آپ اس وقت حلال تھے، اس میں روایات مختلف ہیں، یہ مقام اس تفصیل کا نہیں، تاہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ بَأْنَهُ عَقْدَ عَلَيْهَا وَهُوَ مُحْرَمٌ وَبَنَى بِهَا رَعْدَ أَنْ أَحْلَ مِنْ عَمْرَتِهِ بِالتَّعْنِيمِ وَهُوَ حَلَالٌ فِي الْحَلِّ، وَذَلِكَ بَيْنَ مَنْ سِيَاقُ الْقِصَّةِ عِنْدَ ابْنِ إِسْحَاقَ“۔ (۸)

(۱) السيرة الحلبية (ج ۳ ص ۳۲۳)، والطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۸ ص ۱۳۷)۔

(۲) دیکھئے السيرة الحلبية (ج ۳ ص ۳۲۳)، والإصابة (ج ۴ ص ۴۱۱ و ۴۱۲)، والطبقات (ج ۸ ص ۱۳۲)۔

(۳) السيرة الحلبية (ج ۳ ص ۳۲۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الإصابة (ج ۴ ص ۴۱۱)۔

(۶) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۸ ص ۱۳۲)۔

(۷) الإصابة (ج ۴ ص ۴۱۱ و ۴۱۲)۔

(۸) الإصابة (ج ۴ ص ۴۱۲)۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً چھیالیس احادیث مروی ہیں، ان میں سے سات حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان میں سے ایک حدیث میں امام بخاری اور پانچ احادیث میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (۱)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال اصح قول کے مطابق ۵۱ھ میں مقام سرف میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ (۲) رضی اللہ عنہا وأرضاها۔

فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء، ثم جاء إلى منزله، فصلی أربع ركعات، ثم نام، ثم قام، ثم قال: نام الغلیم، أو كلمة تشبهها، ثم قام، فقامت عن يساره، فجعلني عن يمينه، فصلی خمس ركعات، ثم صلی ركعتين حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنے گھر تشریف لائے، آپ نے چار رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سو گئے، پھر اٹھے، پھر آپ نے فرمایا بچہ سو گیا؟ یا اسی جیسی کوئی بات کی، پھر آپ کھڑے ہو گئے، میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے مجھے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف کر دیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں۔

نام الغلیم

”غلیم“ یا ”مکسورہ مشدہ کے ساتھ ”غلام“ کی تصغیر ہے، یہ تصغیر شفقت کے لئے ہے۔ (۳)

یہ جملہ استنبہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور خبریہ بھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لعل ذلك كان استفهاماً أو إخباراً ليشغل ببعض ما يفعله الرجل بأهله من الملاعبة وغيرها“۔ (۴) مطلب یہ ہے کہ اس جملہ کے ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ ملاعبت وغیرہ کرنا چاہتے تھے، ظاہر ہے کہ اس کے لئے تستر کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے آپ نے فرمایا ”نام الغلیم“۔

(۱) خلاصة الخرزجي (ص ۴۹۶)۔

(۲) دیکھئے الإصابة (ج ۴ ص ۴۱۳)، والسيرۃ الحلبيۃ (ج ۳ ص ۳۲۳)۔

(۳) شرح الکرماني (ج ۲ ص ۱۳۳)۔

(۴) لامع الدراري (ج ۲ ص ۳۶۳ و ۳۶۴)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اختلاف ہے کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں، بعض میں گیارہ اور بعض میں تیرہ، بعض میں پندرہ اور بعض میں سترہ کا ذکر ہے۔

جن روایات میں سترہ رکعات کا ذکر ہے، ان میں آخر کی دو رکعتیں سنت فجر سے متعلق ہیں، بارہ رکعتیں نوافل اور تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

جن میں پندرہ کا ذکر ہے، ان میں فجر کی رکعتیں کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جن روایات میں تیرہ کا عدد مذکور ہے، آٹھ رکعتیں تو نوافل ہیں، تین رکعتیں وتر کی ہیں اور آخر میں دو رکعتیں سنت فجر کی ہیں۔

پھر جن روایات میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، ان میں سنت فجر مذکور نہیں ہے، آٹھ رکعتیں نوافل ہیں اور تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

یہاں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں ”ثم جاء إلى منزله فصلى أربع ركعات“ یعنی آپ عشاء کی نماز پڑھ کر جب گھر آئے تو چار رکعتیں پڑھیں، یہ چار رکعتیں غالب یہ ہے کہ عشاء کی سنتیں ہوں گی (۱)، ان کے بعد آپ آرام فرمانے لگے، پھر کچھ دیر بعد جو اٹھے تو آپ نماز پڑھنے لگے، اس دوران آپ نے یہ بھی فرمایا ”نام الغلیم“ کہ بچہ سو گیا، پھر جو آپ مزید نماز پڑھنے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اٹھ کر ان نمازوں میں شریک ہو گئے، آخر میں آپ وتر سے بھی فارغ ہو گئے، اس کے بعد جو دو رکعتیں ادا فرمائیں، ان کے بارے میں ایک احتمال تو یہی ہے جو حافظ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرما رہے ہیں کہ یہ سنت فجر ہیں، دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ وہ دو رکعتیں ہیں جو آپ وتر کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (۲)

گویا اس حدیث میں رکعات کی تعداد میں اجمال ہے، تفصیل وہی ہے جو آگے کتاب الوضوء وغیرہ میں آرہی ہے۔ (۳) واللہ اعلم۔

(۱) دیکھئے فضل الباری (ج ۲ ص ۱۶۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۲)۔

(۳) پیچھے ہم اس حدیث کی تفصیلاً تخریج کر چکے ہیں۔ فارحہ إلیہ ان شئت۔

تنبیہ

یہاں ہم نے رکعات کی تعداد کی تطبیق کے حوالہ سے جو بات کی ہے وہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے متعلق ہے، باقی آپ کے قیام اللیل کی رکعات کی تعداد کیا ہوتی تھی اس کے بارے میں آگے ان شاء اللہ کتاب الوتر میں بحث کریں گے۔

ثم نام حتى سمعت غطيطة أو خطيطة ثم خرج إلى الصلاة
پھر آپ سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ نماز کے لئے نکل گئے۔
”غطيطة“: سونے کی حالت میں جو ناک سے آواز سی خارج ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں، یعنی خراٹے۔ (۱)
خطيطة: بقول داؤدی رحمۃ اللہ علیہ غطيطة کے مترادف ہے (۲)، جبکہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل لغت کے یہاں خطيطة بالحاء المعجمة کا کوئی وجود نہیں (۳)، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن بطل کی متابعت کی ہے۔ (۴)

لیکن ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ”الخطيطة قريب من الغطيطة، وهو صوت النائم، والسخاء والغين متقاربان“۔ (۵) یعنی ”خطيطة قريب قريب وہی غطيطة ہے، سونے والے کے خراٹے کو کہتے ہیں، خاء اور غین دونوں قریب الحرج ہیں“۔ اس لئے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں، تقریباً یہی بات صاحب تاج العروس نے بھی لکھی ہے۔ (۶)

ثم خرج إلى الصلاة

پھر نماز فجر کے لئے نکل گئے۔

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۲)، ومختار الصحاح (ص ۴۷۶)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۲)۔

(۳) قال ابن بطل: ”ولم أجد لها عند أهل اللغة بالحاء“ شرح ابن بطل (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۲)۔

(۵) النهاية لابن الأثير (ج ۲ ص ۴۸)۔

(۶) تاج العروس (ج ۵ ص ۱۳۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، جس کی مناسبت ”باب السمر فی العلم“ سے واضح ہے، کیونکہ اس میں ہے ”فلما سلم قام، فقال: أرأیتکم.....“ یعنی آپ نے عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ گفتگو فرمائی اور عشاء کے بعد بات چیت کو ”سمر“ کہتے ہیں۔

البتہ دوسری حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے یعنی ”بیتوتہ ابن عباس فی بیت خالته میمونۃ“ والی حدیث کی مناسبت باب سے زیادہ واضح نہیں ہے۔

اس کی مناسبت کو ظاہر کرنے کے لئے ابن المنیر اور ان کے تبعین نے کہا ہے کہ ترجمہ اس حدیث کے اندر ”نام الغلیم“ کے جملہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ (۱)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا رات بھر مشاہدہ کرتے رہے، یہی ”سمر“ ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ ”قولی سمر“ نہیں بلکہ ”فعلی سمر“ ہے، گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ پوری رات ”سمر“ میں گزاری، کیونکہ ان کا جاگ کر آپ کے احوال و افعال کا مشاہدہ کرنا اور ان کو سیکھنا ”سمر“ ہی ہے۔ (۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کے علاوہ دو اور توجیہات بھی کی ہیں:-

ایک یہ کہ اس واقعہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں طرف سے دائیں طرف کر دیا، یہ اگرچہ فعل ہے، تاہم کہا جاسکتا ہے کہ گویا آپ نے ان سے فرمایا ہے ”قف

(۱) المتواری علی تراجم أبواب البخاری (ص ۶۲)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳)۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی سے ترجمہ ثابت فرمایا ہے، بایں طور کہ آپ نے ”نام الغلیم“ فرمایا اور ایک جملہ سے بھی ”سمر“ کا تحقق ہوتا ہے اور آپ کا یہ جملہ فرما کر استفسار کرنا اس غرض کی وجہ سے تھا کہ آپ اپنے اہل کے ساتھ قبلہ و اختلاط کا ارادہ کر رہے تھے، اس جملہ سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ ایسے امور میں تشر ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ یہ ”علم“ ہے لہذا سمر فی العلم متحقق ہوا۔ دیکھئے الكنز المتواری (ج ۲ ص ۳۶۴)۔

(۲) المتواری (ص ۶۲) وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳)۔

عن یحییٰ "اور ان کا دائیں طرف ہو جانا اس بات کے قائم مقام ہے کہ انہوں نے "وقف" کہا ہو۔ (۱)
 دوسری توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ جب کسی جگہ اقارب کا اجتماع ہوتا ہے تو وہاں کچھ نہ کچھ گفتگو ضرور
 ہوتی ہے، یہاں بھی آپ نے گفتگو فرمائی ہوگی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ آپ عشاء کے بعد گھر آئے ہوں،
 حضرت ابن عباس وہاں رہنے کے لئے آئے ہوں اور آپ کوئی بات بالکل نہ کریں، یقیناً آپ نے کوئی بات
 ضرور کی ہوگی، یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کی ہر بات علم اور فائدے کی بات ہی ہوگی، اس سے "سمر" ثابت
 ہو جاتا ہے۔ (۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام توجیہات کو بعید قرار دے کر رد کیا ہے۔
 جہاں تک ابن المنیر کی پہلی توجیہ کا تعلق ہے سو اس کو "سمر" اس وجہ سے نہیں کہیں گے کہ صرف ایک
 آدھ جملہ بول دینا "سمر" نہیں کہلاتا، اس کے لئے معتد بہ گفتگو ہونی چاہئے۔ (۳)
 اسی طرح ان کی دوسری توجیہ کو انہوں نے اس طرح رد کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
 نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال کا مشاہدہ کیا اس کو "سمر" یعنی "رت جگا" تو کہیں گے
 "سمر" کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ بقول اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ "سمر" کے لئے گفتگو اور قول کا ہونا
 ضروری ہے۔ (۴)

اسی طرح علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی توجیہ کی تردید کرتے ہوئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
 یہ توجیہ تو بعد ہے، کیونکہ بائیں سے دائیں طرف کرنے کا یہ عمل کچھ دیر سوکراٹھنے کے بعد کا واقعہ ہے اور سوکرا
 اٹھنے کے بعد بات چیت کو "سمر" نہیں کہتے۔ (۵)

پھر علامہ کرمانی کی جو دوسری توجیہ تھی اس کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ محض قیاس ہے، حدیث

(۱) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۳۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳)۔

(۴) حوالہ سابقہ۔

(۵) حوالہ بالا۔

میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں ہے جس کو ”سمر“ کہا جاسکے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بعض دیگر طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں واضح طور پر موجود ہے ”فتحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع أهلہ ساعة“۔ (۱) یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ تھوڑی دیر بات چیت کی“۔ یہ اپنے عموم کی وجہ سے بات چیت کی ہر نوع کو شامل ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک طرف ”تحدث مع الأهل“ ہے تو دوسری طرف ”سمر فی العلم“ بھی ہے کہ آپ کا ایک ایک قول علم ہی علم اور دینی فائدہ ہی ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ (۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تقریر پر اعتراض اور رد کیا ہے (۴)، تاہم حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی بات مضبوط ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز کے مناسب بھی ہے۔ واللہ أعلم

”سمر“ سے متعلق چند روایات

سمر فی العلم کے تحت درج ذیل واقعات بھی آسکتے ہیں:

- ۱۔ قال أنس: نظرنا النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، حتى كان شطر الليل يبلغه فجاء، فصلى لنا، ثم خطبنا، فقال: ألا إن الناس قد صلوا ثم رقدوا، وإنكم لم تزالوا في صلاة ما انتظرتم الصلاة“۔ (۵)

یعنی ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا،

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۵۷) کتاب التفسیر، باب: ﴿إِنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾، رقم (۴۵۶۹)،
 و (ج ۲ ص ۱۱۱۰) کتاب التوحید، باب ماجاء فی تخلیق السموات والأرض وغيرها من الخلائق، رقم (۷۴۵۲)۔
 (۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳)۔
 (۳) دیکھئے الأبواب والتراجم (ص ۵۶)۔
 (۴) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۷۷ و ۱۷۸)۔
 (۵) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۸۴)، کتاب مواقیب الصلاة، باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء، رقم (۶۰۰)۔

حتی کہ آدھی رات ہو چکی تھی، آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا سنو! لوگ نماز پڑھ کے سو بھی چکے اور تم جب تک نماز کے انتظار میں رہے گویا نماز ہی میں مشغول رہے۔

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمر مع أبي بکر فی الأمر من أمر المسلمین وأنا معهما“۔ (۱)

یعنی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں رات کو بات چیت کرتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔“

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”کان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا عن بنی اسرائیل حتی یصبح، ما یقوم إلا إلى عظم صلاة“۔ (۲)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بنی اسرائیل کے بارے میں بتاتے تھے، حتیٰ کہ صبح ہو جاتی تھی، بس آپ عظیم نماز یعنی فرض نماز ہی کے لئے اٹھتے تھے۔“

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (۳)

(۴) حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كنت في الوفد الذين أتوا النبي صلى الله عليه وسلم، أسلموا من ثقيف، من بني مالك، أنزلنا في قبة له، فكان يختلف إلينا بين بيوتهم وبين المسجد، فإذا صلى العشاء، الآخرة انصرف إلينا، ولا نبرح حتى يحدثنا، ويشتكى قريشا ويشتكى أهل مكة“۔ (۴)

(۱) جامع ترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی الرخصة فی السمر بعد العشاء، رقم (۱۶۹)۔

(۲) سنن أبي داود، کتاب العلم، باب الحديث عن بنی اسرائیل، رقم (۳۶۶۳)۔

(۳) دیکھئے مسند أحمد (ج ۴ ص ۵۳۷)، حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، رقم (۲۰۱۶۳)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۴ ص ۹) حدیث اوس بن اوس الثقفي، وهو اوس بن حذيفة، رقم (۱۶۲۶۶)۔

یعنی ”قبیلہ ثقیف کی شاخ بنو مالک مسلمان ہو کر وفد کی شکل میں آئے، میں اس وفد میں تھا، آپ نے ہمیں ایک خیمہ میں ٹھہرایا، آپ اپنے مکان اور مسجد کے درمیان ہمارے پاس آتے جاتے تھے، جب آپ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف آ جاتے، ہم بات چیت کرتے رہتے، آپ قریش اور اہل مکہ کی ایذا، رسانیوں کی بات کرتے تھے۔“

(۵) ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أتیت عمر أکلمه فی حاجة بعد العشاء، فقال: هذه الساعة؟ فقلت: إنه شيء من الفقه، قال: نعم، فکلمته، فذهبت لأقوم، فقال: اجلس، فقلت: الصلاة! فقال: إنا فی صلاة، فلم نزل جلوسا حتی طلع الفجر“۔ (۱)

یعنی ”میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عشاء کے بعد ایک ضرورت کے تحت آیا، انہوں نے فرمایا: اس وقت؟! میں نے عرض کیا کہ دین کی بات ہے، چنانچہ انہوں نے اجازت دی، میں نے جب بات کر لی تو اٹھنے لگا، فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں نے عرض کیا کہ نماز پڑھوں گا، فرمایا کہ ہم نماز ہی میں ہیں، چنانچہ فجر تک ہم بیٹھے رہے۔“

ایک اشکال اور اس کا حل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے، جو وہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں ”لا سمر إلا لمصل أو مسافر“۔ (۲) یعنی ”مصلیٰ اور مسافر کے علاوہ کسی کے لئے سمر کی گنجائش نہیں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افراد کے علاوہ کسی کے لئے ”سمر“ کی اجازت نہیں ہے، اس طرح ”سمر“ کی رخصت اور ”نہی عن السمر“ کی احادیث کے درمیان ظاہر اُتعارض

(۱) شرح ابن بطل (ج ۱ ص ۱۹۲)۔

(۲) دیکھئے مسند أحمد (ج ۱ ص ۲۱۲)، رقم (۳۹۱۷)، و (ج ۱ ص ۴۴۴)، رقم (۴۲۴۴) و (ج ۱ ص ۴۶۳)، رقم (۴۴۱۹)۔

ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے (۱)، اس کے دو طرق میں انقطاع ہے، چنانچہ اس کو خیمہ بن عبد الرحمن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، جب کہ خیمہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود سے سماع حاصل نہیں ہے (۲)، جبکہ ایک اور طریق میں خیمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اس کو مبہم کر کے یوں ذکر کیا ہے ”عمن سمع ابن مسعود“ اور یہ مبہم واسطہ مجہول ہے۔ (۳)

اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح اور ثابت ہو تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”سمر فی العلم“ کرنے والا ”مصلی“ کے حکم میں ہے (۴)، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”إنافی صلاة“۔ (۵)

حدیث بیوتیت ابن عباس سے علماء نے بہت سے فوائد مستنبط کئے ہیں، جن کا مختصر ذکر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ (۶) واللہ اعلم وعلمہ وأتم وأحکم

(۱) حوالہ جات پیچھے آچکے ہیں۔

(۲) چنانچہ تہذیب الکمال میں خیمہ۔، شیوخ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۸ ص ۳۷۱)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) شرح ابن بطلال (ج ۱ ص ۱۹۲)۔

(۶) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۸۰)۔

۴۲ - باب : حِفْظُ الْعِلْمِ .

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں ”سمر فی العلم“ کا ذکر تھا اور اس باب میں ”حفظ علم“ کا، دونوں ابواب میں مناسبت بالکل واضح ہے، سمر فی العلم کے مقاصد میں سے حفظ علم ہے۔ (۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اسبابِ حفظِ علم کو بیان کرنا ہے اور احادیث کے ذریعہ بتا دیا کہ حفظِ علم اس وقت حاصل ہوگا جب اپنے آپ کو علم کے واسطے مکمل طور پر فارغ کر لے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ تعلیم کے بعد حفظ اور عدمِ نسیان کی سعی و کوشش بھی لازم ہے، ظاہر ہے کہ بھلا دینے میں اول تو کفرانِ نعمت ہے، دوسرے تعلیم و تبلیغ و عمل جملہ امورِ ضرور یہ حفظ پر موقوف ہیں۔

اس باب کی پہلی روایت سے معلوم ہو گیا کہ جس قدر علم میں اشتغال کرے گا اسی قدر حفظ میں قوت و مدد ملے گی، دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظہ کا قوی ہونا بھی مطلوب و مفید ہے، اگرچہ قوتِ حافظہ ایک خلقی امر ہے، مگر اس کے لئے مؤیدات اور مضرات ہوتی ہیں، ان کی رعایت رکھنا مستحسن ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر اسی حال کو بیان کر رہا ہے:

فأوصاني إلى ترك المعاصي

شكوت إلى و كيع سوء حفظي

(۱) عمدة الفاري (ج ۲ ص ۱۸۰)۔

(۲) الكنز المتواری (ج ۲ ص ۳۶۵)۔

فإن العلم نور من إلهي ونور الله لا يعطى لعاص (۱)

یعنی ”میں نے اپنے استاذ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی قوتِ حافظہ کی کمی کی شکایت کی، انہوں نے مجھے گناہ چھوڑنے کی وصیت کی، اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کے نور میں سے ایک نور ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ اپنا نور کسی عاصی اور نافرمان کو نہیں دے گا۔“

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ طالب علم کو حدیث کو یاد کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تین روایات ذکر کی ہیں، ان روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے یاد کرنے کی کئی صورتیں ہیں:-

۱۔ اول ملازمت، یعنی استاذِ حدیث کی صحبت اختیار کرنا اور کثرت سے اس کے پاس آمد و رفت رکھنا، تاکہ اس کے علوم بار بار سننے اور دیکھنے میں آئیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز تکرار کے ساتھ سامنے آتی ہے تو وہ دل میں قرار پکڑ لیتی ہے۔ یہ ملازمت معلوم ہو رہی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول ”کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشعب بطنہ ویحضر ما لا یحضرون.....“ سے۔

۲۔ دوسری چیز ہے مذاکرہ، یعنی جو علم حاصل کیا جائے اس کا تکرار ہو، اسے بار بار رٹا جائے، یاد کیا جائے، اس کی طرف اشارہ ”ویحفظ ما لا یحفظون“ سے ملتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز دعا اور الحاج و زاری ہے کہ آدمی کے پاس کتنا ہی ذہن ہو، اس کی فہم کتنی ہی تیز ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا، لہذا حق تعالیٰ سے دعا کرے اور بزرگوں سے دعا کرائے، جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی۔

۴۔ اور چوتھی چیز نشر علم ہے کہ اس علم کو پھیلانے کی جتنی کوشش کی جائے گی اسی قدر یہ علم محفوظ ہوتا رہے گا، جیسا کہ باب کی آخری حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ ، وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا ، ثُمَّ يَتْلُو : «إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ - إِلَى قَوْلِهِ - الرَّحِيمُ» .
 إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ ، وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ . وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزِمُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِشَبَعِ بَطْنِهِ ، وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ ، وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ . [۱۹۴۲ . ۲۲۲۳ . ۶۹۲۱]

تراجم رجال

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحیی قرشی عامری اویسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات اسی ”کتاب“ میں ”باب الحرص علی الحدیث“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۲) مالک

یہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث اور ”کتاب

(۱) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۲۲)، في كتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم (۱۱۹)، وفي (ج ۱ ص ۲۷۴ و ۲۷۵)، في كتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ﴾، رقم (۲۰۴۷)، و (ج ۱ ص ۳۱۶) كتاب الحرث والمزارعة، باب ما جاء في الغرس، رقم (۲۳۵۰)، و (ج ۱ ص ۵۱۴ و ۵۱۵) كتاب المناقب، باب (بدون ترجمة، بعد باب سؤال المشركين أن يريهم النبي صلى الله عليه وسلم آية، فأراهم انشقاق القمر)، رقم (۳۶۴۸)، و (ج ۲ ص ۱۰۹۳) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الحجة على من قال: إن أحكام النبي صلى الله عليه وسلم كانت ظاهرة.....، رقم (۷۳۵۴)، ومسلم في صحيحه، في كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، رقم (۶۳۹۷ - ۶۴۰۰)، والترمذي في جامعه، في أبواب المناقب، باب مناقب أبي هريرة رضي الله عنه، رقم (۳۸۳۴ و ۳۸۳۵)۔

الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۳) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۴) الأعرج

یہ ابو داؤد عبد الرحمن بن ہرمزاعرج مدنی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”کتاب الإيمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإيمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، ”باب أمور الإيمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

إن الناس يقولون: أكثر أبوهريرة

لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے حد کردی کہ اتنی حدیثیں بیان کرتے ہیں!!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں صرف ان ہی کی روایات ذکر کی ہیں۔

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۰)، و (ج ۲ ص ۸۰)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۱)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حافظ ہونے کی وجہ سے موقع بہ موقع کثرت سے احادیث نقل کیا کرتے تھے، بعض لوگوں نے ایسے موقع پر کہہ دیا، ”أكثر أبو هريرة“ کہ ابو ہریرہ نے بھی حد کر دی، جہاں دیکھو حدیث پیش کر دیتے ہیں، جبکہ دیگر مہاجرین و انصار ان کی طرح ہر وقت حدیثیں روایت نہیں کرتے۔

ولولا آيتان في كتاب الله ما حدثت حديثاً

اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

ثم يتلو: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ - إِلَى قَوْلِهِ - الرَّحِيمِ﴾ (۱)

پھر وہ یہ آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن کا مفہوم ہے:

”جو لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا ہے، جو کہ اپنی ذات میں واضح ہیں اور دوسروں کے لئے ہادی ہیں اور چھپانا بھی اس کے بعد کہ ہم ان کو کتاب میں عام لوگوں کے لئے ظاہر کر چکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور ان چھپائے گئے مضامین کو ظاہر اور بیان کر دیں تو ایسے لوگوں کے حال پر میں عنایت سے متوجہ ہو جاتا ہوں اور ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا۔“

إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفَقُ (۲) بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِخْوَانَنَا

مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ۔

میرے مہاجر بھائیوں کو بازار میں ان کی تجارت اور بیع و شراء کے معاملات مشغول رکھتے تھے اور میرے

انصاری بھائیوں کو ان کی زمینوں میں کھیتی باڑی کا عمل انہیں مصروف رکھتا تھا۔

(۱) سورة البقرة / ۱۵۹ و ۱۶۰۔

(۲) الصَّفَقُ: بِاسْكَانِ الْفَاءِ، هُوَ ضَرْبٌ مِنَ الْيَدِ عَلَى الْيَدِ، وَحَرْثٌ بِهِ عَادَتُهُمْ عِنْدَ عَقْدِ الْبَيْعِ - فَتَحَ الْبَارِي (ج ۱ ص ۲۱۴)۔

وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه ويحضر

مالا يحضرون ويحفظ مالا يحفظون

جبکہ ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں صرف اتنی بات پر حاضر باش رہتا تھا کہ پیٹ بھر کر کھانا مل جائے، چنانچہ وہ ان مقامات پر حاضر رہتا تھا جن میں دوسرے حاضر نہیں ہوتے اور ان باتوں کو یاد کر لیا کرتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے اکثاری کی ایک وجہ تو یہ بیان فرمائی کہ کتاب اللہ میں کتمان علم پر وعید وارد ہوئی ہے، اس وجہ سے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ارشادات حسب موقع روایت کرتا رہتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے کثرت سے روایت حدیث نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ مہاجرین بھائی تجارت پیشہ لوگ تھے، بازار میں وہ بیع و شراء کے معاملات میں الجھے رہتے تھے اور حضرات انصار کھیتی باڑی کرنے والے لوگ تھے، انہیں اس سے فرصت نہیں ملتی تھی، اس لئے ان کی حدیثیں میرے مقابلہ میں کم ہیں۔

پھر انہوں نے اپنی کیفیت بتائی کہ میری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باشی اور آپ کی ملازمت کی یہ حالت ہے کہ میں ہر دم آپ کی مجلس میں پڑا رہتا تھا، مجھے پیٹ بھر کھانا مل جائے یہی میرے لئے بہت تھا، مجھے کسی چیز کی فکر نہیں ہوتی تھی، کیونکہ میرا نہ تو کوئی گھر بار تھا اور نہ ہی کمانے یا جمع کرنے کی فکر تھی، بس! میری ایک ہی فکر ہوا کرتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں اور آپ کے ارشادات اپنے سینے میں محفوظ کرتا رہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار نہ تو میری طرح ملازمت اور حاضر باشی اختیار کر سکتے تھے اور نہ ہی میری طرح حفظ حدیث کا اہتمام کر سکتے تھے، لہذا اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ میری حدیثوں کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے اور وعید سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں نے خوب پھیلائے۔

وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه
 اور ابو ہریرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا تھا، اس کو دنیا کی کسی اور چیز کی ہوس نہیں تھی،
 اس کے لئے اتنا بہت تھا کہ پیٹ بھر کر کھانا مل جائے۔
 یہی مفہوم اوپر بھی بیان ہوا ہے، یہی صحیح اور متبادر مطلب ہے۔
 حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طباعی اور ذہانت سے اس کا ایک مطلب اور بھی بیان کیا ہے،
 جو غیر متبادر ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے، وہ فرماتے ہیں:

”كان يلزمه ما يريد من المدة، ولا يقوم من مجلسه حتى يستوفي حظه منه،

كقولهم: فلان يحدث شبع بطنه، ويسافر شبع بطنه“۔ (۱)

یعنی ”وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جمے رہتے تھے وہاں سے اس وقت تک نہیں
 اٹھتے تھے جب تک ان کو ان کا پورا حصہ نہیں مل جاتا تھا اور ان کا علم سے پیٹ نہیں بھر جاتا تھا،
 جیسے کہتے ہیں کہ فلاں پیٹ بھر کر بات چیت کرتا ہے اور فلاں پیٹ بھر کر سفر کرتا ہے۔“

تنبیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں جو کچھ بیان فرمایا وہ حقیقت حال کے اظہار کے لئے اور
 لوگوں کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے فرمایا تھا، حضرات مہاجرین و انصار کی تحقیر شان ہرگز مقصود نہیں
 تھی۔ (۲) واللہ اعلم

۱۱۹ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ .
 عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ . عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبَرِيِّ . عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنِّي أَسْمَعُ
 مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أُنْسَاهُ ؟ قَالَ : (أَبْسُطْ رِدَاءَكَ) . فَبَسَطْتُهُ . قَالَ : فَعَرَفَ بِيَدَيْهِ . ثُمَّ قَالَ :
 (ضُمَّهُ) . فَضَمَمْتُهُ . فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ .

(۱) تراجم أبواب البخاري (ص ۱۵)۔

(۲) دیکھئے لامع الدراري مع الكنز السواری (۲- ص ۳۶۶ و ۳۶۷)۔

(۳) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: قدم من تحريكه في الحديث السابق، أول حديث الباب۔

تراجم رجال

(۱) احمد بن ابی بکر ابو مصعب

یہ ابو مصعب احمد بن ابی بکر القاسم بن الحارث بن زرارہ بن مصعب بن عبد الرحمن بن عوف قرشی زہری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ مدینہ منورہ کے قاضی اور فقیہ تھے۔ (۱)

یہ امام مالک، عبدالعزیز بن محمد دروردی، مغیرہ بن عبد الرحمن، محمد بن ابراہیم بن دینار، عبدالعزیز بن ابی حازم اور یوسف بن یعقوب بن ابی سلمۃ المباحثون رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، بقی بن مخلد اندلسی، زکریا بن یحییٰ السجزی، امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ رازی اور ابو حاتم رازی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۲)

- امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”صدوق“۔ (۳)
- امام مسلمہ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مدنی ثقہ“۔ (۴)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وکان فقیہاً متقناً عالماً بمذہب أهل المدينة“۔ (۵)
- ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہو من فقہاء أهل المدينة“۔ (۶)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة حجة“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۷۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۷۹ و ۲۸۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۲۸۰)۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۲۱)۔

(۶) الصفات لابن سعد (ج ۵ ص ۴۴۱)۔

(۷) میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۸۴)، رقم (۳۰۳)۔

نیز وہ فرماتے ہیں ”قاضي المدينة وعالمها“۔ (۱)

نیز وہ فرماتے ہیں ”أحد الأثبات، وشيخ أهل المدينة وقاضيه ومحدثهم“۔ (۲)

زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مات وهو فقيه أهل المدينة غير مدافع“۔ (۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة في المؤطاء“۔ (۴)

حافظ خزر جی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے ”كان إماماً في السنة

والأحكام، فقيهاً، فصيحا، بليغاً“۔ (۵)

یہ ابو مصعب احمد بن ابی بکر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف علماء رجال کے توثیقی کلمات ہیں،

کسی نے بھی ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

البتہ ابو خيثمة رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے صاحبزادے نے دریافت کیا کہ میں کس کس سے احادیث

سنوں؟ ابو خيثمة نے کہا ”لا تكتب عن أبي مصعب واكتب عن شئت“۔ (۶)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے ”ثقة حجة، ما أدري ما معنى

قول أبي خيثمة لابنه أحمد: لا تكتب عن أبي مصعب واكتب عن شئت؟“۔ (۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”ويحتمل أن يكون مراد أبي خيثمة دخوله في القضاء أو إكثاره من الفتوي

بالرأي“۔ (۸)

(۱) الكاشف للذهبي (ج ۱ ص ۱۹۱)، رقم (۱۳)۔

(۲) تذكرة الحفاظ (ج ۲ ص ۴۸۲)، رقم (۴۹۷)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۱ ص ۲۸۰)۔

(۴) تذكرة الحفاظ (ج ۲ ص ۴۸۳)۔

(۵) خلاصة الحرر ح (ص ۴)۔

(۶) تعليقات تهذيب الكمال (ج ۱ ص ۲۸۰)، نقلاً عن تاريخ ابن أبي خيثمة۔

(۷) ميزان الاعتدال (ج ۱ ص ۸۴)، رقم (۳۰۳)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج ۱ ص ۲۰)۔

یعنی ”ابوخیثمہ نے اپنے صاحبزادے کو جو ان کی روایات کی کتابت سے منع کیا تھا اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ انہوں نے قضاء کا منصب سنبھالا تھا، یا یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ رائے اور نظر کے لحاظ سے فتوے دیا کرتے تھے۔“

اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وإنما قال ذلك؛ لأن أبا مصعب كان يميل إلى الرأي، وأبو خيثمة من أهل الحديث، وممن ينافر ذلك، فلذلك نهى عنه، وإلا فهو ثقة، لا نعلم أحدا ذكره إلا بخير“۔ (۱)

یعنی ”ابوخیثمہ نے جو کچھ کہا وہ اس بنیاد پر کہا ہے کہ ابو مصعب فقیہ تھے، قیاس واجتہاد سے کام لیتے تھے، جبکہ ابوخیثمہ کا تعلق محدثین کے مکتب فکر سے تھا، جو قیاس و رائے کو ناپسند کرتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے کو منع فرمایا، ورنہ ابو مصعب ثقہ ہیں، ہمارے علم کے مطابق تمام حضرات نے ان کی تعدیل و توثیق ہی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔“

ظاہر ہے کہ یہ کلام مؤثر اور قادح نہیں ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”صدوق“ قرار دیا ہے، (۲) غالباً ایسا انہوں نے ابوخیثمہ کے کلام سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ ان کو ثقہ اور حجت ہی کہنا چاہئے، جیسا کہ نقاد حدیث کے تبصروں سے معلوم ہوتا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۳) واللہ اعلم

۲۴۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، عمر نوے سال سے متجاوز تھی۔ (۴) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

(۱) تعلیقات الرفع والتکمیل لشیخنا عبدالفتاح أبو غدة رحمہ اللہ تعالیٰ (ص ۴۲۳)، نقلاً من ”ترتيب المدارك“ للمقاصي

عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ (ج ۳ ص ۳۴۷ و ۳۴۸)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۷۸)، رقم (۱۷)۔

(۳) دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (ج ۱ ص ۵۸)، رقم (۱۷)۔

(۴) تقریب التہذیب (ص ۷۸)، رقم (۱۷)۔

(۲) محمد بن ابراہیم بن دینار

یہ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن دینار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض حضرات نے ان کا لقب ”صندل“ بتایا ہے۔ (۱)

یہ اسامہ بن زید لیشی، محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئب، محمد بن عجلان، موسیٰ بن عقبہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابو مصعب احمد بن ابی بکر، عبد اللہ بن وہب، ابو ہشام محمد بن مسلمہ، یحییٰ بن ابراہیم اور یعقوب بن محمد زہری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”معروف الحدیث“۔ (۳)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان من فقهاء المدينة نحو مالك، وکان ثقة“۔ (۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کان مفتی أهل المدينة مع مالك، وعبد العزيز بن أبي سلمة وبعدهما، وکان

فقیہا فاضلاً، له بالعلم رواية وعناية“۔ (۶)

یعنی ”یہ امام مالک اور عبد العزیز بن ابی سلمہ رحمہما اللہ کے ہم پلہ، ان کے زمانہ میں اور ان کے

بعد مدینہ منورہ کے مفتی رہے ہیں، فاضل فقیہ تھے، ان کو علم سے اچھی مناسبت تھی اور روایت

حدیث کرتے تھے“۔

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۳۰۶)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۳۰۶ و ۳۰۷)۔

(۳) التاریخ الكبير (ج ۱ ص ۲۵)، رقم (۲۵)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۳۰۷)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۸)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۳۰۷)۔

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہے ”کان مدار الفتوی فی آخر زمان مالک وبعده علی

المغیرة بن عبد الرحمن ومحمد بن ابراهیم بن دینار“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة فقیه“۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۴) رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة

(۳) ابن ابی ذئب

یہ امام محمد بن عبد الرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب قرشی عامری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی

کنیت ابو الحارث ہے، ابن ابی ذئب کے نام سے معروف ہیں، ابو ذئب کا نام ہشام ہے۔ (۵)

یہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس، بشر حبیل بن سعد، سعید مقبری، نافع مولیٰ ابن عمر، صالح مولیٰ التوأمہ، شعبہ مولیٰ

ابن عباس، ابن شہاب زہری، اسحاق بن یزید الہذلی، محمد بن المنکدر اور مسلم بن جندب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ

سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے عبد اللہ بن المبارک، یحییٰ بن سعید القطان، ابن ابی فدیک، شہاب بن سوار، حجاج بن محمد، ابو نعیم،

وکیع، آدم بن ابی ایاس، عبد اللہ بن مسلمہ القعنسی، عبد اللہ بن وہب، عبد اللہ بن نمیر اور ابو عاصم الضحاک بن

مخلد رحمہم اللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان عالماً، ثقة، فقیها، ورعاً، عابداً، فاضلاً“۔ (۷)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تخریج التہذیب (ج ۵ ص ۵۶۵)، رقم (۵۶۹۲)۔

(۳) تخریج التہذیب (ج ۹ ص ۳۹)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۸)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۰)۔

(۶) شیوخ و تلامذہ کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۱-۶۳۴)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن أبي ذئب يشبه بسعيد بن المسيب“۔ (۱)

امام احمد سے پوچھا گیا کہ مدینہ میں ابن ابی ذئب نے اپنے پیچھے کس کو اپنے جیسا چھوڑا؟ فرمایا کہ نہ

مدینہ میں اور نہ مدینہ کے سوا کسی اور جگہ کوئی اُن جیسا ہے۔ (۲)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ابن أبي ذئب كان ثقة صدوقاً، أفضل من مالك بن أنس، إلا أن مالكا أشد تنقية

للرجال منه، ابن أبي ذئب كان لا يبالي عمن يحدث“۔ (۳)

یعنی ”ابن ابی ذئب ثقہ اور صدوق ہیں اور امام مالک سے بھی بڑھ کر ہیں، البتہ امام مالک

رجال کے انتخاب میں ابن ابی ذئب سے بڑھے ہوئے ہیں، کیونکہ ابن ابی ذئب اس بات کی

زیادہ پروا نہیں کرتے تھے کہ کس معیار کے راویوں سے روایت کر رہے ہیں“۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن أبي ذئب ثقة، وكل من روى عنه ابن أبي ذئب

ثقة إلا أبا جابر البياضي.....“۔ (۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

حماد بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ثقة في حديثه، صدوقاً، رجلاً صالحاً

ورعاً“۔ (۶)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن ابی ذئب ثبت“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۴)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۵)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۶)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۳۸)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۶۴۳)۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة يفقه، أوثق من أسامة بن زيد“۔ (۱)

ابوزرعمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن أبي ذئب مديني، قرشي، مخزومي، ثقة“۔ (۲)

خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، أثنى عليه مالك، فقيه من أئمة أهل المدينة“۔ (۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”هو أروع وأقول بالحق من مالك“۔ (۴)

مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ابن أبي ذئب فقيه المدينة“۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان من فقهاء أهل المدينة وعبادهم، وكان من أقول

أهل زمانه بالحق“۔ (۶) یعنی ”یہ اہل مدینہ کے فقہاء اور عابدوں میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر حق گو تھے“۔

ان کی حق گوئی کے واقعات مؤرخین و اصحاب سیر نے ذکر کئے ہیں۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کے فقہاء کو بلایا، ان میں

دیگر فقہاء کے علاوہ امام مالک اور ابن ابی ذئب رحمہما اللہ بھی تھے۔

ہارون نے ان سے اپنے بارے میں پوچھا، ہر شخص نے اس کی تعریف ہی کی اور خوبیاں گنوائیں۔

جب ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو اولاً انہوں نے معذرت چاہی کہ میں تبصرہ نہیں کرنا چاہتا،

لیکن جب اصرار بڑھا تو فرمایا:

”أما بعد، إن سألت فإني أراك ظالماً غشوماً، تأخذ الأموال من حيث لا يحل

لك، وتنفقها فيما لا يرضى الله ورسوله، ولو وجدت أعواناً لخلعتك من هذا

الأمر، وأدخلت فيه من هو أنصح لله وللمسلمين منك“۔

(۱) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۲۵۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۳۰۷)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۷ ص ۱۴۲)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۷ ص ۱۴۴)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۳۹۰)۔

مطلب یہ ہے کہ ”میں آپ کو ظالم اور غاصب سمجھتا ہوں، آپ اس طرح مال حاصل کرتے ہیں کہ اس طرح لینا آپ کے لئے حلال نہیں اور ایسی جگہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کئے جانے پر اللہ اور اس کے رسول راضی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے مخلص مددگار مل جائیں تو آپ کو خلافت سے معزول کردوں اور خلافت ایسے شخص کو دے دوں جو آپ کے مقابلہ میں اللہ اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ خیر خواہ ہو۔“

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے سر جھکا لیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ابھی ان کا سرتن سے جدا کر دیا جائے گا اور مجھ پر خون کے چھینٹے آپڑیں گے۔

آخر میں خلیفہ نے اپنا سراٹھایا اور کہا کہ آپ ان سب کے مقابلہ میں سچے ہیں، اس کے بعد انہیں رخصت کر دیا اور ابن ابی ذئب کے عطیہ میں اضافہ کر دیا۔ (۱)

ایک دفعہ ابو جعفر المنصور سے ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ مر رہے ہیں، آپ مال فی سے ان کی مدد کیوں نہیں کرتے؟

منصور نے کہا کہ میں نے سرحدوں کی حفاظت میں مال خرچ کر دیے، اگر میں سرحدوں کو بند نہ کرتا تو تمہیں تمہارے گھر میں ذبح کر دیا جاتا۔

ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا سرحدوں کی حفاظت اور اس کی بندش کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ان کا حق دینا بھی ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تم سے بہتر تھے، انہوں نے دونوں کام کئے تھے۔

منصور نے گردن جھکالی اور کہا ”اٹھا“ ”هذا خير أهل الحجاز“۔ (۲)

ایک مرتبہ اسی ابو جعفر منصور کو آمنے سامنے کہا ”الظلم فاش ببابك“ کہ ”تمہارے دروازے پر ظلم پھیلا

ہوا ہے“۔ (۳)

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۳۹۰ و ۳۹۱)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۴۳ و ۴۴)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۴۴)۔

ایک مرتبہ ابو جعفر نے ان سے اپنے بارے میں پوچھا کہ میں کیسا خلیفہ ہوں؟ فرمایا ”و رب هذه البنية، إنك لجائر“ (۱) یعنی ”بخدا! تم ظالم ہو“۔

ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ پر بعض حضرات نے قدری ہونے کا الزام لگایا ہے، چنانچہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان مع ذلك يرى القدر، ويقول به، وكان مالك يهجره من أجله“۔

یعنی ”باوجود صاحب فضائل و مناقب ہونے کے قدریہ کی رائے رکھتے تھے، امام مالک نے اسی وجہ سے انہیں متروک کر رکھا تھا“۔ (۲)

اسی طرح واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے ”وكانوا يرمونه بالقدر“۔ (۳)

لیکن یہ الزام درست نہیں، چنانچہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وما كان قدرياً، لقد كان يتقي قولهم ويعيبه“۔ (۴)

اسی طرح مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا ابن ابی ذئب قدری تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”معاذ الله أن يكون قدرياً“۔ (۵)

بلکہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس الزام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”ولكنه كان رجلاً كريماً، يجلس إليه كل أحد، ويغشاه، فلا يطرده، ولا يقول

له شيئاً، وإن مرض عاده، فكانوا يتهمونه بالقدر لهذا وشبهه“۔ (۶)

یعنی ”یہ بہت شریف آدمی تھے، ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آ بیٹھتے تھے اور یہ کسی کو کچھ نہیں

کہتے تھے اور نہ ہی اپنے پاس سے کسی کو اٹھ جانے کو کہتے تھے، اسی طرح جب لوگ بیمار پڑتے تو

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۳۹۱)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج ۹ ص ۳۰۵)۔

(۴) سير أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۰)۔

(۵) سير أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۵)۔

(۶) سير أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۱)۔

یہ سب کی بلا امتیاز عیادت کے لئے چلے جاتے تھے، اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے یہ متہم بالقدر سمجھے گئے۔

تقریباً یہی بات مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”إنما كان زمن المهدي قد أخذوا أهل القدر وضربوهم، ونفوههم، فجاء منهم قوم إلى ابن أبي ذئب، فجلسوا إليه واعتصموا به من الضرب، فقليل: هو قدری؛ لأجل ذلك، لقد حدثني من أثق به أنه ما تكلم فيه قط“۔ (۱)

یعنی ”خلیفہ مہدی کے زمانہ میں جب قدریہ کی گرفتاری شروع ہوئی، ان کو مارا پیٹا جانے لگا اور ان کو جلا وطن بھی کیا جا رہا تھا، ایسے وقت میں کچھ لوگ ابن ابی ذئب کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے اور ان کی پناہ لی تھی، اس وجہ سے ان کو قدری کہہ دیا گیا، ورنہ مجھ سے معتمد علیہ حضرات نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کبھی قدریہ کی رائے اختیار نہیں کی۔“

حاصل یہ کہ ان کے اوپر قدری ہونے کا جو الزام ہے وہ بالکل ثابت نہیں۔

جہاں تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ”ہجران“ کا تعلق ہے سو اس کا مدار ان کے ”قدری“ ہونے پر تھا، جب اصلاً قدری ہونا ثابت نہیں تو امام مالک کا ”ہجران“ بھی غیر ثابت سمجھا جائے گا۔

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی توصیف و ثنا بھی منقول ہے، جو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے حق میں نامناسب تبصرے صادر ہوئے ہیں، علماء رجال نے ایسے اقوال کو غیر معتبر قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”..... وبكل حال فكلام الأقران بعضهم في بعض لا يعول على كثير منه، فلا

نقصت جلالة مالك بقول ابن أبي ذئب فيه، ولا ضعف العلماء ابن أبي ذئب

بمقالته هذه، بل هما عالما المدينة في زمانهما، رضي الله عنهما“۔ (۲)

یعنی ”بہر حال معاصرین کے حق میں معاصرین کا کلام بیشتر معتبر نہیں، ابن ابی ذئب کے کلام

(۱) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۵)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۳)۔

کی وجہ سے امام مالک کی جلالتِ شان میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ہی اس قسم کے کلام کی وجہ سے ابن ابی ذئب کی کسی نے تضعیف کی ہے۔ دونوں کے دونوں اپنے زمانے میں مدینہ منورہ کے عالم اور فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ اللہ ان دونوں سے راضی ہو۔

ان کے بارے میں ایک اور بات جو قابلِ تنقیح ہے، وہ یہ کہ بعض حضرات نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث میں ان کو قدرے کمزور قرار دیا ہے، چنانچہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

”کان عندنا ثقة، وکانوا یوہنونه فی أشياء رواها عن الزہری“۔ (۱)

یعنی ”یہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، کچھ لوگ ان کو بعض ان روایات کے بارے میں کمزور قرار دیتے ہیں جو یہ زہری سے نقل کرتے ہیں۔“

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، تاہم انہوں نے بھی زہری کی روایات کے سلسلہ میں تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ (۲)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کے سلسلہ میں کمزور قرار دینا بھی درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أخذہ عن الزہری عرض، والعرض عند جمیع من أدر کنا صحیح“۔ (۳)

یعنی ”انہوں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایتیں لیں وہ عرضاً (قراءت علی الشیخ کے طور پر) لیں اور ”عرض“ تمام علماء کے نزدیک درست ہے۔“

بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے سے اس کی حقیقت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی ذئب اور امام زہری رحمہما اللہ کے درمیان کسی بات میں مباحثہ اور مناقشہ ہوا، اس سلسلہ میں امام زہری کو کوئی بات ناگوار محسوس ہوئی اور انہوں نے حلف اٹھالیا کہ ان کو حدیث نہیں سنائیں گے۔ بعد میں ابن

(۱) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۶۲۰)، رقم (۷۸۳۷)۔

(۲) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۶۲۰)، رقم (۷۸۳۷)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج ۷ ص ۱۴۷)۔

ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ کو شرمندگی ہوئی اور معافی تلافی کے بعد انہوں نے امام زہری سے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی کچھ حدیثیں لکھ کر دے دیں، چنانچہ امام زہری نے کچھ حدیثیں لکھ کر دے دیں، وہ وہی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی بیشتر روایات مکاتبت یا مناوہ کے ذریعہ حاصل شدہ ہیں اور اس طرح حاصل شدہ روایات بھی محدثین کے نزدیک معتبر ہیں۔ (۲)

یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب عثمان دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا ”ابن أبي ذئب ما حاله في الزهري؟“ فرمایا ”ابن أبي ذئب ثقة“۔ (۳)

اسی طرح عمرو بن علی الفلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ابن أبي ذئب في الزهري أحب إلي من كل شامي“۔ (۴)

پھر یہاں یہ بھی واضح رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ کی زہری کی جو مرویات لی ہیں وہ سب متابعۃ لی ہیں۔ (۵) واللہ اعلم

۱۵۸ھ میں ان کا کوفہ میں انتقال ہوا۔ (۶)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۴) سعید المقبری

یہ ابوسعید سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان،

”باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۷)

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۳۰۷)۔

(۲) دیکھئے شرح شرح تہذیب الفکر لعلی القاری (ص ۶۷۷-۶۸۳)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۳۰۶)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) ہدی الساری (ص ۴۴۰)۔

(۶) سیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۱۴۸)۔

(۷) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ کے تحت گزر چکے

ہیں۔ (۱)

قلت: یا رسول اللہ، إني أسمع منك حديثاً كثيراً أنساه

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کافی حدیثیں سنتا ہوں، جو بھول جاتا ہوں۔

قال: أبسط رداءك فبسطته

آپ نے فرمایا اپنی چادر بچھا دو، میں نے اسے بچھا دیا۔

قال: فغرف بيديه، ثم قال: ضمه، فضمته

فرمایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لپس بھر کر چادر میں ڈالیں۔ پھر فرمایا اس کو اپنے سینے سے لگا لو،

میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

فما نسيت شيئاً بعده

اس کے بعد پھر میں نے کوئی چیز نہیں بھلائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے ذریعہ اپنی کثرتِ محفوظ کی ایک اور وجہ بیان کی ہے،

پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے رہتے تھے اور آپ کی

باتوں کو سنتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے اور اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کے واسطے دعا اور خاص توجہ فرمائی تھی۔

چنانچہ اس کی ایک مخصوص صورت یہ اختیار کی کہ آپ نے دونوں چلو بھر کر ان کی چادر میں کوئی چیز ڈالی، ظاہراً یہ کوئی حسی چیز نہیں تھی، لیکن معنوی اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیض و معرفت کا ایک بڑا حصہ اور اس کی حفاظت کے واسطے قوتِ حافظہ و دیت فرمادی اور حکم دیا کہ اس کو اپنے سینے سے چمٹالے، انہوں نے اسے چمٹالیا، اس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ پھر کبھی کوئی حدیث نہیں بھولے۔

حدیثِ باب کے

مختلف طرق میں تعارض اور اس کا حل

یہاں ”فما نسیت شیئاً بعدہ“ میں ”شیئاً“ نکرہ تحت النفی واقع ہے، جس سے عموم معلوم ہو رہا ہے۔

اسی طرح سفیان بن عیینہ عن الزہری کی روایت میں ہے ”فوالذی بعثہ بالحق، مانسیت شیئاً

سمعتہ منہ“۔ (۱)

اور ابراہیم بن سعد عن الزہری کے طریق میں ہے ”فوالذی بعثہ بالحق، مانسیت من مقالته

تلك إلى يومي هذا“۔ (۲)

اسی طرح امام مسلم نے اپنی صحیح میں ”یونس عن ابن شہاب“ کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کے

الفاظ ہیں ”فما نسیت بعد ذلك اليوم شیئاً حدثنی بہ“۔ (۳)

ان تمام روایات سے یہی عموم سمجھ میں آ رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر کوئی بات بعد میں نہیں

بھولے۔

لیکن ”شعیب عن الزہری“ کے طریق سے مروی روایت میں ہے ”فما نسیت من مقالة رسول

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۹۳)، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الحجة على من قال: إن أحكام النبي صلى الله عليه وسلم كانت ظاهرة.....، رقم (۷۳۵۴)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۳۱۶)، کتاب الحرث والمزارعة، باب ما جاء في العرس، رقم (۲۳۵۰)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، رقم (۶۳۹۹ و ۶۴۰۰)۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلک من شیء۔ (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اس واقعہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت کے مخصوص کلام میں سے میں کچھ نہیں بھولا، اس پورے کلام کو میں نے مکمل یاد کر لیا۔“

ظاہر ہے کہ اس کے اندر عموم نہیں ہے، اس طرح ان مختلف طرق کے درمیان تعارض ہو جاتا ہے۔
اس کا جواب تطبیق کی صورت میں بھی دیا جاسکتا ہے اور ترجیح کی صورت میں بھی۔

ترجیح کی صورت میں عموم والی روایت کو رائج قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی کثرت محفوظات کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۲)

تطبیق کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دو مختلف اور الگ الگ واقعات ہیں، شعیب عن الزہری والے واقعہ میں اس مخصوص واقعہ ہی کا ذکر ہے، باقی محفوظات و مسموعات کا ذکر نہیں، جبکہ باقی روایات دوسرے واقعہ سے متعلق ہیں، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی محفوظات کی مطلقاً کثرت بیان فرمانا چاہ رہے ہیں۔ (۳)

تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ”شعیب عن الزہری“ والے طریق میں ”فما نسیت من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم تلک من شیء“ میں جو ”من مقالة.....“ ہے اس ”من“ کو سیہ سمجھا جائے۔ اب مطلب ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ اور ارشاد کی وجہ سے میں پھر کوئی چیز نہیں بھولا۔ (۴)

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس طریق میں ”من“ ابتداء غایت کے بیان کے لئے ہو، اب مطلب ہو جائے گا کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مقالہ صادر ہوا، اس وقت سے پھر میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ (۵)

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۲۷۵)، كتاب الميوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿فإذا قضيت الصلاة﴾، رقم

(۲۰۴۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

(۳) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

(۴) الكنز المتواري (ج ۲ ص ۳۶۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد کچھ نہیں بھولے، جبکہ کتاب الطب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ان سے مرفوع حدیث ”لا یورد ممرض علی مصح“ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وأنکر أبو هريرة حديث الأول (وهو حديث: ”لا عدوی ولا صفر.....“) قلنا: ألم تحدث أنه: ”لا عدوی“ فرطن بالحشية، قال أبو سلمة: فما رأيتُه نسي حديثا غيره“۔ (۱)

یعنی ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ”لا عدوی.....“ والی حدیث کا انکار کیا، ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ ہی نے ہم سے ”لا عدوی.....“ والی حدیث بیان نہیں کی تھی؟! حضرت ابو ہریرہ نے مبہم سی بات کہہ کر بات ختم کر دی، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث وہ بھولے ہوں۔“

اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح مشکل الآثار“ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”نسیت أفضلها أو أخیرها.....“۔ (۲) یعنی ”اے ابو ہریرہ! آپ اس ارشاد کا سب سے افضل یا سب سے بہتر حصہ بھول گئے۔“

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے، حالانکہ حدیث باب اس بات میں صریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اوپر پھر کوئی نسیان طاری نہیں ہوا۔

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہ نسیان کا واقعہ حدیث باب کے واقعہ سے پہلے کا ہے، حدیث

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۸۵۹) کتاب الطب، باب لا هامة، رقم (۵۷۷۱)۔

(۲) شرح مشکل الآثار (ج ۴ ص ۳۵۲) باب بیان مشکل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما كان من قوله، وأبو هريرة حاصره: أيكم بسط ثوبه، ثم أخذ من حديثي هذا، فإنه لا ينسى شيئا سمعه، وأن أبا هريرة فعل ذلك، فما نسي بعد ذلك شيئا سمعه۔

باب کے واقعہ کے بعد سے پھر نسیان طاری نہیں ہوا۔ (۱)

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل عدم نسیان کا وعدہ عمومی نہیں تھا، بلکہ ایک مخصوص حدیث سے متعلق تھا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث مرفوعہ نقل فرماتے ہیں:

”إنه لن يسط أحد ثوبه حتى أقضي مقالتي هذه ثم يجمع إليه ثوبه، إلا وعى ما أقول، فبسطت نمرة علي حتى إذا قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم مقالته، جمعتها إلى صدري، فما نسيت من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك من شيء“۔ (۲)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا جو شخص اپنے کپڑے کو بچھا دے گا، یہاں تک کہ میں اپنی بات پوری کر لوں اور پھر اسے اپنے سینہ سے چمٹا لے گا تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ اسے اچھی طرح محفوظ کر لے گا، چنانچہ میں نے اپنی چادر پھیلا دی، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات پوری کر لی، میں نے چادر اپنے سینے سے لگالی، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات میں سے میں کوئی چیز نہیں بھولا۔“

وہ مخصوص حدیث کون سی ہے؟ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے:

”ما من رجل يسمع كلمة أو كلمتين أو ثلاثاً أو أربعاً أو خمسا مما فرض الله،

فيعلمهن، ويعلمهن إلا دخل الجنة.....“ (۳)

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ درحقیقت نسیان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لاحق نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت ابو سلمہ کو لاحق ہوا تھا کہ انہوں نے یہ حدیث کسی اور شیخ سے سنی اور یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی

(۱) دیکھئے شرح مشکوٰۃ الآثار (ج ۴ ص ۳۵۳)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۲۷۵) كتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْهَاجُوا إِلَىٰ دُكَّانِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَاجِرُونَ﴾، رقم (۲۰۴۷)۔

(۳) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۵)، نقلاً عن جامع الترمذي والحلية لأبي نعيم، وانظر المسند للإمام أحمد (ج ۲ ص ۳۳۴) رقم (۸۳۹۰)، (ج ۲ ص ۴۲۷)، رقم (۹۵۱۳)۔

اللہ عنہ سے سنی ہے، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ سے نہیں سنی تھی، خود بھول گئے اور نسیان کی نسبت حضرت ابو ہریرہ کی طرف کردی۔ (۱)

بعض حضرات نے یہ بھی امکان ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حقیقہً روایت کا انکار نہیں کیا، البتہ انہوں نے یہ سمجھا کہ شاگرد مرویات کے درمیان تطبیق کو سمجھ نہیں پائے گا، اس لئے انہوں نے انکار کا عنوان اختیار کیا۔ (۲)

ان تمام جوابات میں زیادہ قرین قیاس یہ لگتا ہے کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں:-
پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث یاد کرنے کی ترغیب کے واسطے ارشاد فرمایا ”إنہ لن یبسط أحد ثوبہ حتی أقضي مقالتي هذه، ثم یجمع إلیہ ثوبہ إلا وعی ما أقول.....“۔
اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بموجب ارشاد نبوی عمل کیا تو حسب وعدہ تمام ارشادات ازبر ہو گئے، ان مخصوص ارشادات میں سے کسی چیز کو وہ بھولے نہیں۔

دوسری دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب نسیان کی شکایت محسوس ہونے لگی اور وہ آپ کے پچھلے تصرف اور توجہ کا مظہر دیکھ بھی چکے تھے اس لئے مطلقاً قوت حفظ کے لئے درخواست کی، آپ نے اسی طرح کا عمل کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ساتھ لپ بھر کر اشارہ بھی کیا، اس کے بعد سے وہ مطلقاً نسیان سے محفوظ ہو گئے، لہذا جہاں جہاں ان کی طرف نسیان کی نسبت ہے خواہ خود انہوں نے کی ہو یا کسی اور نے ان کی طرف نسبت کی ہو، یہ اس آخری واقعہ سے پہلے کے واقعات ہیں۔

اور اگر الگ الگ واقعات قرار دینے میں اشکال محسوس ہو کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں، پھر الگ الگ واقعہ کیسے قرار دیں گے تو ایسی صورت میں عموم والی حدیث کو اپنی جگہ برقرار رکھیں گے اور خصوص والی حدیث کے اندر وہ تاویل کریں گے جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ یا تو ”من مقالة.....“ میں ”من“ کو سبب مانا جائے یا ”من“ کو ابتداء غایت کے لئے قرار دیا جائے۔

(۱) الکبر السنیاری (ج ۲ ص ۳۶۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک روایت سے بھی اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ الفضل بن حسن بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد حسن بن عمرو سے نقل کرتے ہیں:

”تحدثت عند أبي هريرة بحديث فأنكره، فقلت: إني قد سمعته منك، قال: إن كنت سمعته مني فهو مكتوب عندي، فأخذ بيدي إلى بيته، فأرانا كتباً كثيرة، من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد ذلك الحديث، فقال: فقد أخبرتك أنني إن كنت قد حدثتك به فهو مكتوب عندي“۔ (۱)

یعنی ”میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث کا تذکرہ کیا، انہوں نے اس کا انکار کیا، میں نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ سے سنی ہے! انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، پھر وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور بہت سارے نوشتے دکھائے، ان میں وہ حدیث مل گئی، فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہوگی تو وہ میرے پاس مکتوب ہوگی“۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر نسیان طاری ہوا تھا اور وہ بھی مابعد کے زمانے میں۔

اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے اور نہایت ضعیف ہے (۲) کیونکہ اس میں ”حسن بن عمرو“ راوی انتہائی مجہول ہے۔ (۳) اور اگر اس کو ثابت مان بھی لیا جائے تو بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ ایک نادر واقعہ ہے (۴)، ایک آدھ نادر واقعہ کی وجہ سے ان کی قوتِ حفظ کی مسلم خصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۱) جامع بیان العلم و فضله (ج ۱ ص ۳۲۴) رقم (۴۲۲)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

(۳) تعلیقات جامع بیان العلم و فضله (ج ۱ ص ۳۲۴)، رقم (۴۲۲)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو فُدَيْكٍ بِهَذَا ، أَوْ قَالَ : عَرَفَ يَدَهُ فِيهِ . [۳۴۴۸]

تراجم رجال

(۱) ابراہیم بن المنذر

یہ ابواسحاق ابراہیم بن المنذر قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”کتاب العلم“ کی ابتدا میں ”باب من سئل علماً وهو مشغول في حديثه.....“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) ابن ابی فدیک

یہ محمد بن اسماعیل بن مسلم بن ابی فدیک دیلمی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابواسماعیل ان کی کنیت ہے، ابن ابی فدیک کے نام سے معروف ہیں، ابو فدیک کا نام دینا رہے۔ (۲)

یہ سلمہ بن وردان، ضحاک بن عثمان، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن الفضل مخزومی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ اہل مدینہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن المنذر، سلمۃ بن شبيب، احمد بن الأزرهر، عبد بن حميد، هارون الجمال، حسين بن عيسى بسطامي اور محمد بن مصفى رحمهم الله وغيره بہت سے حضرات ہیں۔ (۳)

امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”كان أروى الناس عن ابن أبي ذئب، وهو ثقة“۔ (۵)

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۴۸-۵۰) کتاب العلم۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۸۵)۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۸۵-۴۸۷)۔

(۴) تاریخ الدارمی (ص ۲۱۸) رقم (۸۱۹)۔

(۵) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۸۸)۔

- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لیس بہ بأس“۔ (۱)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں ”الإمام، الثقة، المحدث“۔ (۲)
- نیز وہ فرماتے ہیں ”صدوق، مشہور، يحتج به في الكتب الستة“۔ (۳)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۴)
- البتہ یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (۵)
- اسی طرح ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان كثير الحديث، وليس بحجة“۔ (۶)
- لیکن واضح رہے کہ ان کے بارے میں مطلقاً ”ضعف“ کا اطلاق کرنا درست نہیں، جیسا کہ پیچھے علماء کے اقوال سے معلوم ہو رہا ہے۔
- نیز ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کرتے ہوئے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قال ابن سعد وحده: ليس بحجة، ووثقه جماعة“۔ (۷)
- یعنی ”ان کو غیر محتج بہ صرف ابن سعد نے قرار دیا ہے، ورنہ ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے۔“
- چنانچہ حافظ ذہبی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
- ”وقد احتج بابن أبي فديك الجماعة، ووثقه غير واحد، لكن معن أحفظ منه وأتقن“۔ (۸)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۸۸)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۴۸۶)۔

(۳) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۴۸۳) رقم (۷۲۳۶)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج ۹ ص ۴۲)۔

(۵) تعليقات تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۸۸) نقلاً عن المعرفة والتاريخ (۵۳/۳)۔

(۶) الطلقات الكبرى لابن سعد (ج ۵ ص ۴۳۷)۔

(۷) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۴۸۳) رقم (۷۲۳۶)۔

(۸) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۴۸۷)۔

یعنی ”ابن ابی فدیك کو اصحاب اصول ستہ نے محتج بہ قرار دیا ہے اور ایک سے زائد حضرات نے ان کی توثیق کی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ معن بن عیسیٰ ان کے مقابلہ میں زیادہ متقن اور حافظ ہیں۔“

دراصل ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الطبقات میں پہلے ”معن بن عیسیٰ“ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان کے بارے میں ذکر کیا ہے ”وكان ثقة كثير الحديث ثبتا مأمونا“۔ (۱) اس کے بعد ابن ابی فدیك رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھا ہے، اس کے تحت انہوں نے لکھا ”وكان كثير الحديث، وليس بحجة“ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کو ”ليس بحجة“ جو کہا ہے وہ معن بن عیسیٰ کے ساتھ تقابل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، ورنہ فی نفسہ وہ ثقہ ہیں۔ واللہ أعلم

ابن ابی فدیك رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا۔ (۲) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعةً

اس طریق کو ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود متن کے الفاظ کی تبدیلی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

وہ یہ کہ اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ”أحمد بن أبي بكر أبو مصعب، عن محمد بن إبراهيم بن دينار، عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة“ کے طریق سے نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں ”..... فغرف بيديه.....“۔ جبکہ یہی حدیث امام بخاری ”إبراهيم بن المنذر، عن ابن أبي فديك، عن ابن أبي ذئب.....“ کے طریق سے بھی نقل کرتے ہیں (۳)، لیکن اس میں الفاظ ہیں ”غرف بيده فيه“۔

بعض حضرات سے یہاں عجیب خبط ہوا ہے، چونکہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے

(۱) دیکھئے طبقات ابن سعد (ج ۵ ص ۴۳۷)۔

(۲) الکاشف (ج ۲ ص ۱۵۸) رقم (۴۷۲۷)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۱۴ و ۵۱۵)، باب (بدون ترجمہ، بعد باب سؤال المشرکین أن یرہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم آية) رقم (۳۶۴۸)۔

”حدثنا إبراهيم بن المنذر، قال: حدثنا ابن أبي فديك بهذا“ أي بالحديث الذي تقدم اور پیچھے ابن ابی فدیك کا کوئی تذکرہ نہیں آیا ”بہذا“ ایسے وقت میں کہتے ہیں جب ایک حدیث سند و متن کے ساتھ آگئی ہو، اس کے بعد دوسری سند آئے اور اس کے بعد دونوں کی متحد سند آ جائے تو اس کو ذکر کر کے ”بہذا“ کہہ دیتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو سند اور متن گذرا ہے اس حدیث کی سند آگے بھی وہی ہے اور اس کا متن بھی وہی ہے۔

جبکہ یہاں جہاں سند دوسری ہے، وہاں متن کے الفاظ بھی مختلف ذکر کئے ہیں۔

اس اشکال کی وجہ سے بعض حضرات نے تو کہہ دیا کہ یہ ابن ابی فدیك وہی محمد بن ابراہیم بن دینار ہیں جو ابن ابی ذئب کے شاگرد ہیں اور اوپر حدیث کی سند میں گزرے ہیں۔

لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ ابن ابی فدیك بالکل الگ شخصیت ہیں اور محمد بن ابراہیم بن دینار ایک دوسری شخصیت، ابن ابی فدیك محمد بن اسماعیل بن مسلم ہیں اور وہ لیشی ہیں اور ان کی کنیت ابو اسماعیل ہے، جبکہ محمد بن ابراہیم بن دینار کھنی ہیں اور ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، البتہ دونوں ابن ابی ذئب سے روایت کرنے کے اعتبار سے اور مدنی ہونے کی حیثیت سے کچھ اشتراک رکھتے ہیں۔ (۱)

در اصل یہ غلطی اس حدیث کے دوسرے طرق کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیش آئی ہے، ہم نے پیچھے جو حوالہ دیا ہے اس کو پیش نظر رکھ لیتے تو یہ غلطی واقع نہ ہوتی۔

اصل میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں ساری روایت مقصود نہیں تھی، اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ ابراہیم بن المنذر کے بعد ابن ابی فدیك کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک دوسری سند سے یہی روایت منقول ہے، اس میں ”غرف بیدہ“ بصیغہ مفرد وارد ہے، نہ کہ بصیغہ تثنیہ، نیز اس میں ”فیہ“ کی زیادتی بھی ہے۔ (۲) واللہ اعلم۔

(۱) دونوں حضرات کے تراجم ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ فلیراجع۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

۱۲۰ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ : حَدَّثَنِي أَخِي ، عَنْ ابْنِ أَبِي ذُئْبٍ ، عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبَرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : (۱) حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعَاءَيْنِ : فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَشَّتُهُ ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَشَّتُهُ قَطَعَ هَذَا الْبَلْعُومُ .

تراجم رجال

(۱) اسماعیل

یہ ابو عبد اللہ اسماعیل بن ابی اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) أخی

یہ اسماعیل بن ابی اویس کے بھائی عبد الحمید بن ابی اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو بکر ہے۔ (۳)

یہ سلیمان بن بلال، امام مالک، ابن ابی ذئب، محمد بن عجلان، سفیان ثوری اور اپنے والد ابو اویس رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن المنذر، اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن موسیٰ انصاری، ان کے بھائی اسماعیل بن ابی اویس، ایوب بن سلیمان بن بلال، محمد بن رافع نیسابوری، محمد بن سعد کاتب الواقدی

(۱) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: هذا الحديث انفرد به البخاري عن الجماعة، عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۵)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۱۳)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱۶ ص ۴۴۴)۔

- اور یعقوب بن محمد زہری رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۱)
- امام ترمذی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)
- امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ان کو اسماعیل بن ابی اویس سے بہت زیادہ فوقیت دیتے تھے۔ (۳)
- امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حجة“۔ (۴)
- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)
- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۶)
- البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۷)
- اسی طرح ازدی نے کہا کہ ”کان یضع الحديث“۔ (۸)
- جہاں تک امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف کا تعلق ہے، سو وہ مبہم ہے، جبکہ ان کی توثیق کرنے والے اکثراً حضرات ہیں۔

- اور جہاں تک ازدی کے قول کا تعلق ہے، سو اول تو ازدی خود حجت نہیں ہے۔ (۹)
- پھر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت تردید کی ہے اور کہا ہے ”هذا رجم بالظن الفاسد و کذب محض.....“۔ (۱۰)

- (۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۶ ص ۴۴۴ و ۴۴۵)۔
- (۲) تہذیب الکمال (ج ۱۶ ص ۴۴۵)۔
- (۳) حوالہ بالا۔
- (۴) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۳۸) رقم (۴۷۶۴)، و تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۱۱۸)۔
- (۵) الکاشف (ج ۱ ص ۶۱۷) رقم (۳۱۱۰)۔
- (۶) الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۳۹۸)۔
- (۷) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۱۱۸)، و ہدی الساری (ص ۴۱۶)۔
- (۸) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۳۸) رقم (۴۷۶۴)۔
- (۹) دیکھئے الرفع والتکمیل للکنوی مع التعليقات الحافلة على الرفع والتکمیل للشیخ عبد الفتاح أبو غدة (ص ۲۷۲-۲۷۴)۔
- (۱۰) ہدی الساری (ص ۴۱۶)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہذہ منہ زلۃ قبیحۃ“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ازودی نے وضع حدیث کا الزام عبد الحمید بن ابی اویس پر نہیں لگایا، بلکہ ابو بکر الأعشی نامی ایک راوی کے بارے میں کہا ہے (۲) اگرچہ عبد الحمید کی کنیت بھی ”أبو بکر الأعشی“ ہے۔

عبد الحمید بن ابی اویس سے ابن ماجہ کے سوا باقی تمام حضرات اصحاب اصول ستہ نے احادیث لی ہیں۔ (۳)

ان کا انتقال ۲۰۲ھ میں ہوا۔ (۴) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۳) ابن ابی ذئب

یہ امام محمد بن عبد الرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پچھلی حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

(۴) سعید المقبری

ابو سعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۵)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات ”کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر

(۱) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۳۸)۔

(۲) ہدی الساری (ص ۴۱۶)، وتہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۱۱۸)۔

(۳) ہدی الساری (ص ۴۱۶)۔

(۴) خلاصۃ الحزب حی (ص ۲۲۲)۔

(۵) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

چکے ہیں۔ (۱)

حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعاءین

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو وعاء (تھیلے) علم کے یاد کئے۔

”وعاء“ ظرف کو کہتے ہیں، گویا ظرف بول کر مظروف یعنی محل کا ذکر کر کے ”حال“ مراد لیا گیا ہے۔ (۲)

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے آچکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

کے بارے میں کہا کرتے تھے ”کان یکتب ولا أکتب“۔ (۳) کہ ”وہ تو لکھا کرتے تھے لیکن میں لکھتا نہیں

تھا“۔ تو پھر ان کے پاس دو ”وعاء“ کہاں سے آگئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”وعائین“ سے ”نوعین من العلم“ مراد ہیں، یعنی مجھے حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے علوم کی دو نوعیں یاد تھیں، اگر ان کو لکھ لیا جاتا تو دو برتن یا تھیلے بھر جاتے۔ (۴)

یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع میں تو نہیں لکھتے تھے تاہم بعد میں لکھ لیا تھا، یا

دوسروں سے لکھوا لیا تھا۔ (۵)

پھر یہ سمجھو کہ اس روایت میں تو ”وعائین“ ہے، جبکہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے ”حفظت ثلاثة

أجرة بثث منها جرابین“ (۶) کہ ”میں نے تین تھیلیاں یاد کیں، ان میں سے دو تھیلیاں پھیلا چکا“۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، عین ممکن ہے کہ ایک وعاء دوسرے کے مقابلہ میں بڑا ہو کہ

بڑے وعاء میں جتنا ہے وہ دو جرابوں میں آتا ہو اور چھوٹے میں ایک جراب کے بقدر ہو۔ (۷)

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۳) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۲) کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، رقم (۱۱۳)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۷) حوالہ بالا۔

بلکہ ”المحدث الفاصل“ کے ایک منقطع طریق میں ”خمسة أجربة“ بھی آیا ہے، اس کو بھی بتقدیر ثبوت سابقہ محمل پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (۱) واللہ اعلم

فأما أحدهما فبثته

سودو نوع میں سے ایک نوع علم تو میں نے پھیلا دی۔

اسماعیلی کی روایت میں ”في الناس“ کا اضافہ بھی ہے۔ (۲) مطلب یہ ہے کہ میں نے علم کی ایک نوع لوگوں میں پھیلا دی۔

وأما الآخر فلو بثته قطع هذا البلعوم

رہی دوسری نوع، سوائے اگر پھیلا دوں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

اس نوع ثانی میں کیا تھا؟

۱۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس میں ظالم حکمرانوں کے نام تھے، اسی طرح اس میں ان کے حالات اور زمانوں کی تعیین تھی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی اس طرف اشارے بھی کیا کرتے تھے، مثلاً کہا کرتے تھے ”أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان“۔ یعنی ”میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ساٹھ کے اواخر سے اور لڑکوں کی امارت سے“۔ اس سے ان کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف تھا، کیونکہ یزید ۶۰ھ میں ہی خلیفہ بنا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور ۵۹ھ میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۳)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) کذا قال الحافظ رحمه الله في فتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۶)، وقال أيضاً في فتح الباري (ج ۱ ص ۱۰)، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: هلاك أمتي على يدي أعيلمه سفهاء، وفي رواية ابن أبي شيبة: أن أبا هريرة كان يمشي في السوق، ويقول: اللهم لاتدر كسي سنة ستين ولا إمارة الصبيان“۔ ولكن الذي رواه أحمد عن أبي هريرة مرفوعاً ”تعوذوا بالله من رأس السبعين وإمارة الصبيان“۔ انظر المسند (ج ۲ ص ۳۲۶)، رقم (۸۳۰۲ و ۸۳۰۳)، و (ج ۲ ص ۳۵۵)، رقم (۸۶۳۹)، و (ج ۲ ص ۴۴۸)، رقم (۹۷۸۲)، فتنہ۔

۲۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس نوع ثانی میں ان فتنوں کا تذکرہ تھا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واقع ہوئے۔ (۱) جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اسی طرح کعبہ کا محاصرہ اور اس کا جلنا، پھر کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کرنا وغیرہ۔

۳۔ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ مہلب اور ابوالزناد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

”یعنی أنها كانت أحاديث أشراط الساعة وما عرّف به عليه السلام من فساد الدين وتغير الأحوال، والتضييع لحقوق الله تعالى، كقوله عليه السلام: ”يكون فساد هذا الدين على يدي أغيلة سفهاء من قریش“۔ (۲)

حاصل یہ ہے کہ اس نوع علم سے مراد وہ احادیث ہیں جو قیامت کی علامات سے متعلق ہیں، نیز وہ روایات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد دینی، تغیر احوال اور تضييع حقوق خداوندی کا ذکر کیا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اس دین میں بگاڑ قریش کے چند بے وقوف لڑکوں کے ہاتھوں ہوگا“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان سفہاء قریش کا علم نام بنام تھا۔ (۳)

اس حدیث سے اشراط ساعت کی روایات مراد لینے پر ممکن ہے کسی کو اشکال ہو کہ اشراط ساعت دوسرے صحابہ کو بھی معلوم تھیں اور انہوں نے ان کو بیان بھی کیا ہے، لہذا ایسی روایات مراد لینا بعید ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامات قیامت بہت سی ایسی ہیں کہ عامۃ الناس کی عقول میں ان کے تحمل کی قوت نہیں ہوتی، البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے بہت سے حضرات کو آپ نے بتا بھی دیا اور عامۃ الناس سے ان کا اخفاء کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۱) دیکھئے رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (ص ۱۵ و ۱۶)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج ۱ ص ۱۹۵)۔ حدیث شریف کے لئے دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۴۶)، کتاب الفتن، باب قول النبی

ﷺ ”هلاک أمتی علی یدی أغيلة سفهاء“ رقم (۷۰۵۸)، ومسند أحمد (ج ۲ ص ۲۸۸)، رقم (۷۸۵۸)، و (ج ۲ ص ۲۹۹)، رقم

(۷۹۶۱)، و (ج ۲ ص ۳۰۴)، رقم (۸۰۲۰)، و (ج ۲ ص ۳۲۸)، رقم (۸۳۲۹)، و (ج ۲ ص ۴۸۵)، رقم (۱۰۲۹۷)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۴۶)، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”هلاک أمتی علی یدی أغيلة

سفهاء، رقم (۷۰۵۸)۔

۴۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض متصوفین اس سے علم الاسرار مراد لیتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں نوع اول علم الأحكام والأخلاق ہے اور نوع ثانی علم الاسرار ہے، جو علماء و اہل معرفت کے ساتھ مختص ہے، چنانچہ ان حضرات میں سے کسی کا شعر ہے:

يَا رَبُّ جَوْهَرِ عِلْمٍ لَوْ أَبُوحَ بِهِ لَقِيلَ لِي: أَنْتَ مِمَّنْ يَعْبُدُ الْوُثْنَا

وَلَا سَحَلَ رِجَالُ مُسْلِمُونَ دَمِي يَرُونَ أَقْبَحَ مَا يَأْتُونَهِ حَسَنًا

(میرے پاس بعض ایسے علمی جواہر ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تو

بت پرستوں میں سے ہے اور بہت سے مسلمان میرے خون کو حلال قرار دیں گے، گویا کہ وہ

اپنے قبیح ترین فعل کو مستحسن سمجھتے ہیں۔)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے متصوفین جن کے اعمال و اخلاق قید شریعت سے آزاد ہیں، ان کی خبر لی ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں علم الاسرار کا مراد لینا بعید تو نہیں، تاہم قواعد شریعت اور عقائد حقہ کی پابندی کی قید ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (۱)

۵۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل حقیقت یعنی حضرات صوفیہ نے اس حدیث کو اپنے مدعا پر محمول کیا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ باطنیہ اور متصوفین نہیں ہیں جن کا ذکر پہلے آیا ہے، بلکہ اس سے مراد اہل حق عارفین کاملین ہیں، جن کے اندر معرفت باللہ کی خصوصیت شریعت پر عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے آتی ہے۔ (۳)

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

اس سے مراد علم الاسرار ہے، جو اہل عرفان و مشاہدات اور اہل اتقان و رسوخ کے ساتھ مختص

(۱) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۳۷ و ۱۳۸)۔

(۲) لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۶۹)۔

(۳) الكنز المتوازی (ج ۲ ص ۳۶۹)۔

ہے، جو درحقیقت علم شرائع اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہے، ایسے علوم مجاہدے کے سمندروں کی غواصی کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایسے علوم کا مراد ہونا ذرا بعید ہے، کیونکہ ان کو چھپانے اور مخفی رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ (۱) واللہ اعلم۔

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باطنیہ نے اس حدیث کو باطل عقائد و نظریات کی تصحیح کیلئے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے.....، یہ باطن کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دین کے نیچے ادھیڑ دینے کا نام انہوں نے باطن شریعت رکھا ہے۔ (۲) واللہ اعلم

قال أبو عبد الله: البلعوم مجرى الطعام

ابو عبد اللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ بلعوم کھانے کی نالی کو کہتے ہیں۔

یہ عبارت صرف مستملی کی روایت میں ہے۔ (۳)

بلعوم باء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ (۴)

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلعوم حلقوم کے معنی میں ہے، پھیپھڑے تک سانس کی نالی کو کہتے

ہیں، اس سے متصل معدہ تک کھانے کی نالی کا نام ”مری“ ہے۔ (۵)

بلعوم سے یہاں مراد حلق اور نخرہ ہے (۶)۔ واللہ اعلم

(۱) شرح القسطلانی (ج ۱ ص ۲۱۲)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۳) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۸۶)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

(۵) شرح ابن بطل (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

(۶) دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۷۹)۔

احادیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہ باب ”باب حفظ العلم“ ہے اس میں تین حدیثیں مذکور ہیں، پہلی حدیث کی مناسبت باب سے واضح ہے اس میں اشتغال علمی مذکور ہے اور جس قدر علمی اشتغال ہوگا اسی قدر حفظ علم میں مدد ملے گی۔
پھر اس حدیث میں لزوم و حضور اور مذاکرہ علمی بھی مذکور ہیں ”وإن اباهريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشعب بطنه ويحضر ما لا يحضرون ويحفظ ما لا يحفظون“ یہ سب حفظ علم کے اسباب ہیں۔

دوسری حدیث میں الحاج وزاری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی طلب ہے، جو ظاہر ہے کہ حفظ حدیث کے لئے اہم ترین سبب ہیں۔

تیسری حدیث میں بٹ و نشر علم مذکور ہے اور یہ بھی حفظ علم اور حفاظت علم کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۴۳ - باب : الْأَنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب ”باب حفظ العلم“ گذرا ہے اور اس باب میں انصات یعنی سکوت و استماع کا ذکر ہے، دونوں میں مناسبت واضح ہے کہ علم علماء سے حاصل کر کے حفظ کیا جاتا ہے اور اس کے لئے انصات یعنی سکوت و استماع ضروری ہے، تاکہ کوئی بات سننے سے رہ نہ جائے (۱)۔ واللہ اعلم۔

مقصد ترجمہ الباب

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد متعلمین کو تنبیہ کرنا ہے کہ علماء کے واسطے انصات اور ان کی توقیر لازمی ہے، کیونکہ حضرات علماء، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور اللہ جل شانہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رفع صورت سے منع فرمایا کہ کہیں جبط اعمال نہ ہو جائے۔ اور حضرات علماء چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لئے ان کے ساتھ بھی توقیر و اجلال کا معاملہ ہونا چاہیے اور متعلمین کو ان کے سامنے استماع و سکوت سے کام لینا چاہئے۔ (۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب سابق کے ساتھ مناسبت کے ذیل میں ترجمۃ الباب کے مقصد کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ حفظ علم جو مطلوب ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے علماء کے سامنے بیٹھنا اور سکوت کے ساتھ ان کی باتیں سننا اور استفادہ کرنا

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۸۶)۔

(۲) شرح ابن بطلال (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

ضروری ہے۔ (۱)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے موقع پر لوگوں کو خاموش کرانا جائز ہے، اگرچہ لوگ ذکر و تلاوت وغیرہ میں ہی مشغول کیوں نہ ہوں۔ (۲)

حضرت شیخ البندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ”لَا الْفِينَك تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ، فَتَقْصُ عَلَيْهِمْ، فَتَقْصُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتَمْلَهُمْ“۔ (۳)

یعنی ”میں تمہیں اس طرح نہ پاؤں کہ کسی جماعت کے پاس آؤ، وہ اپنی کسی گفتگو میں مشغول ہوں، تم ان کی بات قطع کر کے اپنی بات شروع کر دو اور ان کو اکتاہٹ میں مبتلا کر دو“۔

اس ارشاد سے نیز اس قسم کے دوسرے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو خاموش کرنا درست نہیں، جبکہ انصاف للعلماء اس کے مخالف ہے۔

اس لئے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کر دیا کہ تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے اوقات خاصہ میں یہ استنصاف مباح اور مستحسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۴)

بعض حضرات نے یہ مقصد بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں حفظ علم اور تحصیل علم کا طریقہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شاگرد کو چاہئے کہ طلب علم اور درس کے دوران کسی چیز کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ کلی طور پر اپنے معلم اور شیخ کی طرف متوجہ رہے اور قلب و ذہن کو یکسو کر کے استاد کی طرف ملتفت رہے۔ (۵) واللہ اعلم

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۶)۔

(۲) لامع الدراري (ج ۲ ص ۳۷۱)۔

(۳) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۸۳۸) كتاب الدعوات، باب ما يكره من السجعة من الدعاء رقم (۶۳۳۷)۔

(۴) الأيواف والبراجم (ص ۵۶ و ۵۷)۔

(۵) ديكھے الكتبخة البخاري (ج ۲ ص ۳۷۰ و ۳۷۱)۔

۱۲۱ : حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ . عَنْ أَبِي زُرْعَةَ . عَنْ جَرِيرٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ : (اسْتَنْصِتِ النَّاسَ) . فَقَالَ : (لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا . يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ) . [۴۱۴۳ : ۶۴۷۵ : ۶۶۶۹]

تراجم رجال

(۱) حجاج

یہ ابو محمد حجاج بن منہال انماطی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب ما جاء أن الأعمال بالنية والحسبة، ولكل امرئ ما نوى“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) شعبہ

امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) علی بن مدرک

یہ ابو مدرک علی بن مدرک نخعی وھبیلی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۴)

(۱) قوله: ”عن جرير رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۲ ص ۶۳۲)، كتاب المغازي، باب حجة الوداع، رقم (۴۴۰۵)، و(ج ۲ ص ۱۰۱۵)، كتاب الذيات، باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾، رقم (۶۸۶۹)، و(ج ۲ ص ۱۰۴۸)، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم (۷۰۸۰)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الإيمان، باب معنى قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا ترجعوا بعدي كفاراً، رقم (۲۲۳)، والنسائي في سننه، في كتاب المحاربة، باب تحريم القتل، رقم (۴۱۳۶) و(۴۱۳۷)، وابن ماجة في سننه، في كتاب الفتن، باب: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم (۳۹۴۲)۔

(۲) كشف الباري (ج ۲ ص ۷۴۴)۔

(۳) كشف الباري (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۱۲۶)۔

یہ ابراہیم نخعی، تمیم بن طرفہ طائی، عبدالرحمن بن یزید نخعی، ہلال بن یساف، ابوزرعہ بن عمرو بن جریر اور ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اشعث بن سوار، حنشل بن الحارث نخعی، سلیمان الاعمش، شعبہ بن الحجاج اور عبدالرحمن بن عبداللہ المسعودی رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں (۱)

امام یحییٰ بن معین اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صالح صدوق“۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کوفي ثقة“۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت ابومسعود

بدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے (۶)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

ان کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ (۸)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(۴) ابوزرعہ

یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب

الجهاد من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۹)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۱۲۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۱۲۷)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۷ ص ۳۸۱)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۶۵)۔

(۷) تقریب التہذیب (ص ۴۰۵)، رقم (۴۷۹۶)۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۱۶۵)۔

(۹) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۰۴)۔

(۵) جریر

یہ حضرت جریر بن عبداللہ بنجلی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحة“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له فی حجة الوداع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجة الوداع کے موقع پر فرمایا۔

بعض علماء نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چالیس دن پیشتر مسلمان ہوئے ہیں۔ (۲) لہذا وہ حجة الوداع میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ”لہ“ کا لفظ وہم ہے۔ (۳)

لیکن یہ صحیح نہیں، چنانچہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ رمضان ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے ہیں (۴)، صحیح بخاری میں باب حجة الوداع میں اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے ”أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی حجة الوداع لجریر.....“۔ (۵)

لہذا رائج یہی ہے کہ یہ حجة الوداع سے قبل مسلمان ہوئے ہیں۔ (۶)

استنصت الناس

لوگوں کو خاموش کرو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہی ہے، آپ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”استنصت

الناس، أي اطلب الإنصات من الناس“۔

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۷۶۴)۔

(۲) قالہ ابن عبد البر فی الاستیعاب (تہامش الإحصاء ج ۱ ص ۲۳۲)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۷)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۷)۔

(۵) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۳۲)، کتاب السعاری، باب حجة الوداع، رقم (۴۴۰۵)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۷)۔

انصات واستماع میں فرق

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (۱) فرمایا ہے اور اس میں استماع وانصات میں فرق کیا گیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں، کہ ”انصات“ مطلق سکوت کو کہتے ہیں، خواہ اس کے ساتھ کان لگا کر سننا پایا جائے یا نہ پایا جائے، مثلاً یہ کہ سکوت کے ساتھ کسی کی بات سنے، لیکن وہ دوسری چیز کی فکر میں ہو۔

اسی طرح ”استماع“ کبھی تو سکوت کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نطق کے ساتھ، اس طرح کہ بولنے والا سن بھی رہا ہوتا ہے۔ (۲)

لیکن علماء لغت کے اقوال کی روشنی میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصات خاص ہے اور ”استماع“ عام ہے، استماع کے معنی مطلقاً کان لگانے کے ہیں، چاہے سکوت ہو یا نہ ہو۔ (۳) اور انصات ایسے سکوت کو کہتے ہیں جس میں استماع بھی ہو۔ (۴)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ”کان یقال: أول العلم الاستماع، ثم الإنصات، ثم الحفظ، ثم العمل، ثم النشر“۔ (۵)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ”الإنصات من العینین“ تو انہوں نے اس کی تشریح دریافت کی، فرمایا ”إذا حدث رجلاً فلم ينظر إليك لم يكن منصتاً“۔ (۶)

یعنی ”اگر تم کسی سے کوئی گفتگو کرو اور وہ تمہاری بات اس طرح سنے کہ تمہاری طرف دیکھ نہ رہا ہو تو وہ

(۱) الأعراف ۲۰۴۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۷)۔

(۳) استمع له وإليه: أصغى، تاج العروس (ج ۵ ص ۳۸۹) مادة ”سمع“۔

(۴) قد قيده الراغب والفيومي بالاستماع، قالوا: أنصت ينصت إنصاتاً، إذا سكت سكوت مستمع۔ النظر تاج العروس

(ج ۱ ص ۵۹۱) مادة ”نصت“۔

(۵) جامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۴۷۷)، باب منازل العلماء، رقم (۷۶۰)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۷)۔

”منصت“ نہیں کہلائے گا۔

فقال: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض

آپ نے فرمایا میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے اور یہی خوارج کی رائے ہے۔

مرجہ نے تو اس جیسی حدیث ہی کو رد کر دیا، کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت

مضر نہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ اس کی مختلف توجیہات کرتے ہیں:

۱۔ ایک توجیہ جو بہت مشہور ہے، یہ ہے کہ یہ مستحل پر محمول ہے، لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ”کفر“ کا اطلاق مخصوص جرائم پر کیا ہے اور استحلال معصیت میں کسی جرم کی کوئی خصوصیت نہیں، جس معصیت کو بھی کوئی شخص حلال سمجھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ کافروں کے مشابہ نہ ہو جاؤ، یعنی یہ کافروں کا کام ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کریں، لہذا تم ان کے افعال جیسے افعال نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ یہ فعل کافر کا ہے اور یہ کفر کی ایک قسم ہے۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ”لا ترجعوا کفاراً“ کے معنی ہیں ”لا تردوا“ یعنی مرتد نہ ہو جانا۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے ”لا ترجعوا بعدي كفاراً أي بنعمة الإسلام“۔ نعمت اسلام کی ناشکری کرنے والے نہ ہو جانا، کیونکہ اسلام تو سلم سے ماخوذ ہے، وہ چاہتا ہے مصالحت کو اور مسالمت کو، نہ یہ کہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی جائے اور مقاتلہ کیا جائے۔

۵۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہاں کافر سے مراد کافر باللہ نہیں، بلکہ کافر سے متکفر بالاسلاح مراد ہے، یعنی ہتھیار باندھ کر ایک دوسرے کے مقابل نہ آنا۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

ان تمام توجیہات میں دوسری توجیہ تبادر ذہنی کے اعتبار سے رائج ہے، یعنی ایک دوسرے کی گردنیں مارنا کافرانہ فعل ہے، اس طرح کی حرکت کر کے کافروں کے مشابہ نہ ہونا۔ واللہ اعلم۔

(۱) توجیہات کے لئے دیکھئے، شرح النووي علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۵۸)، کتاب الإیمان، باب معنی قول النبی صلی اللہ علیہ

وسلم: لا ترجعوا بعدي كفاراً..... وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۷)۔

یضرب بعضکم رقاب بعض

”یضرب“ مرفوع ہے، یہی صحیح روایت ہے۔

یہ یا تو ”کفاراً“ کی صفت ہے، یا ”لا ترجعوا“ کے فاعل سے حال ہے۔ بعض حضرات نے ”یضرب“ کے ”باء“ پر جزم بھی درست قرار دیا ہے، لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔ (۱) واللہ اعلم۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث سے بعض حضرات نے اجماع کی عدم حجیت پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے ”لا ترجعوا بعدی کفاراً“ یعنی میرے بعد تم کافر نہ بن جاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا امکان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے کافر بن جانے کا امکان ہو وہ معصوم نہیں، لہذا امت کا اجماع بھی حجت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع امت کی حجیت امت کی اجتماعی معصومیت کی وجہ سے ہے، جو خبر صادق ”لا تجتمع أمتی علی ضلالة“ (۲) سے ثابت ہے، حجیت اجماع ہم اس بات سے ثابت نہیں کرتے کہ فی نفسہ امت کی گمراہی ممکن نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باوجود آپ کے معصوم ہونے کے ارشاد فرمایا گیا ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (۳) آپ کے واسطے اشراک کا ممتنع ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، تاہم نفس امکان کی بنیاد پر ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہا گیا ہے۔

یہاں بھی امت کی عصمت اور اس کے نتیجے میں اس کے اجماع کی حجیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

”لا تجتمع“ سے ثابت ہے اور ”لا ترجعوا بعدی کفاراً“ نفس امکان کی بنیاد پر کہا گیا ہے۔ (۴) واللہ اعلم

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے، شرح النووی (ج ۱ ص ۵۸)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۸۷)۔

(۲) قال العجلونی فی کشف الحفاء (ج ۲ ص ۳۵۰): رواد أحمد والطبرانی فی الکبیر وابن أبی حنیمة فی تاریخہ وابن أبی عاصم فی السنۃ، وأبو نعیم والحاکم، وابن منده، ومن طریقہ الضیاء، وكذا هو عند الترمذی، ورواد عبد بن حمید وابن ماجہ، ورواد الحاکم، وبالحملۃ، فالحدیث مشہور المثنی، وله أسانید كثيرة وشواهد عديدة فی السرفیع وغیرہ۔

(۳) الزمر ۶۵۔

(۴) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۸۷ و ۱۸۸)۔

۴۴ - باب : مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ : أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ ؟ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللَّهِ .

”ما يستحب“ میں ”ما“ موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور مصدر یہ بھی، ”إذا سئل“ میں ”إذا“ ظرفیہ ہے، جس کا تعلق ما قبل میں واقع فعل ”يستحب“ سے ہے۔

”فیکل“ میں ”فاء“ فصيحة ہے اور یہ جملہ شرط محذوف کی جزا ہے، تقدیری عبارت ہے ”إذا سئل أي الناس أعلم فیکل العلم إلى الله“ اور پھر ”فیکل“ اگرچہ خبر ہے لیکن انشاء کے معنی میں ہے ”فلیکل العلم إلى الله“۔ (۱)

باب سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب ”باب الإنصات للعلماء“ تھا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ شاگرد حالت سماع میں شیخ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے معاملات اس کے سپرد کر دیتا ہے اور اس باب میں بھی جو مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب عالم سے پوچھا جائے کہ کون سب سے بڑھ کر عالم ہے؟ تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اس طرح دونوں ابواب کے درمیان مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔ (۲)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم سے جب ”أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟“ کا سوال کیا جائے تو ”أَنَا أَعْلَمُ“ کہنا پسندیدہ نہیں، اگرچہ اس کا اس وقت ”أَعْلَمُ النَّاسِ“ ہونا محقق ہو، بلکہ مستحب یہ ہے کہ اس کے جواب میں ”اللَّهُ أَعْلَمُ“ کہے، چنانچہ حدیثِ باب سے یہ امر واضح ہے۔

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۸)، والکنز المتواری (ج ۲ ص ۳۷۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۸)۔

اس سے مؤلف کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو بالخصوص علم کے بارے میں ہر حالت میں تواضع اختیار کرنا چاہیے اور اپنے نقصان اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے کمال کا دھیان رکھنا مناسب ہے، نیز بڑائی اور عجب کے اسباب چونکہ علماء کو زیادہ میسر ہیں، اس لئے بھی علماء کو اس میں پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم (۱)

۱۲۲ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرُو قَالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ : قُلْتُ لِأَبْنِ عَبَّاسٍ : إِنْ نَوَّحَا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ ؟ فَقَالَ : كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ . حَدَّثَنَا أَبِي بْنُ كَعْبٍ (۲) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ : أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ ؟ فَقَالَ : أَنَا أَعْلَمُ . فَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ ، إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ : إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ . قَالَ : يَا رَبِّ ، وَكَيْفَ بِهِ ؟ فَقِيلَ لَهُ : أَحْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ . فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ . فَانْطَلَقَ وَأَنْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوْشَعَ بْنِ نُونٍ . وَحَمَلَ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ . حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُؤُوسَهُمَا وَنَامَا . فَانْسَلَّ الْحُوتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا . وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا . فَانْطَلَقَا بِقِيَّةِ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا . فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ : آتِنَا غَدَاءَنَا . لَقَدْ أَقَيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا . وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ . فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ : أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ ؟ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ . قَالَ مُوسَى : ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي . فَأَرْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا . فَلَمَّا أَتَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ : إِذَا رَجُلٌ مُسَجًى بِثَوْبٍ . أَوْ قَالَ تَسَجًى بِثَوْبِهِ ، فَسَلَّمَ مُوسَى . فَقَالَ الْخَضِرُ : وَأَنْتَى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ ؟ فَقَالَ : أَنَا مُوسَى . فَقَالَ : مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : هَلْ أَتَبِعَكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ؟ قَالَ : إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ، يَا مُوسَى ، إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَمَيْنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ . وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ . قَالَ : سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا ، وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا . فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ ، لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ ، فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا ، فَعَرَفَ الْخَضِرُ ، فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ ، فَجَاءَ عُصْفُورٌ ، فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ ، فَتَقَرَّرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ . فَقَالَ الْخَضِرُ : يَا مُوسَى

(۱) (الآداب والتراتجیم (ص ۵۷)۔

(۲) قولہ: "ابن کعب" : قد مر تخریج هذا الحديث في كتاب العلم، باب ما ذكر في ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم في البحر إلى الخضر .

مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا كَنَقَرَةٍ هَذَا الْعَصْفُورُ فِي الْبَحْرِ ، فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ الْأَوَاحِ السَّفِينَةِ فَتَزَعَهُ . فَقَالَ مُوسَى : قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوَلٍ . عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتَغْرُقَ أَهْلَهَا ؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ؟ قَالَ : لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ - فَكَانَتْ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا - فَانْطَلَقَا . فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ . فَآخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ . فَقَالَ مُوسَى : أَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ؟ - قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : وَهَذَا أَوْ كَدُ - فَانْطَلَقَا ، حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا . فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا ، فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَاقَامَهُ ، قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَاقَامَهُ ، فَقَالَ لَهُ مُوسَى : لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ، قَالَ : هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ . قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى ، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقْصَ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا) . [ر : ۷۴]

تراجم رجال

(۱) عبد اللہ بن محمد

یہ ابو جعفر عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس جعفی مسندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان

کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) سفیان

یہ امام ابو محمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم،

”باب قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۷)۔

(۲) کشف الباری (ج ۳ ص ۸۶)۔

(۳) عمرو

یہ مشہور امام و فقیہ عمرو بن دینار کی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات پیچھے اسی جلد میں ”باب کتابہ العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۴) سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی عالم امام سعید بن جبیر کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پیچھے ”باب السمر فی العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات ”بدء الوحي“ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۱) اور کتاب الإیمان ”باب کفران العشیر و کفر دون کفر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۶) نون بکالی

یہ نون - بفتح النون و سکون الواو، بعد ہا فاء - بن فضالة - بفتح الفاء - الحمیری البکالی - بکسر الباء الموحدة و تخفیف الکاف - رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کی ابو الرشید، ابو رشدین، ابو عمرو مختلف کنیتیں بتائی گئی ہیں۔ اہل دمشق یا اہل فلسطین میں ان کا شمار ہے، ایک قول کے مطابق یہ کعب احبار کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ (۳)

یہ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت علی بن ابی طالب، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۴۳۵)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۰۵)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۶۵)۔

ان سے خالد بن صبح، سعید بن جبیر، شہز بن حوشب، نسیر بن ذعلوق، ابواسحاق ہمدانی، ابو عمران جوئی اور

ابوہارون عبدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۱)

ابو عمران جوئی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”کان نوف ابن امرأۃ کعب، أحد العلماء۔“ (۲)

یحییٰ بن ابی عمرو الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان نوف إماماً لأهل دمشق۔“ (۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”یروی القصص۔“ (۴)

صحیحین میں ان کا ذکر حدیث موسیٰ والنضر کے ذیل میں آیا ہے۔ (۵)

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر کہا کہ میں نے خواب میں آپ کو دیکھا ہے

کہ آپ کے ہاتھ میں ایک طویل نیزہ ہے، اس کے سرے پر ایک روشنی ہے، جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ ایک لشکر کی قیادت کر رہے ہیں۔

نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم سچے ہو تو مجھے شہادت حاصل ہوگی اور ایسا ہی ہوا، یہ محمد

بن مروان کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور وہیں شہادت پائی۔ (۶)

۹۰ھ سے ۱۰۰ھ کے درمیان شہادت پائی۔ (۷) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(۷) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب العلم، ”باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ صلی

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۶۵)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۴۹۰)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۸۳)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۶۶)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۶۶)۔

(۷) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۴۹۰)۔

اللہ علیہ وسلم فی البحر إلی الخضر“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

قلت لابن عباس: إن نوناً البکالی یزعم أن موسی لیس بموسى بنی

إسرائیل، إنما هو موسی آخر

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نون بکالی کا دعویٰ ہے کہ (قصہ خضر میں) موسی بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسی علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ کوئی اور موسی ہیں۔

یہ روایت پیچھے گذر چکی ہے (۲)۔ اس میں حضرت ابن عباس اور حضرت حربن قیس رضی اللہ عنہما کے درمیان مناظرہ مذکور ہے، وہ مناظرہ اور ہے، اس کا تعلق حضرت خضر علیہ السلام سے ہے، یعنی اس میں یہ اختلاف تھا کہ موسی علیہ السلام جس کے پاس گئے تھے وہ کون تھا؟ حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ یہ خضر تھے اور حربن قیس کسی اور کو کہتے تھے، لیکن کسی روایت میں وارد نہیں کہ وہ کس کو کہتے تھے۔

جبکہ روایت باب میں جو مناظرہ ہے اس کا تعلق ”موسی“ سے ہے، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور نون بکالی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس بات کا مناظرہ ہوا تھا کہ جو موسیٰ حضرت خضر کے پاس گئے تھے وہ موسی بن عمران نبی بنی اسرائیل ہیں یا کوئی اور؟ سعید بن جبیر تو کہتے تھے کہ موسیٰ بن عمران نبی بنی اسرائیل ہیں اور نون کہتے تھے کہ وہ ایک دوسرے موسیٰ ہیں، یعنی موسیٰ بن یثا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام (نبی بنی اسرائیل) سے پہلے گذرے ہیں اور وہ بھی نبی مرسل تھے، اہل تورات کی بھی یہی رائے ہے۔ (۳)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے نبی اکرم

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۲۹۱)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۷)، کتاب العلم، باب ما ذکر فی ذہاب موسی علیہ السلام فی البحر إلی الخضر، رقم

(۷۴)، و باب الخروج فی طلب العلم، رقم (۷۸)۔

(۳) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۹۳)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی اور یہ بتلایا کہ جو موسیٰ خضر سے ملنے گئے تھے، وہ موسیٰ بنی اسرائیل تھے۔

فقال: کذب عدو اللہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کے دشمن نے غلط کہا۔

ابن التین وغیرہ تمام شراح کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کلمہ کہہ دیا ان کا مقصد یہ نہیں کہ نوف بکالی اولیاء اللہ سے خارج ہیں اور اعداء اللہ میں داخل ہیں۔ بلکہ علماء حق کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی خلاف حق بات سنتے ہیں تو ان کی طبیعت میں حرکت پیدا ہوتی ہے، ایسے موقع پر سخت کلمات کہہ جاتے ہیں، ان کی حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نوف کی صحت اسلام کے بارے میں شک ہو گیا ہو، اس لئے یہ سخت بات کہہ دی ہو۔ (۲)

لیکن یہ احتمال محض ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، دراصل حضرت ابن عباس اور حبر بن قیس رضی اللہ عنہما کا جب آپس میں مناظرہ ہوا تھا اس وقت حضرت ابن عباس کو حضرت ابی رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا علم نہیں تھا، اس لئے حضرت ابی آئے اور انہوں نے فیصلہ کر دیا اور جب سعید بن جبیر اور نوف بکالی کے درمیان مناظرہ ہوا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حدیث معلوم تھی اور چونکہ نوف کا کلام بالکل حدیث کے خلاف تھا، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جوش آیا اور فرمادیا ”کذب عدو اللہ“۔ واللہ اعلم

حدثنا أبي بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم: قام موسى النبي خطيباً

في بني إسرائيل، فسئل: أي الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم

ہمیں ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے حدیث سنائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے، ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا کون

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۹)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۹)۔

ہے؟ فرمایا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔

دور وایتوں کے

درمیان تعارض اور اس کا ازالہ

یہ روایت جو پیچھے گزری ہے اس میں ہے ”هل تعلم أحدا أعلم منك؟“ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ”لا“۔ جبکہ روایت باب میں ہے ”أي الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم“۔

حاصل یہ ہے کہ روایت باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے علمیت ثابت کی ہے اور دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سے بڑھ کر علم کی نفی کی، ظاہر ہے کہ علمیت کی نفی سے اپنے علم ہونے کا اثبات نہیں ہوتا۔

اس کا حل یہ ہے کہ اصل میں بظاہر سائل نے اولاً یہ پوچھا ”أي الناس أعلم؟“ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا ”أنا أعلم“۔ اس نے پھر پوچھا ”هل تعلم أحدا أعلم منك؟“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ”لا“۔

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام

کا ”أعلم“ کی نفی کرنا درست ہے؟

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”لا“ کہہ کر ”أعلم“ کی نفی کیسے کر دی؟! یہ تو خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ”بلی، عبدنا خضر“ کہ ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ اعلم ہے۔

لیکن یہ اشکال یہاں اس لئے نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم اور زعم کے اعتبار سے نفی کی تھی، لہذا ان کا ”أنا أعلم“ کہنا خلاف واقعہ نہیں، اپنے گمان میں جیسا وہ سمجھے ہوئے تھے ویسی ہی خبر دی، اپنے لئے علمیت انہوں نے اپنے گمان کے اعتبار سے ثابت کی ہے نہ کہ نفس الامر کے اعتبار سے، لہذا اللہ جل شانہ کا قول ”بلی، عبدنا خضر“ ٹھیک ہے، وہ نفس الامر کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ

یہاں سے ایک مسئلہ اور حل ہو گیا، وہ یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک کذب اس خبر کو کہتے ہیں جو عہد خلاف واقعہ بیان کی جائے۔

اور اہل السنہ فرماتے ہیں کہ کذب وہ خبر ہے جو خلاف واقعہ ہو، خواہ عہد ہو یا سہوا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ”أنا أعلم“ کہنا اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ”أنا أعلم“ کہنے کو رد کر دیا اور فرمایا ”بلی، عبدنا خضر“۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے فی الواقع اعلیٰ ثابت نہیں کی، بلکہ اپنے گمان اور ظن کے اعتبار سے ثابت کی ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اب گمان و ظن کے اعتبار سے ان کی بات ٹھیک ہے، ان کا جو گمان تھا ان کی خبر اس کے مطابق تھی۔ واللہ اعلم

فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرِدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ

سوال اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا اور یہ نہیں کہا ”اللہ أعلم“۔ ”عتاب“ کہتے ہیں ناراض ہونے کو، یہ تغیر نفسانی کا اثر ہے اور اللہ تعالیٰ تغیرات سے پاک ہے، اس لئے علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ”عتب اللہ“ کے معنی ہیں ”آخذہ“ اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ فرمایا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندے ہیں، ان سے معمولی باتوں پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ عنوان پسند نہیں آیا، بلکہ ان کو چاہئے تھا کہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا کر ”اللہ أعلم“ کہہ دیتے۔ (۱)

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس لئے ہوا کہ ان کو مطلق اس سوال کا جواب ہی نہیں دینا چاہئے تھا۔ (۲)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۹)، و عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۹)۔

لیکن ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ان کو جواب ہی نہیں دینا چاہئے تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف بات کو لوٹانا متعین تھا، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ”انا“ کہنے کے ساتھ ”واللہ اعلم“ بھی کہہ دیتے تو عتاب نہ ہوتا۔ عتاب کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ”انا اعلم“ تو کہہ دیا، لیکن اس کے ساتھ ”اللہ اعلم“ نہیں کہا۔ (۱) واللہ اعلم

فأوحى الله إليه أن عبداً من عبادي بمجمع البحرين هو أعلم منك

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے، جو تم سے بڑھ کر عالم ہے۔

مجمع البحرین سے مراد بحر فارس و روم کا ملحقہ ہے، جہاں دونوں ملتے ہیں۔ (۲)

پھر حضرت خضر علیہ السلام کی جو اعلیت یہاں مذکور ہے وہ علم مخصوص کے اعتبار سے ہے، حضرت خضر علیہ السلام کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے ”کونیات“ کا علم زیادہ تھا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بہ نسبت حضرت خضر علیہ السلام کے ”شرعیات“ کا علم زیادہ تھا، لیکن بہر حال ایک جزئی حیثیت سے حضرت خضر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک قسم کا تفوق حاصل تھا۔

قال: يا رب، وكيف به؟

عرض کیا، اے پروردگار! ان تک رسائی کیسے ہو؟

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ بڑے عالم اس وقت موجود ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان سے ملنے اور ان کے علم کو حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے اعتبار سے ”انا اعلم“ کہہ دیا تھا، غور اور تتبع کے ساتھ نہیں کہا تھا، اب جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کا ذکر کیا تو عرض کیا ”کیف به؟“ ”ای“ ”کیف اللقاء به؟“ کہ ان سے ملنے کی صورت کیا ہوگی؟

(۱) المستدری علی تراجم أبواب البحاری (ص ۶۴)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۹)۔

(۲) دیکھئے الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (ج ۱ ص ۹)۔

فقيل له: احمل حوتاً في مکتل

ان سے کہا گیا کہ ایک زنبیل میں ایک مچھلی لے لو۔

کتاب التفسیر کی ایک روایت میں ہے ”خذ نوناً ميتاً حيث ينفخ فيه الروح“۔ (۱) ایک مردہ مچھلی

لے لو، جہاں اس میں روح پھونکی جائے وہیں خضر ملیں گے۔

فإذا فقدته فهو ثم

جب تم اسے گم کر دو تو وہ وہیں موجود ہوں گے۔

مچھلی گم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس میں روح پھونک دی جائے اور وہ پانی میں جا پڑے تو تم کو

وہ وہاں ملیں گے۔

فانطلق وانطلق بفتاه يوشع بن نون وحمل حوتاً في مکتل، حتی کانا عند

الصخرة وضعا رؤسهما وناما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع بن نون کو لے کر چلے، ان دونوں نے ایک مچھلی زنبیل میں ڈال

لی، حتی کہ جب وہ ایک چٹان تک پہنچے تو دونوں نے اپنے سر رکھ دیے اور سو گئے۔

فانسل الحوت من المکتل

مچھلی زنبیل سے چپکے سے سرک گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے یہی حدیث نقل کی

ہے، اس میں ہے:

”قال سفیان: وفي حديث غير عمرو، قال: وفي أصل الصخرة عين، يقال لها:

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۶۸۹)، كتاب التفسير، باب: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ نَسِيا حُوتَهُمَا﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

الحياة، لا يصيب من مائها شيء، إلا حيي، فأصاب الحوت من ماء تلك العين، قال:
فتحرك، وانسل من المكنل، فدخل البحر“۔ (۱)

”سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے سوا دوسرے حضرات کی روایت میں ہے کہ اس چٹان کی
جڑ میں ایک چشمہ تھا، جس کو ”حیات“ یعنی آب حیوان کہتے ہیں، اس کا پانی جس چیز کو بھی لگ جاتا
تھا وہ زندہ ہو جاتی تھی، چنانچہ مچھلی کو اس چشمہ کا پانی لگ گیا، مچھلی کے اندر حرکت پیدا ہوئی اور وہ
زنبیل سے سرک کے سمندر میں داخل ہو گئی۔“

فاتخذ سبيله في البحر سربا و كان لموسى وفتاه عجا

سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بنا کر اپنی راہ لی اور یہ سرنگ موسیٰ اور ان کے خادم کے لئے تعجب کا
سبب بنی۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے: ”وَأَمْسَكَ اللَّهُ عَنْ الْحُوتِ جَرِيَةَ الْمَاءِ، فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلُ
الطَّاقِ“۔ (۲) ”اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کے بہاؤ کو روک لیا اور وہ اس کے لئے طاقت بن گیا۔“
حضرت یوشع نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہیں بہت تعجب ہوا، بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب
اس کیفیت کا علم ہوا اور واپس آنے کے بعد وہ جگہ دیکھی تو انہیں بھی بہت تعجب ہوا۔

فانطلقا بقية ليلتهما ويومهما

وہ دونوں بقیہ رات اور دن بھر چلے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ دراصل ”بقية يومهما و ليلتهما“ ہے، یہاں قلب واقع ہوا ہے، چنانچہ
کتاب التفسیر کی روایت میں درست طور پر آیا ہے (۳)۔

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۶۹۰) كتاب التفسير، باب: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا﴾، رقم (۴۷۲۷)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۶۸۷) كتاب التفسير، باب: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ: لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ

حَقْبًا﴾، رقم (۴۷۲۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد ”فلما أصبح“ آیا ہے اور ”إصبح“ رات کے بعد ہوتا ہے، نہ کہ دن کے بعد۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہو سکتا ہے ”فلما أصبح“ کے معنی ہوں: ”اس رات کی صبح ہوئی جو اس دن کے بعد آتی ہے جس دن کا یہاں تذکرہ ہے“۔ مطلب یہ ہوا کہ بقیہ رات چلتے رہے، پھر دن بھر چلے اور اس کے بعد جو رات آئی اس میں بھی چلنا ہوا اور پھر صبح ہوئی۔ (۲)

لیکن اقرب وہی ہے جو پہلے کہا گیا، اس لئے کہ اس روایت کے دوسرے طریق میں ”یوم“ کی تقدیم ”لیلة“ پر وارد ہے۔

فلما أصبح قال موسى لفتهاه: آتنا غداءنا، لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا
جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا کھانا لاؤ، ہمیں اس سفر کی وجہ سے
تھکاوٹ ہو رہی ہے۔
جب صخرہ سے آگے چل دیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی، اس سے پہلے بھوک اور تھکان کا
احساس نہیں ہوا۔

ولم يجد موسى مسًا من النصب حتى جاوز المكان الذي أمر به
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکان کا کچھ بھی اثر محسوس نہیں ہوا، یہاں تک کہ اس جگہ سے تجاوز کر گئے
جہاں پہنچنے کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تک تو خدائی طاقت و تائید ان کے ساتھ تھی، اس لئے ان کو تھکان نہیں ہوئی
اور اس کے بعد چونکہ منزل سے وہ ہٹ رہے تھے اس لئے تھکاوٹ طاری ہونے لگی، تا کہ بہت زیادہ آگے
نہ چلے جائیں۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

فقال له فتاه: أ رأيت إذ أؤينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت، قال موسى:

ذلك ما كنا نبغي.

ان کے خادم نے عرض کیا، بھلا میں آپ کو بتاؤں! جب چٹان کے پاس پہنچے تھے تو مچھلی نکل بھاگی اور میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو ہم تلاش کر رہے تھے۔

فارتدا على آثارهما قصصا

سودونوں کھوج لگاتے ہوئے اپنے پاؤں کے نشانوں پر لوٹے۔

فلما انتهيا إلى الصخرة إذا رجل مسجى بثوب أو قال: تسجى بثوبه

جب وہ دونوں چٹان کے پاس پہنچے تو اچانک ایک شخص ملا جو ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھا، یا اس شخص نے کپڑا اوڑھ رکھا تھا۔

یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں، ان کے تفصیلی حالات اور ان سے متعلقہ مباحث ہم پیچھے ”باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ.....“ کے تحت لکھ چکے ہیں۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ”وہم“ قرار دیا ہے، اس کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو چٹان کے پاس نہیں، بلکہ ”جزیرہ“ میں پایا تھا، جبکہ اس روایت میں مذکور ہے کہ چٹان کے پاس پہنچ کر ان سے ملاقات ہو گئی۔ (۱)

لیکن ”وہم“ قرار دینے کی ضرورت نہیں، دونوں روایتوں کو جمع کر سکتے ہیں کہ پہلے وہ چٹان تک پہنچے، اس کے بعد تتبع و تلاش کے بعد وہ جزیرہ میں مل گئے۔ (۲)

چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے ”فأراه مكان الحوت، قال: ههنا وصف لي، فذهب

(۱) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۱۷) کتاب التفسیر، باب ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾۔

(۲) حوالہ بالا۔

يلتمس فإذا هو بالخضر مسجى ثوبا“۔ (۱)

فسلم موسىٰ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔

فقال الخضر: وأنى بأرضك السلام؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری اس سرزمین پر سلام کیسے؟ اور کہاں سے؟

”اُنی“ ”کیف“ کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ کتاب التفسیر کی روایت میں ہے ”هل بأرضي

من سلام؟“ (۲) کیا میری اس سرزمین میں بھی سلام ہے؟

اور یہ ”من أين“ کے معنی میں بھی ممکن ہے کہ یہاں سلام کہاں سے آیا؟ گویا اس سرزمین میں یا تو بلا د کفر

ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہاں تجیہ و سلام کا کوئی دوسرا طریقہ مروج ہوگا، انہوں نے سوال کیا کہ

یہاں سلام کہاں سے وارد ہو گیا؟ (۳)

مسلم شریف کی روایت میں ہے ”فكشفت الثوب عن وجهه قال: وعليكم السلام“۔ (۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں

دی جائے گی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے سلام کا جواب دیا، پھر تعجب سے پوچھا ”اُنی بأرضك

السلام؟“۔ (۵)

فقال: أنا موسىٰ

(۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (۶۱۶۵)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۸۹) کتاب التفسیر، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (۶۱۶۵)۔

(۵) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۱۷) کتاب التفسیر، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے ”من أنت“ قال: أنا موسى۔ (۱) گویا ”أنا موسى“ حضرت خضر علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے۔

فقال: موسى بنی اسرائیل؟ قال: نعم

انہوں نے پوچھا کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا کہ ہاں!

صحیح مسلم میں ابواسحاق کی روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”أنا موسى“ فرمایا تو

حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا ”ومن موسى؟“ قال: موسى بنی اسرائیل۔ (۲)

البتہ عبد بن حمید کی روایت سے یہاں اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

”السلام عليك يا خضر“ کہہ کر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا ”وعليك السلام يا موسى“ گویا شروع

ہی سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان چکے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا ”وما يدريك اني

موسى؟“ کہ ”آپ کو کس نے بتایا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں؟!“ انہوں نے جواب دیا ”أدراني بك

الذي أدراك بي“ مجھے آپ کے بارے میں انہوں نے بتایا جنہوں نے آپ کو میرے بارے میں بتایا۔ (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”من أنت؟“ اور ”موسى بنی اسرائیل؟“ کہہ کر سوال کرنے کی نوبت ہی

نہیں آئی۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیحین کی روایت کے مقابلہ میں عبد بن حمید والی روایت کا ثبوت

مشکوٰۃ ہے۔ (۴) واللہ اعلم

قال: هل أتبعك على أن تعلمني مما علمت رشداً

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۶۸۹) كتاب التفسير، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (۶۱۶۵)۔

(۳) فتح الباري (ج ۸ ص ۴۱۷) كتاب التفسير، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾۔

(۴) حوالہ بالا۔

فرمایا کہ کیا میں آپ کے پیچھے چلوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو علم و ہدایت اور دین سکھایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے سکھادیں؟

”رشد“ (بضم الراء وسكون الشين المعجمة) اور ”رشد“ (بفتح الحاء) دونوں طرح پڑھا گیا ہے، (۱) اکثر علماء کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ بفتح الحاء ”رشد“ کے معنی میں ہے اور ”رشد“ (بضم فسكون) صلاح نظر یعنی ہدایت کو کہتے ہیں۔ (۳)

پھر ”رشداً“ ”تعلمنی“ کا مفعول ثانی ہے، اس لئے منصوب ہے۔ ”عَلِمْتُ“ کا مفعول ثانی بنانا بعد ہے۔ (۴)

قال: إنك لن تستطيع معي صبراً

فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے۔

یا موسیٰ! إني على علم من علم الله علمنيه لا تعلمه أنت، وأنت على علم

علمكه لا أعلمه

اے موسیٰ! میں اللہ تعالیٰ کے علوم میں سے ایک مخصوص علم میں ہوں، جو مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، آپ اسے نہیں جانتے اور آپ ایک مخصوص علم پر ہیں، جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس علوم تشریعیہ تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علوم تکوینیہ۔ اور یہ جو فرمایا ”لا تعلمه أنت“ اور ”لا أعلمه“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلی طور پر نہ آپ میرے علوم سے

(۱) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۱۷ و ۴۱۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۱۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

واقف ہیں اور نہ میں آپ کے علوم سے واقف ہوں۔

ظاہر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعض ”کونیات“ کا علم ہوگا اور حضرت خضر علیہ السلام کو شریعت کا اتنا علم تو ہوگا ہی کہ جس کی روشنی میں وہ اپنے اعتقاد کو صحیح رکھیں اور عمل کرتے رہیں۔ (۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تکلیف فرمائی تھی اس میں حضرت خضر علیہ السلام کو ”أعلم“ قرار دیا گیا تھا، چنانچہ فرمایا ”أَنْ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ“ (کما فی حدیث الباب) یعنی ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔

”أعلم“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ نفس فعل میں شریک ہوں، لہذا اب یہ مطلب نکلا کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام دونوں ”علم“ میں مشترک ہیں اور جب دونوں کے علم کی نوعیت تشریعی اور تکوینی کے اعتبار سے مختلف ہوگئی تو پھر اشتراک کہاں پایا گیا؟ لہذا ”أعلم“ کہنا کیسے صحیح ہوا؟!

اس اشکال کا جواب وہی ہے جس کی طرف ابھی اشارہ ہوا کہ فی الجملہ دونوں عقائد و اعمال کے علوم میں متحد تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر ایک علم میں زبردست ماہر تھے تو حضرت خضر علیہ السلام بقدر ضرورت اس سے واقف تھے، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کونیات کا علم زیادہ حاصل تھا، جبکہ کچھ نہ کچھ تکوینیات کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تھا، گویا نفس علم شریعت و علم کونیات میں فی الجملہ دونوں شریک ہیں، اس کے بعد علوم کونیہ میں حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تفوق حاصل ہے، لہذا حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ”أعلم“ کہنے میں کوئی اشکال نہیں اور نہ دونوں میں تعارض ہے۔ واللہ أعلم۔

قال: ستجدني إن شاء الله صابراً ولا أعصي لك أمراً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی سرتابی نہیں کروں گا۔

فانطلقا يمشيان على ساحل البحر، ليس لهما سفينة، فمرت بهما سفينة، فكلموهم أن يحملوهما، فعرف الخضر فحملوهما بغير نول۔

سو وہ دونوں دریا کے کنارے چل پڑے، ان کے پاس کوئی کشتی نہیں تھی، چنانچہ ان کے پاس سے ایک کشتی گذری، انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ ہمیں سوار کرلو، حضرت خضر علیہ السلام پہچانے گئے تو انہوں نے ان دونوں کو بغیر کسی معاوضہ کے سوار کر لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اول تو معذرت کی کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ میرے معاملات تکوینیات سے متعلق ہیں، ظاہر شریعت کے اعتبار سے وہ قابل اعتراض ہیں اور آپ کسی ظاہری برائی اور منکر کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر مکمل اتباع اور کسی مرحلہ پر تنقید و اعتراض نہ کرنے کا عہد کر لیا تو انہوں نے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔

اس کے بعد ساحل دریا پر چلتے رہے، ان کے پاس اپنی کوئی کشتی تھی نہیں کہ اس میں سوار ہوتے، اتنے میں ایک کشتی آگئی، کشتی والوں سے ان کی بات چیت چلی، انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا تو بغیر کسی معاوضہ اور اجرت کے ان کو بٹھالیا۔

فجاء عصفور فوق على حرف السفينة، فنقر نقرة أونقرتين في البحر

ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ کر بیٹھ گئی، اس نے دریا میں ایک دو مرتبہ چونچ ماری۔

”عصفور“ چھوٹے پرندہ کو کہتے ہیں۔

اس سے مراد بعض حضرات نے ”صدر“ نامی پرندہ کہا ہے (۱)، جسے اردو میں ”لٹورا“ کہتے ہیں (۲)۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ”خُطَّاف“ یعنی چکا درتھی۔ (۳) واللہ اعلم

فقال الخضر: يا موسى، ما نقص علمي وعلمك من علم الله إلا كنقرة هذا
العصفور في البحر

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! میرے اور آپ کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے صرف
اتنا ہی لیا ہے جتنا کہ اس چڑیا نے سمندر میں سے لیا۔

یہاں لفظ وارد ہے ”نقص“ جس کے معنی کم کرنے کے ہوتے ہیں، لہذا اب مطلب ہوگا کہ میرے اور
آپ کے دونوں کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا کہ اس چڑیا نے سمندر کے پانی میں
سے کیا ہے۔

جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ اللہ جل شانہ کا علم غیر متناہی ہے، متناہی کی اس سے کوئی نسبت ہی نہیں، لہذا اس میں
نقص کا کیا سوال ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں ”نقص“ اپنے ظاہری معنی میں
نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی ”اخذ“ کے ہیں، لہذا اب مطلب ہوگا ”ما أخذ علمي وعلمك من علم الله إلا كنقرة
هذا العصفور من البحر“۔ کہ میرے اور آپ کے یعنی دونوں کے علم نے مل کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے لیا ہے
اس کی نسبت اتنی ہی ہے جتنی اس پرندے کی چونچ میں موجود پانی کی نسبت سمندر کے ساتھ ہے۔ (۴)

بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہاں ”علم“ بمعنی ”معلوم“ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی معلومات اور
ہماری معلومات میں بس یہی نسبت ہے جو کسی قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے۔ (۵)

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۲) دیکھئے مصباح اللغات (ص ۴۶۶)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

بعض حضرات نے کہا ہے اس میں ”إلا“، ”ولا“ کے معنی میں ہے، گویا اب تقدیر ہوگی ”ما نقص علمي وعلمك من علم الله ولا كنقرة هذا العصفور“۔ میرے اور تیرے علم نے خدا کے علم میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا، حتیٰ کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کے بقدر بھی کم نہیں کیا۔ (۱)

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طرز تعبیر مبالغہ نافی مطلق کے لئے ہے، یعنی چڑیا پرندے نے سمندر میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کی، اسی طرح میرے اور تمہارے علم نے بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

ولا عيب فيهم غير أن سيوفهم بهن فلول من قراع الكتائب

(یعنی ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس عیب کے کہ ان کی تلواروں میں دشمنوں کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کی وجہ سے دندانے پڑے ہوئے ہیں۔)

اس شعر میں بتانا یہی مقصود ہے کہ ان مدوحین میں کوئی عیب نہیں، اس طرح یہاں بھی اللہ جل شانہ کے علم میں کسی قسم کا نقص نہ ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔ (۲)

کتاب التفسیر میں یہ مفہوم بہت واضح طور پر آیا ہے، چنانچہ فرمایا ”واللہ، ما علمي وما علمك في جنب علم الله، إلا كما أخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر“۔ (۳)

”بخدا! میرا اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے بس ایسا ہی ہے جیسے اس پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ کے ذریعہ پانی لیا ہو۔“

فعمد الخضر إلى لوح من ألواح السفينة فنزعه

حضرت خضر علیہ السلام کشتی کی تختیوں میں سے ایک تختی کی طرف گئے اور اسے اکھاڑ ڈالا۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۳) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۸۹) کتاب التفسیر، باب: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

فقال موسى: قوم حملونا بغير نول عمدت إلى سفينتهم فخرقتها لتغرق

أهلها!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کر لیا اور آپ ہیں کہ ان کی کشتی کی طرف جا کر اسے پھاڑ دیا، تاکہ کشتی والوں کو غرق کر دیں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر ذرا سخت کلمات بھی کہے، ربیع بن انس کی روایت میں ہے:

”أن موسى لما رأى ذلك امتلاً غضباً وشد ثيابه، وقال: أردت إهلاكهم، ستعلم

أنك أول هالك“۔ (۱)

یعنی ”حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھر گئے اور اپنی آستینیں چڑھالیں اور کہا کہ آپ ان لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں، آپ کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ سب سے پہلے آپ خود ہلاک ہوں گے“۔

قال: ألم أقل لك: إنك لن تستطيع معي صبراً؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر تنبیہ ہوا کہ میں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، فوراً انہوں نے حذر کی۔

قال: لا تؤاخذني بما نسيت

عرض کیا کہ آپ میری بھول پر مواخذہ نہ فرمائیے۔

فكانت الأولى من موسى نسيانا

پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اعتراض بھولے سے ہی تھا۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے ”کانت الأولى نسياناً، والوسطى شرطاً، والثالثة عمداً“۔ (۱)

”پہلی مرتبہ اعتراض بھولے سے تھا، دوسری مرتبہ شرط لگا کر کہا، ان سألک عن شیء بعدھا فلا تصحبی (۲) کہ ”اگر اب کے اعتراض کروں تو آپ اپنے ساتھ مجھے نہ رکھیں“ اور تیسری مرتبہ عمداً اور قصداً تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک مرفوع روایت میں ہے ”الأولى نسيان، والثانية عذر، والثالثة

فراق“۔ (۳) ”پہلی دفعہ بھولے سے اعتراض کیا، دوسری دفعہ عذر پیش کیا اور تیسری دفعہ میں فراق ہو گیا۔“

البتہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فراء رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ”ولم ينس موسى ولكنه

من معاريض الكلام“۔ (۴) یعنی ”حضرت موسیٰ علیہ السلام بھولے تو نہ تھے، البتہ یہ اشاروں، کنایوں اور توریہ کے قبیل سے تھا۔“

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس لئے اصل اعتماد پہلی روایات پر

ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے تیسرے موقع پر معاریض کلام سے کام کیوں نہیں لیا؟!۔ (۵)

فانطلقا، فإذا غلام يلعب مع الغلمان، فأخذ الخضر برأسه من أعلاه فاقتلع

رأسه بيده

پھر دونوں چلے، اچانک ایک لڑکا ملا، جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے

اس کے سر کو اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو بدن سے جدا کر دیا۔

عبد بن حمید نے ابن جریج کی روایت نقل کی ہے، جس میں ہے:

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۲۸۹) كتاب التفسير، باب: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

(۲) الكهف (۷۶)۔

(۳) رواه ابن مردويه من طريق عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما۔ فتح الباري (ج ۸ ص ۴۱۹)۔

(۴) فتح الباري (ج ۸ ص ۴۱۹)۔

(۵) توالہ بالا۔

”فأضجعه ثم ذبحه بالسكين“۔ (۱) کہ ”اس کو لٹایا اور پھر چھری سے ذبح کر دیا“۔

اسی طرح طبری کی ایک روایت میں ہے ”فأخذ صخرة فثلغ رأسه (۲)“۔ یعنی ”انہوں نے ایک

پتھر لیا اور اس سے اس کے سر کو پچکا دیا“۔

ان میں سے یہ آخری روایت کمزور ہے (۳)، اگرچہ ان تینوں میں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ اول پتھر مار کر

سر کو پچکا دیا، پھر چاقو یا چھری سے اس کی گردن کاٹ ڈالی، کوئی کھال وغیرہ اٹک گئی ہوگی، پھر اس کو انہوں نے

باتھ سے کھینچ کر جسم سے الگ کر دیا۔ (۴) واللہ اعلم۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے ”فأخذ غلاماً كافراً ظريفاً“۔ (۵)

اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں ہے ”وأما الغلام فطبع يوم طبع كافر“۔ (۶)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لڑکا فی الحال کافر ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر زندہ رہا تو کافر ہو

جائے گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، حدیث میں ہے ”كل مولود يولد على الفطرة“۔ (۷) کہ ”ہر

بچہ فطرت دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے“۔ جبکہ اس بچہ کے بارے میں حدیث میں تصریح آگئی کہ یہ بچہ کافر

مطلوبع ہوا ہے۔

(۱) صحیح بخاری (ج ۸ ص ۵۱۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قال: لا يثبت في الصحيح (ج ۸ ص ۵۱۹)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۸ ص ۵۱۹)۔

(۵) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۸۹) کتاب التفسیر، باب ما قبل من جمع بينهما، رقم (۵۷۲۶)۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب الفطائل، باب من فطئ الحفیر، رقم (۶۱۶۵)، ومسند أحمد (ج ۵ ص ۲۱) رقم (۲۱۴۳۵)، والبیہق

المستدرک (ج ۴ ص ۲۳۷)۔

(۷) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۸۵) کتاب الجنائز، باب ما قبل من أولاد التفسير، رقم (۱۳۸۵)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلام ان میں سے مستثنیٰ ہے، یا یہ کہا جائے کہ ”فطرت“ سے مراد استعدادِ اسلام ہے، یعنی ہر ایک میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھی ہوئی ہے، لیکن یہ اس صلاحیت کو صحیح استعمال کے بجائے غلط استعمال کر کے کافر بنے گا۔ واللہ اعلم

فقال موسى: أقتلت نفسا زكية بغير نفس؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ جان کا ناحق خون کر دیا؟!

قال: ألم أقل لك إنك لن تستطيع معي صبرا؟

کہا کہ میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟!

قال ابن عيينة: هذا أوكد

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے کلام سے زیادہ سخت ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شرمائے اور کہا کہ ﴿إِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي﴾ (۱) ”اب آئندہ اگر کسی چیز کے بارے میں کوئی اعتراض کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے نہ دیں۔“

فانطلقا، حتى إذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفوهما

وہ دونوں آگے چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے تو ان سے کھانا طلب کیا، انہوں نے ان دونوں کی مہمانداری سے انکار کیا۔

فوجدافيهما جداراً يريد أن ينقض فأقامه، قال الخضر بيده فأقامه

پھر دونوں نے دیکھا کہ گاؤں میں ایک دیوار ہے جو گرا ہی چاہتی ہے، سو اُسے سیدھا کر دیا، یعنی خضر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اسے سیدھا کر دیا۔

(۱) كما في رواية سعيد بن جبیر عند ابن مردويه، انظر فتح الباري (ج ۸ ص ۴۲۰)۔

فقال له موسى: لو شئت لاتخذت عليه أجراً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے لیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”إننا دخلنا هذه القرية، فلم يضيفونا، ولم يطعمونا، لو شئت لاتخذت عليه

أجرًا“۔ (۱)

یعنی ”ہم اس بستی میں داخل ہوئے ان لوگوں نے نہ تو ہمیں مہمان رکھا اور نہ ہی کھانے کو کچھ

دیا، اس کے مقابلے میں اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے سکتے تھے!“۔

قال: هذا فراق بيني وبينك

فرمایا کہ یہ میری اور تمہاری جدائی کی گھڑی ہے۔

قرآن کریم میں (۲) نیز اس حدیث کے دوسرے طرق میں اس کے بعد تفصیل موجود ہے کہ حضرت

خضر علیہ السلام نے جدا ہونے سے پہلے ان واقعات کے پوشیدہ اسرار بیان کئے۔ (۳)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: يرحم الله موسى، لو ددنا لو صبر حتى يقص

علينا من أمرهما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ہماری خواہش تھی کہ

کاش وہ صبر کرتے تو ان کے اور حالات بھی ہم سے بیان کئے جاتے۔

(۱) صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۹۰) کتاب التفسیر، باب: ما جاء من أحوال لقمان، رقم (۴۷۲۷)۔

(۲) دیکھئے سورۃ الکہف از آیت ۸۲ تا ۸۹۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۶۸۷-۶۹۰)، کتاب التفسیر، رقم (۴۷۲۵-۴۷۲۷)، و صحیح مسلم، کتاب الفضائل،

باب من فضائل الحضرة، رقم (۶۱۶۳-۶۱۶۸)

قال محمد بن يوسف: ثنا به علي بن خشرم، قال: ثنا سفيان بن عيينة بطوله

محمد بن يوسف فربری کہتے ہیں کہ علی بن خشرم نے ہمیں یہ حدیث سنائی، انہوں نے کہا کہ سفيان بن عيينہ نے ہمیں یہ پوری حدیث بیان کی۔

یہ عبارت بعض نسخوں میں ہے اور اکثر میں نہیں ہے، محمد بن یوسف فربری رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، وہ اپنے علو اسناد کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ روایت امام بخاری عبد اللہ بن محمد مسندی عن ابن عیینہ نقل کرتے ہیں، جبکہ مجھے یہ روایت علی بن خشرم عن ابن عیینہ کے طریق سے حاصل ہے، اس طرح گویا فربری امام بخاری کے برابر ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے؟

بعض جاہلوں کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں حضرت خضر علیہ السلام افضل تھے اور یہ قصہ اس کی دلیل اور شاہد ہے۔

لیکن اس بات کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو رسالت، کلام اور تورات کے ساتھ منتخب فرمایا، پھر ان کی شریعت میں تمام انبیاء بنی اسرائیل شامل اور داخل رہے۔ ان دلائل کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی بھی عقل مند شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَسْأَلُ** **بِأَنبِيَا** **أُصْطَفِيَتْ** **عَلَى** **النَّاسِ** **بِرِسَالَتِي** **وَبِكَلَامِي** ۝ (۱)

جبکہ حضرت خضر علیہ السلام اگر نبی تھے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول نہیں تھے اور یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ رسول افضل ہوتا ہے اس شخص کے مقابلہ میں جو محض نبی ہو۔

اور علی سبیل التقریل اگر مان بھی لیں کہ حضرت خضر علیہ السلام رسول تھے، تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بڑی اور آپ کی امت کثیر اور افضل تھی۔

اور اگر حضرت خضر علیہ السلام ولی ہوں، نبی نہ ہوں تب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی افضلیت واضح اور بین ہے۔ (۱)

کیا احکام شریعت کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہے؟

مذکورہ قصہ سے بعض زنادقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عام احکام شریعت کا تعلق عوام اور غبی لوگوں سے ہے، جبکہ اولیاء اور خواص امت کو نصوص اور ظاہر شریعت کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے لئے تو حکم یہ ہے کہ جس بات کی طرف ان کا دل مائل ہو جائے وہی کریں، کیونکہ ان کے دل کدورتوں اور آلودگیوں سے پاک ہیں، اس لئے ان دلوں پر علوم الہیہ اور حقائق ربانیہ کا ورود ہوتا ہے، اس طرح وہ کائنات کے اسرار سے بھی واقف ہوتے ہیں اور جزئی احکام بھی جانتے ہیں، اس لئے شریعت کے کلی احکامات کی انہیں چنداں حاجت نہیں رہتی، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ انہیں جو علوم حاصل تھے ان کی بنیاد پر وہ احکام شرعیہ ظاہرہ سے مستغنی ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی تائید کے واسطے مشہور حدیث ”استغنی قلبک واستغنی نفسک ثلاث مرآت۔۔۔۔۔ وإن أفتاک الناس وأفتوک“ (۲) سے بھی تمسک کیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نظریہ محض کفر اور زندقہ ہے، کیونکہ اس کی آڑ میں یقینی شریعت کا انکار مقصود ہے، کیونکہ اللہ جل شانہ نے طریقہ اور سنت یہ مقرر کی ہے کہ احکام خداوندی پر مطلع ہونا بغیر حضرات رسل و انبیاء کے واسطے کے ممکن نہیں اور اللہ جل شانہ نے ان حضرات انبیاء و رسل کی اطاعت کا حکم دیا اور اسی کو ہدایت کا راستہ بتایا، اس بات پر سلف کا اجماع بھی ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام و رسل عظام او امر و نواہی کے جن طریقوں کو لے کر آئے ہیں ان کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے، جس سے حضرات انبیاء کے راستے سے استغناء ہو جائے تو ایسا شخص کافر ہے۔

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۱)۔

(۲) مسند أحمد (ج ۴ ص ۲۲۸) أحادیث وابصة بن معبد رضي الله عنه، رقم (۱۸۱۶۹)۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا دعویٰ عین دعوائے نبوت ہے، گویا حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ شخص اپنے لئے نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں اپنے دل سے فتویٰ لیتا ہوں اور یہی حکم خداوندی ہے، تو اب اسے نہ کتاب کی ضرورت اور نہ سنت کی حاجت ہے، گویا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دعویٰ کر رہا ہے ”إن روح القدس نفث في روعي“ (۱) اور ظاہر ہے کہ یہ محض زندقہ اور کفر ہے (۲)۔

قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام سے مستنبط چند فوائد

حضرت موسیٰ و خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے اس قصہ سے بہت سے فوائد مستنبط کئے گئے ہیں، چند فوائد یہ ہیں:

- (۱) اس قصہ سے معلوم ہوا کہ طالب علم کو عالم کا ادب بہر حال ملحوظ رکھنا چاہیے، ان کے اوپر اعتراضات نہیں کرنے چاہئیں اور اگر ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو تاویل کرنی چاہئے۔
- (۲) ایک فائدہ یہ معلوم ہوا کہ جب دو مفاسد سامنے آئیں ایک اعظم ہو اور ایک اخف، تو مفسدہ عظیمہ کو دفع کرنے کے لئے خفیف مفسدہ کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔
- (۳) اسی قصہ سے شریعت کی یہ عظیم اصل بھی سامنے آئی کہ جو کچھ شریعت میں وارد ہے سب کو دل سے تسلیم کرنا چاہئے، خواہ ان میں سے بعض کی حکمتیں ہماری سمجھ میں نہ آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں جو شرائع و احکام دیے ہیں وہ بہر حال حجت اور واجب التسلیم ہیں، وہ عقول پر حجت ہیں، عقول ان پر حجت نہیں ہیں کہ ان کی حکمتیں اگر سمجھ میں نہ آئیں تو ان شرائع و احکام کو چھوڑ دیا جائے۔ (۳)

(۱) حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم (ج ۱ ص ۲۷)، ترجمۃ أحمد بن أبی الحواری، وانظر شعب الإيمان للبيهقي (ج ۲ ص ۶۷) رقم (۱۱۸۵)، و (ج ۷ ص ۲۹۹)، رقم (۱۰۳۷۶)، ومشكاة المصابيح (ج ۳ ص ۱۴۵۸)، کتاب الرقاق، باب التوکل والعصر، الفصل الثانی، رقم (۵۳۰۰)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۱ و ۲۲۲)۔

(۳) فوائد مذکورہ، نیز دیگر فوائد کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۹۷)۔

۴۵ - باب : مَنْ سَأَلَ ، وَهُوَ قَائِمٌ ، عَالِمًا جَالِسًا .

”وہو قائم“ من سأل سے حال ہے اور ”عالمًا جالسًا“ سأل کا مفعول بہ ہے۔ (۱)

باب سابق سے مناسبت

گذشتہ باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے سوال کرنا اور علم سیکھنا مذکور ہے، جبکہ اس باب میں بیٹھے ہوئے عالم سے کھڑے ہوئے طالب کا علمی سوال کرنا مذکور ہے، اسی طرح دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہے۔ (۲)

مقصد ترجمۃ الباب

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس باب سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے بیٹھے ہوئے عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو یہ اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمِثَلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَّبِعْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“۔ (۳) یعنی ”جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے واسطے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو اور اس سے کھڑا ہوا شخص سوال کرے اور عجب سے بھی مامون ہو تو ایسی صورت میں کوئی

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۹۶)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك، رقم (۵۲۲۹)، نیز دیکھئے جامع الترمذی، کتاب

الأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل، رقم (۲۷۵۴)۔

خرج نہیں۔ (۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے باب گذرا ہے ”باب من یرک علی رکتہ عند الإمام أو المحدث“ اس سے معلوم ہوا کہ محدث کے سامنے تواضع اور ادب و اطمینان سے بیٹھنا مناسب ہے، اب یہ بتلانا ہے کہ عند الحاجة کھڑے ہونے کی حالت میں بھی سوال کر سکتا ہے، جلوس و بروک ضروری نہیں۔ (۲)

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ترجمہ میں دو چیزیں ہیں ایک جلوس عالم اور قیام سائل۔ حافظ وغیرہ نے غرض بیان کرتے ہوئے جلوس عالم پر نظر کی ہے۔ جبکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے غرض بیان کرتے ہوئے قیام سائل پر نظر کی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس حالت میں سوال سوء ادب سمجھا جاتا ہے، اس توہم کو دور کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قائم فرمایا ہے، کیونکہ قاعدہ ہے ”الضرورات تبیح المحظورات“۔ (۳)

یہ بھی عین ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ اگر بضرورت طالب علم کھڑا ہو کر عالم سے علم حاصل کرے اور عالم بیٹھا ہو تو یہ مباح اور جائز ہے، بعض سلف کھڑے کھڑے علم حاصل کرنے کو ناپسند کرتے تھے، ان پر رد کیا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ”لِمَ لَمْ تَكْتُبْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ؟“ آپ نے عمرو بن دینار سے حدیثیں کیوں نہیں لکھیں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”أَتَيْتُهُ وَالنَّاسُ يَكْتُبُونَ عَنْهُ قِيَامًا، فَأَجَلَّتْ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَكْتُبَهُ وَأُنَاقِئَهُ“۔ (۴)

(۱) المستدرک (ج ۱ و ۲)، مفتاح الباری (ج ۱ ص ۲۲۲)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۶)۔

(۲) الأبواب والنراجم (ص ۵۷)۔

(۳) لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۷۹)۔

(۴) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (ص ۲۲۵)، باب إصلاح المحدث ہیئته..... الأحوال التي یکره التحديث فیہا،

یعنی ”میں جبکہ ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ لوگ کھڑے کھڑے ان سے حدیثیں لکھ رہے ہیں، مجھے حدیث پاک کے احترام کے خلاف محسوس ہوا کہ میں کھڑے کھڑے لکھوں۔“

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقے میں حدیثیں بیان کر رہے ہیں، امام مالک وہاں سے گذرتے چلے گئے اور فرمایا:

”إني لم أجد موضعا أجلس فيه، فكرهت أن آخذ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا قائم۔“ (۱)

یعنی ”مجھے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ملی، اس لئے مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث کھڑے کھڑے حاصل کروں۔“

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلادیا کہ اس طرح علم حاصل کرنے اور مسئلہ معلوم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر ضرورت ہو، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر ادب کا غلبہ تھا، اس لئے اس حالت میں انہوں نے اخذ حدیث کو پسند نہیں فرمایا۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”من سأل.....“ کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ کھڑے کھڑے سوال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ مستقل طور پر کھڑے کھڑے آدمی کا علم حاصل کرنا مناسب نہیں۔ حدیث سے کھڑے کھڑے عالم سے سوال کرنے کی اجازت نکلتی ہے، لیکن کھڑے کھڑے مستقل علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں نکلتی۔

لہذا ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا رد نہ کیا ہو، بلکہ یہ بتلایا ہو کہ اگر کوئی بضرورت کھڑے کھڑے سوال کر لے اور عالم بیٹھا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، بلکہ جائز ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو کراہت منقول ہے وہ تو مستقل حدیثیں لکھنے کے سلسلے میں ہے کہ استاد بیٹھ کر بیان کر رہا ہو اور سارے لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھ رہے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۱۲۳ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى ^(۱) قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ؟ فَإِنْ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا ، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً ، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ ، قَالَ : وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا ، فَقَالَ : (مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ) . [۲۶۵۵ : ۲۹۵۸ : ۷۰۲۰]

تراجم رجال

(۱) عثمان

یہ مشہور محدث عثمان بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) جریر

یہ جریر بن عبد الحمید بن قرطبی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)

(۱) قولہ: ”عن أبي موسى“: الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج ۱ ص ۳۹۴)، كتاب الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۲۸۱۰)، و(ج ۱ ص ۴۴۰) كتاب فرض الخمس، باب من قاتل للمغنم، هل ينقص من أجره؟ رقم (۳۱۲۶)، و(ج ۲ ص ۱۱۱) كتاب التوحيد، باب: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾ رقم (۷۴۵۸)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله، رقم (۴۹۱۹-۴۹۲۲)، والنسائي في سننه، في كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۳۱۳۸)، وأبو داود في سننه، في كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۲۵۱۷)، والترمذي في جامعه، في كتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فيمن يقاتل رياء، وللدنيا، رقم (۱۶۴۶)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الجهاد، باب النية في القتال، رقم (۲۷۸۳)۔

(۲) كشف الباري (ج ۳ ص ۲۲۹)۔

(۳) كشف الباري (ج ۳ ص ۲۳۰)۔

(۳) منصور

یہ مشہور محدث ابوعتاب منصور بن المعتمر السملی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

(۴) ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن مسلم اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أي الإسلام أفضل“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم

ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔

”رجل مبهم“ سے کون مراد ہے؟

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے قال أعرابي للنبي صلى الله عليه وسلم۔ (۴) یہ اعرابی

یا ”رجل مبهم“ کون ہے؟

طبرانی کی ایک روایت میں ہے ”عن أبي موسى أنه قال: يا رسول الله.....“ (۵) اس سے معلوم

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۲۳۲)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۵۵۹)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۶۹۰)۔

(۴) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۴۴۰) کتاب فرض الخمس، باب من قاتل للمغنم هل ينقص من أجره؟ رقم (۳۱۲۶)

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۸) کتاب الجہاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا۔

ہوتا ہے کہ سائل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ”وہم“ ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری اگرچہ اپنا نام مبہم رکھ کر روایت تو کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات بہت بعید ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ”اعرابی“ کہا ہو۔ (۱)

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے ”أنہ قال: یا رسول اللہ، کل بنی سلمۃ یقاتل، فمنہم من یقاتل ریاً.....“۔ (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو ”اعرابی“ قرار دینا ممکن نہیں، اس لئے یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر ثابت ہو تو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے گا۔ (۳)

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں ”رجل مبہم“ یا ”اعرابی“ سے حضرت لاحق بن ضمیرہ رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں، جن کی روایت ابو موسیٰ المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے ”وفدت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فسألتہ عن الرجل یلتمس الأجر والذکر، فقال: لا شیء لہ (۴)۔“ واضح رہے کہ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے (۵) واللہ اعلم۔

فقال: یا رسول اللہ، ما القتال فی سبیل اللہ؟ فإن أحدنا یقاتل غضباً، ویقاتل حمیۃ۔

اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑنا کون سا لڑنا ہے؟ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی غیرت کی وجہ سے لڑتا ہے۔

(۱) فتح الباری (ج ۶ ص ۲۸)۔

(۲) نقلہ الحافظ عن ”فوائد أبي بكر بن أبي الحديد“ انظر فتح الباری (ج ۶ ص ۲۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے ”الرجل یقاتل للمغنم، والرجل یقاتل للذکر، والرجل یقاتل لیری مکانہ.....“ کہ ”آدمی غنیمت کے مال کے واسطے لڑتا ہے، آدمی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور آدمی ریاکاری اور دکھاوے کے لئے لڑتا ہے۔“

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کا سبب پانچ چیزیں ہیں غضب، حمیت، غنیمت، شہرت، ریاکاری۔ (۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غضب کا مال جلب منفعت ہے اور غیرت اور حمیت کا مال دفع مضرت۔ (۲)

فرفع إلیہ رأسہ
آپ نے اس شخص کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا۔

قال: وما رفع رأسہ إلا أنه کان قائماً

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے سر مبارک اسی لئے اٹھایا تھا کہ وہ شخص کھڑا تھا۔

اس جملہ کے قائل کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوں گے، اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا قائل کوئی اور راوی ہو۔ (۳)

یہیں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ اخذ فرمایا ہے ”من سأل وهو قائم عالماً جالساً۔“

فقال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله عز وجل

آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس بات کے پیش نظر قتال کیا ہو کہ اللہ جل جلالہ کا کلمہ اور اس کا دین ہی

(۱) قاله الحافظ رحمه الله تعالى في الفتح (ج ۶ ص ۲۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

سر بلند ہو تو وہ ”فی سبیل اللہ“ ہے یعنی اس کا لڑنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں سمجھا جائے گا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے کہ مختصر سا جملہ ہے، اس میں شان جامعیت

نمایاں ہے۔

آپ سے جب پوچھا گیا کہ انسان بہت سے امور مثلاً غضب، غنیمت، شہرت، ریا کاری کی بنیاد پر قتال کرتا ہے ان میں سے کون سی صورت اللہ کے راستے میں سمجھی جائے گی؟ تو آپ نے جواب میں نہ تو یہ فرمایا ان میں سے کوئی بھی صورت اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں اور نہ ہی آپ نے یہ فرمایا کہ یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں داخل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک صورت میں مدح کا پہلو بھی نکل سکتا ہے اور ذم کا پہلو بھی، اگر آپ اثبات میں جواب دیتے تو جو ذم کا پہلو تھا وہ بھی ”فی سبیل اللہ“ میں داخل ہو جاتا اور اگر آپ نفی میں جواب دیتے تو ”مدح“ کا پہلو بھی منفی ہو جاتا، اس لئے آپ نے مستقلاً ارشاد فرمایا کہ کسی بھی وجہ کو سامنے رکھ کر قتال کرے، ضروری ہے کہ اللہ جل جلالہ کے کلمہ کی سر بلندی مقصود ہو اور نیت خالص ہو۔ (۱)

حاصل یہ ہے کہ قتال کا سبب کبھی تو قوت عقلیہ ہوتی ہے، کبھی قوت غصیبہ اور کبھی قوت شہوانیہ، ان میں سے ”فی سبیل اللہ“ ہونے کی صلاحیت صرف قوت عقلیہ میں ہے (۲)۔

قتال میں اعلاء کلمۃ اللہ

کے علاوہ کسی اور غرض کی نیت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد اور مجاہدین کے جو فضائل وارد ہیں وہ سب ان مجاہدین کے لئے ہیں جو کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے جہاد و قتال کرتے ہوں لہذا ”من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ عزوجل“ کا مطلب ہوگا ”لا یکون فی سبیل اللہ إلا من کان سبب قتالہ طلب إعلاء“

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۲۲) و (ج ۶ ص ۲۹)۔

(۲) فتح الباری (ج ۶ ص ۲۹)۔

کلمۃ اللہ فقط۔ یعنی جس شخص کا سبب قتال فقط اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا اس کا قتال فی سبیل اللہ سمجھا جائے گا اور اگر اس میں مذکورہ اسباب میں سے کسی سبب کا اضافہ کر دیا تو وہ فی سبیل اللہ نہیں رہے گا۔

لیکن اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جو شخص قصد تو اعلاء کلمۃ اللہ کا کرتا ہے تاہم ضمناً نہ اصلاً اور مقصوداً کسی اور سبب کی نیت بھی کر لیتا ہے تو یہ بھی ”فی سبیل اللہ“ کے اندر داخل ہے، اس سے خارج نہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، جمہور علماء اور حضرات محققین کی بھی یہی رائے ہے (۱)۔ واللہ اعلم

ابو الولید بن الشنہ حلبی حنفی کا ایک واقعہ

امیر تیمور لنگ نے اپنی سلطنت کی توسیع کا ارادہ کیا اور بلادِ اسلامیہ کو یکے بعد دیگرے اپنے قبضہ میں کرنا شروع کیا۔

جب بلادِ شامیہ میں پہنچا اور حلب میں کشت و خون کیا تو اس موقع پر اس نے وہاں کے علماء و اعیان کو بلایا، ان کے سامنے اپنا سوال رکھا کہ یہ قتال فی سبیل اللہ ہے یا نہیں؟ اور پھر دونوں طرف کے مقتولین کہاں ہونگے؟ جنت میں یا جہنم میں؟

علامہ ابن الشنہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست ذہانت کا مظاہرہ فرمایا، اس لئے کہ اگر خدا نخواستہ اگر کہہ دیتے کہ ”قتلاکم فی النار“ کہ تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں تو تیمور لنگ ناراض ہوتا اور وہ اس کے زیرِ عتاب آجاتے اور اگر کہہ دیتے ”قتلانا“ یعنی ہمارے مقتولین جہنم میں ہیں تو پھر خطرہ تھا کہ تیمور کہتا کہ پھر تم نے اپنے لوگوں کو قتال سے روکا کیوں نہیں؟

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بات ڈال دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث سنا دی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے گا وہ حقیقی مجاہد اور جہاد کے فضائل کا مستحق ہو گا۔ امیر تیمور خاموش ہو گئے (۲)۔

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۶ ص ۲۹)۔

(۲) دیکھئے الصمد اللامع (ج ۱ ص ۴)۔

۴۶ - باب : السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمِي الْجِمَارِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

باب سابق اور اس باب میں مناسبت بالکل واضح ہے، کیونکہ گذشتہ باب میں جس طرح سوال عن العلم مذکور ہے اسی طرح اس باب میں بھی سوال کا ذکر ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر عالم مشغول ہو تو مشغولی کی حالت میں اس سے سوال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنی مشغولی میں بالکل مستغرق نہ ہو۔ (۱)
حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف لفظ ”سؤال“ پر نظر کی، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں سوال کے ساتھ لفظ ”فتیا“ کا بھی ذکر کیا ہے، ”سؤال“ طالب کا کام ہے اور ”فتیا“ عالم کا، اس لئے ترجمہ کی غرض ایسی بیان کرنی چاہئے جس میں ان دونوں لفظوں کا لحاظ ہو۔

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر عالم مشغول ہو تو اس سے اس حالت میں سوال کیا جاسکتا ہے اور وہ مشغولی ہی کی حالت میں جواب بھی دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی مشغولیت ایسی ہو کہ اس میں جواب دینا جائز ہو۔ (۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب اور گذشتہ باب دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۳)۔

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطل (ج ۱ ص ۲۰۴)، وشرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۴۹)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۸)۔

تراجم رجال

(۱) ابو نعیم

یہ مشہور محدث ابو نعیم الفضل بن ذکین الملائکی الکوفی الا حول رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب فضل من استبرأ لدينه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) عبد العزیز بن ابی سلمہ

یہ مشہور فقیہ و محدث عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ الماحشون المدنی التیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو الاصبغ ہے، ان کے دادا ابو سلمہ کا نام میمون یا دینار ہے۔ (۲)

یہ امام زہری، محمد بن المنکدر، وہب بن کیسان، ہلال بن ابی میمونہ، اپنے چچا یعقوب بن ابی سلمہ، سہیل بن ابی صالح، عبد الرحمن بن القاسم بن محمد، عبد اللہ بن الفضل الهاشمی، عبد اللہ بن دینار، سعد بن ابراہیم، ہشام بن عروہ اور ایوب سختیانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن طہمان۔ وهو من أقرانه۔ زبیر بن معاویہ، لیث بن سعد، وکیع بن الجراح، عبد الرحمن بن مہدی، عبد اللہ بن وہب، ابوداؤد طیالسی، ابوسلمہ التبوذکی اور ابو نعیم الفضل بن ذکین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۳)

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا ”عبد العزیز بن الماحشون هو مثل الليث و ابراهيم بن سعد؟“ تو انہوں نے فرمایا:

”لا، هو دونهما، إنما كان رجلاً يقول بالقدر والكلام، ثم تركه وأقبل إلى السنة ولم

يكن من شأنه الحديث، فلما قدم بغداد كتبوا عنه، فكان بعد يقول: جعني أهل بغداد

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۶۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۱۵۲)۔

(۳) شیخ، تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۱۵۳ و ۱۵۴)۔ وسیر اعلام النبلاء (ج ۷ ص ۳۰۹ و ۳۱۰)۔

محدثاً، وکان صدوقاً ثقة۔ (۱)

یعنی ”عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا مقام لیث بن سعد اور ابراہیم بن سعد سے کمتر ہے، یہ پہلے قدریہ کی طرح کے نظریات رکھتے تھے، پھر ان کو چھوڑ کر سنت کی طرف آ گئے، حدیث کا اشتغال بہت زیادہ نہیں رکھتے تھے، البتہ جب بغداد گئے تو وہاں لوگوں نے ان سے کثرت سے حدیثیں لکھیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ اہل بغداد نے مجھے محدث بنا دیا، وہ صدوق اور ثقہ تھے۔“

امام ابو زرہ، امام ابو حاتم، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة۔“ (۲)

ابن خراش کہتے ہیں ”صدوق۔“ (۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وکان ثقة کثیر الحدیث۔“ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة مشہور“ (۵) نیز وہ فرماتے ہیں ”وکان إماماً معظماً۔“ (۶)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة مأمون رجل صالح۔“ (۷)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حافظ۔“ (۸)

امام احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان نزہاً، صاحب سنة، ثقة۔“ (۹)

امام ابوبکر البرز از رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة۔“ (۱۰)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۵۶)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) لطائف الاثر (ج ۷ ص ۳۲۳)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۶۲۹) رقم (۵۱۰۵)۔

(۶) مکشوف (ج ۱ ص ۶۵۶) رقم (۳۳۹۵)۔

(۷) معارف تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۵۷)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۴۴)۔

(۱۰) حوالہ بالا۔

امام اشہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ہو أعلم من مالک“۔ (۱)

موسیٰ بن ہارون الجمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ثبنا متقنا“۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة فقیہ مصنف“۔ (۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وکان فقیہا، ورعا،

متاعاً لمذہب أهل الحرمین من أسلافہ، مفرعاً علی أصولہم، ذاباً عنہم“۔ (۴)

بشر بن السری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”لم یسمع ابن أبی ذئب ولا الماحشون من الزہری“۔ (۵)

لیکن احمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مطلقاً سماع کا انکار درست نہیں معلوم ہوتا، بلکہ مطلب یہ

ہے کہ عبدالعزیز نے امام زہری سے عرضا حدیثیں لی ہیں۔ (۶)

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے ”سمع الزہری“۔ (۷)

لفظ ”ماحشون“ کی تحقیق

”ماحشون“ بعض حضرات نے اس کے جیم کو مکسور پڑھا ہے، بعض نے مفتوح، بلکہ بعض حضرات اس پر

تینوں حرکتیں درست قرار دیتے ہیں۔ (۸)

پھر وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ اصحابان گئے تھے، وہاں لوگوں سے حال احوال

(۱)۔۵۰۱۔۵۰۲۔

(۲)۔۵۰۱۔۵۰۲۔

(۳)۔تہذیب التہذیب (ص ۳۵۷) رقم (۴۱۰۴)۔

(۴)۔الطبقات لاس حبان (ج ۷ ص ۱۱۱)۔

(۵)۔تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۱۵۶)۔

(۶)۔حوالہ بال۔

(۷)۔الدرر النجیہ (ج ۶ ص ۱۳) رقم (۱۵۳۰)۔

(۸)۔دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۳۵۷) رقم (۴۱۰۴)، والمعنی فی ضبط أسماء الرجال (ص ۷۷ و ۷۸)۔

دریافت کرنے کے لئے ”چونی چونی“ (تم کیسے ہو؟) کہتے تھے، اس لئے ان کا لقب ”ماجشون“ پڑ گیا۔
 جبکہ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ یہ فارسی سے معرب ہے، اصل میں ”ماہ گون“ تھا، یعنی چاند کے رنگ کا،
 چونکہ ان کے دونوں رخسار سرخ تھے، اس لئے ان کو ”ماہ گون“ کہا جاتا تھا، اس کو معرب کر کے ”ماجشون“ بنا
 لیا گیا۔ (۱)

عبدالعزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۶۴ھ میں ہوا۔ (۲)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۳) الزہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی
 تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) عیسیٰ بن طلحہ

یہ ابو محمد عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ قرشی تیمی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب
 الفتيا وهو واقف على اندابة وغيرها“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۵) عبد اللہ بن عمرو

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم
 المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۵)

(۱) مکتبہ تہذیب الکمال (ج ۱۸ ص ۱۵۵)، وسیر أعلام النبلاء، (ج ۷ ص ۳۱۰)۔

(۲) الکشاف (ج ۱ ص ۶۵۶)، رقم (۳۳۹۵)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

(۴) کشف الباری (ج ۳ ص ۴۰۳)۔

(۵) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۹)۔

قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم عند الجمرة وهو يسئل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”جرمہ“ کے پاس دیکھا کہ آپ سے پوچھا جا رہا تھا۔

”الجرمہ“ میں الف لام یا تو جنس کے لئے ہے، لہذا کوئی بھی جمرہ ممکن ہے، یا عہد کے لئے ہے اور مراد جمرہ العقبہ ہے کیونکہ ”الجرمہ“ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا اطلاق جمرہ العقبہ پر ہوتا ہے۔ (۱)

ترجمة الباب پر اشکالات

بعض حضرات نے ترجمہ الباب پر یہ اشکال کیا ہے کہ حدیث باب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ سوال حالت رمی میں ہوا تھا، بلکہ اس میں صرف اتنی بات ہے کہ آپ جمرہ کے پاس تھے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر عموم سے تمسک فرماتے ہیں اور سوال عند الجمرہ عام ہے خواہ اشتغال بالرمی کی حالت میں ہو یا اس سے فارغ ہونے کی حالت میں، اس لئے ترجمہ پر کوئی اشکال نہیں۔ (۲)

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ الباب پر اشکال کیا ہے کہ ترجمہ میں جو مکان کی تصریح کی گئی ہے اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ سوال و جواب میں مکان کی تخصیص کے کیا معنی ہیں؟ پھر تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ”باب السؤال والمسئول علی الراحلة“ اور ”باب السؤال يوم النحر“ بھی قائم کرنا چاہئے تھا۔

علامہ اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تک ترجمہ کے بے فائدہ ہونے کی بات کی ہے وہ درست نہیں۔ ابھی پیچھے ہم اس کے فوائد ذکر کر چکے ہیں۔

البتہ انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ ان کو یہ ابواب بھی قائم کرنے چاہئیں سو ”باب السؤال والمسئول علی الراحلة“ کے مضمون کا ترجمہ منعقد کر دیا ہے ”باب الغنم وهو

واقف علی الدابة وغيرها“۔

(۱) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۹۸)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۳)۔

اور باب السؤال يوم النحر کے جس ترجمہ کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے وہ واقعی اہم ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ يوم النحر يوم اكل وشرب ولہو ہے، لہذا اس دن تعلیم و تعلم میں مشغولی نہیں ہونی چاہئے تو اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ ترجمہ قائم فرماتے تو کہا جاتا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ اگرچہ یہ دن کھانے پینے اور کھیل تماشے کا ہے، تاہم علم حاصل کرنا جائز ہے، یہ لہو کے منافی نہیں ہے، بلکہ لہو میں مشغول ہونے کے بجائے علم میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔ (۱)

فقال: رجل يا رسول الله، نحررت قبل أن أرمي، قال: ارم ولا حرج، قال آخر: يا رسول الله، حلقت قبل أن أنحر، قال: انحر ولا حرج، فما سئل عن شيء، قدم ولا آخر إلا قال: افعل ولا حرج۔

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں نے رمی سے پہلے نحر کر لیا، آپ نے فرمایا اب رمی کر لو، کوئی حرج نہیں، ایک دوسرے نے پوچھا یا رسول اللہ! میں نے نحر کرنے سے پہلے حلق کر لیا، آپ نے فرمایا اب قربانی کر لو، اس میں کوئی حرج نہیں، آپ سے کسی بھی چیز کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کر لو، کوئی حرج نہیں۔

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے اور وہیں اس سے متعلقہ مباحث تفصیل سے آچکے ہیں، فلیرجع إلیہ۔ (۲)

حدیث باب کا

ترجمۃ الباب پر انطباق

پیچھے اشارۃً گزر چکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”رأيت النبي صلى الله عليه وسلم عند الجمرة وهو يسئل“ کے عموم سے ترجمہ ثابت کیا ہے کہ آپ جمرہ کے پاس تھے خواہ رمی میں مشغول تھے یا رمی سے فارغ تھے۔ واللہ اعلم

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۴۰۵-۴۱۰) کتاب العلم، باب الغنایہ وهو واقف علی الدایۃ وغیرہا۔

۴۷ - باب : قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : «وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا» .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

دونوں ابواب میں مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں میں سوال کرنا مذکور ہے، البتہ پہلے باب میں مسئلہ مذکور ہے کہ سائل کو اس کے علم کی احتیاج ہے، جبکہ اس باب میں مسئلہ کا ذکر نہیں ہے۔ (۱)

ترجمة الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ملائکہ میں بھی کسی کو مطلع نہیں کیا۔ (۲)

اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب یہودیوں کے سامنے آپ نے ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۳) والی آیت پڑھی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ خطاب صرف ہمارے لئے ہے یا آپ بھی اس میں داخل ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ”بَلْ نَحْنُ وَأَنْتُمْ لَمْ تَوْتِ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“۔ (۴)

اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو اس باب کو ”کتاب الایمان“ میں ذکر کرنا چاہئے تھا، کیونکہ اس کا تعلق مسائل اعتقادیہ سے ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق کتاب العلم سے بھی ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ”کتاب العلم“ میں ذکر کیا ہے۔

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الإسراء: ۸۵۔

(۴) عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۹۹)۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ آدمی کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اور خلاف تواضع سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ جب سب مخلوقات کا علم مل کر بھی قلیل ہے تو ایک ایک فرد کے علم کی قلت و حقارت کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں، حکماء نے کہا ہے کہ کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر بالبداہت اس کا جہل علم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، یعنی آدمی کا علم تنہا ہی اور جہل غیر تنہا ہی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ علماء کو اپنے علم کی قلت اور حقارت ملحوظ رکھنی چاہئے اور خلاف تواضع سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ (۱)

مذکورہ باب اور گزشتہ

ایک باب کے درمیان فرق

اس کے بعد سمجھئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے جو ایک باب گزرا ہے ”باب ما يستحب للعالم إذا سئل أي الناس أعلم؟ فيكمل العلم إلى الله“ اس کی غرض بھی یہی بیان کی تھی کہ علماء کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اور یہاں اس باب کی غرض بھی یہی بیان کی گئی ہے، آخر دونوں میں فرق کیا ہے؟ ان دونوں ابواب میں یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ گزشتہ باب یعنی ”ما يستحب للعالم.....“ سے تواضع کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی تواضع اس لئے اختیار کرنی چاہئے کہ آدمی کا علم جتنا بھی بڑا ہو وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کو خطاب کرتا ہے ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾۔ تم سب کا علم قلیل ہے، ساری مخلوق کا علم قلیل ہے تو ایک شخص کے علم کی کیا حیثیت ہے؟

یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تواضع کی تعلیم و تبلیغ تو اس باب سے کی ہے اور ”باب ما يستحب.....“ سے ادب سکھایا ہے، یعنی بہت سے علماء جمع ہوں اور اتفاق سے کسی شخص سے یہ پوچھا جائے ”أي الناس أعلم؟“ تو عالم جواب کس طرح دے، حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے حوالے کرنا چاہئے اور کہنا چاہئے ”اللہ أعلم“ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون زیادہ عالم ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ اولیٰ کی غرض تو اضع للعلماء ہے، یعنی کسی عالم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو علم الناس سمجھے، اگرچہ واقعی وہ اعلم ہو، جبکہ حضرات رسل علیہم السلام اپنی امتوں کے مقابلہ میں اعلم ہیں، پھر بھی ان کو ”ای الناس اعلم“ کے جواب میں ”اللہ اعلم“ کہنے کی تلقین کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ واضح طور پر تواضع ہے، جبکہ اس ترجمہ کی غرض اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں مخلوقات حتیٰ کہ انبیاء و رسل کے علم کی قلت بیان کرنی ہے، جو قطعی اور یقینی ہے۔ اس طرح دونوں تراجم میں فرق ہو جاتا ہے (۱) واللہ اعلم۔

۱۲۵ : حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ ،

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ ، وَهُوَ تَوَكَّأَ عَلَى عَصِيبٍ مَعَهُ ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ : سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَا تَسْأَلُوهُ . لَا يَجِيءُ فِيهِ شَيْءٌ تَكْرَهُونَهُ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَسْأَلْنَاهُ ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ : يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، مَا الرُّوحُ ؟ فَسَكَتَ ، فَقُلْتُ : إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ ، فَقُمْتُ ، فَلَمَّا أُنْجِلَى عَنْهُ ، فَقَالَ : «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا» . قَالَ الْأَعْمَشُ : كَذًا فِي قِرَاءَتِنَا . [۷۰۲۴ : ۷۰۱۸ : ۶۸۶۷ : ۴۴۴۴]

تراجم رجال

(۱) قیس بن حفص

یہ ابو محمد قیس بن حفص بن القعقاع التمیمی الدارمی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

(۱) انکر المتواری (ج ۲ ص ۳۸۱ و ۳۸۲)۔

(۲) قولہ: ”عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ“: الحدیث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج ۲ ص ۶۸۶) كتاب التفسير، سورة الإسراء، باب: ”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ“، رقم (۴۷۲۱)، و (ج ۲ ص ۱۰۸۳) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه، رقم (۷۲۹۷)، و (ج ۲ ص ۱۱۱۱) كتاب التوحيد، باب: ”وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ“، رقم (۷۴۵۶)، و باب قول الله تعالى: ”وَالسَّافِلِينَ أُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ“، رقم (۷۴۶۲)، ومسلم في صحيحه، في كتاب صفات المنافقين، باب سؤال اليهود النبي ﷺ عن الروح، وقوله تعالى: ”وَيَسْأَلُونَكَ“ عن الروح، رقم (۷۰۵۹-۷۰۶۱)، والترمذي في جامعه، في أبواب التفسير، باب: ”ومن سورة في إسرائيل“، رقم (۳۱۴۱)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۲۴)، رقم (۵۸۹۹)۔

یہ اسماعیل بن علیہ، عبدالواحد بن زیاد، ہشیم بن بشیر، معتمر بن سلیمان، عبدالوارث بن سعید، یزید بن زریع اور ابوعوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابو داؤد، احمد بن الحسن الترمذی، ابوزرعد، ابوحاتم، یعقوب بن سفیان، عبدالعزیز بن معاویہ اور فضل بن محمد شعرائی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۱)

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۲)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لا بأس به“۔ (۴)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شیخ“۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے ”يعرب“۔ (۶)
یعنی ”یہ تفرد اختیار کرتے اور غریب احادیث لاتے ہیں“۔

غالباً انہی سے متاثر ہو کر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ”ثقة له أفراد“۔ (۷)

جبکہ ان کے بارے میں ”يعرب“ کی تصریح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا تفرّد ہے، ورنہ باقی کسی نے بھی

ان پر کلام نہیں کیا، جیسا کہ اوپر ان حضرات کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں۔ (۸)

۲۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۹)
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۲۲ و ۲۳)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۲۳)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۳۹۰)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۲۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الثقات لایں حبان (ج ۹ ص ۱۵)۔

(۷) تفریب التہذیب (ص ۴۵۶)، رقم (۵۵۶۹)۔

(۸) دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (ج ۳ ص ۱۸۶)، رقم (۵۵۶۹)۔

(۹) دیکھئے حاشیۃ المسند ابن العجمی علی الکاشف (ج ۲ ص ۱۳۹)، رقم (۵۵۹۹)۔

(۲) عبدالواحد

یہ ابوبشر یا ابو عبیدہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، "باب الجہاد من الایمان" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۳) الأعمش سلیمان بن مہران

یہ امام ابو محمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۴) ابراہیم

یہ مشہور تابعی امام وفیقہ ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۵) علقمہ

یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ و امام ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبد اللہ بن مالک نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۶) عبد اللہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان، "باب

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۰۱)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۱)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۳)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۶)۔

ظلم دون ظلم“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

قال: بینا أنا أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في خرب المدينة

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے کھنڈرات سے گذر رہا تھا۔

خرب: خاء معجمہ کے فتح اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور ”خریبة“ کی جمع کے طور پر بھی مستعمل ہے، جیسے ”کلمة“ اور ”کلم“۔ (۲)

اس لفظ کو خرب (بکسر الخاء المعجمة وفتح الراء المهملة) بھی ضبط کیا گیا ہے۔ (۳)

اس کے معنی ویران اور کھنڈر کے ہیں۔

صحیح بخاری کے اس مقام پر تو یہ لفظ ایسا ہی ہے، یعنی ”خرب“ جبکہ اس کے علاوہ دیگر مقامات میں ”حرث“ واقع ہوا ہے۔ (۴)

اسی طرح صحیح مسلم میں بھی ”حرث“ واقع ہوا ہے۔ (۵) البتہ اس کے ایک طریق میں ”نخل“ وارد ہے۔ (۶)

ان تمام روایات میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ وہ اصل میں کھنڈر ہا ہو، بعد میں وہاں کھیتی ہونے لگی ہو اور کچھ لوگوں نے کھجور کے درخت لگا دیے ہوں اور کھنڈر کے کچھ آثار باقی ہوں۔ واللہ اعلم

وهو يتوكأ على عسيب معه

آپ کھجور کی ایک چھڑی پر جو آپ کے ساتھ تھی ٹیک لگاتے جا رہے تھے۔

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۷)۔

(۲) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۰)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۲۴)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۰)۔

(۴) پیچھے ہم نے اس حدیث کی تخریج کر دی ہے، فلیراجع الیہ۔

(۵) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب سؤال اليهود النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح، رقم (۷۰۵۹) و (۷۰۶۰)۔

(۶) حوالہ بالا، رقم (۷۰۶۱)۔

علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھجور کی شاخ کو ”سَعَف“ کہتے ہیں، پھر ”سَعَف“ میں جڑ کا جو چوڑا حصہ ہے، اس کو ”کَرَب“ کہتے ہیں، اس سے اوپر وہ حصہ جس پر کھجور کے پتے نہ ہوں ”عَسِيب“ کہلاتا ہے اور اس کے آگے جس حصہ پر پتے ہوں وہ بھی ”سَعَف“ کہلاتا ہے۔ (۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”عَسِيب“ کھجور کی وہ شاخ ہے جس سے پتے صاف کر لئے گئے ہوں۔ (۲)

فمر بنفر من الیہود

کہ آپ یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے۔

بخاری شریف کے دیگر مقامات میں اسی طرح ہے ”مر بنفر من الیہود“ البتہ کتاب التفسیر والے طریق میں ہے ”إذ مر الیہود“ (۳) نیز طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ”إذ مررنا علی یہود“ (۴) آیا ہے۔

ان دونوں قسموں کی روایات کے درمیان تطبیق یوں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ راستے میں ملاقات ہوئی ہو کہ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ جارہے ہوں اور ادھر سے یہودی آرہے ہوں۔

فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، وقال بعضهم: لا تسألوه، لا یجعی فیہ

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۰۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

فائدہ: کھجور کا درخت: نخلة، تنہ: جذع النخلة، چھال اور ریشے: ليف، شاخ کا ٹٹے کے بعد جو حصہ تنے کے ساتھ رہ جائے: کبرناف، شاخ کی جڑ کا چوڑا حصہ: کَرَب، شاخ کا باریک حصہ: عَسِيب، پوری شاخ: سَعَف، پتے: خوص۔ دیکھئے القاموس الوحید۔

کھجور کا گچھا: كباسة، قنؤ، علق، گچھے کی بیج کی ڈنڈی جہاں سے مڑ جائے: غرجون، کھجوریں جن کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں: شماریخ (مفرد: شمروخ یا شمراخ)۔

پھر کھجوروں کی ترتیب یہ ہے: طلع، بلح، بُسر، زُهو، مَقو، رُطب، تمر۔ دیکھئے کفاية المتحفظ (ص ۳۸) وفقہ اللغة (ص ۲۷۱) والمعجم العربية الأخری۔

(۳) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۶۸۶) كتاب التفسير، سورة بنی اسرائیل، باب: ویسألونک الروح، رقم (۴۷۲۱)۔

(۴) تفسیر الطبری (ج ۱ ص ۶۸) تحت تفسیر قوله تعالى: ویسألونک عن الروح۔

بشيء تکرهونه، فقال بعضهم: لنسألنه، فقام رجل منهم، فقال: يا أبا القاسم، ما الروح؟ فسكت، فقلت: إنه يوحى إليه، فقلت، فلما انجلى عنه، فقال: ﴿يسئلونك عن الروح، قل الروح من أمر ربي، وما أوتوا من العلم إلا قليلاً﴾

یہودیوں میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو، ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ان سے سوال مت کرو، ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات کہہ دیں جس سے تمہیں ناگواری یا شرمندگی ہو، کچھ نے کہا کہ نہیں! ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے ایک اٹھا اور کہا اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ خاموش ہو گئے، میں نے کہا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، میں کھڑا ہو گیا، پھر جب وحی کے آثار ختم ہو گئے تو آپ نے فرمایا ﴿یسئلونک.....﴾ یعنی یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور ان لوگوں کو کم ہی علم ملا ہے۔

واقعہ مذکورہ مدینہ منورہ

میں پیش آیا مکہ مکرمہ میں؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔

جبکہ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا،

کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

”قالت قریش ليهود: أعطونا شيئاً نسأل عنه هذا الرجل، فقال: سلوه عن الروح،

فأنزل الله تعالى: ﴿يسئلونك عن الروح، قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم

إلا قليلاً﴾، قالوا: أوتينا علماً كبيراً، أوتينا التوراة، ومن أوتي التوراة فقد أوتي خيراً

كثيراً، فأنزلت: ﴿قل لو كان البحر مداداً لكلمت ربي لنفد البحر.....﴾ إلى آخر

الآية (۱) (اللفظ للترمذی)۔

یعنی ”قریش نے یہود سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی چیز دو کہ ہم اس شخص (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کر سکیں، یہودیوں نے کہا کہ ”روح“ کے بارے میں سوال کرو، سو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ﴿يَسْأَلُونَكَ﴾ آپ سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور تمہیں تو کم ہی علم دیا گیا ہے۔ یہود کہنے لگے کہ ہمیں تو بڑا علم دیا گیا ہے!! ہمیں تو تورات دی گئی ہے!! اور جس کو تورات دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی (کیونکہ اس میں حکمت و دانش ہے اور جسے حکمت و دانش کی باتیں دی گئیں اسے خیر کثیر سے نوازا گیا) اس پر آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ لَوْ كَانَ﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے واسطے روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے اور میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ آیت سورہ بنی اسرائیل کی ہے جو مکیۃ النزول ہے۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی ہے، ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور ایک دفعہ مدینہ منورہ میں۔ (۲)

مگر حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ ہی کا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ناطق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آچکا ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دے دیا گیا ہوتا تو آپ یہودیوں کے سوال پر سکوت کیوں فرماتے؟ بلکہ فوراً جواب دے دیتے، آپ کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تک آپ کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں دیا گیا۔ (۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مکیۃ النزول ہونے پر دلالت کرنے والی ان روایات کو یکسر رد کرنا ممکن نہیں،

(۱) دیکھئے الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (ج ۱۰ ص ۲۰۳)، تفسیر سورۃ الاسراء۔

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر (ج ۳ ص ۶۰)، سورۃ الاسراء، و يسألونك عن الروح۔

(۳) دیکھئے کتاب الروح لابن القيم (ص ۳۶۶)۔

کیونکہ یہ کم از کم حسن ضرور ہیں، بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”رجالہ رجال مسلم“۔ (۱)

لہذا اب یا تو تعدد نزول کا قول اختیار کر کے دونوں روایات کو جمع کیا جائے۔

جہاں تک ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کا تعلق ہے، سو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں دوبارہ سوال ہوا تو آپ مزید بیان کے انتظار میں خاموش ہو گئے کہ شاید اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان آجائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نے آکر بتا دیا کہ یہی آیت پڑھ دیجئے۔ (۲)

اور یا صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ جمع ممکن ہو تو فہما وإلا فما فی الصحیح أصح۔ (۳) واللہ أعلم

خلاصہ کلام

بہر حال خلاصہ یہ نکلا کہ صحیحین کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو مسند احمد اور جامع ترمذی میں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مکہ مکرمہ کا اور آیت مکیۃ النزول ہے۔

اب یا تو ترجیح کا طریق اختیار کیا جائے، جیسا کہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے یا اس کو جمع کیا جائے اور تعدد النزول کا قول اختیار کیا جائے۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک اور بات بھی کہی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات بے حد مضطرب ہیں۔ (۴)

اب یا تو یہ کہا جائے کہ ان کے تلامذہ کے بیانات مختلف ہو گئے اور یا یہ کہا جائے کہ خود ان کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۱) کتاب التفسیر، باب: ویسألونک عن الروح۔

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر (ج ۳ ص ۶۰)۔

(۳) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۱)۔

(۴) کتاب الروح لابن القیم (ص ۳۶۶)۔

گویا اب مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات میں اختلاف ہے لہذا اس کے مقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت (جو صحیحین کی روایت ہے) رائج ہوگی۔ (والعلم عند اللہ سبحانہ و تعالیٰ)

روح سے متعلق چند مباحث

بحث اول

یہاں پہلی بحث یہ ہے کہ یہودیوں نے جس ”روح“ سے متعلق سوال کیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) سب سے مشہور قول یہ ہے کہ روح حیات کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام فخر الدین رازی، قاضی ابوبکر بن العربی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار کیا ہے (۱)، علامہ خطابی (۲)، علامہ کرمانی (۳) رحمہم اللہ تعالیٰ نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں روح انسانی سے متعلق سوال کیا تھا۔

”روح حیات“ اور ”روح انسانی“ میں فرق واضح ہے کہ ”روح حیات“ عام ہے کہ اس سے کسی بھی زندہ مخلوق کی روح مراد ہے خواہ وہ انسان ہو یا انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو، جبکہ ”روح انسانی“ خاص ہے، یعنی مخلوق میں سے صرف انسان کی روح۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

(۱) دیکھئے التفسیر الکبیر للرازی (ج ۲۱ ص ۳۶)، وعارضة الأحمدي (ج ۱۱ ص ۲۹۸)۔

(۲) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲)۔

(۳) تہذیب الکرمائی (ج ۲ ص ۱۵۰)۔

(۵) بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۶) بعض نے اس سے مراد ”وحی“ کو قرار دیا ہے۔

(۷) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص فرشتہ ہے جو قیامت کے دن اپنی صف میں تنہا کھڑا ہوگا۔

(۸) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص فرشتہ ہے جس کے گیارہ ہزار پر اور چہرے ہوں گے۔

(۹) ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کی ستر ہزار زبانیں ہوں گی، اور ایک قول کے مطابق اس کے ستر ہزار چہرے ہوں گے، ہر چہرے پر ستر ہزار زبانیں ہوں گی اور ہر زبان کی ہزار لغات ہوں گی، وہ فرشتہ اللہ کی تسبیح کرے گا تو ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوگا، جو دیگر فرشتوں کے ساتھ اڑے گا، اسی طرح ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فرشتہ ایسا ہوگا جس کے دونوں پاؤں تو بالکل نیچے کی زمین میں ہوں گے اور سر عرش کے پائے سے لگ رہا ہوگا۔

(۱۰) ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے مراد بنی آدم ہی کی طرح ایک مخلوق ہے، جس کا نام ”روح“ ہے، یہ مخلوق کھاتی پیتی ہوگی، آسمان سے جب بھی کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے یہ روح بھی اس کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔

(۱۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے ملائکہ کی ایک خاص صنف مراد ہے، جو کھاتی پیتی ہے۔ (۱)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ روح سے متعلق اتنے سارے اقوال جو جمع ہو رہے ہیں یہ اس صورت میں ہیں جب قرآن کریم میں وارد ”روح“ کے معنی کا تتبع کریں، خصوصی طور پر ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ والی آیت میں جو ”روح“ وارد ہے اس کے بارے میں یہ تمام اقوال نہیں ہیں۔ (۲)

ان اقوال میں سب سے مشہور قول پہلا ہی ہے اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

(۱) یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲) میں ابن التین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کئے ہیں نیز دیکھئے تفسیر

قرطبی (ج ۱ ص ۳۲۴) والروض الألف (ج ۱ ص ۱۹۷) وتفسیر ابن کثیر (ج ۳ ص ۶۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲)۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں روح انسانی مراد نہیں ہے، اکثر سلف بلکہ سب کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ”روح“ یعنی عظیم فرشتہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ دیگر فرشتوں کے ساتھ قیامت کے روز کھڑا ہوگا، بنی آدم کی ارواح مراد نہیں ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہودیوں نے جو سوال کیا ہے اس کا مبنی یہ ہے کہ وہ ایسی بات پوچھنا چاہ رہے تھے جس کا علم بدون وحی الہی کے نہ ہو سکے اور وہ وہی ”روح“ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، جبکہ بنی آدم کی ارواح کوئی غیب کی چیز نہیں ہیں اور مختلف لوگوں نے اور مختلف اہل ملل نے ان پر کلام کیا ہے، لہذا ارواح بنی آدم کے متعلق جواب دینا کوئی نبوت کی علامات میں سے نہیں ہے۔ (۱)

حاصل یہ کہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں ”روح“ سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا...﴾ (۲) اور ﴿تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ (۳) میں کیا ہے۔ (۴)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر تبصرہ

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بظاہر بہت قوی ہے، تاہم علی الإطلاق انکار کرنا کہ اس سے مراد روح حیات یا روح انسانی نہیں ہے بہت مشکل ہے۔

آخر اس میں کیا استعجاب ہے کہ اگر فلاسفہ، حکماء اور مختلف طوائف و اہل ملل نے روح کے متعلق گفتگو کی ہو تو کسی نبی سے سوال کیا جائے؟!

فلاسفہ اور حکماء کی باتیں اٹکل کی اور ظنی ہوں گی، اور نبی جو بات کہے گا وہ ثابت، واضح اور مستحکم ہوگی۔

(۱) دیکھئے کتاب الروح (ص ۳۶۳ و ۳۶۴)۔

(۲) سورۃ النسا ۳۸۔

(۳) سورۃ النحل ۱۰۱۔

(۴) کتاب الروح (ص ۳۷۰)۔

لہذا عین ممکن ہے کہ سوال روح انسانی یا روح حیات کے متعلق ہی ہو، اس کی حقیقت معلوم کی گئی ہو کہ یہ روح بدن انسانی میں کس طرح سمائی ہوئی ہے؟! اس کی کیا نوعیت ہے؟! چنانچہ بعض اہل نظر کی رائے یہی ہے کہ امتزاج الروح بالبدن کے متعلق سوال تھا۔ (۱)

بحث دوم

دوسری بحث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کا جواب عطا کیا گیا تھا یا نہیں، یعنی آپ کو روح کی حقیقت بتائی گئی یا نہیں؟

ایک جماعت کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت نہیں بتائی گئی۔

چنانچہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے مہلب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

”هذا يدل على أن من العلم أشياء لم يطلع الله عليها نبياء، ولا غيره، أراد الله تعالى أن يختبر خلقه فيوقفهم على العجز عن علم ما لا يدركون حتى يضطروهم إلى رد العلم إليه، ألا تسمع قوله تعالى: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ فعلم الروح مما لم يشأ تعالى أن يطلع عليه أحد من خلقه“۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ ”یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے نہ کسی نبی کو دیا ہے اور نہ کسی اور کو، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اپنی مخلوق کا امتحان لیں اور جن چیزوں کا ادراک مخلوق نہیں کر سکتی اس سے عاجز ہو جانا سمجھ لے، تاکہ مجبوراً وہ ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔“ ”روح“ کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص کر رکھا ہے، اللہ کی مشیت نہیں ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس سے واقف ہو۔“

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲)۔

(۲) دیکھئے شرح ابن بطل (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آپ کو ”روح“ کا علم دیا گیا تھا، آپ اس کی حقیقت سے واقف تھے، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لَمْ يَنْصَبِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَبِيبُ اللَّهِ وَسَيِّدُ خَلْقِهِ - أَنْ يَكُونَ غَيْرَ عَالِمٍ بِالرُّوحِ، وَكَيْفَ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ وَقَدْ قَالَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ: لَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الرُّوحَ لَا يَعْلَمُ، وَلَا عَلَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُهَا“۔ (۱)

یعنی ”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے حبیب اور مخلوق کے سردار ہیں، آپ کا منصب اور مقام اس بات سے بہت برتر و بالا ہے کہ آپ روح کو نہ جانتے ہوں اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد سے احسان عظیم ظاہر فرمایا ”اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ایسے امور کا علم عطا فرمایا جن کا علم آپ کو پہلے نہیں تھا اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے“ جبکہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ روح کا علم نہیں ہو سکتا اور نہ اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا۔“
امام ابوالقاسم سہلی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (۲)

بحث سوم

یہاں تیسری بحث یہ ہے کہ آپ نے یہودیوں کے سوال کا جواب عنایت فرمایا یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں نے علی وجہ التعنت سوال کیا تھا، تحقیق مقصود نہیں تھی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنا مقصود تھا، اس لئے آپ نے انہیں جواب نہیں دیا۔ (۳)
اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے جواب دیا، اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ﴿قُلْ

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۰۱)۔

(۲) دیکھئے الروض الأنف (ج ۱ ص ۱۹۷)۔

(۳) دیکھئے الروض الأنف (ج ۱ ص ۱۹۷)۔

الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ﴿﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ”روح“ میرے رب کے امر سے ہے، اور ”امر“ سے مراد شریعت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس امر کی جنس سے ہے جس کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا، یعنی ایک دینی اور شرعی چیز ہے، اس کی حقیقت طبیعت، فلسفہ، قیاس اور رائے سے سمجھنا ممکن نہیں بلکہ دین کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوگی، تم دین میں داخل ہو جاؤ، تمہیں خود اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ (۱)

چنانچہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ”روح“ قبض کی جاتی ہے، اس کو عذاب دیا جاتا ہے، وہ متاثر ہوگی، اس کو جنت میں بھیجا جائے گا تو وہاں لذت اندوز ہوگی اور اس طرح کے بہت سے اوصاف نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک جسم لطیف ہے، چنانچہ حضرات علماء محققین فرماتے ہیں کہ روح وہ جسم لطیف ہے جو بدن انسانی میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسے گلاب کا پانی گلاب میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس کی خوشبو اس میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔ (۳) واللہ اعلم۔

بحث چہارم

یہاں ایک بحث ضمنی سی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ ﴿﴾ یہاں ”امر“ کا ذکر ہے، قرآن کریم نے اللہ جل شانہ کے لئے ”امر“ کے ساتھ ساتھ ”خلق“ کو بھی ثابت کیا ہے، ارشاد ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (۴)

”خلق“ و ”امر“ میں کیا فرق ہے؟ اس کو مختصر طور پر سمجھ لیجئے۔

اس میں اختلاف ہے:

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے ”الخلق ما دون العرش والأمر ما فوق

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) التفسیر الکبیر للرازی (ج ۲۱ ص ۴۴)، و کتاب الروح لابن القيم (ص ۴۲۲)۔

(۴) الأعراف / ۵۴۔

ذٰلِكَ۔ (۲)

اسی طرح ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے ”الخلق هو الخلق والأمر هو

الکلام۔ (۳)

ان دونوں تفسیروں میں لفظی فرق ہے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ”امر“ کا تعلق تو عرش کے اوپر سے ہے، خدا کی طرف سے امر نکلتا ہے اور خلق کا تعلق نیچے سے ہے، باقی نیچے تمام مخلوقات ہی مخلوقات ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”فالأجسام ذوات الكمية والمقادير من عالم الخلق، وكل

موجود منزه عن الكمية والمقدار، فإنه من عالم الأمر۔ (۳)

یعنی ”عالم خلق کا تعلق ان اجسام سے ہے جو کمیت اور مقدار والے ہیں اور عالم امر کا تعلق ان موجودات سے ہے جو کمیت اور مقدار سے منزہ ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین بن عربی فرماتے ہیں عالم خلق وہ ہے جو بالواسطہ پیدا ہو، لہذا جس کو اللہ تعالیٰ نے ”کن“ سے پیدا کیا وہ عالم امر کی چیز ہے اور جو چیز کسی اور چیز سے پیدا ہوئی ہو وہ عالم خلق کی چیز ہے۔ (۴)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ عالم امر کا تعلق مجردات سے ہے، اس سے مطلب یہ نکلا کہ عالم خلق مادیات میں سے ہے۔ (۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”لفظ ”امر“ قرآن میں بیسیوں جگہ وارد ہوا ہے اور اس کے معنی میں علماء نے کافی کلام کیا ہے، لیکن ہماری غرض سورہ اعراف کی آیت ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ کی طرف توجہ دلانا ہے، جہاں ”امر“ کو ”خلق“ کے مقابل رکھا ہے، جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک ”امر“ دوسرا ”خلق“۔

(۱) الدر المنثور (ج ۲ ص ۹۲) سورة الأعراف۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) احیاء علوم الدین (۱۳۵۶) کتاب دم العیون۔

(۴) الفتوحات المکیة (ج ۳ ص ۱۷۵) السؤال الثالث والحمسون ومائة۔

(۵) مسائل السلوک علی هامش بیان القرآن تحت آية ”أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ“۔

دونوں میں کیا فرق ہے؟ ہم اس کو سابق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں، پہلے فرمایا ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (۱) (بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا) یہ تو ”خلق“ ہوا، درمیان میں ”استواء علی العرش“ کا ذکر کر کے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے، فرمایا ﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾ (۲) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصرف کہہ سکتے ہیں، یہ ”امر“ ہوا۔ اسی طرح سورہ طلاق میں ارشاد ہے ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ (۳) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی سمجھو، جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں، کوئی کپڑا بن رہی ہے، کوئی آٹا پیس رہی ہے، کوئی کتابیں چھاپتی ہے، کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے، کسی سے نکلے چل رہے ہیں، وغیرہ۔

ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں، جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں، پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے، جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانے سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے، ان واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں، بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے، حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کھربا روشنی کے لیمپوں اور قلموں میں پہنچتی ہے وہاں پہنچ کر ان ہی قلموں کی ہیئت اور رنگت اختیار کر لیتی ہے۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے پرزوں کا ٹھیک انداز رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں، جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے، اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو ”خلق“ کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک انداز سے کے موافق تیار کیا جس کو ”تقدیر“ کہا گیا ہے،

(۱) الأعراف / ۵۴۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الطلاق / ۱۲۔

سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فنٹ کیا جسے ”تصور“ اور ”تسویہ“ کہتے ہیں ﴿خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ (۱) اور ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهُ﴾ (۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے، مشین کو چالو کرنے کے لئے ”امر الہی“ کی بجلی چھوڑ دی گئی، شاید اس کا تعلق اسم ”باری“ سے ہے ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾۔ (۳)

اور حدیث میں ہے ”فلق الحبة وبرأ النسمة“ (۴) سورۃ حدید میں ہے ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ

نَبْرَاَهَا﴾ (۵) اُی النفوس کما هو مروی عن ابن عباس وقتادة والحسن۔ (۶)

غرض ادھر سے حکم ہوا ”چل“ تو فوراً چلنے لگی، اسی ”امر الہی“ کو فرمایا ﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (۷) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر ”کن“ کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا: ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (۸) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے، جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ ”کن“ کا خطاب ”خلق“ کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا۔

بہر حال ”امر“ کے معنی یہاں ”حکم“ نے ہیں اور وہ ”حکم“ یہی ہے جسے لفظ ”کن“ سے تعبیر کیا گیا اور ”کن“ جنس کلام سے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، جس طرح ہم اس کی تمام صفات مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہئے۔

(۱) الأعراف / ۱۱۔

(۲) ص / ۷۲۔

(۳) الحشر / ۲۴۔

(۴) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۲۸) کتاب الجہاد والسير، باب فکاک الأسیر، رقم (۳۰۴۷) من قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

(۵) الحديد / ۲۲۔

(۶) انظر الدر المنثور (ج ۶ ص ۱۷۶ و ۱۷۷)۔

(۷) یس / ۸۲۔

(۸) آل عمران / ۵۹۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ”روح“ کے ساتھ اکثر جگہ قرآن کریم میں ”امر“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً ﴿قُلِ
الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (۱) ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ (۲) ﴿يُلْقِي الرُّوحُ مِنْ أَمْرِه
عَلَىٰ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (۳) ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (۴)۔
اور پہلے گزر چکا ہے کہ ”امر“ عبارت ہے کلمہ ”کن“ سے، یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی
تدبیر و تصرف اس طریقہ پر کی جائے جس سے غرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔

لہذا ثابت ہوا کہ ”روح“ کا مبداء حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ کلام ہے، جو صفت علم و حیات کے ماتحت
ہے، شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے ”نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي“ میں اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے،
کیونکہ ”کلام“ اور ”امر“ کی نسبت متکلم اور آمر سے صادر و مصدر کی ہوتی ہے، مخلوق و خالق کی نہیں ہوتی، اسی
لئے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ میں ”امر“ کو ”خلق“ کے مقابل رکھا۔ (۵) واللہ اعلم

قال الأعمش: هكذا في قراءتنا

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری قراءت میں اسی طرح ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں متواتر اور مشہور قراءت ﴿وَمَا أُولَئِكَ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ہے۔

لیکن امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ﴿وَمَا أُولَئِكَ﴾ صیغہ غائب کے ساتھ ہے۔

شارحین نے تصریح کی ہے کہ یہ قراءت نہ قراءات سبعہ میں سے ہے اور نہ کوئی مشہور قراءت ہے۔ (۶)

واللہ اعلم بالصواب

(۱) بنی اسرائیل / ۸۵۔

(۲) الشوری / ۵۲۔

(۳) المؤمن / ۱۵۔

(۴) النحل / ۲۔

(۵) دیکھئے الروح فی القرآن (ص ۱۰۸-۱۱۱) مطبوعہ درضمن مجموعہ ”تالیفات عثمانی“۔

(۶) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۴)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۲)۔

۴۸ - باب : مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْأَخْتِيَارِ ، مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهَمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ ،
فَيَقْعُوا فِي أَشَدِّ مِنْهُ .

اس ”ترجمہ“ میں ”الاختیار“ سے ”المختار“ یعنی ”الشيء المختار“ یا ”العمل المختار“ مراد

ہے، مطلب ترجمۃ الباب کا ہے:

”یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو اپنے بعض مستحب عمل کو یا قول کو اس وجہ سے چھوڑ دیتا ہے کہ بعض لوگوں کی فہم جو قاصر ہے، اس عمل کو یا بات کو سمجھیں گے نہیں، پھر اس سے سخت بات میں پھنس جائیں گے۔“ (۱)

باب سابق کے ساتھ مناسبت

اس باب کی گذشتہ باب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ سابق باب میں سائل کے سوال کا جواب کسی حکمت کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا، یہاں بھی بعض اعمال مختارہ و مستحبہ کے ترک کا ذکر ہے۔ (۲)

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی مستحب پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس مستحب کو چھوڑ دینا چاہئے، اس لئے کہ مستحب کے چھوڑنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا اور لوگوں کے خطرے میں پڑ جانے کا مسئلہ بڑا مشکل ہے کہ لوگ کسی علمی یا عملی غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے اور یہ غلطی چلتی رہے گی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق کعبہ کی تعمیر فرماتے، لیکن اس خوف سے چھوڑ دیا کہ قریش یہ کہیں گے کہ

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۰۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

ہماری چیزوں کو بگاڑ کر اپنی چیز کرنا چاہتے ہیں۔

مقصد ترجمۃ الباب

پرایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا تعلق کتاب العلم سے تو ہوا نہیں، اس لئے کہ اس میں تو اعمال کے ترک کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم جس طرح قولی ہوتی ہے اسی طرح فعلی بھی ہوتی ہے، حضرات اساتذہ و علماء لوگوں کی ہر طرح کی اصلاح کرتے ہیں، جہاں وہ ان کے علوم کو سنوارتے ہیں اسی طرح ان کے اعمال کی بھی اصلاح کرتے ہیں، لہذا اگر اعمال کی اصلاح کی ضرورت پیش آئے اور اصلاح عملی صورت اختیار کرنے کی مقتضی ہو اور خطرہ یہ ہو کہ بعض اعمال کے اختیار کرنے سے حاضرین غلطی میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو مصلحین کو چاہئے کہ وہ ایسے مندوب اعمال کو چھوڑ دیں۔

خلاصہ یہ کہ کبھی تعلیم قولی ہوتی ہے اور کبھی عملی، اگر عملی تعلیم کے اندر کسی خاص مسئلہ میں یہ خطرہ ہو کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس کو کرنا نہیں چاہئے، چھوڑ دینا چاہئے۔ (۱)

بعض علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”من ترك بعض الاختيار“ میں اقوال و افعال دونوں داخل ہیں۔

لہذا مطلب ہوگا کہ بعض افعال اس خطرے سے چھوڑ دیے جائیں کہ کوئی غلط فہمی میں نہ پڑ جائے اور بعض اقوال اس خطرے سے نہ بیان کئے جائیں کہ سننے والے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں، چھوڑنا تو دونوں کو ہو سکتا ہے، مختار اور پسندیدہ جیسے افعال ہوتے ہیں، ایسے ہی اقوال بھی ہوتے ہیں۔

بعض علوم ایسے ہوتے ہیں جو عوام کے سامنے بیان کرنے کے نہیں ہوتے، اگر بیان کر دیے جائیں تو عوام غلط فہمی میں پڑ جائیں گے، وہاں سکوت کیا جائے۔ (۲)

(۱) دیکھئے الكنز المتواری علی لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۸۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

۱۲۶ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ إِسْرَائِيلَ ، عَنْ أَبِي إِسْحَقَ ، عَنْ الْأَسْوَدِ قَالَ : قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ : كَانَتْ عَائِشَةُ تُسَرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا ، فَمَا حَدَّثْتُكَ فِي الْكَعْبَةِ ؟ قُلْتُ : قَالَتْ لِي : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَا عَائِشَةُ لَوْلَا قَوْمُكَ حَدِيثُ عَهْدِهِمْ - قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ - بِكُفْرٍ ، لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ ، فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ : بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُونَ) . فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ .

[۱۵۰۶-۱۵۰۹ : ۳۱۸۸ : ۴۲۱۴ : ۶۸۱۶]

تراجم رجال

(۱) عبید اللہ بن موسیٰ

یہ عبید اللہ بن موسیٰ بن بازام عیسیٰ کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) اسرائیل

یہ مشہور محدث اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق ہمدانی سبعی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو یوسف ہے، یہ عیسیٰ بن یونس کے بھائی ہیں۔ (۳)

(۱) قوله: ”عائشة رضي الله عنها“: الحديث، أخرجه البخاري أيضا في (ج ۱ ص ۲۱۵ و ۲۱۶)، كتاب الحج، باب فضل مكة وبيانها، رقم (۱۵۸۳-۱۵۸۶)، و(ج ۱ ص ۴۷۷)، كتاب أحاديث الأنبياء، باب (بلون ترجمه، بعد باب: يوفون، النسلان في المشي)، رقم (۳۳۶۸)، و(ج ۲ ص ۶۴۴)، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾، رقم (۴۴۸۴)، و(ج ۲ ص ۱۰۷۵ و ۱۰۷۶)، كتاب التمني، باب ما يجوز من اللو، رقم (۷۲۴۳)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، وباب جدر الكعبة وبابها، رقم (۳۲۴۰-۳۲۵۰)، والنسائي في كتاب المساهك، باب بناء الكعبة، رقم (۲۹۰۳-۲۹۰۹)، وباب الحجر، رقم (۲۹۱۳)، والترمذي في جامعه، في أبواب الحج، باب ما جاء في كسر الكعبة، رقم (۸۷۵)۔

(۲) كشف الباري (ج ۱ ص ۶۳۶)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۲ ص ۵۱۵)، رقم (۴۰۲)۔

یہ اپنے دادا ابواسحاق سبعی کے علاوہ زیاد بن علاقہ، زید بن جبیر، عاصم بن بہدلہ، عاصم الا حول، سماک بن حرب، امام اعمش، عثمان بن ابی زرعہ، مجزأة بن زاہر اسلمی، موسیٰ بن ابی عائشہ اور ہشام بن عروہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے مہدی، ابواحمد الزبیری، نصر بن شمل، ابوداؤد طیالسی، ابوالولید طیالسی، عبدالرزاق صنعانی، کعب، یحییٰ بن آدم، محمد بن سابق، ابو غسان نہدی، ابو نعیم اور علی بن الجعد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۱)

عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اسرائیل نے بیان کیا ”كنت أحفظ حديث أبي إسحاق كما أحفظ السورة من القرآن“۔ (۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے حافظہ پر تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ”كان شيخنا ثقة“۔ (۳)

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كوفي ثقة“۔ (۵)

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، صدوق، من أئقن أصحاب أبي إسحاق“۔ (۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة، حدث عنه الناس كثيراً، ومنهم من

يستضعفه“۔ (۷)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ابوطالب نے پوچھا ”أيهما أثبت: شريك أو إسرائيل؟“ تو فرمایا ”إسرائيل

كان يؤدي ما سمع، كان أثبت من شريك“۔ پھر انہوں نے پوچھا ”من أحب إليك: يونس أو

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۱۵-۵۱۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۱۹)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۱)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۱)۔

(۷) الطبقات (ج ۶ ص ۳۷۴)۔

إسرائيل في أبي إسحاق؟“ تو فرمایا ”إسرائيل؛ لأنه كان صاحب كتاب“۔ (۱)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ اسرائیل اگر کسی حدیث میں متفرد ہوں تو حجت ہیں یا

نہیں؟ فرمایا ”إسرائيل ثبت الحديث“۔ (۲)

عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب سفیان اور شریک وغیرہ کے درمیان جب

ابو اسحاق سبعی رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو میرے والد یونس بن ابی اسحاق کے

پاس آتے، وہ کہتے کہ میرے بیٹے اسرائیل کے پاس جاؤ ”فهو أروى عنه مني، وأتقن لها مني“۔ (۳)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا ”حدثنا حديث أبي إسحاق“ قال: سلوا عنها إسرائيل،

فإنه أثبت فيها مني“۔ (۴)

امام عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق سبعی کی حدیثیں سفیان کے طریق سے اس

لئے روایت نہیں کرتا کہ میں نے ان روایات کے سلسلہ میں سفیان ثوری کے بجائے اسرائیل پر اعتماد کیا ہے،

کیونکہ اسرائیل ان روایات کو مکمل روایت کرتے ہیں۔ (۵)

یہی امام عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”إسرائيل في أبي إسحاق أثبت من

شعبة والثوري“۔ (۶) یعنی ”اسرائیل ابو اسحاق کی روایات میں شعبہ اور ثوری رحمہما اللہ کے مقابلہ میں زیادہ

قوی ہیں“۔

محمد بن عبد اللہ بن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۱۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۰)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۲)۔

(۴) الکامل (ج ۱ ص ۴۲۲)۔

(۵) الکامل (ج ۱ ص ۴۲۳)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۶۳)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إسرائيل ثبت في حديث أبي إسحاق“۔ (۱)
اسرائیل بن یونس کے بارے میں محدثین اور علماء جرح و تعدیل کے اقوال آپ کے سامنے ہیں، ان تمام حضرات نے ان کی بھرپور توثیق کی ہے، جبکہ بعض حضرات نے ان پر کلام بھی کیا ہے، چنانچہ:
امام یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ ان کی ابویکی القنات سے لی ہوئی روایات کی وجہ سے کلام کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ”روى عنه مناكير“۔ (۲)

اسی طرح یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”صالح الحديث، وفي حديثه لين“۔ (۳)
اسی طرح وہ فرماتے ہیں ”ثقة صدوق، وليس في الحديث بالقوي ولا بالساقط“۔ (۴)
اسی طرح ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اسرائیل کو مطلقاً ضعیف قرار دے دیا اور ان کی روایات میں سے بہت سی روایات کو رد کر دیا۔ (۵)

اسی طرح علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إسرائيل ضعيف“۔ (۶)
اسرائیل بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکورہ حضرات کے کلام میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو جرح مبہم ہے، جیسا کہ علی بن المدینی، یعقوب بن شیبہ یا ابن حزم کا کلام ہے، جہاں تک یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا تعلق ہے، سو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں تفصیل ذکر کی ہے، جس سے اسرائیل کا دامن بالکل صاف ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”وقد بحث عن ذلك، فوجدت الإمام أبا بكر بن أبي خيثمة قد كشف علة ذلك، وأبأنها بما فيه الشفاء لمن أنصف، قال ابن أبي خيثمة في تاريخه: قيل ليحيى بن

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۶۲)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۶۲)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۲۶۳)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۲)۔

معین: إن إسرائيل روى عن أبي يحيى القتات ثلاثمائة، وعن إبراهيم بن مهاجر

ثلاثمائة يعني مناكير، فقال: لم يؤت منه، أتني منهما“۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ”میں نے امام تکی القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی، چنانچہ مجھے اس کی وجہ امام ابو بکر بن ابی خيثمہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہو گئی، انہوں نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے ہر انصاف پسند شخص مطمئن ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام تکی بن معین سے کسی نے کہا کہ اسرائیل نے ابوتکی القتات سے تین سو اور ابراہیم بن مہاجر سے تین سو منکر روایات نقل کی ہیں، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ نکارت اسرائیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ ابوتکی القتات اور ابراہیم بن المہاجر کی وجہ سے آئی ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”بات حقیقت میں یہی ہے جو ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں، لہذا ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے ان احادیث منکرہ پر نکیر کی ہے، جو وہ ابوتکی القتات سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ نکارت اسرائیل کی وجہ سے ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ نکارت ابوتکی کی وجہ سے ہے، ویسے بھی ابوتکی کی ائمہ ناقدین نے تضعیف کی ہے اور اسرائیل کی علماء نے توثیق کی ہے، لہذا یہاں بھی کلام ابوتکی پر محمول کرنا اولیٰ ہوگا، بہ نسبت اسرائیل کے“۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دیگر حضرات کی تضعیف کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وبعد ثبوت ذلك، واحتجاج الشيخين به لا يجهل من متأخر لا خبره له بحقيقة من تقدمه أن يطلق على إسرائيل الضعف، ويرد الأحاديث الصحيحة التي يروونها دائما، لاستناده إلى كون القطان كان يحمل عليه من غير أن يعرف وجه ذلك

الحمل...“۔ (۳)

(۱) ہندی الساری (ص ۳۹۰)۔

(۲) ہندی الساری (ص ۳۹۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

مطلب یہ ہے کہ ”جب علماء جرح و تعدیل کی توثیقات سامنے آ گئیں اور شیخین کا ان سے احتجاج بھی ثابت ہو گیا تو اب کسی ایسے متاخر شخص کے لئے جس کو اپنے متقدمین کے بارے میں صحیح علم نہ ہو ان پر ضعف کا اطلاق کر دینا اور اس بنیاد پر ان کی صحیح روایات کو رد کر دینا بالکل نامناسب ہے، اس سلسلہ میں ابن القطان کے قول سے استناد بھی فائدہ مند نہیں جبکہ وہ ابن القطان کے قول کا صحیح محمل نہ جانتا ہو۔“

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت زور دار انداز سے ان کا دفاع کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

”إسرائيل اعتمدہ البخاری ومسلم فی الأصول، وهو فی الثبت كالأسطوانة، فلا يلتفت إلى تضعیف من ضعفه“۔ (۱)

یعنی ”اسرائیل پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اصول میں احتجاج کیا ہے نہ کہ متابعات و فروع میں، وہ ثقہ اور ثبت ہونے میں اسطوانہ (ستون) کی طرح ہیں، لہذا ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے کلام کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہئے۔“

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة تكلم فيه بلا حجة“۔ (۲)

نیز حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وسماع إسرائيل من أبي إسحاق في غاية الإتيان؛ للزومه إياه، لأنه جده، وكان خصيصاً به“۔ (۳)

یعنی ”اسرائیل کا ابواسحاق سے سماع انتہائی مضبوط ہے، کیونکہ وہ ابواسحاق کے ساتھ لازم رہتے تھے، کیونکہ وہ ان کے دادا تھے اور ان کے ساتھ مختص ہو گئے تھے۔“

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ان کی کچھ روایات، جو منکر سمجھی جاتی ہیں، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(۱) میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۲۰۹)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۱۰۴) رقم (۴۰۱)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۵۱)، کتاب الوضوء، باب: إذا ألقى على ظهر المصلي قدر أوجيفة لم تفسد عليه صلاته۔

”وإسرائيل بن يونس بن أبي إسحاق السبيعي كثير الحديث، مستقيم الحديث، في حديث أبي إسحاق وغيرهم، وقد حدث عنه الأئمة، ولم يتخلف أحد في الرواية عنه، وهذه الأحاديث التي ذكرتها من أنكر أحاديثه، رواها، وكل ذلك يحتمل“۔ (۱)

یعنی ”اسرائیل بن یونس کثیر الحدیث اور ان کی روایات، خواہ ابواسحاق کی ہوں یا کسی اور کی، درست ہیں، ان سے بڑے بڑے ائمہ نے روایت کی ہے، کسی نے ان کی روایات کا انکار نہیں کیا، یہ حدیثیں جو میں نے ذکر کی ہیں ان کی منکر ترین روایات میں سے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو بھی گوارا کیا جاسکتا ہے۔“

اسی طرح وہ آگے جا کر فرماتے ہیں:

”وسائر ما ذكرت من حديثه وماله أذكره كلها محتملة، وحديثه عامتها مستقيمة، وهو من أهل الصدق والحفظ“۔ (۲)

یعنی ”ان کی تمام حدیثیں جو میں نے ذکر کیں یا ذکر نہیں کیں سب قابل قبول ہیں، ان کی اکثر حدیثیں درست ہیں، وہ صدق اور حفظ سے متصف رواۃ میں سے ہیں۔“

نیز وہ فرماتے ہیں:

”وإسرائيل أخبار كثيرة غير ما ذكرته، وأضعافها عن الشيوخ الذين يروي عنهم، وحديثه الغالب عليه الاستقامة، وهو ممن يكتب حديثه ويحتج به“۔ (۳)

یعنی ”اسرائیل کی جو احادیث میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں، بلکہ اس سے کئی گنا زائد روایات وہ اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں، ان کی اکثر احادیث درست ہیں، وہ ان رواۃ میں سے ہیں جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں اور جن کی روایات سے استدلال و

(۱) الکامل لابن عدي (ج ۱ ص ۴۲۵)۔

(۲) الکامل لابن عدي (ج ۱ ص ۴۲۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

احتجاج کیا جاتا ہے۔

اسرائیل بن یونس رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ یا ۱۶۲ھ میں ان کا انتقال

ہوا۔ (۱) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

(۳) ابواسحاق

یہ مشہور تابعی محدث ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ بن عبید سبعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب

الإيمان، ”باب الصلاة من الإيمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۴) الأسود

یہ مشہور تابعی اسود بن یزید بن قیس نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو عمرو یا ابو عبد الرحمن

ہے۔ (۳)

یہ عبد الرحمن بن یزید کے بھائی، علقمہ بن قیس کے بھتیجے اور ابراہیم نخعی کے ماموں تھے، یہ عمر میں اپنے چچا

علقمہ سے بڑے تھے۔ (۴)

انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ،

حضرت بلال، حضرت عائشہ، حضرت ابو محذورہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث

کی ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے عبد الرحمن، بھائی عبد الرحمن بن یزید، بھانجے ابراہیم

نخعی، عمارۃ بن عمیر، ابواسحاق سبعی، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشعثاء رحمہم اللہ

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۵۲۴)۔

(۲) کشف الباری (ج ۲ ص ۳۷۰)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۲۳۳)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۱۲۲)۔

وغیرہ ہیں۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”ما بالعراق رجل أكرم علي من الأسود“۔ (۲) یعنی ”عراق میں میرے نزدیک اسود سے زیادہ کوئی محترم نہیں“۔

عمارة بن عمير رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما كان الأسود إلا راهباً من الرهبان“۔ (۳) یعنی ”اسود کی عبادت گزاری اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ گویا وہ تارک الدنیا راہبوں میں سے تھے“۔

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كوفي، جاهلي، ثقة، رجل صالح“۔ (۴)

یعنی ”یہ کوفہ کے ہیں، زمانہ جاہلیت پایا ہے، ثقہ اور نیک آدمی ہیں“۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان شاگردوں اور اصحاب

میں شمار کیا ہے جن کو فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان فقيها زاهدا“۔ (۶)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة من أهل الخير“۔ (۷)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”قال أحمد بن حنبل: هو ثقة، من أهل الخير، واتفقوا على

توثيقه وجلالته“۔ (۹)

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۲۳۳ و ۲۳۴)۔

(۲) طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۷۳)۔

(۳) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۲۳۵)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۳۴۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج ۴ ص ۳۱)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۲۳۴)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۱۲۲)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وہو نظیر مسروق في الجلالة والعلم والثقة والسن،

يضر ب لعبادتهما المثل“۔ (۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة وله أحاديث صالحة“۔ (۲)

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ عابد، زاہد اور شب زندہ دار بزرگ تھے، ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ رمضان میں دو راتوں میں اور غیر رمضان میں چھ راتوں میں ایک قرآن کریم مکمل کرنے کا معمول تھا، جبکہ روزانہ سات سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

اس پر بھی لوگ کہتے تھے کہ اسود اپنے خاندان میں سب سے کم عبادت کرنے والے سمجھے جاتے تھے۔ (۴)

یہی وجہ ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے ”آل الأسود أهل الجنة“۔ (۵) یعنی ”اسود کے خاندان والے جنتی ہیں“۔

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سلسلہ میں علماء سے بہت سے اقوال منقول ہیں، تاہم حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے رائج قول ۷۵ھ کا ہے۔ (۶) حمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔

(۵) ابن الزبیر

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات پیچھے ”باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۱) سير أعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۵۰)۔

(۲) طبقات ابن سعد، (ج ۶ ص ۷۵)۔

(۳) سير أعلام النبلاء، (ج ۶ ص ۵۱)۔

(۴) تهذيب الأسماء والمغات (ج ۱ ص ۱۲۲)۔

(۵) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۰۲)۔

(۶) سير أعلام النبلاء، (ج ۴ ص ۵۳)۔

(۶) عائشہ

یہ ام المؤمنین صدیقہ بنت صدیق حضرت عائشہ بنت ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث کے ذیل میں مختصراً چکے ہیں۔ (۱)

قال: قال لي ابن الزبير: كانت عائشة تسر إليك كثيراً فما حدثك في

الكعبة؟

اسود کہتے ہیں کہ ابن الزبير رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمہیں بہت سی راز کی باتیں بتایا کرتی تھیں، انہوں نے تمہیں کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں کیا بتایا؟

حضرت عبداللہ بن الزبير رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور انہوں نے سماع بھی کیا ہے، تاہم اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے علوم حاصل کرنے کے لئے کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے، اس لئے ان کو بہت سی باتیں لوگوں کی غیر موجودگی میں بتایا کرتی تھیں، غالباً اسی خصوصیت کے بنا پر حضرت ابن الزبير نے ”تسر إليك كثيراً“ کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبير رضی اللہ عنہما نے جو اسود رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عبداللہ بن الزبير نے کعبہ کی تعمیر جدید کا ارادہ کیا تھا، صورت یہ ہوئی تھی کہ حصین بن نمیر، یزید بن معاویہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن الزبير کو مغلوب کرنے کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا، محرم ۶۴ھ کے اواخر میں مکہ پہنچا، تقریباً چونسٹھ دنوں تک اس نے محاصرہ کیا، اس کے بعد جب یزید کی موت واقع ہو گئی تو یہ لشکر واپس چلا گیا، یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلیفہ بنا، جو چار مہینے کے بعد مر گیا، پھر مروان حاکم بنا، دس مہینے زندہ رہا، وہ بھی مر گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا اور اس نے آہستہ آہستہ تمام بلاد پر قبضہ کر لیا اور مکہ مکرمہ کی طرف حجاج بن یوسف ثقفی کو بھیجا، اس نے حضرت عبداللہ بن الزبير رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا اور اس طرح بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ پر بھی عبدالملک کا قبضہ ہو گیا۔

اہل شام کی اس چڑھائی کے دوران انہوں نے بیت اللہ شریف کے ارد گرد پہاڑوں پر منجھنق نصب کر کے پتھر برسائے اور آگ برسائی، جس سے کعبہ کی تعمیر اور اس کے غلاف کو نقصان پہنچا۔

جب حصین بن نمیر کا محاصرہ ختم ہوا اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو کچھ سکون حاصل ہوا تو انہوں نے کعبہ کی جدید تعمیر کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں مشورے کئے، بعض تو ان کے ہم خیال تھے، لیکن بہت سے حضرات کی رائے تھی کہ کعبہ کو علیٰ حالہ باقی رکھا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی اور ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جس عمارت کے اطراف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا، جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی نظریں پڑیں ان میں تغیر نہ کیا جائے، بلکہ اصلاح و ترمیم کر دی جائے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا واہ! اگر تم میں سے کسی آدمی کا مکان جل جائے تو ہمیشہ تجدید ہی کی کوشش کرتے ہو، کبھی ترمیم و اصلاح پر راضی نہیں ہوتے، پھر بیت اللہ کی جدید تعمیر کیوں نہ کی جائے!!۔

لوگوں کو جب تامل ہوا تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ خود اپنے ہاتھ میں کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور اپنے ہاتھ سے پتھر گرانے شروع کر دیے، جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا تو دوسرے بھی شامل ہو گئے، اس کے بعد کعبۃ اللہ کو بنیاد تک کھود ڈالا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں تلاش کی گئیں جو مل گئیں، حضرت ابن الزبیر نے اسی کے مطابق تعمیر کی۔ (۱)

حضرت ابن الزبیر کو چونکہ اپنی تائید مقصود تھی، اس لئے اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا بیان کیا تھا؟

چنانچہ حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق کر دی، دروازوں کو نیچے کر دیا، دو دروازے کر دیے اور حطیم کے حصے کو کعبہ کی تعمیر کے اندر لے لیا۔

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے الکامل فی التاریخ (ج ۳ ص ۳۱۶-۳۵۴)، والبدایۃ والنہایۃ (ج ۸ ص ۲۵۰ و ۳۵۱)۔ نیز دیکھئے صحیح

مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائہا، رقم (۳۲۴۵)، وفتح المسلمین (ج ۳ ص ۳۶۴-۳۶۶)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بعد جب عبدالملک کے سپہ سالار حجاج بن یوسف کا غلبہ ہوا تو اس نے عبدالملک کے حکم سے بیت اللہ شریف کو ڈھا کر دوبارہ قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا۔

عبدالملک بن مروان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں پہنچا تھا، بعد میں جب اسے علم ہوا تو اس نے افسوس کیا اور کہا ”وددنا أنّا ترکناه و ماتولی من ذلك“ یعنی ”کاش ہم کعبہ کو ابن الزبیر نے جس طرح کیا تھا اس حال میں چھوڑ دیتے!“

بعد میں عباسی خلیفہ مہدی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کو از سر نو حضرت ابن الزبیر کی تعمیر کے مطابق بنادیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حکیمانہ مشورہ دیا اور فرمایا ”إنی أکره أن بتخذها المملوك لعبة“ یعنی مجھے یہ اندیشہ ہے کہ امراء و حکام بیت اللہ شریف کو کھلونا بنا ڈالیں گے کہ ایک کو ابن الزبیر کی تعمیر پسند آئے گی، دوسرے کو حجاج کی اور کسی تیسرے کو کوئی اور صورت پسند آ سکتی ہے، اس طرح کعبہ کھلونا بن کے رہ جائے گا، چنانچہ خلیفہ مہدی نے اپنا ارادہ ختم کر دیا۔ (۱) واللہ اعلم

قلت: قالت لي:

میں نے کہا (یعنی اسود بن یزید نے کہا) کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے ”قلت: لقد حدثني حديثا كثيرا نسيت بعضه، وأنا أذكر بعضه،

قال: أي ابن الزبير، ما نسيت أذكرتك، قلت: قالت:“۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ ”اسود کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے مجھے بہت سی حدیثیں سنائیں ان میں بعض مجھے یاد ہیں اور بعض میں بھول چکا ہوں، ابن الزبیر نے فرمایا کہ آپ سنائیں، جو آپ بھول رہے ہوں گے میں یاد دلا دوں گا، پھر اسود نے مذکورہ حدیث سنائی۔“

قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا عائشة، لو لا قومك حديث عهدهم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! اگر تیری قوم (یعنی قریش) نو مسلم نہ ہوتی۔

(۱) دیکھئے البدایة والنهاية (ج ۸ ص ۲۵۰)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج ۱ ص ۲۲۴)۔

”حدیث عہدہم“ میں ”حدیث“ پر تنوین ہے اور ”عہدہم“ میں ”عہد“ مرفوع ہے، جو ”حدیث“

صفت مشبہ کا فاعل ہے۔ (۱)

قال ابن الزبیر: بکفر

ابن الزبیر نے فرمایا: یعنی کفر کا زمانہ ابھی ابھی گزرانہ ہوتا۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر ”بکفر“ کا جو لقمہ دیا اس کا کیا مطلب ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جب ”حدیث عہدہم“ تک اسود

پہنچے تو حضرت ابن الزبیر نے ”بکفر“ کہہ کر بقیہ تتمہ حدیث کی طرف اشارہ کر دیا۔

یا یہ مطلب ہے کہ اسود نے اول حدیث بیان کر کے آخر حدیث تک اشارہ کر دیا، اور یہ اسی طرح ہے

جیسے کہا جاتا ہے ”قرأت الـم ذلک الـکتاب“ یعنی میں نے ”الـم ذلک الـکتاب“ پڑھی ہے۔ جس کا مقصد

پوری سورت کے پڑھنے کی خبر دینا ہے، جب اسود نے حدیث کے اول حصے کو پڑھا، ابن الزبیر نے یہ بتا دیا کہ

اس کا آخر حصہ یہ ہے۔ (۲)

لیکن اقرب بات یہ ہے کہ اسود نے جب ”لولا قومک حدیث عہدہم“ تک حدیث سنائی تو ان کو

اگلے لفظ کے بارے میں شک ہوا اور وہ اس پر اٹکے، ابن الزبیر نے اس موقع پر بتایا کہ اگلا لفظ ”بکفر“ ہے،

یہ لفظ ان کو یاد نہیں تھا۔

رہا اس سے اگلا مضمون سو اس میں دو احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ اگلا مضمون اسود کو یاد نہ ہو، ابن الزبیر نے

پڑھا ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسود کو وہ حصہ یاد ہوا اور انہوں نے ہی اسے پڑھا ہو۔

کیا اس روایت میں ادراج ہے؟

یہ روایت مستخرج اسماعیلی میں ہے، اس میں ہے کہ اسود نے کہا ”حدثنی حدیثا حفظت أولہ

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۴)۔

(۲) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۵۲)۔

ونسیت آخرہ“ اسماعیلی نے اس کو ”زہیر بن معاویہ عن أبي إسحاق“ کے طریق سے نقل کیا ہے اور اسے اسرائیل کی روایت باب پر رائج قرار دیا ہے۔ (۱)

اسماعیلی کی اس روایت سے احتمال اول کی تائید ہوتی ہے کہ اسود نے صرف پہلا حصہ سنایا، آخر کا حصہ نہیں سنایا کہ وہ انہیں یاد نہیں تھا۔

لیکن اسود ہی کی روایت مصنف نے آگے کتاب الحج (۲) اور کتاب التمنی (۳) میں نقل کی ہے، اس میں پوری روایت اسود ہی سے مروی ہے، نیز صحیح مسلم (۴) سنن نسائی (۵) اور جامع ترمذی (۶) میں یہی روایت اسود بن یزید سے مروی ہے، ان سب میں مکمل حدیث ان ہی سے منقول ہے، البتہ ان سب میں ”بکفر“ کی جگہ ”بالجاهلیۃ“ کا لفظ ہے۔

اس سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے کہ اسود کو پوری روایت یاد تھی اور انہوں نے جس پوری روایت نقل کی ہے۔

اگر اسماعیلی کی روایت کو صحیح مانا جائے تو کہا جائے گا کہ اسود کی بقیہ روایات میں ادراج ہے، یعنی ایک حصہ تو کسی راوی نے اسود سے سن کر نقل کیا اور دوسرا حصہ ابن الزبیر کا روایت کردہ ہے، جس کو کسی راوی نے ادراج کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔

اور اگر اسماعیلی کی روایت کو صحیح نہ مانا جائے، یا یہ کہا جائے کہ ”نسیت آخرہ“ کا مطلب صرف ایک آدھ کلمہ ہے، پورا بقیہ حصہ نہیں، تو پھر یہ کہا جائے گا کہ پوری روایت اسود ہی نے نقل کی ہے اور یہ ان ہی کی مرویات میں سے ہے (۷)۔ واللہ اعلم

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۱۵)، کتاب الحج، باب فضل مکة ونبیائها، رقم (۱۵۸۴)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۲ ص ۱۰۷۵ و ۱۰۷۶)، کتاب التمنی، باب ما یجوز من اللو، رقم (۷۲۴۳)۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حدر الکعبة وبابها، رقم (۳۲۴۹)۔

(۵) سنن النسائی، کتاب المناسک، باب بناء الکعبة، رقم (۲۹۰۵)۔

(۶) جامع الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی کسر الکعبة، رقم (۸۷۵)۔

(۷) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

لنقضت الكعبة، فجعلت لها بابين: باب يدخل الناس وباب يخرجون،

ففعله ابن الزبير

تو میں کعبہ کو توڑتا، پھر اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور ایک دروازے سے لوگ نکلتے، چنانچہ ابن الزبير نے ایسا ہی کر دیا۔

ابو ذر کے نسخہ میں یہاں دونوں جگہ ”باباً“ منصوب واقع ہے، اس صورت میں اس کو ”بابین“ سے بدل قرار دیں گے۔

جبکہ باقی تمام حضرات کے نسخوں میں ”باب“ رفع کے ساتھ ہے، جو استئناف پر محمول ہے۔ (۱)

واللہ اعلم

حدیث باب کی

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مطابقت بالکل واضح ہے کہ چونکہ قریش کعبہ شریف کے سلسلے میں نہایت حساس اور اس کی بہت زیادہ تعظیم کرنے والے تھے، چونکہ وہ نو مسلم تھے، اسلام میں نئے نئے آئے تھے، ان کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کعبہ کی تعمیر میں تبدیلی کی ہے وہ اس وجہ سے کہ قریش کے اوپر آپ کو امتیاز حاصل ہو جائے اور اس سے پھر فتنہ ہو سکتا تھا، آپ نے اس اندیشہ کی وجہ سے اس کام کو ترک کر دیا۔ (۲) واللہ اعلم۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۲) حوالہ بالا۔

۴۹ - باب : مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ : كَرَاهِيَةٌ أَنْ لَا يَفْهَمُوا .

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو علم کو ایک جماعت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، دوسری جماعت کو وہ علم نہیں سکھاتا، اس خوف سے کہ یہ دوسری جماعت سمجھ نہیں پائے گی۔ یہاں پر ”دون“ غیر کے معنی میں ہے، ”ادون“ کے معنی میں نہیں۔ (۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی مناسبت باب سابق سے بہت ہی واضح ہے کہ پہلے باب میں لوگوں کی کم فہمی کی وجہ سے بعض اعمال مختارہ و مستحبہ اور امور مباحہ کا ترک مذکور تھا، جبکہ اس باب میں اسی خوف سے کچھ لوگوں کو علمی باتیں نہ بتانا مذکور ہے۔ (۲)

مقصد ترجمۃ الباب

اور سابق باب اور اس باب میں فرق

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حاضرین کے فہم کے اعتبار سے کلام کرنا چاہئے، ان کی عقل و دانش کے اعتبار سے کوئی بات کہنی چاہئے، ایسی بات نہ کہنی چاہئے جو ان کے دائرہ فہم سے باہر ہو اور وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لہذا اگر کچھ غامض علوم ہوں، جو ہر شخص کے سامنے بیان نہیں کئے جاسکتے ہوں وہ ہر شخص کے سامنے بیان نہ کئے جائیں، بلکہ جو اس کے اہل ہوں، سمجھ دار ہوں، ان کے سامنے بیان کئے جائیں، اسی طرح اگر کوئی آدمی ایک خاص جماعت کو علم سکھائے، دوسری کو نہ سکھائے اس خوف کی وجہ سے کہ وہ سمجھ نہیں پائیں گے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، یہ جائز ہے۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۴)۔

(۲) عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۴)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصود یہی ہے کہ اگر شیخ اپنے کسی ذکی شاگرد کو یا کسی مخصوص جماعت کو مخصوص وقت میں خصوصی استفادہ کا موقع دے اور دوسروں کو نہ دے تو اس کی اجازت ہے اور یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس پر کسی قسم کے اعتراض کا حق ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو مجلسیں ہوا کرتی تھیں، ایک مجلس عام ہوتی تھی اور دوسری مجلس میں صرف علماء حفاظ ہی حاضر ہوتے تھے۔ (۱)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ پہلا ترجمہ الباب عام ہے، جو اقوال و افعال دونوں کو شامل ہے، جبکہ یہ باب مختص بالاقوال ہے۔ (۲)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ کا تعلق تو شریف و وضع کے درمیان تفریق سے ہے اور ترجمہ سابق کا تعلق غبی و بلید اور ذکی و فطین کے درمیان تفریق سے ہے۔ (۳)

حاصل یہ ہے کہ حضرات علماء کرام کو علمی بات یا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مخاطبین کا خیال رکھنا چاہئے، اگر قاصر الفہم اور غبی و بلید قسم کے لوگ ہوں تو ان کے سامنے علمی اور دقیق مسائل نہ بیان کئے جائیں اسی طرح شریف اور وضع کے فرق کا بھی خیال رکھا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء کرام مخصوص مخصوص چیزوں کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے، مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کے بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے جن سے خروج علی السلطان یعنی ”سلطان المسلمین“ کے خلاف بغاوت کا مضمون معلوم ہوتا ہو۔ (۴)

امام مالک احادیث صفات کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (۵)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ”من تتبع غریب الحدیث کُذِّبَ“۔ (۶)

(۱) الكنز المتواری (ج ۲ ص ۳۸۵)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۳) فیض الباری (ج ۱ ص ۲۲۳)۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۵) حوالہ سابقہ۔

(۶) المحدث الفاضل بین الراوی والواعی (ص ۵۶۲) فقرہ (۷۶۹)، نیز دیکھئے الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص ۱۴۲)، و جامع بیان

العلم و فضله (ج ۲ ص ۱۰۳۳)، رقم (۱۹۸۶)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو ظروف حاصل کئے تھے، جن میں سے ایک ظرف تو انہوں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو بیان نہیں فرمایا (۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب حجاج بن یوسف کے سامنے عرنین کی حدیث بیان کی تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند نہیں کیا، اس لئے کہ حجاج نے اس حدیث کو خونریزی کا ذریعہ بنایا۔ (۳)

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جہاں ظاہر حدیث مراد نہ ہو اور ظاہر حدیث سے بدعت کو تقویت مل رہی ہو ایسے مواقع میں احادیث کو چھپانا چاہئے کہ سننے والا ظاہر کو لے کر بیٹھ جائے گا۔ (۴)

۱۲۷ : وَقَالَ عَلِيٌّ : حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ ، اَتُحِبُّونَ اَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ .

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو (دین کی) ہی باتیں بتاؤ جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلائے جائیں؟

اللہ اور اللہ کے رسول کی تکذیب اس لئے ہوگی کہ یہ بات ان کی سمجھ میں آئے گی نہیں، وہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہوگی تو وہ اس کو محال سمجھیں گے اور انکار کر دیں گے، اگر وہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی تکذیب لازم آئے گی اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آئے گی۔

آدم بن ابی ایاس کی ”کتاب العلم“ اور ابو نعیم کی ”مستخرج“ کی روایت میں مزید اضافہ ہے ”ودعوا ما ينكرون“۔ (۵) یعنی ”جو معروف نہ ہو اور جس کی فہم مشتبہ ہو جائے اسے چھوڑ دو“۔

(۱) فتح المغیث المسحاوی (ج ۴ ص ۱۰)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۲۳) کتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم (۱۲۰)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ متشابہات کو عام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”ما أنت بمحدث قومًا حديثًا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة“۔ (۱) یعنی ”جب بھی تم کسی کو ایسی حدیث سناؤ گے جہاں تک اس کی عقل نہ پہنچ پائے تو اس کے لئے وہ آزمائش کا ذریعہ بن جائے گی“۔

اسی طرح حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما حدثت أحدًا بشي، من العلم قط لم يبلغه عقله إلا كان ضلالاً عليه“۔ (۲) یعنی ”میں نے جب بھی کسی سے اس کی عقل سے اونچی بات کی وہ اس کے لئے غلطی اور گمراہی میں پڑنے کا باعث بن گئی“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”لقد حدثكم بأحاديث لو حدثت بها زمن عمر لضربني بالدرّة“ (۳) یعنی ”میں نے تمہیں وہ احادیث سنائی ہیں کہ اگر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حدیثیں سناتا تو وہ میری درّے سے خبر لیتے“۔

حدثنا عبيد الله بن موسى ، عن معروف بن خربوذ ، عن أبي الطفيل ، عن علي : بذلك .

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کی سند ہے، ابوذر کی روایت میں سند حسب معمول مقدم ہے، اور کشمیری کی روایت میں یہ پورا اثر مع سند ساقط ہے، جبکہ باقی حضرات کے نسخوں میں پہلے متن ہے اور بعد میں سند مذکور ہے۔ (۴)

تقدیم متن علی السند کی کیا وجہ ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے کئی نکلتے ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ حدیث مرفوع اور اثر صحابی میں

(۱) مقدمة صحيح مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ماسمع، رقم (۱۳)، وجامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۵۳۹) رقم (۸۸۸)۔

(۲) جامع بيان العلم وفضله (ج ۱ ص ۵۳۹)، رقم (۸۸۹)۔

(۳) جامع بيان العلم وفضله (ج ۲ ص ۱۰۰۳)، رقم (۱۹۱۳)۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

فرق ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کو ترجمہ کا جزء بنانا چاہتے ہیں، اس لئے سند سے پہلے ہی متن کو ذکر کر دیا۔

تیسری محتمل وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اس سند میں معروف بن خربوذ راوی ضعیف ہے، اس ضعیف راوی کے ضعف کی وجہ سے یہ تفریق کی ہے۔

یا مقصود تفنن اور تنوع ہے، کوئی امر زائد ملحوظ نہیں۔ (۱)

تراجم رجال

(۱) عبید اللہ بن موسیٰ

یہ عبید اللہ بن موسیٰ بن بازام عسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) معروف بن خربوذ

یہ معروف بن خربوذ (بفتح الخاء المعجمة، وتشدید الراء المفتوحة، بعدها باء موحدة مضمومة وبعدها واو ساكنة، وآخره ذال معجمة) مکی مولیٰ عثمان ہیں (۳) ان کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے۔ (۴)

یہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیشی رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن بریدہ (ان کا محفوظاً)، ابو جعفر محمد

(۱) دیکھئے شرح الکرمات (ج ۲ ص ۱۵۵)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۶)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۶۳)۔

(۴) ہدی الساری (ص ۴۴۴)۔

بن علی بن الحسین، محمد بن عمرو بن عتبہ اور ابو عبد اللہ مولیٰ ابن عباس رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔
 ان سے روایت کرنے والوں میں ابو داؤد طیالسی، ابو عاصم النبیل، عبید اللہ بن موسیٰ، فضل بن موسیٰ
 سینائی، وکیع بن الجراح اور ابو بکر بن عیاش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۱)
 امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ضعیف“۔ (۲)
 امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما أدري كيف حديثه؟“ (۳) یعنی ”مجھے نہیں معلوم کہ ان کی
 حدیثیں کس درجہ کی ہیں؟“

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے ”لا يتابع على حديثه، ولا
 يعرف إلا به“۔ (۴)
 ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الضعفاء میں نقل کیا ہے کہ یہ کتابیں خریدتے تھے اور ان
 سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، بعد میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، چنانچہ یہ توہم کے ساتھ روایت کر دیا
 کرتے تھے۔ (۵)

لیکن حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معروف بن خربوذ کی روایات میں یہ بات نہیں پائی جاتی، ممکن
 ہے کہ ابن حبان نے کسی اور کے حالات ان کے نام اور ترجمہ کے تحت ذکر کر دیے ہوں۔ (۶)
 ان کے مقابلہ میں ساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق“۔ (۷)
 امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یکتب حدیثہ“۔ (۸)

(۱) شیوخ و تلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۶۳ و ۲۶۴)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۶۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) کتاب الضعفاء للعقيلي (ج ۴ ص ۲۲۰)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۳۱)۔

(۶) حوالہ بالا۔ قال الدكتور بشار في تعليقاته على تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۶۵): ”كذا اقال الحافظ، ولم نقف عليه في المطبوع من ”المجروح حسن“۔

(۷) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۳۱)۔

(۸) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۶۴)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق، ربما وهم، وكان أخباريا، علامة“۔ (۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق شيعي“۔ (۳)

حاصل یہ ہے کہ معروف بن خربوذ کی بیشتر حضرات نے تضعیف کی ہے، تاہم کچھ حضرات نے نرم الفاظ میں ان کی تعدیل بھی کی ہے۔

ان کی احادیث بہت کم ہیں (۴) پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف یہی ایک اثر ایسا نقل کیا ہے جس میں ان کا واسطہ موجود ہے، اس کے سوا کہیں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ (۵)

جبکہ امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی صرف ایک حدیث کا اخراج کیا ہے ”سمعت أبا الطفيل يقول: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالبيت، ويستلم الركن بمحجن معه، ويقبل المحجن“۔ (۶) (اللفظ لمسلم)

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کوئی مرفوع روایت نقل نہیں کی، ساتھ ساتھ متن کو مقدم کر کے اور سند کو مؤخر کر کے اشارہ بھی کر دیا کہ اس سند میں کچھ ضعف ہے، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی حدیث استشہاداً نقل کی ہے، اصالتاً نہیں۔ (۷) واللہ أعلم

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۳۹)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۵۴۰)، رقم (۶۷۹۱)۔

(۳) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۱۴۴)، رقم (۸۶۵۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) ہدی الساری (ص ۴۴۴)۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعر وغیرہ.....، رقم (۳۰۷۷)، و سنن أبی داود، کتاب المناسک، باب الطواف الواجب، رقم (۱۸۷۹)، و سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب من استلم الرکن بمحجنه، رقم (۲۹۴۹)۔

(۷) دیکھئے تعلیقات الکاشف (ج ۲ ص ۲۸۰)، رقم (۵۵۵۱)۔

(۳) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ بن عبد اللہ بن عمرو بن جحش لیشی رضی اللہ عنہ ہیں، بعض حضرات نے ان کا نام عامر کے بجائے عمرو بتایا ہے، لیکن اصح قول عامر ہی ہے۔ (۱)

یہ غزوہ احد کے سال میں پیدا ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے انہوں نے تقریباً آٹھ سال پائے ہیں۔ (۲)

انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں حبیب بن ابی ثابت، امام زہری، ابوالزبیر مکی، علی بن زید بن جدعان، عبد اللہ بن عثمان بن خثیم، معروف بن خربوذ، سعید الجری اور فطر بن خلیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۳)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، پھر مکہ مکرمہ آ گئے تھے، وہیں وفات پائی۔ (۴)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص محبوبین میں سے اور ان کے خصوصی اصحاب میں سے تھے، ان کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے فضل و کمال کا اعتراف کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا کرتے تھے۔ (۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کے ساتھ اتصال و ارتباط کی وجہ سے خوارج ان سے ناراض اور ان

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۷۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۷۹ و ۸۰)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) دیکھئے الاستیعاب بہامش الإصابۃ (ج ۴ ص ۱۱۷)۔

کے بارے میں مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے تھے۔ (۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں ”وكان أبو الطفيل ثقة فيما ينقله، صادقاً، عالماً، شاعراً،

فارساً، عمر دهر أطويلاً، وشهد مع علي حروبه“۔ (۲)

یعنی ”آپ نقل میں معتمد اور ثقہ تھے، سچے تھے، عالم، شاعر اور شہسوار تھے، طویل عمر پائی، حضرت علی رضی

اللہ عنہ کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں شریک رہے۔“

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ وہ آخری صحابی ہیں جن کی وفات سے دنیا سے حضرات صحابہ کا دور ختم ہوا۔ (۳)

آپ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں (۴)، جن میں سے بخاری شریف میں صرف یہی ایک

روایت ہے، جبکہ مسلم شریف میں دو روایتیں ہیں۔ (۵)

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے چار حدیثیں مروی ہیں۔ (۶) غالباً ان کی مراد اصول ستہ

میں مروی احادیث ہیں، جو کل چار ہی ہیں۔ (۷)

اصح قول کے مطابق ان کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ (۸) رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ اسی جلد میں باب ”إثم من كذب على النبي صلى

الله عليه وسلم“ کے تحت گزر چکا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۸۳)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۴۷۰)۔

(۳) دیکھئے سیر أعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۴۶۷)۔

(۴) الکامل لابن عدي (ج ۵ ص ۸۷)۔

(۵) خلاصة الحزرجي (ص ۱۸۵)، وذخائر المواريث (ج ۳ ص ۹۶)۔

(۶) تعليقات معجم الصحابة (ج ۱۱ ص ۳۸۸۶)۔

(۷) دیکھئے ذخائر المواريث (ج ۳ ص ۹۶)۔

(۸) سیر أعلام النبلاء، (ج ۳ ص ۴۷۰)۔

۱۲۸ : حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، وَمُعَاذُ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ ، قَالَ : (يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ) . قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ : (يَا مُعَاذُ) . قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثَلَاثًا ، قَالَ : (مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ، صِدْقًا مِنْ أَقْلَبِهِ ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ) . قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَفَلَا أَخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا ؟ قَالَ : (إِذَا يَتَكَلَّمُوا) . وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَائِبًا .

تراجم رجال

(۱) اسحاق بن ابراہیم

یہ فقہ و حدیث کے مشہور امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو ابن راہویہ اور اسحاق بن راہویہ کے نام سے معروف ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“، کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) معاذ بن ہشام

یہ معاذ بن ہشام بن ابی عبد اللہ سمر الدستوائی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)
یہ اشعث بن عبد الملک، بکیر بن ابی السمیط، شعبہ بن الحجاج، عبد اللہ بن عون، یحییٰ بن العلاء الرازی اور اپنے والد ہشام الدستوائی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، عمرو بن علی الصیرفی، محمد بن بشار بن دار، عبید اللہ بن

(۱) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً مباشرة في هذا الباب، رقم (۱۲۹)، ومسلم في

صحيحه، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، رقم (۱۴۳) و (۱۴۸)۔

(۲) كشف الباري (ج ۳ ص ۳۷۱)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۲۸ ص ۱۳۹)۔

عمر القواریری، بکر بن خلف، ابراہیم بن عرعہ، ابوسعید الأشج، نصر بن علی، ابوہشام الرفاعی، یزید بن سنان اور زید بن اخزم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات کے علاوہ اور بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق، وليس بحجة“۔ (۲)

نیز امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں ”ليس بذاك القوي“۔ (۴)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة مأمون“۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق، صاحب حديث ومعرفة“۔ (۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے شروع میں لکھتے ہیں ”معاذ بن ہشام بن أبي عبد الله بن

سنبر، الإمام، المحدث، الثقة، البصري“۔ (۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق، ربما وهم“۔ (۸)

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ولسمعنا من هشام عن أبيه عن قتادة حديث كثير، ولمعاذ

عن غير أبيه أحاديث صالحة، وهو ربما يغلط في الشيء بعد الشيء، وأرجو أنه صدوق“۔ (۹)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”وكان من

المتقين“۔ (۱۰)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۱۴۰ و ۱۴۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۱۴۱)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۱۹۷)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۱۳۳)، رقم (۸۶۱۵)۔

(۷) سیر أعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۳۷۲)۔

(۸) تقریب التہذیب (ص ۵۳۶) رقم (۶۷۴۲)۔

(۹) الکامل (ج ۶ ص ۴۳۴)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج ۹ ص ۱۷۶ و ۱۷۷)۔

حاصل یہ ہے کہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان کے بارے میں مختلف ہے، کبھی تو انہوں نے ”ثقة“ کہہ کر توثیق کی ہے اور کبھی ”صدوق، ولیس بحجة“ کہہ کر توثیق کے ساتھ ساتھ ان کا درجہ بھی بتایا ہے کہ وہ ”جت“ نہیں ہیں، ابن قانع، حافظ ذہبی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی توثیق کی ہے، تاہم ان کے اندر کچھ کمزوری اگر ہو تب بھی یہ قابل تحمل و احتجاج ہیں، حضرات شیخین نے ان پر اعتماد کیا ہے، اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بہت زیادہ حدیثیں نہیں لیں (۱)۔

۲۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (۲)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعة

(۳) أبي

یہ معاذ بن ہشام کے والد ہشام بن ابی عبد اللہ سنبر دستوائی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب زیادة الإیمان ونقصانہ“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) قتادة

یہ امام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

(۵) انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات بھی کتاب الایمان، ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۵)

(۱) دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۴۴)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۳۷۳)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۴۵۶)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۳)۔

(۵) کشف الباری (ج ۲ ص ۶)۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم ومعاذ رديفه على الرحل قال: يامعاذ بن جبل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ بن جبل! اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پالان پر ردف تھے۔

”ردیف“ یا ”ردف“ وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی سواری کے پیچھے سوار ہو۔ (۱)

”رحل“ دراصل اونٹ کے پالان کو کہتے ہیں۔ (۲) لیکن یہاں ”رحل“ کا اطلاق تجوزاً کیا گیا ہے کیونکہ

کتاب الجہاد کی روایت میں آ رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حمار پر سوار تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

اس حمار پر آپ کے ردف تھے، اس حمار کا نام ”عفیر“ (بالعين المهملة والفاء مصغرا) تھا۔ (۳)

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں، ایک میں سواری کا

جانور اونٹ تھا اور دوسرے میں حمار۔ (۴)

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور ”علی الرحل“ کے معنی

”علی قدر مؤخرۃ الرحل“ ہوں۔ (۵)

اس کے بعد یہ سمجھو کہ بخاری شریف میں تو ہے ”علی حمار یقال له: عفیر“ (۶) لیکن مسند احمد میں

ہے ”یقال له یعفور“۔ (۷)

اس سلسلے میں عبدوس اور ابن القیم رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے تو یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی حمار کے دو نام

ہیں، لیکن حافظ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ حمار تھے، ایک مقوقس نے بطور ہدیہ بھیجا

(۱) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۲۴۰)۔

(۲) الرحل: رجل البعیر، مختار الصحاح (ص ۲۳۷)، وانظر فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶)۔

(۳) عن معاذ رضي الله عنه قال: ”كنت ردف النبي صلى الله عليه وسلم على حمار، يقال له: عفیر“ صحیح البخاری

(ج ۱ ص ۴۰۰)، کتاب الجہاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸۵۶)۔

(۴) دیکھئے شرح السيوي علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۴۴)، کتاب الإيمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل

الجنة قطعاً۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۰۰)، کتاب الجہاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸۵۶)۔

(۷) مسند أحمد (ج ۵ ص ۲۳۸)، رقم (۲۲۴۲۳) حدیث معاذ بن جبل رضي الله عنه۔

تھا اور ایک فروہ بن عمر نے۔ (۱) واللہ اعلم

”یا معاذ بن جبل“ میں ”ابن“ تو بالاتفاق منصوب ہے، البتہ ”معاذ“ پر نصب پڑھیں گے یا ضمہ، اس میں اختلاف ہے، ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ ضمہ پڑھنے کے قائل ہیں اور ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ فتح کے۔ ضمہ پڑھنے کی وجہ واضح ہے کہ یہ منادی مفرد ہے، اور منادی مفرد معرفہ کو علامت رفع پر مبنی قرار دیتے ہیں، اور ضمہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ منادی جو ”ابن“ یا ”ابنہ“ کے ساتھ متصف ہو کر آئے اس کا استعمال بہت ہے، کثرت استعمال تخفیف چاہتی ہے، لہذا چونکہ یہ مفعول بہ ہے، اس کی حرکت اصلیہ فتح ہے، اس لئے تخفیفاً فتح دے دیا۔ (۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ (۳)

اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے، بیعت عقبہ ثانیہ، غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ (۴)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کیا کرتے ہیں۔

ان سے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت ابو امامہ، حضرت ابو ثعلبہ خثنی، حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین میں سے ابوالا سود دؤلی، کثیر بن مرہ، ابو وائل، ابن ابی لیلیٰ، عمرو بن میمون، ابو مسلم خولانی، مسروق اور عبد الرحمن بن غنم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات روایت حدیث کرتے ہیں۔ (۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا شمار علماء صحابہ میں ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بہت

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۶ ص ۵۹) کتاب الجہاد، باب اسم الفرس والحمار۔

(۲) دیکھئے أوضح المسالك (ج ۳ ص ۷۹) باب النداء، الفصل الثانی فی أقسام المنادی وأحكامه۔ نیز دیکھئے شرح الجامی

(ص ۱۲۷) المنصوبات، توابع المنادی۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۱۰۵ و ۱۰۶)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۱۰۷)۔

(۵) رواۃ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۱۰۸ و ۱۰۹)۔

سے مناقب منقول ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ (۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”..... أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل.....“۔ (۲)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا ”نعم الرجل معاذ بن جبل“۔ (۳)

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا ”یا معاذ، إني لأحبك في الله“۔ (۴)

سہل بن ابی حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ دینے والے حضرات چھ افراد تھے، مہاجرین میں سے تین: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور انصار میں سے تین: حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم۔ (۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”من أراد الفقه فليأت معاذ بن جبل“۔ (۶)

ایک مرتبہ مدینہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص تقریباً دو سال اپنے گھر سے غائب رہا، اس کے بعد جب آیا تو بیوی حاملہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ اس عورت کو سنگسار کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو تو اس کے ساتھ مارا نہیں جاسکتا؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا، اس کے بعد اس کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا اس کی مشابہت اس کے شوہر کے ساتھ بھی تھی اور اس کے سامنے کے دانت بھی نکل آئے تھے، اس شخص نے خود بھی کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”عجزت النساء أن يلدن مثل

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۳۷)، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، رقم (۳۸۰۶)۔

(۲) جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت وأبی بن کعب وأبی عبيدة بن الجراح رضي الله عنهم، رقم (۳۷۹۰، ۳۷۹۱)۔

(۳) جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل.....، رقم (۳۷۹۵)۔

(۴) سنن النسائي، کتاب المسهو، باب: نوع آخر من الدعاء، رقم (۱۳۰۴)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۱ ص ۴۵۲)۔

(۶) المستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۲۷۱ و ۲۷۲)، وصححه ووافقه الذهبي۔

معاذ، لولا معاذ لهلك عمر“ یعنی ”عورتیں معاذ جیسی شخصیت پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا“۔ (۱)

شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپس میں بات چیت کرتے اور ان میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی ہوتے تو دوسرے حضرات ان کی طرف پُر ہیبت نظروں سے دیکھتے تھے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”إِنْ مَعَاذًا كَانَ أُمَّةً قَانَتْ لِلَّهِ حَنِيفًا.....“۔ (۳) کسی نے کہا کہ یہ صفت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانَتْ لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ”الأمّة: الذي يعلم الخير ويؤتم به، والقانت: المطيع لله عز وجل، وكذلك كان معاذ معلماً للخير، مطيعاً لله عز وجل ولسوله صلى الله عليه وسلم“۔ (۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ اس غرض سے چھوڑا کہ وہ لوگوں کو دین اور قرآن سکھائیں۔ (۶)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آخر عمر میں یمن قاضی اور دینی رہنما بنا کر بھیجا۔ (۷)

یمن سے واپس آنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بغرض جہاد شام چلے

گئے، وہیں طاعون عمواس کے زیر اثر وفات پائی۔ (۸)

(۱) سیر أعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۴۵۲)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۴۵۲ و ۴۵۳)۔

(۳) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۹۹)۔

(۴) النحل/۱۲۰۔

(۵) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۹۹)۔

(۶) سیر أعلام النبلاء، (ج ۱ ص ۴۵۹)۔

(۷) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۰۰)۔

(۸) حوالہ بالا۔

وفات کے وقت ان کی عمر تینتیس یا چونتیس سال تھی۔ (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر طاعون کا اثر ہوا تو بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، افاقہ ہوتے ہی کہہ اٹھتے تھے ”رب، غمینی غمک، فوعزتک، إنک لتعلم أني أحبک“ (۲)۔ یعنی ”اے میرے رب! مجھے صرف تیرا ہی غم فراق ہے، تیری عزت کی قسم! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔“

اسی طرح اس موقع پر فرمایا:

”اللهم، إنک تعلم أني كنت أخافک، وأنا اليوم أرجوک، إنی لم أکن أحب الدنيا وطول البقاء فيها؛ لکری الأ نهار، ولا لغرس الأشجار، ولكن لظمها الهواجر ومكابدة الساعات، ومزاحمة العلماء بالركب عند خلق الذکر“۔ (۳)

یعنی ”اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا اور آج مجھے تجھ سے امید غفوء کرم ہے، میں دنیا سے محبت اور اس میں عرصہ دراز تک بھینے کی تمنا اس لئے نہیں کرتا کہ نہریں کھودوں، درخت لگاؤں، بلکہ یہ محبت دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا رہنے کے لئے، اوقات زندگی کو بھرپور محنت اور جدوجہد میں گزارنے کے لئے اور حلقہ ذکر و تعلیم میں علماء کے زانوؤں سے زانو ملا کر بیٹھنے کے لئے ہے۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے تقریباً ایک سو ستاون حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے متفق علیہ دو حدیثیں

ہیں، جبکہ بخاری تین حدیثوں سے اور مسلم ایک حدیث سے مفرد ہیں۔ (۴)

۱۸ھ طاعونِ عمواس میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۵) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاه۔

قال: لبيك يا رسول الله وسعديك، قال: يا معاذ، قال: لبيك يا رسول الله

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۰۰)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۹۸)، وخلاصة الخبر رحي (ص ۳۷۹)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج ۱ ص ۴۶۱)۔

وسعدیک ثلاثا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“ (یا رسول اللہ میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں) آپ نے پھر آواز دی اے معاذ! انہوں نے عرض کیا ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“، اس طرح تین مرتبہ ہوا۔

”لبیک“

عربی میں کہتے ہیں ”أَلْبَّ بِالْمَكَانِ يُلَبِّ الْبَابُ“ کسی جگہ مقیم ہونا اور اسے لازم پکڑنا، اسی طرح ”أَلْبَّ“ کی جگہ ”لَبَّ“ بھی کہتے ہیں۔ (۱)

امام فراء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسی سے ”لبیک“ کا لفظ بنا ہے، جس کے معنی ہیں، ”میں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مقیم اور ثابت ہوں“ (۲)۔
یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، جیسے ”حمداً للہ“ اور ”شکراً للہ“ میں ”حمداً“ اور ”شکراً“ منصوب ہیں۔ (۳)

”لبیک“ تشنیہ کا صیغہ ہے، تاکید کے واسطے اس کو تشنیہ لایا گیا ہے، گویا ”لبیک“ کے معنی ہیں ”أَلْبَّ لَكَ الْبَابَا بَعْدَ الْبَابِ وَإِقَامَةً بَعْدَ إِقَامَةٍ“۔ (۴)

امام خلیل نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ”لَبَّ يَلْبُ“ سے بنا ہے، کہا جاتا ہے ”دار فلان تلَبَّ داری“ یعنی فلاں کا مکان میرے مکان کے مواجہہ میں یعنی مقابل ہے، لہذا ”لبیک“ کا مطلب ہے ”أَنَا مُوَاجِهٌكَ بِمَا تَحِبُّ إِجَابَةً لَكَ“ (۵) یعنی ”آپ جس چیز کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں میں اس کا عین آپ کی مرضی کے مطابق مواجہہ یعنی سامنا کرنے والا ہوں“۔

(۱) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۵۸۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ سابقہ۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

واضح رہے کہ یہ تشبیہی پر دلالت کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تکثیر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ (۱)
 نیز یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ لفظ ہمیشہ ضمیر مخاطب کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے، نہ کہ غائب کی طرف،
 الا شاذاً۔ (۲)

”سعدیک“

”سعد“ إسعاد یعنی مساعده اور اعانت کے معنی میں ہے، گویا ”أسعدك إسعاداً بعد إسعاد“ کے معنی
 میں ہے اور مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ (۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر اہتمام کے ساتھ مکرر یہ کرر جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آواز
 دی، دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کی بات سننے اور سمجھنے کے لئے پوری طرح اپنی
 روح و قلب کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پوری طرح متوجہ ہو گئے تو آپ نے اس
 وقت آگے ارشاد فرمایا۔

قال: ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله صدقاً من

قلبه إلا حرمه الله على النار

آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص سچے دل سے اس بات کی شہادت دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود
 نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ آگ کو حرام کر دیں گے۔

”صدقاً“ ”صادقاً“ کے معنی میں ہے۔ ”من قلبه“ کا تعلق ”صدقاً“ سے بھی ہو سکتا ہے اور مطلب ہوگا
 کہ وہ شخص زبان سے شہادت کا تلفظ کرتا ہے اور دل سے اس کی تصدیق کرتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا
 تعلق ”یشہد“ سے ہو، یعنی دل سے سچی گواہی دیتا ہے۔ ان میں پہلا احتمال اولیٰ ہے۔ (۴)

(۱) المعجم المفصل في الإعراب للأستاذ طاهر يوسف الخطيب (ج ۳ ص ۳۸۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۲۹۹)، والمعجم المفصل في الإعراب (ج ۳ ص ۲۲۸)۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۰۷)۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ ”صدق“ کا اطلاق افعال واقوال دونوں پر ہوتا ہے۔ اقوال صادقہ وہ اقوال ہیں جو واقع کے مطابق ہوں اور افعال صادقہ وہ افعال ہیں جو پسندیدہ ہوں۔ یہاں دونوں معنی یعنی استقامت قولی و فعلی مراد ہیں۔ (۱)

حدیث باب سے

مرجئہ کا استدلال اور اس کا رد

اس حدیث سے مرجئہ نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ خوارج نے تو ان جیسی احادیث ہی کو رد کر دیا۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ تمام احادیث کو اپنی جگہ رکھتے ہیں اور سب کو مانتے ہیں اور ان کے مناسب معنی بتاتے ہیں، اس حدیث شریف کے بھی متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ایک معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اگرچہ مطلق ہے کہ جو کوئی شخص توحید و رسالت کی شہادت دے گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا، تاہم یہ حکم حقیقت میں مقید ہے ”ما من أحد يشهد تائبا“ کے ساتھ، یعنی جو کوئی شخص توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ ساتھ توبہ کرتا ہو اس دنیا سے رخصت ہوگا اس پر آگ حرام ہوگی۔

۲۔ ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اور اس قسم کی جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ سب نزول فرائض و احکام سے پہلے وارد ہوئی ہیں، لہذا نزول فرائض کے بعد صرف شہادتین کافی نہیں، فرائض و احکام پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

اس جواب پر اشکال ہے، کیونکہ یہ روایات حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں (۲)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا متاخر الاسلام ہونا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قدم

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، رقم (۱۴۷) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے دیکھئے مسند أحمد (ج ۴ ص ۴۰۲ و ۴۱۱)

رقم (۱۹۸۲۶) و (۱۹۹۲۵)۔

حضرت ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے سال ہونا معروف ہے، اس وقت تک اکثر فرائض کا نزول ہو چکا تھا۔

۳۔ ایک معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ یہ حکم غالب احوال کے اعتبار سے ہے، کیونکہ موحد عموماً اطاعت کرتا

اور معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

۴۔ ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”حرمة الله على النار“ سے مراد تحریم خلود ہے، نہ کہ

مطلق دخول۔

۵۔ ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”تحریم علی النار“ سے مراد فی الجملہ تحریم ہے کیونکہ حدیث

شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے مواضع جود کو آگ نہیں کھائے گی، اسی طرح زبان کو بھی جس سے اس نے توحید کی شہادت دی۔

۶۔ ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں ”نار“ سے مراد جہنم کا وہ طبقہ ہے جس کو کافروں کے لئے

تیار کیا گیا ہے نہ کہ وہ طبقہ جس کو موحد عصاة کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

۷۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أن ذلك لمن قال الكلمة وأدى حقها

وفریضتها“ یعنی ”یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اس کلمہ کو کہنے کے بعد اس کے حقوق و فرائض کو بھی بجالائے۔“ (۱)

۸۔ ایک مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کلمہ کی تاثیر حقیقتہً یہی ہے کہ آگ حرام ہو جاتی ہے

بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، اگر کوئی مانع ہوگا تو اس کلمہ کا یہ اثر نہیں رہے گا، دیکھو! نہر کا پانی چلتا ہے، جدھر نہر کا

رخ ہے اس طرف بہتا چلا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی بند لگا دے تو رک جاتا ہے اور اگر وہ بند ہٹ جائے تو پھر پانی

اپنے رخ پر بہنے لگتا ہے، ایسے ہی اس کلمہ کی خاصیت ہے کہ وہ جہنم کو حرام کر دے گا اور جنت میں لے جائے گا

بشرطیکہ اس خاصیت کو روکنے والی کوئی چیز اور کوئی عمل ظاہر نہ ہو، اگر کوئی عمل ایسا ظاہر ہوگا اور وہ طاقتور ہو تو اس

کی خاصیت کو روک دے گا اور جب اس عمل کا اثر زائل ہو جائے گا تو اس کلمہ کی خاصیت ظاہر ہوگی۔

اور اثر کے جانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہٹا دیں اور دوسری

صورت یہ ہے کہ آدمی عذاب چکھ لے، سزا بھگت لے اور سزا بھگتنے کی وجہ سے وہ روک ختم ہو جائے، بہر حال

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے عمدۃ الفاری (ج ۲ ص ۲۰۷ و ۲۰۸)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶ و ۲۲۷)۔

اس کلمہ کا اثر ظاہر ہو کے رہے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

قال: یا رسول اللہ، أفلا أخبر به الناس فيستبشروا؟

حضرت معاذ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں لوگوں کو اس بات کی بشارت نہ دوں کہ وہ خوش ہوں؟

قال: إذا يتكلموا

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تب تو لوگ اعتماد کر کے اعمال میں کوتاہی کرنے لگیں گے۔

عام نسخوں میں تو ”فستبشروا“ حذفِ نون کے ساتھ ہے، جبکہ ابوذر کے نسخہ میں ”فستبشرون“

بایات النون ہے۔

پہلی صورت میں ”فستبشروا“، ”أن“ ناصبہ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسری صورت میں

تقدیر عبارت ہوگی ”فهم يستبشرون“۔ (۱)

”إذا يتكلموا“ ”إن أخبرتهم يتكلموا“ کے معنی میں ہے۔ (۲)

اصلی اور کشمینی کے نسخہ کے مطابق یہ لفظ ”يتكلموا“ بالنون ہے، جس کے معنی انکار کے ہیں، مطلب یہ

ہوگا کہ تب تو لوگ عمل سے انکار کر دیں گے۔ (۳)

مسند بزار میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک روز فرمایا ”من قال: لا اله الا الله، وجبت له الجنة“۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو خوش خبری سنانے کی غرض سے اجازت طلب کی، آپ نے اجازت

دے دی، وہ خوش ہو کر جلدی سے نکلے، راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا کہ کیا بات

ہے؟ حضرت معاذ نے انہیں وہ بات بتادی، حضرت عمر نے فرمایا کہ جلدی مت کرو، ذرا ٹھہر جاؤ، پھر وہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ کی رائے ہی افضل ہے،

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷)، وتحفة الباری لشیخ الإسلام زکریا الأنصاری (ج ۱ ص ۱۴۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

تاہم میری رائے یہ ہے کہ لوگ جب یہ خوشخبری سنیں گے تو اعتماد کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا کہ ان کو واپس بلاؤ، چنانچہ ان کو واپس بلا لیا۔ (۱)

وأخبر بها معاذ عند موته تأثما

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت خود کو گناہ سے بچانے کی غرض سے لوگوں کو اس کی خبر دی۔

”موتہ“ کی ضمیر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے (۲)، پہلی صورت میں ”عند موتہ“ کا مطلب ہوگا ”قبل موت معاذ“ اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا ”بعد موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“۔

یہ بات احتمال کی حد تک تو درست ہے، تاہم صحیح یہاں پہلی صورت ہے (۳)، کیونکہ مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے، وہ فرماتے ہیں ”أخبرنا من شهد معاذاً حين حضرته الوفاة، يقول: اكشفوا عني سجع القبة، أحدثكم حديثاً سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يمنعني أن أحدثكم إلا أن تتكلموا.....“۔ (۴)

”تأثم“ باب تفعّل کا مصدر ہے، اس میں سلب ماخذ یا خروج عن الشیء کی خاصیت پائی جا رہی ہے، گویا ”تأثما“ کے معنی ”خروجاً عن الإثم“ کے ہیں (۵)۔ اور مطلب ہوگا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

(۱) کشف الأستار عن زوائد الزوار (ج ۱ ص ۱۲)، رقم (۸) کتاب الإیمان، باب توحيد الله سبحانه۔

(۲) شرح الکرماني (ج ۱ ص ۱۵۵)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۵ ص ۳۳۷)، رقم (۲۲۴۱۰)۔

(۵) قال الزبيدي في تاج العروس (ج ۸ ص ۱۷۹) مادة ”أثم“: ”تأثم الرجل: تاب منه، أي: من الإثم، واستغفر منه، وهو على السلب، كأنه سلب ذات الإثم بالتوبة والاستغفار، أو رام ذلك بهما، وأيضاً: فعل فعلاً خرج به من الإثم كما يقال: أخرج، إذا فعل فعلاً خرج به من الحرج، وفي حديث معاذ: فأخبر بها عند موته تأثما“۔

انتقال کے وقت کتمان علم کے گناہ سے نکلنے کے لئے یہ روایت بیان کر دی۔

باب تفعل کے اندر دخول فی الشیء کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے تقدیر عبارت ہوگی
”أخبر بها معاذ عند موته مخافة الدخول في الإثم“ یعنی گناہ میں داخل ہونے کے خوف سے حضرت
معاذ نے یہ روایت نقل کر دی۔

ممانعت کے باوجود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

نے یہ روایت لوگوں کے سامنے کیسے نقل کی؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ
فرمایا تھا کہ لوگوں سے بیان نہ کرو، اگر بیان کرو گے تو لوگ اسی پر تکیہ کر لیں گے تو پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو
کتمان علم کا خوف کیوں ہوا؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

۱۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ممانعت کو تحریم پر محمول نہیں کیا، بلکہ وہ یہ سمجھے کہ میرے اندر جو تبشیر کا عزم پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑنا
مقصود ہے۔ (۱)

۲۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ (۲) (جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو لوگوں کو بشارت سنانے کی اجازت دی تھی) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے بعد کا ہو، لہذا
انہوں نے اس کو نسخ اور اپنے واقعہ کو منسوخ سمجھا اور اس طرح آخر وقت میں یہ حدیث لوگوں کے سامنے نقل
کر دی۔

۳۔ ہو سکتا ہے کہ ممانعت کا تعلق علی وجہ العموم ہو۔ مخصوص لوگوں کے سامنے بیان سے

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷)۔

(۲) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، رقم (۱۴۷)۔

ممانعت نہ ہو۔ (۱)

لیکن ان تمام جوابات پر اشکالات ہیں۔

چنانچہ پہلے جواب پر اشکال یہ ہے کہ جب روایت میں صراحۃً ممانعت مذکور ہے (۲) تو اس کو کسر عزیمت پر کیوں محمول کیا جائے؟

اسی طرح دوسرے جواب پر اشکال یہ ہے کہ سیاق روایت سے سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے پہلے کا ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ! جو لوگ اس باغ کے باہر ہیں ان سب کو اطلاع کر دو کہ جو ”لا إله إلا الله“ یقین کے ساتھ کہے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، وہ باغ سے نکل رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستے میں مل گئے، انہیں جب معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بزور روکا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وجہ بتائی کہ یا رسول اللہ! لوگوں کو عمل کرنے دیجئے، ایسا نہ ہو کہ لوگ اس پر تکیہ کرنے لگیں، آپ نے تصویب فرماتے ہوئے فرمایا ”فخلہم“ (۳)۔

چنانچہ بعد میں آپ نے یہی مفہوم اور مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا، اس میں آپ نے لوگوں کو سنانے کا حکم نہ صرف یہ کہ نہیں دیا بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تبشیر کے جذبہ کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

اس کے علاوہ صرف احتمال کی بنا پر نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ (۴)

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۸)۔

(۲) جیسا کہ اس باب میں اگلی روایت میں ہے ”... لا، إني أخاف أن يتكبروا“۔

(۳) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، رقم (۱۴۷)۔

(۴) قال السخاوي في فتح المغيث (ج ۴ ص ۵۲، بحث النسخ والمنسوخ): ”فقال الشافعي فيما رواه البيهقي في المدخل من طريقه: ولا يستدل على النسخ والمنسوخ إلا بحبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو بوقت يدل على أن أحدهما بعد الآخر، أو بقول من سمع الحديث يعني من الصحابة أو العامة يعني الإجماع وهو كما قال المصنف: أوضح وأشهر، إذ النسخ لا يصر إليه بالاجتهاد والرأي، وإنما يصر إليه عند معرفة التاريخ...“۔

اور تیسرے جواب پر اشکال ہے کہ مسند احمد میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو میرے پاس بلا لاؤ، جب سارے آگئے تو انہوں نے یہ حدیث سنائی۔ (۱)

لہذا یہ کہا جائے گا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ یہ نبی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے اور ممانعت کی وجہ ”خوف الاتکال“ ہے اور اتکال ابتدا میں ہوتا ہے جب آدمی اعمال کا خوگر اور عادی نہ ہو، جب آدمی اعمال کا عادی بن جاتا ہے تو اس کے بعد آدمی اتکال نہیں کرتا، خود اس میں طاعات کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، وہ خود بخود کرتا ہے۔

گویا ابتدا میں اتکال کا خوف تھا، اعمال میں کوتاہی کا اندیشہ تھا، اس کے بعد یہ خطرہ جاتا رہا اور حضرت معاذ سمجھ گئے کہ جس علت کی وجہ سے منع کیا گیا تھا وہ علت باقی نہیں رہی، لہذا اگر یہ حدیث بیان نہ کی گئی تو کتمان علم کے گناہ کا خطرہ ہے۔ واللہ اعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں سے ایک اشکال کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا، اشکال یہ ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کتمان علم کے گناہ سے نکلنے کا ارادہ ہوا اور اس کی وجہ سے حدیث بیان کر دی تو ان کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ حدیث بیان کرنے کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت کی مخالفت کا گناہ لازم آئے گا۔

سو اس کا جواب یہی ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت ”اتکال“ کے ساتھ مقید تھی، جب ”قید“ یعنی اتکال کا زوال ہو گیا تو مقید بھی ختم ہو گیا۔ (۲) واللہ اعلم۔

(۱) ”عن معاذ بن جبل أنه إذ حضر قال: أدخلوا علي الناس، فأدخلوا عليه فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من مات لا يشرك بالله شيئاً جعله الله في الجنة، وما كنت أحدثكموه إلا عند الموت، والشهيد على ذلك عويسر أبو الدرداء، فأتوا أبا الدرداء، فقال: صدق أخي، وما كان يحدثكم به إلا عند موته، مسند أحمد (ج ۶ ص ۴۵۰)، رقم (۲۸۰۹۸) أحاديث أبي الدرداء۔

(۲) شرح الكرماني (ج ۲ ص ۱۵۶)۔

(۱)
 ۱۲۹ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ : سَمِعْتُ أَبِي قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ :
 ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمُعَاذٍ : (مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ) . قَالَ : أَلَا أُبَشِّرُ
 النَّاسَ ؟ قَالَ : (لَا ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَكَلَّمُوا) .

تراجم رجال

(۱) مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسریل بن مرعیل الاسدی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوالحسن ان کی کنیت ہے۔ (۲)

منصور بن عبد اللہ خالدی نے ان کا نسب نامہ یوں ذکر کیا ہے، ”مسدد بن مسرہد بن مسریل بن مغریل بن مرعیل بن ارندل بن سرندل، بن غرندل بن ماسک بن مستور الاسدی“۔ (۳)
 لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نسب کا یہ سیاق منکر اور عجیب ہے اور لگتا ہے کہ یہ نسب نامہ گھڑا ہوا ہے، منصور قابل اعتنا نہیں ہیں۔ (۴)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا نام عبد الملک بن عبد العزیز ہے (۵)، گویا ”مسدد“ لقب ہے۔
 یہ مہدی بن میمون، حماد بن زید، عبد اللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر، ہشیم، عبد الوارث، ابو عوانہ، ابوالأحوص،
 معتمر، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، یحییٰ القطان، عیسیٰ بن یونس، وکیع اور ان کے والد الجراح بن ملیح رحمہم
 اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابوداؤد، ابوزرعہ، ابوحاتم، یعقوب بن سفیان الفسوی

(۱) قولہ ”أنس“ قد سبق شرحہ تحت الحدیث السابق فی هذا الباب۔

(۲) دیکھئے التاريخ الكبير لبخاري (ج ۸ ص ۱۲۲)، رقم (۲۲۰۹)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۵۹۴)، وتهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۱۰۹)۔

(۴) سير أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۵۹۴)۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۱۰۹)۔

یعقوب بن شیبہ السدوسی، ابواسحاق جوزجانی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور احمد بن عبد اللہ عجمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۱)

یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کے گھر جا کر ان کو حدیثیں سناؤں تو یہ اس کے اہل تھے۔ (۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مسدد صدوق، فما کتبت عنه فلا تعد“۔ (۳) یعنی ”مسدد صدوق ہیں، ان سے جو حدیثیں لکھو تو کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔“

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”صدوق“۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں ”إنه ثقة ثقة“۔ (۵)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مسدد بصري ثقة“۔ (۷)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ثقة“۔ (۸)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ثقة“۔ (۹)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱۰)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”..... الإمام الحافظ الحجة أحد أعلام الحديث.....“

(۱) دیکھئے شیوخ و تلامذہ کے لئے تہذیب الکمال (ج ۲۷ ص ۴۴۴ و ۴۴۵)، وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۵۹۱ و ۵۹۲)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۷ ص ۴۴۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۲۷ ص ۴۴۷)۔

(۸) کتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ج ۸ ص ۵۰۰)، رقم (۱۵۳۰۵)۔

(۹) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۱۰۹)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج ۹ ص ۲۰۰)۔

وكان من الأئمة الأثبات“۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة حافظ“۔ (۲)

بصرہ میں سب سے پہلے ”مسند“ لکھنے والے یہی تھے۔ (۳)

۲۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۴) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعة

(۲) معتمر

یہ ابو محمد معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کا لقب ”طفیل“ تھا، بنو مرہ کے مولیٰ تھے، بنو تیم میں اقامت اختیار کرنے کی وجہ سے ”تیمی“ کہلاتے ہیں، ورنہ حقیقتہً بنو تیم میں سے نہیں تھے۔ (۵)

یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان، منصور بن المعتمر، ایوب سختیانی، حمید الطویل، عمرو بن دینار بصری، لیث بن ابی سلیم، خالد الحذاء، اشعث بن عبد الملک، عاصم الاحول، یونس بن عبید اور اسحاق بن سوید رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام عبد اللہ بن المبارک، عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، عبد اللہ بن مسلمہ القعنسی، امام اصمعی، یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری، مسدد بن مسرہد، محمد بن سلام البیہقی، ابو کریب محمد بن العلاء، ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۶)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

(۱) سیر أعلام النبلاء، (ج ۱۰ ص ۵۹۱)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۵۲۸)، رقم (۶۵۹۸)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۱۰۹)۔

(۴) التاريخ الكبير للبخاري (ج ۸ ص ۷۲ و ۷۳)، رقم (۲۲۰۹)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۵۰)۔

(۶) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۵۰-۲۵۳)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۵۴)۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة صدوق“۔ (۱)

قرۃ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما معتمر عندنا دون سليمان التيمي“۔ (۲) یعنی ”معتمر ہمارے نزدیک سليمان التيمي سے کم نہیں ہیں“۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان ثقة“۔ (۳)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”بصري ثقة“۔ (۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما كان أحفظ معتمر بن سليمان، قلما كنا نسأله عن شيء

إلا عنده فيه شيء“۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أحد الثقات الأعلام“۔ (۶)

نیز وہ فرماتے ہیں ”كان رأساً في العلم والعبادة كأيّيه“۔ (۷) یعنی ”اپنے والد کی طرح یہ علم اور عبادت میں فائق تھے“۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۸)

البتہ امام یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”إذا حدثكم المعتمر بشيء، فاعرضوه؛ فإنه سيء

الحفظ“۔ (۹)

یعنی ”معتمر جب تمہیں حدیث بیان کریں تو اس کو دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کرلو، کیونکہ یہ حافظہ

(۱) الجرح والتعديل (ج ۸ ص ۴۶۱)، رقم (۱۵۱۵۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الطبقات (ج ۷ ص ۲۹۰)۔

(۴) تهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۲۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) ميزان الاعتدال (ج ۴ ص ۱۴۲)، رقم (۸۶۴۸)۔

(۷) الكاشف (ج ۲ ص ۲۷۹)، رقم (۵۵۴۶)۔

(۸) تقريب التهذيب (ص ۵۳۹)، رقم (۶۷۸۵)۔

(۹) تهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۲۲۸)۔

کے اعتبار سے کمزور ہیں۔“

اسی طرح ابن دجیہ نے بھی امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے ”لیس بحجة“۔ (۱)

اسی طرح ابن خراش کہتے ہیں ”صدوق یخطئی من حفظہ ، وإذا حدث من کتابہ فہو

ثقة“۔ (۲)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں اس قسم کے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں ”ہو ثقة

مطلقاً“۔ (۳)

یہ عین ممکن ہے کہ امام یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے محض حافظہ کی بنیاد پر روایت کردہ احادیث

کے بارے میں فرمایا ہو، امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ خود ان سے ان کی توثیق منقول ہے، جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أكثر ما أخرج له البخاري مما توبع عليه، واحتج به

الجماعة“۔ (۴)

یعنی ”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے جو احادیث روایت کی ہیں اکثر کی متابعات موجود ہیں اور

ان سے تمام اصحاب اصول ستہ نے احتجاج کیا ہے۔“

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۵)

۱۸۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۶)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعة

(۱) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۱۴۲)، رقم (۸۶۴۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) ہدی الساری (ص ۴۴۴)۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۵۲۱ و ۵۲۲)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۲۵۵)۔

(۳) اُبی

یہ معتمر بن سلیمان کے والد سلیمان بن طرخان (۱) تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اصلاً قبیلہ تیم سے ان کا تعلق نہیں تھا، چونکہ ان میں ٹھہرے تھے اس لئے ”تیمی“ کی نسبت سے معروف ہو گئے۔ (۲)

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابو عثمان نہدی، یزید بن عبد اللہ بن الشخیر، امام طاؤس، ابو مجلز، یحییٰ بن یعمر، بکر بن عبد اللہ المزنی، حسن بصری، ثابت بنانی، قتادہ، رقبہ بن مصقلہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں ابواسحاق سبعی، معتمر بن سلیمان، شعبہ بن الحجاج، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، یزید بن زریع، عبد اللہ بن المبارک، ہشیم بن بشیر، سفیان بن عیینہ، اسماعیل بن علیہ، یحییٰ القطان، محمد بن فضیل اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۳)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ملأیت أحداً صادقاً من سليمان التيمي“۔ (۴) یعنی ”میں نے سلیمان تیمی سے بڑھ کر کسی کو صادق نہیں پایا“۔

امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تابعی ثقة، وكان من خيار أهل البصرة“۔ (۶) یعنی ”یہ تابعی اور ثقہ ہیں اور ان کا شمار اہل بصرہ کے صالح ترین لوگوں میں ہوتا تھا“۔

(۱) ”طرخان“ کے تلفظ کے سلسلہ میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور علامہ زبیدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں ”(طرخان بالفتح ولا تنضم) أنت (ولا تكسر، وإن فعله المحدثون) والصواب: الاقتصار على الفتح“۔ تاج العروس (ج ۲ ص ۲۶۹)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری میں ”طاء“ پر صرف کسرہ ضبط کیا ہے۔ دیکھئے (ص ۲۲۰) جبکہ حافظ مغلاطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو علی جیانی غسانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”تقیہ المہمل“ سے نقل کیا ہے ”طرخان بكسر الطاء المهملة، ويقال: بضمها“۔ دیکھئے اكمال تہذیب الكمال (ج ۶ ص ۷۰)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الكمال (ج ۱۲ ص ۵)۔

(۳) شیوخ و تلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الكمال (ج ۱۲ ص ۷ و ۶)۔

(۴) تہذیب الكمال (ج ۱۲ ص ۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة كثير الحديث“۔ (۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”حفاظ البصريين ثلاثة: سليمان التيمي، وعاصم

الأحول، وداود بن أبي هند، وكان عاصم أحفظهم“۔ (۲) یعنی ”بصرہ کے اعلیٰ ترین حفاظ حدیث تین ہیں ایک سلیمان تیمی، دوسرے عاصم الأحول، تیسرے داود بن ابی ہند، پھر ان میں عاصم سب سے احفظ ہیں“۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کتاب الثقات میں فرماتے ہیں ”كان من عباد أهل البصرة وصالحينهم

ثقة، وإتقاناً، وحفظاً، وسنة“۔ (۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”ثقة“ اور ”رجل حافظ“ قرار دیا ہے۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الإمام أحد الأثبات“۔ (۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة عابد“۔ (۶)

البتہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ تدلیس کیا کرتے تھے۔ (۷)

غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وما روي عن الحسن وابن سيرين فهو

صالح إذا قال: سمعت أو قلت“۔ (۸)

سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ کئی تابعین سے روایت حدیث کرتے ہیں، لیکن علماء نے تصریح کی ہے کہ ان کو

ان سے سماع حاصل نہیں ہے، چنانچہ سلیمان تیمی نافع، عطاء، عکرمہ اور سعید بن المسیب سے جو روایتیں نقل

کرتے ہیں وہ مراہیل ہیں۔ (۹)

(۱) الطبیقات الکبری (ج ۷ ص ۲۵۲)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۹)، والجرح والتعديل (ج ۴ ص ۱۲۱)، رقم (۵۶۵۸)۔

(۳) إكمال تہذیب الکمال لمغلطاي (ج ۶ ص ۷۰)، وتہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۲۰۲)۔

(۴) تعلیقات تہذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۱۳)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۲۱۲)، رقم (۳۴۸۱)۔

(۶) تقریب التہذیب (ص ۲۵۲)، رقم (۲۵۷۵)۔

(۷) کما فی رواية الدورى عن ابن معین۔ انظر تعلیقات الکاشف (ج ۱ ص ۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۸) التاريخ الكبير (ج ۴ ص ۲۱)، رقم (۱۸۲۸)، وفي تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۲۰۲): ”إذا قال: سمعت أو حدثنا“۔

(۹) ويكف عن تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۲۰۲ و ۲۰۳)۔

جبکہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”سلیمان عن

أبي محلز عن أنس“ کے طریق سے مروی ایک روایت کے تحت فرماتے ہیں:

”قد تقدم في ”باب الحمد للعاطس“ لسليمان التيمي حديث عن أنس بلا واسطة،

وقد سمع من أنس عدة أحاديث، وروى عن أصحابه عنه عدة أحاديث وفيه دلالة

على أنه لم يدلس“۔ (۱)

یعنی ”سلیمان تیمی کی ایک حدیث جو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ نقل فرماتے ہیں

”باب الحمد للعاطس“ میں گزر چکی ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ کئی احادیث

روایت کرتے ہیں، جبکہ کئی روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے بالواسطہ بھی روایت کرتے

ہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تدلیس نہیں کیا کرتے تھے۔“

ان کی تدلیس۔ علی سبیل التسلیم۔ ایسی تھی کہ علماء نے اس کا تحمل کیا ہے، چنانچہ حافظ مزنی رحمۃ اللہ علیہ

نے ان کی تدلیس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”ہدی الساری“ میں جس فصل میں متکلم فیہ رواۃ بخاری

کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے رسالہ ”تعریف اہل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس“ میں

”مرتبہ ثانیہ“ میں ذکر کیا ہے اور یہ مرتبہ ان حضرات کے لئے مخصوص ہے جو بہت کم تدلیس کیا کرتے تھے، اور

ائمہ نے ان کی تدلیس کا تحمل کرتے ہوئے ان کی احادیث کی اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے۔ (۲)

ان کے مناقب بے شمار ہیں، تفصیلی حالات و واقعات کے لئے کتب سیر اور خاص طور پر ”حلیۃ الاولیاء“ (۳)

کی مراجعت کریں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعة

۱۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۴)

(۱) فتح الباری (ج ۱۱ ص ۲۳)، کتاب الاستئذان، باب آية الحجاب۔

(۲) دیکھئے تعریف اہل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس (ص ۱۳ و ۳۳) و تعیقات الکاشف (ج ۱ ص ۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۳) دیکھئے حلیۃ الاولیاء، (ج ۳ ص ۲۷-۳۷)۔

(۴) الکاشف (ج ۱ ص ۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

قال: ذکر لي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لمعاذ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

یہاں ”ذکر لي“ مجہول کا صیغہ ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کس نے بیان کیا؟ کسی طریق میں مجھے اس کی صراحت نہیں ملی (۲)، اسی طرح پیچھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں ”أخبرنا من شهد معاذاً حين حضرته الوفاة....“ (۳) اس میں بھی ”من شهد“ کا مصداق کون ہے؟ یقینی طور پر معلوم نہیں، خود براہ راست ان دونوں حضرات کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا سماع ثابت نہیں، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال جس وقت ملک شام میں ہو رہا تھا اس وقت حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ میں تھے۔ (۴)

البتہ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں ایسی ہی ایک روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ان سے عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں (۵) یہ مشہور منہرین میں سے ہیں، اسی طرح امام نسائی کی سنن کبریٰ میں اسی قسم کی روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نقل

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۶)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷)۔

(۳) مسند أحمد (ج ۵ ص ۲۳۷)، رقم (۲۲۴۱۰)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷)۔

(۵) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۰۰)، کتاب الجہاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸۵۶)۔

کرتے ہیں (۱)، ان دونوں روایتوں سے استیناس کیا جاسکتا ہے کہ یہاں حضرت انس اور اسی طرح حضرت جابر کے سامنے نقل کرنے والے عمرو بن میمون یا عبدالرحمن بن سمرہ میں سے کوئی ایک ہوگا۔ (۲)

من لقي الله لا يشرك به شيئاً دخل الجنة

جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو اس نے شریک نہیں ٹھہرایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”من لقي الله“ سے مراد ہے ”من لقي الأجل الذي قدره الله، يعني الموت“ گو یا لقاء اللہ سے ”موت“ مراد ہے، یہ بھی امکان ہے کہ ”لقاء اللہ“ سے ”بعث“ یا ”رؤیت باری“ مراد ہو (۳)، یعنی جس دن دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا، یا جس روز اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہوگی اور اس نے کبھی شرک نہیں کیا ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پھر یہاں ”لا يشرك به شيئاً“ میں صرف نفی اشراک پر اکتفا کیا ہے، اثبات توحید کا ذکر نہیں ہے، لیکن اقتضاء یہاں ”توحید“ ملحوظ ہے، اسی طرح ”توحید“ کے ساتھ ساتھ اثبات رسالت و دیگر ضروریات بھی لزوماً ملحوظ ہیں۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ”من توضأ صحت صلاته“۔

اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے وضو کیا اور دیگر شرائط بھی ملحوظ رکھیں اس کی نماز درست ہے۔ اب مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کی موت اس حال میں آئی ہو کہ وہ ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہو جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۴)

پھر یہاں ”دخل الجنة“ کے الفاظ ہیں، جس میں دخول جنت کی عمومی خبر ہے، خواہ قبل التعذیب داخل

(۱) دیکھئے مسند السنائی الکبریٰ (ج ۶ ص ۲۷۹)، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ثواب من کان یشہد أن لا إله إلا الله، رقم

(۱۰۹۷۵-۱۰۹۷۸)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۷ و ۲۲۸)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

ہو یا بعد التعذیب، جبکہ اس سے پہلی حدیث میں چونکہ ”حرمة الله على النار“ کے الفاظ تھے وہاں وہ مشہور اشکال پیش آیا تھا جس کی تقریر ہم کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس حدیث سے مرجعہ نے استدلال کیا ہے اور اس کی تردید بھی تفصیل سے آچکی ہے، لیکن یہ اشکال اس حدیث پر نہیں ہوگا۔ (۱) واللہ اعلم

قال: ألا أبشركم الناس؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دوں؟

قال: لا

آپ نے فرمایا، نہیں، یعنی لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دو۔

إني أخاف أن يتكلموا

مجھے خوف ہے کہ وہ اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

بعض نسخوں میں ”إني“ کا لفظ موجود نہیں ہے اور عبارت اس طرح ہے ”لا، أخاف أن يتكلموا“ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ مطلب وہی ہے جو ابھی ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، یعنی ”لا“ مستقل جملہ ہے اور ”أخاف أن يتكلموا“ جملہ استینافیہ ہے۔ اور مطلب ہے ”لا تبشروهم، فإني أخاف أن يتكلموا“۔ (۲) یہی بات حسن بن سفیان کی مسند میں وضاحت کے ساتھ آئی ہے، جس کے الفاظ ہیں قال: لا، دعهم فليستأفسو في الأعمال، فإني أخاف أن يتكلموا۔ (۳) یعنی ”ان کو خوشخبری نہ سناؤ، بلکہ ان کو اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کے لئے چھوڑ دو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ خوشخبری سن کر اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔“

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ باب کے تحت دونوں حدیثوں کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے کہ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو علم کی بات بتانا اور پھر عام لوگوں کو بتانے سے منع کرنا مذکور ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

۵۰ - باب : الْحَيَاءُ فِي الْعِلْمِ

”حیا“ سے متعلق جملہ امور تفصیل سے ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ (۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت یہ ہے کہ سابقہ باب میں ذکر ہے کہ مخصوص حالت میں کسی علم کے ساتھ خاص خاص لوگوں کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔

اب اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ علم کسی کے ساتھ مخصوص ہے، کہیں سوال کرنے سے حیا نہ کر بیٹھے، بلکہ اسے چاہئے کہ بہر صورت امور دینیہ و دنیویہ کے متعلق سوال کرے اور اس سلسلہ میں حیا سے کام نہ لے۔ (۲) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمہ سے کیا بیان کرنا چاہتے ہیں؟

عام شارحین حافظ ابن حجر (۳)، علامہ سندھی (۴)، شاہ ولی اللہ (۵)، رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیا فی العلم کی مذمت بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم میں حیا نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ جو علم میں حیا کرتا ہے وہ علم سے محروم ہو جاتا ہے، امام مجاہد کا اثر اور پھر اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس حیا کے مذموم ہونے پر دلالت ہیں۔

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۱-۶۷۶) کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان۔

(۲) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۲۱۰)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۹)۔

(۴) حاشیہ السدی علی صحیح البخاری (ج ۱ ص ۷۱)۔

(۵) مراح تراجم أبواب صحیح البخاری (ص ۱۶)۔

جبکہ ابن بطل، کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ (۱) کی رائے یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض تفصیل ہے کہ بعض مواقع میں حیا کرنا مذموم ہے اور ترک حیا محمود ہے اور بعض مقامات میں ترک حیا مذموم ہے اور حیا کرنا محمود ہے۔

جہاں استعمال حیا مطلوب اور مذموم ہے اس کے اثبات کے لئے حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتیں لے کر آئے ہیں اور جہاں ترک حیا مطلوب و محمود ہے وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مؤلف نے ”ترجمہ“ کو مطلق رکھا، عدم استحباب یا استحباب وغیرہ کچھ نہیں فرمایا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عدم استحباب مقصود ہے، کما صرح بہ الأعلام اور قول مجاہد اور قول صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی ظاہر ہے، مگر تامل کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے ذہن میں اس کے متعلق کچھ تفصیل ہے، اس کو اشارات سے بتلانا چاہتے ہیں، اسی لئے ترجمہ کے ساتھ حکم کی تصریح نہیں فرمائی، ارشاد ”إن الله لا يستحيي من الحق“ سراسر حق اور مستحکم ہے، مگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بوجہ حیا علم اور تفقہ سے محروم نہ رہ جاوے، یہ مطلب نہیں کہ حیا نہ کرے اور تعلم و تفقہ کے وقت حیا کو پاس نہ آنے دے، جو کچھ کہنا ہو بے تامل کہے۔“

خلاصہ یہ کہ ترجمۃ الباب ”الحياء في العلم“ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں، اصل یہ کہ بوجہ حیا علم و تعلم سے محروم نہ رہے اور اس میں کسی کو تامل نہیں ہو سکتا، اس کی تائید کے لئے مؤلف نے ”ترجمہ“ کے ذیل میں اثر مجاہد اور اثر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کر کے اس پر قناعت کی۔ دوسرے یہ کہ تعلیم و تعلم میں بھی حتی الوسع حیا کرنا مستحسن ہے، یعنی مواقع حیا میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جاوے مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیا کر سکے، مستحسن ہے ”الحياء من الإيمان“ اور ”الحياء خير كله“ اس جزء میں قدرے خفاء ہے اور مؤلف کے طرز سے معلوم ہوتا ہے

(۱) دیکھئے شرح صحيح البخاري لابن بطل (ج ۱ ص ۲۱۰)۔ وشرح الكرماني (ج ۲ ص ۱۶۰)۔ وثلاثة الباري (ج ۱ ص ۱۴۵)۔

۔ وعمدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۰)۔ وفيض الباري (ج ۱ ص ۲۲۷)۔

کہ مقصود اصلی اسی جزء کا بیان کرنا ہے۔

اور اس باب میں دو حدیثیں بیان کیں، وہ دونوں اس جزء کی دلیل ہیں۔ اول حدیث میں جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا قصہ مذکور ہے اس سے تو بالبداهت ثبوت حیا مکرر اور سہ کر رہو رہا ہے، دیکھئے ام سلیم نے حاضر ہو کر قبل سوال جو عرض کیا ہے ”یا رسول اللہ، إن اللہ لا یستحیی من الحق“ یہ حیا نہیں تو کیا ہے؟! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے ”فغطت أم سلمة وجهها“ آپ نے فرمایا ”تربت یمینک فہم یشبہہا ولدہا“ ارشاد ”تربت یمینک“ سے حیا نبوی کی نہایت لطیف خوشبو مہک رہی ہے، مگر اس حالت حیا میں تعلیم و تعلم کے فرض کو جس طرح ہوسکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت نہیں ہونے دیا۔

ہماری معروضات کی تائید میں ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اس باب کے بعد دوسرا باب ”من استحیا فأمر غیرہ بالسؤال“ منعقد فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ”كنت رجلاً مذاء.....“ بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ بوجہ حیا ترک سوال میں کچھ حرج نہیں، البتہ یہ چاہئے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جاوے، علم سے محروم نہ رہ جاوے۔

اب باقی رہی روایت ثانی، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو ابواب العلم میں مکرر گزر چکی ہے: ”أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن من الشجر شجرة لا یسقط ورقها.....“ اس کی مطابقت میں شاید کسی کو تردد ہو، مگر معروضات سابقہ کے مطابق یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہی ہے کہ ابن عمر نے جو بوجہ حیا سکوت فرمایا اور جواب نہیں دیا یہ حیا بھی مستحسن ہے، یہ وہ حیا نہیں ہے جو ”إن اللہ لا یستحیی من الحق“ یا ”لا یتعلم العلم مستحی ولا مستکبر“ کے مخالف ہے۔ اس کے مخالف صرف وہ ہے جو بوجہ حیا علم کو ترک کر دے۔ کسی سے سوال نہ کرے اور علم سے محروم رہ جاوے۔ حضرت ابن عمر کے سکوت میں اس کا احتمال بھی نہیں، اول تو یہ سکوت عن الجواب ہے، عن السؤال نہیں، دوسرے ابن عمر رضی اللہ عنہما جانتے تھے کہ جو واقعی جواب ہے اس کو ہر حال میں آپ ارشاد فرمادیں گے

جو سب کو معلوم ہو جاوے گا، باقی حضرت عمر کا ارشاد، وہ صرف اپنی مسرت قلبی کا اظہار فرماتے ہیں، اس سے سکوت ابن عمر کی کراہیت اور وہ بھی شرعی، سمجھنا مستبعد ہے، کما قال بعض الأعلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

وقال مجاهد: لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حیا کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی تکبر کرنے والا۔
امام مجاہد بن جبر کی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس اثر کی تخریج

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کو ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”حلیۃ الأولیاء“ میں، امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”سنن“ میں، عبد الغنی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ”ادب المحدث“ میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المدخل“ میں موصولاً تخریج کیا ہے۔ (۳)

مذکورہ اثر کا مطلب

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کا مطلب واضح ہے کہ جس شخص میں حیا ہو یا تکبر ہو وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔

”حیا“ کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم اپنے دل میں یہ سمجھے کہ اگر میں نے یہ سوال کر لیا تو لوگ کیا کہیں

(۱) لأبواب والتراجم (ص ۵۹ و ۶۰)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۳ ص ۳۰۶)۔

(۳) دیکھئے حلیۃ الأولیاء، داسی نعیم (ج ۳ ص ۲۵۷)۔ ومسند الدارمی (ج ۱ ص ۱۵۷) (مقدمة، باب الملاح عن رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وعلیم المس، رقم (۵۵۶)۔ وعلیہ الفہم (ج ۲ ص ۹۳)۔

گے کہ اس کو تو کچھ بھی معلوم نہیں، اس کو تو اتنی سی بات بھی معلوم نہیں۔

اور متکبر آدمی سوچتا ہے اوہو! اگر میں سوال کروں گا تو لوگوں کے سامنے میری سبکی ہوگی اور میں چھوٹا سمجھا

جاؤں گا، حالانکہ میرے سامنے دیگر لوگوں کی کیا حیثیت ہے!!

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وللعلم آفات، فأعظمها: الاستنكاف، وثمرته: الجهل

والذلة في الدنيا والآخرة“۔ (۱) یعنی ”علم کے ساتھ بڑی آفتیں لگی ہوئی ہیں، ان میں سب سے بڑی

آفت تکبر ہے اور اس کا نتیجہ جہالت کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں ذلت سے ظاہر ہوتا ہے“۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ عظیم علم آپ نے کس طرح حاصل کیا؟ فرمایا ”ما

بخلت بالإفادة ولا استنكفت عن الاستفادة“۔ (۲) یعنی ”میں نے دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں

بخل سے کام نہیں لیا اور نہ ہی میں نے دوسروں سے استفادہ کرنے کو عار سمجھا“۔

وقالت عائشة: نعم النساء نساء الأنصار، لم يمنعهن الحياء أن يتفقهن

في الدين

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار کی خواتین کیا ہی خوب ہیں! دین کی سمجھ حاصل کرنے کے

سلسلہ میں ان کے واسطے حیا مانع نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے

ہیں۔ (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ اثر کی تخریج

اس اثر کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”صحیح“ میں (۴)، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن

(۱) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۰)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۰)۔

(۳) كشف الباري (ج ۱ ص ۲۹۱)۔

(۴) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب استحباب استعمال المغسلة من الحيض فرصة من مسك في موضع الدم، رقم (۲۵۰)۔

میں (۱)، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں (۲)، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مسند“ میں (۳) اور امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مصنف“ میں (۴) موصولاً تخریج کیا ہے۔ (۵)

مذکورہ آثار کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ان دونوں آثار کی مطابقت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ علم کے سلسلہ میں حیا کو مانع نہیں بنانا چاہئے، چنانچہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص حیا کو مانع بنائے گا وہ علم حاصل نہیں کر پائے گا، لہذا طلب علم کے سلسلہ میں ترک حیا مطلوب و محمود ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ علم و فقہ کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں حیا کو مانع قرار دینا صحیح نہیں، چنانچہ انصار کی خواتین کی تعریف و مدح اس سلسلہ میں کی گئی کہ انہوں نے طلب علم میں ترک حیا سے کام لیا، جو اس مقام پر محمود و مطلوب ہے۔ (۶)

”نعم“ فعل مدح ہے، اس کے ساتھ کبھی تائید لگاتے ہیں جو اس کے فعل ہونے کی دلیل اور علامت ہے اور کبھی اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تائید لگاتے ہیں جو استعمال کرتے ہیں، گویا اس میں حرف کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام میں اس دوسرے طریقے سے ”نعم النساء.....“ استعمال ہوا ہے۔ (۷) واللہ اعلم۔

(۱) سنن أبی داود، کتاب الطہارۃ، باب الاغتسال من المحیط، رقم (۳۱۶)۔

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب فی الحائض کیف تعتسل، رقم (۶۴۲)۔

(۳) مسند أحمد (ج ۶ ص ۱۴۸)، رقم (۲۵۱۶۰)۔

(۴) مصنف عبدالرزاق (ج ۱ ص ۳۱۴)، کتاب الحیض، رقم (۱۲۰۸)۔

(۵) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تعلیق التعلیق (ج ۲ ص ۹۵۹)۔

(۶) عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۱۰)۔

(۷) عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۱۱)۔

۱۳۰ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : جَاءَتْ أُمُّ سَلِيمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا احْتَلَمَتْ ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ) . فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ . تَعْنِي وَجْهَهَا . وَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ . وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ ؟ قَالَ : (نَعَمْ ، تَرَبَّتْ يَمِينُكَ ، فِيمَ يُشَبِّهُهَا وَلَدُهَا) . [۲۷۸ ، ۳۱۵۰ ، ۵۷۴۰ ، ۵۷۷۰]

تراجم رجال

(۱) محمد بن سلام

یہ ابو عبد اللہ محمد بن سلام بن الفرج الشلمی البیہقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنا أعلمکم باللہ، وأن المعرفة فعل القلب.....“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) ابو معاویہ

یہ محمد بن خازم التمیمی السعدی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابو معاویہ ان کی کنیت ہے، بچپن میں چار یا آٹھ

(۱) قوله: "أم سلمة رضي الله عنها": الحديث أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج ۱ ص ۴۲) كتاب الغسل (الوضوء)، باب إذا احتلمت المرأة، رقم (۲۸۲)، و(ج ۱ ص ۴۶۸ و ۴۶۹) كتاب أحاديث الأنبياء، باب: "وإذا قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة"، رقم (۳۳۲۸)، و(ج ۲ ص ۹۰۰) كتاب الأدب، باب التسمي والصحة، رقم (۶۰۹۱)، و(ج ۲ ص ۹۰۴) كتاب الأدب، باب ما لا يستحي من الحق للثقة في الدين، رقم (۶۱۲۱) - ومسلم في صحيحه، في كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۸۱۲) - والترمذي في جامعه، في كتاب الطهارة، باب ما جاء في المرأة ترى في المنام مثل ما يرى الرجل، رقم (۱۲۲) - والنسائي في سننه الصغرى، في كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم (۱۹۷)، وفي سننه الكبرى، في كتاب الطهارة، باب إيجاب الغسل على المرأة إذا احتلمت ورأت الماء، رقم (۲۰۱) - وابن ماجه في سننه، في كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم (۶۰۰) - وأحمد في مسنده (ج ۶ ص ۳۰۶) مسند أم سلمة، رقم (۲۷۱۴۸) -

(۲) كشف الباري (ج ۲ ص ۹۳) -

سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اس لئے ابو معاویہ الضریر کہلاتے ہیں۔ (۱)

یہ امام اعمش، شعبہ بن الحجاج، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، ابواسحاق شیبانی اور ابوماک
اشجعی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شیخ ابن جریج، اعمش، یحییٰ بن سعید القطان، احمد بن حنبل، یحییٰ
بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، ابوخیثمہ، قتیبہ بن سعید، احمد بن منیع، صدقہ بن الفضل اور سعید
بن منصور رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ (۲)

امام احمد اور امام ابن معین سے پوچھا گیا کہ ابو معاویہ اور جریر میں کون زیادہ آپ کے نزدیک قوی اور
پسندیدہ ہے؟ فرمایا اعمش کی احادیث کے سلسلہ میں ابو معاویہ ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں۔ (۳)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ابو معاویہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”أما أنت، فقد ربطت رأس
کيسك“۔ (۴) یعنی ”تم نے تو اپنی تھیلی کا منہ مضبوطی سے باندھ لیا ہے“ گویا قوتِ حفظ کی طرف اشارہ ہے۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”هذا صاحب الأعمش فاعرفوه“۔ (۵)

یعنی ”یہ اعمش کے خاص شاگرد ہیں، ان کو اچھی طرح پہچان لو“۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو معاویہ اعمش کے پاس بیس سال تک رہے۔ (۶)

خود ابو معاویہ الضریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ”البصراء كانوا علي عبالا عند الأعمش“۔ (۷)

یعنی ”اعمش کے پاس ان کی حدیثوں کے سلسلہ میں بیس حضرات میرے محتاج ہوتے تھے“۔

ابو معاویہ فرماتے تھے:

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۲۳ و ۱۲۴)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۲۴-۱۲۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۲۸)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۳۱)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۳۱)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

”کل حدیث أقول فيه: ”حدثنا“ فهو ما حفظته من في المحدث، وما قلت: ”وذكر فلان“ فهو ما لم أحفظه من فيه، وقرئ علي من كتاب، فعرفته، فحفظته مما قرئ علي“۔ (۱)

یعنی ”جب میں ”حدثنا“ کے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ حدیث براہ راست محدث کی زبان سے سنی ہے اور جب میں ”ذكر فلان“ کہہ کر روایت کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ حدیث براہ راست نہیں سنی، میرے سامنے کسی کتاب سے پڑھی گئی ہے، جس کو میں نے یاد کر لیا ہے۔“

احمد بن عمر الوکیعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما أدر كنا أحداً كان أعلم بأحاديث الأعمش من أبي معاوية“۔ (۲)

امام عجل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کوفي ثقة، يري الإرجاء، وكان لين القول فيه“۔ (۳)
امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۴)

ابن خراش فرماتے ہیں ”صدوق، وهو في الأعمش ثقة، وفي غيره فيه اضطراب“۔ (۵) یعنی ”یہ صدوق ہیں، اعمش کی احادیث میں ثقہ ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کی روایتوں میں کچھ اضطراب پایا جاتا ہے۔“

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان حافظاً متقناً، ولكنه كان مرجئاً“۔ (۶)

يعقوب بن شيبة رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان من الشقات، وربما دلس وكان يري

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۳۲)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۷۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۳۲)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الشقات لابن حبان (ج ۷ ص ۴۴۲)، ولعل كل من المزني والذهبي بعد قوله: ”كان مرجئاً“۔ انظر تہذیب الکمال

(ج ۲۵ ص ۱۳۳) وسیر أعلام النبلاء، (ج ۹ ص ۷۷) ولم أجد هذه الزيادة في المطبوعة۔

الإرجاء۔ (۱) یعنی ”وہ ثقات میں سے ہیں، کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں، وہ ارجاء کے قائل تھے۔“

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان مرجئاً“۔ (۲) بلکہ وہ فرماتے ہیں ”أبو معاوية رئيس المرجئة بالكوفة“۔ (۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں ”الإمام الحافظ الحجة أحد الأعلام“۔ (۴) نیز وہ فرماتے ہیں ”محمد بن حازم الضرير، ثقة ثبت“۔ (۵)

ابن مسور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وكان ثقة كثير الحديث، يدلّس، وكان مرجئاً“۔ (۶) حاصل تمام اقوال کا یہ ہے کہ ابو معاویہ محمد بن حازم الضریر ثقہ اور متقن راوی ہیں، امام اعمش کی احادیث میں تو ان کا درجہ بہت اونچا ہے، جبکہ دوسرے حضرات سے جو روایات وہ نقل کرتے ہیں ان میں وہ بھی غلطی کر جاتے ہیں۔

ان پر بعض حضرات نے جو کلام کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مرجئہ میں سے بلکہ ”رأس المرجئة“ تھے، کبھی تدلیس بھی کر جاتے تھے اور اعمش کے سوا باقی حضرات کی روایات میں یہ کچھ کمزور تھے۔ لیکن عامہ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ”رأس المرجئة“ ہونے کے باوجود ان سے ایسی کوئی روایت مروی نہیں جس سے ان کے ارجاء کی بدعت کی ترویج ہوتی ہو۔ جہاں تک تدلیس کا تعلق ہے، سواول تو یہ زیادہ تدلیس نہیں کرتے تھے اور پھر ان کا شمار ان بڑے ائمہ حدیث میں ہے جن کی معمولی تدلیس سے علماء نے صرف نظر کیا ہے۔ (۷)

جہاں تک دوسرے حضرات کی روایات میں اضطراب اور کمزوری کا تعلق ہے، سو اس سلسلہ میں حافظ

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۱۳۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۷۳)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۵۳۳)، رقم (۷۴۶۶)۔

(۶) طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۳۹۲)۔

(۷) دیکھئے تعریف أهل المقدس بمراتب الموصوفین بالتدلیس (ص ۳۶)۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اول تو ان احادیث پر اعتماد کیا ہے جو اعمش سے مروی ہیں، البتہ اعمش کے علاوہ ہشام بن عروہ سے چند احادیث لی ہیں، مگر ان کی متابعات موجود ہیں، نیز برید بن ابی بردہ سے بھی ایک حدیث لی ہے، اس کی بھی متابعت موجود ہے۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں واضح طور پر لکھ دیا کہ ”ثقة ثبت، ما علمت فيه مقالاً يوجب وهنه مطلقاً“۔ (۲)

یعنی ”یہ ثقہ اور ثبت ہیں، مجھے ان کے بارے میں کوئی ایسا کلام معلوم نہیں جو ان کی مطلق کمزوری کو مستوجب ہو۔“

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

۱۹۴ھ یا ۱۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳)

(۳) ہشام

یہ ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان ”باب حسن إسلام المرء“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۴) أبیه (عروہ بن الزبیر)

یہ حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات بھی کتاب الإیمان، ”باب حسن إسلام المرء“ کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۵)

(۱) دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۳۸)۔

(۲) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۵۳۳)، رقم (۷۴۶۶)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۷۷)۔

(۴) کشف الباری (ج ۲ ص ۴۳۲)۔

(۵) کشف الباری (ج ۲ ص ۴۳۶)۔

(۵) زینب بنت ام سلمہ

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی، زینب بنت ابی سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال مخزومیہ قرشیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (۱)

حبشہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ان کا نام ”برہ“ رکھا گیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”زینب“ سے بدل دیا۔ (۲)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت حبیبہ بنت ام حبیبہ رضی اللہ عنہن سے روایت کرتی ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام شعبی، حمید بن نافع مدنی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ بن الزبیر، علی بن الحسین، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، ان کے بیٹے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ، ابو قلابہ جرمی، کلیب بن وائل، عمرو بن شعیب اور عراق بن مالک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۳)

ان کا شمار مدینہ منورہ کی فقیہ خواتین میں ہوتا تھا۔

چنانچہ ابورافع الصائغ فرماتے ہیں ”كنت إذا ذكرت امرأة فقيهة بالمدينة ذكرت زينب بنت أبي سلمة.....“۔ نیز وہ فرماتے ہیں ”وہي يومئذ أفقه امرأة بالمدينة“۔ (۴)

ان کی ایک عجیب خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی سے کہتیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی جاؤ، وہ وہاں داخل ہوتیں تو آپ ان کے چہرہ پر پانی کے چھینٹے ڈال دیتے اور پھر لوٹا دیتے۔ کہتے ہیں کہ وہ معمر اور ضعیف ہو چکی تھیں لیکن ان کے چہرے کی شادابی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ (۵)

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳۵ ص ۱۸۵)، ومعرفة الصحابة لأبي نعیم (ج ۵ ص ۲۳۹)، رقم (۳۸۸۴)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) شیوخ ورواۃ کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۵ ص ۱۸۵)۔

(۴) الإصابة (ج ۴ ص ۳۱۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

صحیح بخاری میں ان کی براہ راست روایت صرف ایک ہے، جبکہ مسلم ایک حدیث میں متفرد ہیں، البتہ بالواسطہ کئی روایات ہیں، اصول ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ (۱)

۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے جنازہ میں حاضر ہوئے۔ (۲)

رضی اللہ عنہا وأرضاها

(۶) ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات کتاب العلم ہی میں ”باب العظۃ والعلم باللیل“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

قالت: جاءت أم سليم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ ام سلیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

یہ ام سلیم بنت ملحان حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

بعض نے ”سہلہ“ کہا ہے، بعض نے ”رُمیلہ“، بعض نے ”رُمیثہ“، بعض نے ”رمیصاء“ بعض نے ”غرمیصاء“ بعض نے ”ملیکہ“ بعض نے ”رمیصاء“ بعض نے ”أنیثہ“ اور بعض نے ”أنیثہ“ کہا ہے (۳)، جبکہ

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۱)۔ وقال الخزرحي في الخلاصة (ص ۴۹۱): ”صحابية لها في البخاري حديثان ومسلم فرد حديث“ كذا قال، ولم أحد في صحيح البخاري من روايتها عن النبي صلى الله عليه وسلم مباشرة إلا حديثا واحدا، كما قال العيني رحمه الله، وهو حديث: ”نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدباء والحنتم والحقير والمزفت“ صحيح البخاري (ج ۱ ص ۴۹۶) كتاب المناقب، باب قول الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾، رقم (۳۴۹۲)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۱۸۶)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۶۵)، والإصابة (ج ۴ ص ۴۶۱)، وفتح الباري (ج ۱ ص ۴۸۹) كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصر۔

بعض نے کہا ہے کہ ”انیفہ“ اور ”انیثہ“ دونوں نام محرف ہیں، صحیح ”انیثہ“ ہے۔ (۱)

پھر بعض حضرات مثلاً ابن عبدالبر، عبدالحق اور قاضی عیاض کی حتمی رائے یہ ہے کہ حضرت انس کی والدہ کا نام ”ملیکہ“ ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ابن سعد، ابن مندہ اور ابن الحصار رحمہم اللہ نے جزماً کہا کہ یہ ”ملیکہ“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی کا نام ہے۔ امام الحرمین اور عبد الغنی رحمہما اللہ کے کلام سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ (۲)

اس دوسرے قول کی تائید ابوالشیخ کی ”فوائد العراقین“ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”أرسلني جدي إلي النبي صلى الله عليه وسلم، واسمها مليكة.....“۔ (۳)

جبکہ پہلے قول کی تائید صحیح بخاری وغیرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ”مالک عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن أنس بن مالك“ کے طریق سے مروی ہے اس روایت میں ہے ”أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعت له، فأكل منه، ثم قال: قوموا فأصل لكم، قال أنس: فقمتم إلى حصير لنا قد اسود من طول ما لبس، فنضحت به ماء، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصففت، واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا.....“۔ (۴)

اس روایت کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں، کیونکہ عبد اللہ بن ابی طلحہ ام سلیم کے بیٹے اور حضرت انس کے اخیانی بھائی ہیں (۵)، روایت میں ”جدتہ“ کی ضمیر شارحین نے ”اسحاق“ کی طرف لوٹائی ہے (۶)، لہذا ”ملیکہ“ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کی دادی ہوئیں اور یہی حضرت انس کی والدہ ام سلیم ہیں کیونکہ یہی روایت ”سفيان بن عيينه عن إسحاق بن عبد الله بن أبي

(۱) دیکھئے تعلیقات تقریب التہذیب (ص ۷۵۷)، رقم (۸۷۳۷)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۴۸۹) کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الحصیر۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۵)، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الحصیر۔ رقم (۳۸۰)۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۴۸۹)۔

(۶) حوالہ بالا۔

صلحة عن انس“ کے طریق سے مختصراً مروی ہے، جس میں ہے ”صفت أنا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم، و أمی ام سلیم خلفنا“ (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو اگر ایک ہی قصہ قرار دیں تب تو یہ متعین ہے کہ ملیکہ اسحاق کی دادی اور حضرت انس کی والدہ ہیں، تاہم یہاں واقعہ میں تعدد کا امکان بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا اور آپ کا نماز پڑھنا حضرت ام سلیم کی دعوت کی بنا پر مستقل واقعہ ہو اور ملیکہ یعنی ام سلیم کی والدہ کی دعوت کا واقعہ مستقل ہو اور حضرت انس کی نانی کا نام ملیکہ ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اسحاق کی دادی یعنی حضرت انس کی والدہ کا نام ملیکہ ہو۔ (۲) واللہ اعلم

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

جبکہ ان سے روایت لینے والوں میں حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ عمرو بن عاصم انصاری اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۳)

حضرت ام سلیم کا نکاح جاہلیت میں مالک بن النضر سے ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ولادت کے بعد یہ اور ان کی قوم مسلمان ہو گئی، انہوں نے اپنے شوہر مالک کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھی، لیکن وہ ناراض ہو کر شام چلا گیا اور وہیں مر گیا۔ (۴)

اس کے بعد ابوطحہ نے انہیں پیغام دیا، حضرت ام سلیم نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اسلام لے آؤ تو نکاح ہو جائے گا اور انہوں نے مزید تبلیغ بھی کی۔ ابوطحہ نے کچھ سوچنے کی مہلت طلب کی اور پھر برضا و رغبت مسلمان ہو گئے، اس طرح حضرت ام سلیم کا نکاح حضرت ابوطحہ سے ہو گیا۔ (۵)

ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا، بیمار ہو کر انتقال کر گیا، حضرت ام سلیم نے کمال صبر، زبردست حکمت اور مصلحت سے کام لے کر بعد میں اپنے شوہر کو یہ خبر سنائی، حضرت ابوطحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۰۱)، کتاب الأذان، باب المرأة وحدها تكون صفاء، رقم (۷۲۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۴۸۹)۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۶۵)، ومعرفة الصحابة لأبي نعيم (ج ۵ ص ۳۴۷)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۶۶)، والإصابة (ج ۴ ص ۴۶۱)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔ نیز دیکھئے معرفة الصحابة لأبي نعيم (ج ۵ ص ۳۴۷)۔

واقعہ بتایا تو آپ نے ان دونوں کے واسطے برکت کی دعا کی، چنانچہ ان سے ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے، جو سب کے سب حاملین علم و قرآن تھے۔ (۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت ہی خصوصی تعلق تھا، آپ وقتاً فوقتاً ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ (۲)
حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق تھا، جب بھی آپ ان کے ہاں جاتے تو وہ بہت ہی خصوصی اہتمام کرتیں (۳)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے ہاں سو گئے اور آپ سے پسینہ نکلنے لگا، حضرت ام سلیم نے اس پسینے کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا کر رہی ہو؟ جواب دیا کہ میں آپ کے پسینے کو جمع کر رہی ہوں، اس کو خوشبو کے طور پر ہم استعمال کریں گے، کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خوشبو نہیں۔ (۴)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بہت باہمت اور بہادر خاتون تھیں، غزوہ خیبر کے موقع پر اپنے شوہر حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں اور اپنے ساتھ ایک خنجر رکھ لیا، کہتی تھیں کہ اگر کوئی مشرک قریب آیا تو اس کے ذریعہ اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ (۵)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”دخلت الجنة فرأيت امرأة أبي طلحة“۔ (۶) یعنی ”میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ابوطحہ کی زوجہ ام سلیم کو دیکھا“۔
حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے تقریباً چودہ احادیث مروی ہیں، ان میں سے دو تو متفق علیہ ہیں اور ایک حدیث میں امام بخاری اور دو حدیثوں میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ (۸) رضي الله عنها وأرضاها

(۱) تہذیب الکمال (ج ۳ ص ۳۶۶)، والإصابة (ج ۴ ص ۴۶۱)۔

(۲) الإصابة (ج ۴ ص ۴۶۱)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) معرفة الصحابة لأبي نعيم (ج ۵ ص ۳۴۸)، نیز دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والشرک بہ، رقم (۶۰۵۵-۶۰۵۷)۔

(۵) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ النساء مع الرجال، رقم (۴۶۸۰)۔

(۶) معرفة الصحابة لأبي نعيم (ج ۵ ص ۳۴۸)۔

(۷) خلاصة الخرزجي (ص ۴۹۸)۔

(۸) تقریب التہذیب (ص ۷۵۷)، رقم (۸۷۳۷)۔

فقلت: یا رسول اللہ، إن اللہ لا یتحیی من الحق

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! یقیناً اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے۔

”حیا“ ایک نفسانی تغیر و انکسار ہے جو کسی شخص کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب اسے کسی عیب یا قابل مذمت چیز کے لاحق ہونے کا خوف ہو۔ (۱)

ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل تغیر اور انکسار سے منزہ اور پاک ہے، اس لئے علماء نے ایسی نصوص کی توجیہ و تاویل کی ہے۔

چنانچہ اس کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ ”إن اللہ لا یتحیی من الحق“: ”إن اللہ لا یمتنع من بیان الحق“ (۲) کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل حق کو بیان ضرور کرتے ہیں، اس کے بیان کو چھوڑتے نہیں۔

ایک مطلب اس کا بیان کیا گیا ہے ”إن اللہ لا یأمر بالحياء في الحق ولا یبیحہ“۔ (۳) یعنی اللہ تعالیٰ حق کے سلسلہ میں نہ حیا کا حکم دیتے ہیں، نہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ اس میں تو اللہ تعالیٰ سے حیا کی نفی کی گئی ہے لہذا توجیہ و تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لیکن یہ کہنا درست نہیں کیونکہ جہاں ہم نے ”إن اللہ لا یتحیی من الحق“ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے حق سے حیا کی نفی کی ہے، وہیں اس سے یہ بھی لازم آتا ہے ”إن اللہ یتحیی من الباطل“ یعنی اللہ تعالیٰ حق کے بیان سے تو حیا نہیں فرماتے البتہ باطل سے حیا فرماتے ہیں، گویا ایک جہت سے اگر نفی ہے تو دوسری جہت سے اثبات ہے اور اثبات کی صورت میں توجیہ و تاویل ضروری ہے۔ (۴)

(۱) دیکھئے شرح النووی علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۶)، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المني منها۔ وعمدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۲)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) شرح النووی علی صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۶)۔

(۴) دیکھئے فتح الباري (ج ۱ ص ۳۸۹) کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جس حیا کا اثبات کیا جا رہا ہے، اس کی توجیہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کو اور اس جیسی نصوص کو ظاہر پر رکھا جاتا ہے، ایسے موقعہ پر سارا اشکال ہی اس لئے ہوتا ہے کہ ہم صفات حق کو صفات خلق پر قیاس کرتے ہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ مخلوق میں حیا اگر تغیر نفسانی کا نام ہے تو اللہ تعالیٰ کی حیا بھی وہی تغیر ہو؟! ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱) واللہ اعلم

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہ کلام اپنے اگلے سوال کی تمہید کے لئے کیا تھا، وہ جس بات کے متعلق سوال کرنا چاہتی تھیں عورتیں اس کے متعلق پوچھنے سے شرماتی تھیں، اس لئے انہوں نے تمہیداً یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں کرتے، ہم اللہ کی مخلوق ہیں ہم بھی حق بات کے لئے ایک سوال کر رہے ہیں جس کا تعلق حیا سے ہے۔ (۲)

فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟

کیا عورت پر غسل واجب ہے اگر اسے احتلام ہو؟

”احتلام“ باب افتعال کا مصدر ہے، جو ”حلم“ (بضم الحاء المہملۃ وسکون اللام) سے ماخوذ ہے، ”حلم“ دراصل خواب کو کہتے ہیں (۳)، لیکن یہاں ”خواب“ یا ”حلم“ سے ”جماع“ مراد ہے (۴)، چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں ”یا رسول اللہ، أرأیت إذا رأت المرأة أن زوجها يجامعها في المنام، أتغتسل؟“ (۵)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إذا رأت الماء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب پانی یعنی منی دیکھے۔

(۱) الشوریٰ ۱۱۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۹)۔

(۳) دیکھئے شرح المنہذ (ج ۲ ص ۱۳۹) باب ما یوجب الغسل۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۹) کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(۵) مسند أحمد (ج ۶ ص ۳۷۷)، رقم (۲۷۶۵۹)۔

یہاں ”ماء“ سے منی مراد ہے۔ (۱)

پھر یہاں ”رؤیت ماء“ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ خواب دیکھنے والا کبھی خواب میں انزال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن حقیقتہً انزال نہیں ہوتا، ایسی صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے، غسل کے لئے تری کے دیکھنے کو شرط قرار دیا ہے، جو انزال کے یقینی ہونے کی دلیل ہے۔ (۲)

کیا عورتوں میں منی نہیں ہوتی؟

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورتوں میں بھی منی ہوتی ہے، جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے۔ جبکہ فلاسفہ کی ایک جماعت عورتوں میں منی کے وجود کی منکر ہے، چنانچہ ارسطو کا کہنا ہے کہ عورتوں میں منی تو نہیں ہوتی، تاہم دم حیض میں قوتِ تولید ہوتی ہے۔ (۳) اسی طرح ابن سینا کہتے ہیں کہ عورتوں میں ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے، اس پر منی کی تعریف صادق نہیں آتی۔ (۴)

لیکن اطباء اور فلاسفہ میں سے محققین اسی بات کے قائل ہیں کہ عورتوں میں منی ہوتی ہے۔ (۵)

کیا عورتوں کو احتلام ہوتا ہے؟

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح احتلام ہوتا ہے جس طرح مردوں کو احتلام ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے احتلام نساء کا انکار

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۹) کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(۲) الاستذکار لابن عبد البر (ج ۱ ص ۳۳۶)، باب غسل المرأة إذا رأت في المنام مثل ما يرى الرجل۔

(۳) دیکھئے السعایة (ج ۱ ص ۳۰۶) بیان موجبات الغسل۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ سابقہ۔

منقول ہے۔ (۱)

حافظ فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ امام نخعی کے اس انکار کو مستبعد قرار دیا ہے، تاہم

ابن ابی شیبہ نے سندِ جید سے اس کو روایت کیا ہے۔ (۲)

فغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا

سو حضرت ام سلمہ نے ڈھانپ لیا، یعنی اپنے چہرے کو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ام سلیم کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ

عنہا نے حیا کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، جبکہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس موقع

پر حضرت عائشہ موجود تھیں اور انہوں نے کہا تھا ”یا أم سليم، فضحت النساء تربت يمينك“۔ (۳)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت رائج ہے اور یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ

عنہا کا واقعہ ہے۔ (۴)

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، چنانچہ دونوں

حدیثوں کے درمیان جمع و تطبیق کے واسطے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس مجلس

میں دونوں ازواج مطہرات ہوں اور دونوں ہی نے یہ نکیر کی ہو۔ (۵)

پھر اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے بھی ذکر کیا ہے (۶)،

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔ أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (ج ۱ ص ۵۰۴، في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم ۸۸۵)، قال:

”حدثنا جرير عن مغيرة قال: كان إبراهيم يتكرر احتلام النساء“۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۰۹)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۸)، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۸)، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔ وأوجز المسالك (ج ۱ ص ۵۴۶)، كتاب الطهارة،

باب غسل المرأة إذا رأت في المنام مثل ما يرى الرجل۔

(۶) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۰۹-۷۱۱)۔

اس بنیاد پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس مجلس میں حضرت انس بھی موجود تھے۔ (۱)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس وہاں موجود نہیں تھے، البتہ انہوں نے یہ

حدیث اپنی والدہ ام سلیم سے سنی تھی۔ (۲)

اسی طرح مسند احمد میں حضرت ابن عمر کی مسانید میں بھی یہ حدیث مذکور ہے (۳)، حافظ رحمۃ اللہ علیہ

نے یہاں بھی یہی بات کی ہے کہ انہوں نے بھی یہ حدیث یا تو ام سلیم سے سنی ہے یا کسی اور سے۔ (۴)

وقالت: یا رسول اللہ، أو تحتلم المرأة؟ قال: نعم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے

فرمایا ہاں!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہیں تھا اور ظاہر یہ ہے کہ ان کو یہ صورت پیش

نہیں آئی۔

ازواج مطہرات کو احتلام ہوتا تھا یا نہیں؟

اب یہاں یہ مسئلہ پیش آ گیا کہ آیا ازواج مطہرات کو احتلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی

اللہ عنہما کا انکار اس بات پر دال ہے کہ عورتوں میں احتلام بہت قلیل الوقوع ہے۔ (۵)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ حضرات ازواج مطہرات سے

احتلام کا وقوع نہیں ہوتا، اس لئے کہ احتلام شیطانی اثر کا نتیجہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور آپ

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۸)، وأوجز المسائل (ج ۱ ص ۵۴۶)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) مسند أحمد (ج ۲ ص ۹۰) مسند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، رقم (۵۶۳۹)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۸)، وأوجز المسائل (ج ۱ ص ۵۴۶)۔

(۵) زہر الربی علی المجنبی (ج ۱ ص ۴۲)، کتاب الطہارۃ، باب غسل المرأة تری فی منامها ما یری الرجل۔

کی برکت سے انہیں شیطانی اثرات سے محفوظ کر دیا گیا، جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے شیطانی اثرات سے محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ (۱)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ولی الدین کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے بعض اصحاب، درس میں مذاکرہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ازواج مطہرات سے احتلام کا وقوع نہیں ہوتا کیونکہ وہ بیداری یا نیند کسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کی اطاعت نہیں کرتیں اور شیطان آپ کی شکل و صورت اختیار کر نہیں سکتا۔ اس بات کو سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ (۲)

اسی طرح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ فرمایا کہ اس امر سے کیا مانع ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیت ہو؟ (۳)

لیکن علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں مانع یہ ہے کہ خصوصیات احتمال کی بنا پر ثابت نہیں ہوا کرتیں۔ (۴)

اسی طرح حافظ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ بھی قابلِ نظر ہے کیونکہ احتلام کی وجہ صرف وہی نہیں جو انہوں نے بیان کی بلکہ کبھی احتلام وعاء منی کے پُر ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، اور کبھی اس کی وجہ کوئی اور بات ہوتی ہے، بعض علماء نے جو عدم احتلام کا قول اختیار کیا ہے سو وہ صرف حضرات انبیاء کرام کے بارے میں ہے۔ (۵)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں قول محقق یہ ہے کہ اس مقام پر نہ تو یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرات ازواج مطہرات سے مطلق احتلام کی نفی ہی کر دی جائے اور نہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان سے وقوع احتلام ممنوع ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرات ازواج مطہرات چونکہ امہات المؤمنین ہیں اور مسلمانوں کے لئے حرام ہیں تو اللہ عزوجل اپنے دشمن ابلیس کو لوگوں کی شبابت اختیار کر کے ان پر مسلط نہیں

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تنویر الحوالک (ص ۷۱) کتاب الطہارۃ، باب غسل المرأة إذا رأت فی المنام مثل ما یری الرجل۔

(۴) شرح الزرقانی علی المؤطا (ج ۱ ص ۱۰۳)، غسل المرأة إذا رأت مثل ما یری الرجل۔

(۵) حوالہ بالا۔

کرتا اور اس مخصوص صورت میں ان سے احتلام کا وقوع نہیں ہوتا، تاہم ان سے مطلق احتلام کی نفی یا عدم وقوع نہیں ہے۔ (۱) واللہ اعلم

تربت یمینک

تیرادایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔

یہ جملہ بددعا یہ ہے، تاہم یہ صرف زجر کے لئے مستعمل ہے، اس کے حقیقی معنی مقصود نہیں ہوتے۔ (۲)
فبم یشبہہا ولدہا؟!!

پھر اس کی اولاد اس کے مشابہ کیسے ہوتی ہے؟!!

یعنی اگر عورت کے منی نہ ہوتی تو بچہ عورت کے مشابہ نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ مشابہت کا سبب یہ منی ہے۔

ولد کی مشابہت کا سبب

اور اس کی تذکیر و تانیث کا سبب

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، ان کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے۔

ان میں سے ایک سوال تھا ”ما بال الولد ینزع الی أبیہ، أو الی أمہ؟“ یعنی ”بچہ اپنے باپ یا اپنی ماں کی طرف مائل یعنی ان کے ساتھ مشابہ کیوں ہوتا ہے؟“

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”..... وأما الولد فإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد، وإذا سبق ماء المرأة ماء

(۱) المسعیة (ج ۱ ص ۳۰۹)۔

(۲) دیکھئے الاسئدکار (ج ۱ ص ۳۳۹)، وعارضة الأحرفی (ج ۱ ص ۱۸۸)، وأوجز المسائل (ج ۱ ص ۵۴۴)۔

الرجل نزع الولد۔ (۱)

یعنی ”جب مرد کی منی عورت کی منی سے سابق ہوتی ہے تو وہ بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو عورت بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے ”إذا علا ماء الرجل أشبه

الولد أخواله، وإذا علا ماء الرجل ماءها أشبه أعمامه۔“ (۲)

یعنی ”جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جائے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔“

اوپر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت ”سبق“ ہے اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت ”غلبہ“ ہے۔

پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

”ماء الرجل أبيض، وماء المرأة أصفر، فإذا اجتمعا فعلا مني الرجل مني المرأة

أذكر أباذن الله، وإذا علا مني المرأة مني الرجل أنثا بإذن الله.....“ (۳)

یعنی ”مرد کی منی سفید ہے اور عورت کی منی زرد، جب دونوں جمع ہو جائیں اور مرد کی منی عورت کی

منی پر غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب

آتی ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ مؤنث ہوتا ہے۔“

بعینہ اسی مضمون کی روایت لفظ ”علو“ کے ساتھ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

سے نقل فرمائی ہے ”يلتقي الماء ان، فإذا علا ماء الرجل ماء المرأة أذكرت، وإذا علا ماء المرأة ماء

الرجل أنثت.....“ (۴) یعنی ”دونوں پانی جمع ہوتے ہیں، جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۵۶۱)، کتاب مناقب الأنصار، باب (بلا ترجمہ، بعد باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اللهم أمض لأصحابي هجرتهم“ ومرثيته لمن مات بمكة)، رقم (۳۹۳۸)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۱۵)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة، وأن الولد مخلوق من مائيهما، رقم (۷۱۶)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۱ ص ۲۷۴)، مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، رقم (۲۴۸۳)۔

آتا ہے تو عورت مذکر جنتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو عورت مؤنث جنتی ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مذکر و مؤنث ہونے کا سبب ”غلبہ“ ہے۔

یہاں جو اشکال ہو رہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ولد کا سبب مشابہت لدا عمام او الا خوال ”سبق“ ہے یا ”علو“؟

پھر یہ ”علو“ سبب ”اذکار“ و ”ایناث“ ہے یا سبب مشابہت؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”سبق“ اپنے معنی پر ہے، اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اسی طرح حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں بھی ”علو“ اپنے اصل معنی یعنی غلبہ کے معنی میں ہے، اس میں بھی کسی تاویل کی حاجت نہیں۔

البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جو ”علو“ مذکور ہے وہ ”سبق“ ہی کے معنی میں ہے، اب معنی یہ ہو جائیں گے کہ جب مرد کی منی رحم میں عورت کی منی سے سبقت کر جائے تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے، تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے۔

”سبق“ ہی سبب مشابہت ہے، اس کی تائید شرح مشکل الآثار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے ”أَيُّ النِّطْفَتَيْنِ سَبَقَتْ إِلَى الرَّحِمِ غَلَبَتْ عَلَى الشَّيْءِ“۔ (۱) یعنی ”دونوں نطفوں میں جو بھی رحم کی طرف سبقت کر جائے وہ مشابہت کے سلسلہ میں غالب رہتا ہے۔“

جہاں تک مذکر و مؤنث ہونے کا تعلق ہے سو اس کی وجہ رحم کے اندر ”علو“ یعنی غلبہ ہے، چنانچہ اس کے اندر اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہو تو بچہ مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب ہو تو بچہ مؤنث ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ”سبق“ سبب مشابہت ہے اور ”علو“ سبب تذکیر و تانیث۔ اس طرح تمام احادیث کے

(۱) شرح مشکل الآثار (ج ۷ ص ۸۸)، باب بیان مشکل ما روي عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ماء الرجل و ماء المرأة،

درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔ (۱)

دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے یہاں کئی صورتیں نکلتی ہیں:

- ۱۔ ”سبق“ و ”علو“ دونوں ماء الرجل کے لئے ہوں تو بچہ مذکر ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا۔
- ۲۔ ”سبق“ و ”علو“ دونوں ماء المرأة کے لئے ہوں تو بچہ مؤنث اور ماں کے مشابہ ہوگا۔
- ۳۔ سبق لماء الرجل اور علو لماء المرأة ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا۔
- ۴۔ اس کے برعکس سبق لماء المرأة اور علو لماء الرجل ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے مشابہ ہوگا۔
- ۵۔ اگر کسی ایک کو بھی سبقت حاصل نہ ہو، بلکہ دونوں کا پانی ساتھ خارج ہو، لیکن علو لماء الرجل ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔
- ۶۔ اور اگر سبقت کسی کو حاصل نہ ہو لیکن علو ماء المرأة کو حاصل ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح

اس مقام پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقریر کی ہے وہ واضح ہے اور اس کا حاصل یہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے اپنی عبارت میں جو تفریع ذکر کی ہے وہ مختل محسوس ہوتی ہے، چنانچہ وہ مذکورہ اشکال کا جواب علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قال القرطبی: يتعين تأويل حديث ثوبان بأن المراد بالعلو: السابق“

یعنی ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تاویل متعین ہے کہ اس میں ”علو“ سے مراد

”سبق“ ہے۔“

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۲۷۲) کتاب مناقب الأنصار، باب (بلا ترجمہ) بعد باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”النبی

أمیر لأصحابی ہجرتہم“ ومرتبتہ لیس مات نمکۃ۔ نیز دیکھئے مشکل الآثار (ج ۷ ص ۸۶-۹۱)، باب بیان مشکل ما روی عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ماء الرجل وماء المرأة، وفي عمل کل واحد منهما فی الولد الذی یخلق منهما۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۲۷۳) کتاب مناقب الأنصار، باب (بدون ترجمہ) بعد باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

”اللہم أمیر لأصحابی ہجرتہم“ ومرتبتہ لیس مات نمکۃ، تحت حدیث، رقم (۳۹۳۸)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

”والذي يظهر: ما قدمته - وهو تأويل العلو في حديث عائشة - وأما حديث ثوبان فيبقى العلو فيه على ظاهره“۔

یعنی ”ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ”علو“ کی تاویل ”سبق“ سے کی جائے، جبکہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”علو“ اپنے ظاہر پر رہے گا۔“

اس پر تفریعاً فرماتے ہیں:

”فيكون السبق علامة التذكير والتأنيث، والعلو علامة الشبه، فيرتفع الإشكال، وكأن المراد بالعلو الذي يكون سبب الشبه بحسب الكثرة، بحيث يصير الآخر مغموراً فيه، فبذلك يحصل الشبه“۔ (۱)

یعنی ”سو“ سبق“ تذکیر و تانیث کی علامت ہوگا اور ”علو“ مشابہت کا سبب، اس طرح اشکال ختم ہو جائے گا، گویا ”علو“ جس سے مشابہت حاصل ہوگی اس سے مراد وہ ”علو“ ہے جو کثرت یعنی غلبہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کہ دوسرا پانی اس میں مغموں اور ڈوب جائے، اس سے مشابہت حاصل ہوگی۔“

لیکن ادنی تامل سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہ تفریع درست نہیں اور یہ درست ہو بھی کیسے سکتی ہے حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف حدیث عائشہ میں ”علو“ کی تاویل کے قائل ہیں اور اس کو سبق کے معنی میں لے رہے ہیں اور حدیث عائشہ میں سبب مشابہت کا ذکر ہے نہ کہ تذکیر و تانیث کا؟!۔

لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس طرح ہونی چاہئے کہ جہاں جہاں ”سبق“ ہو وہاں ”علو“ کر دیا جائے اور جہاں ”علو“ ہو وہاں ”سبق“ کر دیا جائے اور آخر میں ”سبب الشبه“ کو ”سبب التذكير والتأنيث“ کر دیا جائے، چنانچہ عبارت اس طرح ہوگی۔

”فيكون العلو علامة التذكير والتأنيث، والسبق علامة الشبه، فيرتفع الإشكال، وكأن

المراد بالسبق الذي يكون سبب التذكير والتأنيث بحسب الكثرة (۱)۔

والله سبحانه وتعالى أعلم

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

کی تاویل کی مرجوحیت

ابھی پیچھے گذرا کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ثوبان میں ”علو“ کو ”سبق“ کے معنی

میں لینا متعین ہے۔ (۲)

اس تاویل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اصل ہے، اس کے

مطابق ”علو“ مشابہت کا سبب ہے اور ”سبق“ تذکیر و تأنیث کا۔

اس تاویل سے بھی اگرچہ اصل اشکال دور ہو جاتا ہے، تاہم یہ مرجوح ہے، اس لئے کہ قرطبی رحمۃ اللہ

علیہ کے قول کو اختیار کرنے سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت اپنی اصل پر رہتی ہے، باقی

حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تمام روایات میں توجیہ کرنی پڑتی

ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”سبق“ کو ”علو“ کے معنی میں لینا پڑتا ہے اور

حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات میں ”علو“ سے سبق مراد لینا پڑتا ہے۔

لہذا ایک روایت میں توجیہ کرنا اور اس کو مصروف عن الظاہر قرار دینا آسان ہے، اس کے مقابلہ میں کہ

ایک کو اصل بنایا جائے اور سب کو ظاہر سے ہٹا دیا جائے۔ واللہ أعلم۔

(۱) قال العثماني رحمه الله تعالى: "وفي العبارة قلب واختلال مع وضوح المقصود، لأن قوله: "فيكون السابق علامة التذكير والتأنيث" إلى آخره لا يفسح تفريعاً على قوله السابق، والصحيح - والله أعلم - أن يكتب "العلو" موضع "سبق" و"سبق" موضع "سبق" في التفریع، وكذا في قوله: "وكان المراد بالعلو الذي يكون سبب التذكير بحسب الكثرة" إلخ، الظاهر أن

يكتب "سبق" سبب التأنيث والتأنيث "فتأمل وحقق" فتح الملبم (ج ۳ ص ۱۰۲)، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على

المرأة بخروج المني منها - مطبعة دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبع الأولى ۱۴۲۶ھ - ۲۰۰۶م -

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۲۷۳)۔

ترجمة الباب سے حدیث کی مطابقت

باب کے شروع میں جہاں ترجمۃ الباب کا مقصد ذکر کیا گیا تھا وہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مناسبت بھی ضمناً آگئی تھی۔

عام شارحین نے چونکہ اس باب کی غرض یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیاتی العلم کی مذمت بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم میں حیا نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ جو علم میں حیا کرتا ہے وہ علم سے محروم رہتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس حیا کے مذموم ہونے پر دلالت ہیں۔ (۱)

ابن بطل، کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض بیان تفصیل ہے کہ بعض مواقع میں حیا کرنا مذموم ہے اور بعض میں ترک حیا مذموم ہے، اسی طرح بعض مقامات میں حیا کرنا محمود ہے اور بعض میں ترک حیا محمود ہے۔

حضرت ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے استعمال حیا کے مطلوب و ممدوح ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ترجمۃ الباب ”الحیاء فی العلم“ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں، اصل یہ کہ بوجہ حیا علم و تعلم سے محروم نہ رہے..... دوسرے یہ کہ تعلیم و تعلم میں بھی حتی الوسع حیا کرنا مستحسن ہے، یعنی مواقع حیا میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جاوے، مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیا کر سکے مستحسن ہے۔

حدیث ام سلیم میں قبل السؤال ”یا رسول اللہ، إن اللہ لا یتحیی من الحق“ کہنا حیاتی کی دلیل ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت مذکور ہے ”فغطت أم سلمة تعني وجهها“ اس میں بھی حیا کا

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۹)، وحاشیۃ السنذی علی البخاری (ج ۱ ص ۷۱)، وشرح تراجم أبواب البخاری (ص ۱۶)۔

(۲) دیکھئے شرح ابن بطل (ج ۱ ص ۲۱۰)، وشرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۶۰) وغیرہ۔

ایک مظہر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ”تربت یمینک“ فرمانا، اس میں حیائے نبوی کی نہایت لطیف مہک ہے مگر اسی حالتِ حیا میں تعلیم و تعلم کے فرض کو جس طرح ہوسکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت ہونے نہیں دیا۔ (۱) واللہ اعلم۔

(۲) ۱۳۱ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا ، وَهِيَ مِثْلُ الْمُسْلِمِ ، حَدَّثُونِي مَا هِيَ) . فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ ، وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّمَا النَّخْلَةُ ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَاسْتَحْيَيْتُ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَخْبِرْنَا بِهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (هِيَ النَّخْلَةُ) . قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي ، فَقَالَ : لَأَنْ تَكُونَ قُلُوبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا . [ر : ۶۱]

تراجم رجال

(۱) اسماعیل

یہ ابو عبد اللہ اسماعیل بن ابی اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کشف الباری میں کتاب الإیمان، ”باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۲) مالک

یہ امام دارالبحر مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الأصبحی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) الأبواب والنزاجم (ص ۵۹ و ۶۰)۔

(۲) قولہ: ”عبد اللہ بن عمر“: وقد سبق تخريج هذا الحديث في كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا،

كشف الباري (ج ۳ ص ۱۲۴ و ۱۲۵)۔

(۳) كشف الباري (ج ۲ ص ۱۱۳-۱۱۵)۔

ان کے حالات بھی کتاب الایمان، ”باب من الدین الفرار من الفتن“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۳) عبداللہ بن دینار

یہ ابو عبد الرحمن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ کے تحت مختصراً (۲) اور کتاب العلم، ”باب قول المسحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا“ کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الإسلام علی خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۴)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے گرتے نہیں ہیں، وہ مسلمان کی طرح ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں میں جا پڑے اور میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں شرمایا گیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بارے میں آپ ہمیں بتا دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو بتایا کہ میرے دل میں یہ بات آئی تھی، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم بتا دیتے تو مجھے اس بات سے بھی بہت زیادہ خوش ہوتی کہ مجھے

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۸۰ و ۸۱)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۳) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۲۵)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

اتنا اتنا مل جاتا۔

یہ حدیث پیچھے کتاب العلم کے اوائل میں گزر چکی ہے اور ہم نہایت تفصیل سے اس کی شرح کر چکے ہیں۔ (۱)

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ”لأن تكون قلتها أحب إلي“ میں ترجمۃ الباب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر ان کے استحقاق کی وجہ سے نکیر کی اور ان کے سکوت پر خوش نہیں ہوئے۔ (۲)

یہی بات دیگر شراح نے بھی کہی ہے۔

چنانچہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ويفهم أن الحياء في العلم لا ينبغي، من حديث ابن عمر رضي الله عنهما، بسبب قول عمر رضي الله عنه“۔ (۳)

یعنی ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں حیا کرنا مناسب نہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے“۔

اسی طرح حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وإنما تأسف عمر رضي الله عنه على كون الله لم يقل ذلك لتظهر فضيلته، فاستمر حياؤه لتعريف ذلك، وقد كان يمكنه إذا استحيا إجلالاً لمن هو أكبر منه أن يذكر ذلك لغيره سر الخير عنه، فيجمع بين الخصلتين، ولذا عقبه المصنف بباب من استحيا فأمر غيره بالسؤال“۔ (۴)

(۱) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۲۴-۱۳۳)۔

(۲) لامع الدراری (مع انکسر المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری) (ج ۲ ص ۳۹۰)۔

(۳) حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری (ج ۱ ص ۷۱)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۰)۔

یعنی ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ ان کے صاحبزادے نے جواب نہیں دیا، اگر جواب دے دیتے تو ان کی فضیلت ظاہر ہوتی، ان کی حیا کی وجہ سے یہ فضیلت رہ گئی، پھر اگر ان کو مجلس میں بڑوں کی وجہ سے حیا لاحق ہوئی ہو تب بھی ممکن تھا کہ کسی کو سراپتا دیتے، اس طرح حیا کے تقاضے پر بھی عمل ہو جاتا اور جواب دینے کی فضیلت بھی حاصل ہو جاتی۔ اسی نکتہ کے پیش نظر مؤلف نے اگلا باب قائم فرمایا ہے۔“

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”مؤلف کی غرض یہی ہے کہ ابن عمر نے جو بوجہ حیا سکوت فرمایا اور جواب نہیں دیا یہ حیا بھی مستحسن ہے، یہ وہ حیا نہیں ہے جو ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ“ یا ”لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٍ“ کے مخالف ہو، اس کے مخالف صرف وہ ہے جو بوجہ حیا علم کو ترک کر دے، کسی سے سوال نہ کرے اور علم سے محروم رہ جائے۔ حضرت ابن عمر کے سکوت میں اس کا احتمال بھی نہیں، اول تو یہ سکوت عن الجواب ہے، عن السؤال نہیں، دوسرے ابن عمر جانتے تھے کہ جو واقعی جواب ہے اس کو ہر حال میں آپ ارشاد فرمائیں گے، جو سب کو معلوم ہو جائے گا۔ باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد، وہ صرف اپنی مسرت قلبی کا اظہار فرماتے ہیں، اس سے سکوت ابن عمر کی کراہیت اور وہ بھی شرعی سمجھنا مستبعد ہے، کما قال بعض الأعلام، واللہ أعلم۔“ (۱)

۵۱ - باب : مَنْ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت واضح ہے کہ سابق باب میں حیا فی العلم کی کراہت مذکور ہے۔ اور

اس باب میں یہ مذکور ہے کہ اگر ملازمتِ حیا کے ساتھ مقصود حاصل ہو جائے تو ایسی حیا میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ حیا میں خیر ہی خیر ہے۔ (۱)

ترجمة الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن الذي ذكر أولاً من كراهة الحياء في المسألة حيث خاف الفوت في الاستحياء،

فأما إذا حصل المقصود مع ملازمة الحياء فلا كراهة، فإن الحياء خير كنه“۔ (۲)

یعنی ”اس سے پہلے باب میں ذکر کیا گیا کہ جہاں حیا کرنے کی وجہ سے علم سے محرومی کا اندیشہ ہو وہاں حیا فی السوال کی کراہت ہے، البتہ اگر حیا کا التزام کرتے ہوئے محرومی کا اندیشہ نہ ہو بلکہ مقصود حاصل ہو رہا ہو تو پھر ایسی حیا میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ حیا تو سراسر خیر ہے۔“

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”بوجہ حیا ترک سوال میں بھی کچھ حرج نہیں، البتہ یہ چاہئے

کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جائے، علم سے محروم نہ رہ جائے۔“ (۳)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤلف کی غرض اس امر کا جواز بتلانا ہے کہ اگر سوال

کا مقصود حاصل ہو رہا ہو تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ دوسروں کے ذریعہ سوال کر کے علم حاصل

کیا جائے۔ (۴)

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل میں حیا فی العلم کا مسئلہ بیان کیا تھا، اب امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی بہت ہی باحیا ہو اور خود پوچھنے کی ہمت نہ ہو تو اس سے غافل اور جاہل

بن کر پڑے نہیں رہنا چاہئے، بلکہ کسی بے تکلف کے ذریعہ مسئلہ معلوم کرا لیا جائے، تاکہ آدمی علمی و عملی غلطی سے

بچا رہے۔ واللہ اعلم

(۱) مکتبۃ لامع الدیناری (ج ۲ ص ۳۹۱ و ۳۹۲)۔

(۲) لامع الدیناری مع اکثر المشواری (ج ۲ ص ۳۹۱ و ۳۹۲)۔

(۳) الأیوب والرحمہ (ص ۶۰) تحت ”باب الحياء في العلم“۔

(۴) شرح تراجم أبواب البخاری (ص ۱۶)۔

۱۳۲ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ مُنْذِرِ الثَّوْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً ، فَأَمَرْتُ الْمُقَدَّادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : (فِيهِ الْوُضُوءُ) . [۱۷۶ ، ۲۶۶]

تراجم رجال

(۱) مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسریل بن مرعبل الأسدی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ”کتاب الإیمان“، ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ کے تحت (۲) اور تفصیلاً کتاب العلم ”باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراہیة أن لا یفہموا“ کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۲) عبد اللہ بن داود

یہ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن داود بن عامر بن الربیع البہدانی ثم الشعمی المعروف بالخریبی ہیں۔ اصلاً کوفہ کے ہیں، بصرہ کے محلہ ”خریبہ“ میں سکونت اختیار کی، اس لئے ”خریبی“ کی نسبت سے زیادہ معروف ہیں۔ (۳)

(۱) قولہ: ”عن علی“: الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج ۱ ص ۳۰) في كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء، إلا من المسح حين: من القبيل والدبر، رقم (۱۷۸)، و(ج ۱ ص ۴۱) في كتاب الغسل (الوضوء) باب غسل الميدي والوضوء منه، رقم (۲۶۹) — ومسلم في صحيحه، في كتاب الحيض، باب الميدي، رقم (۶۹۵-۶۹۷)، والنسائي في سننه، في كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء، وما لا ينقض الوضوء من الميدي، رقم (۱۵۲-۱۵۴) و(۱۵۷) و(باب الغسل من الميدي، رقم (۱۵۳ و ۱۵۴)، وكتاب الغسل والتميم، باب الوضوء من الميدي، رقم (۴۳۶-۴۴۱)، وأبو داود في سننه، في كتاب الطهارة، باب في الميدي، رقم (۲۰۶-۲۰۹) — وأبو داود في جامع في كتاب الطهارة، باب ما جاء في الميدي والميدي، رقم (۱۱۴) — وابن ماجه في سننه، في كتاب الطهارة، باب الوضوء من الميدي، رقم (۵۰۴) — وأحمد في مسنده (ج ۱ ص ۸۷) رقم (۶۶۲) و(۶۶۸-۶۷۰) و(۸۹۰ و ۸۹۱) و(۸۹۳) و(۹۷۷) و(۱۰۲۸) و(۱۰۲۹) و(۱۲۳۸)۔

(۲) كشف الباری (ج ۲ ص ۲)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۴۵۸ و ۴۵۹)۔

یہ اسرائیل بن یونس، اسماعیل بن ابی خالد، ثور بن یزید، الحسن بن صالح، سفیان ثوری، امام اعمش، شریک بن عبداللہ نخعی، قاضی عافیہ، امام اوزاعی، عبدالملک بن جریج، فضیل بن غزوان، فطر بن خلیفہ، مسعر بن کدام اور ہشام بن عروہ رحمہم اللہ تعالیٰ، وغیرہ حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں بشر بن الحارث الحافی، زید بن اخزم الطائی، سفیان بن عیینہ، الحسن بن صالح بن جی (وہو من شیوخہ)، عباس بن عبدالعظیم العنبری، علی بن المدینی، عمرو بن علی الصیرفی، عمرو بن محمد الناقذ، محمد بن بشار بن دار، محمد بن الفضل عارم السدوسی، محمد بن یحییٰ الذہلی، مسدد بن مسرہد اور نصر بن علی الجہضمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بڑے بڑے محدثین ہیں۔ (۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، صدوق، مأمون“۔ (۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ثقة ناسكاً“۔ (۳)

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن داود خرمی کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا ”ثقة، مأمون“ میں نے پھر پوچھا ابو عاصم النبیل کیسے ہیں؟ فرمایا ”ثقة“ میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں میں آپ کے نزدیک کون زیادہ پسندیدہ ہیں؟ فرمایا ”ثقتان“۔ (۴)

لیکن امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الخریسی اعلیٰ“۔ (۵)

امام ابوزرعہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۶)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة زاهد“۔ (۷)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ثقة“۔ (۸)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۵۵۹-۵۶۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۵۶۱)۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج ۷ ص ۲۹۵)۔

(۴) تاریخ عثمان بن سعید الدارمی (ص ۱۸۲)، رقم (۶۵۳-۶۵۵)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۵۶۲)، والجرح والتعديل (ج ۵ ص ۵۶)، رقم (۷۵۵۵)۔

(۷) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۵۶۲)، وقال أيضاً: ”من الرفقاء الثقات“ نظر من الدار قطنی (ج ۱ ص ۱۷۲)، کتاب الطہارۃ،

باب أحادیث المہتہ فی الصلاة وعلیہا، رقم (۴۷)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۲۰۰)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة عابد“۔ (۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، حجة، صالح“۔ (۳)

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ذاك أحد الأئمة“۔ (۴) یعنی وہ یکتاؤں میں یکتا ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا ”ذاك شيخنا القديم“۔ (۵)

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان يميل إلى الرأي، وكان صدوقاً“۔ (۶)

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”النظر إلى وجه عبد الله بن داود عبادة“۔ (۷)

عبد اللہ بن داود خربی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ امام اعظم

کے بڑے مداح تھے، چنانچہ ان کا قول ہے ”ما يقع في أبي حنيفة إلا حاسد أو جاهل“۔ (۸)

ایک مرتبہ ان کے سامنے کسی نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابو حنیفہ نے بہت

سے مسائل سے رجوع کیا ہے، مقصد یہ تھا کہ رجوع کرنا ناچنگی کی علامت ہے۔ لیکن خربی رحمۃ اللہ علیہ نے

فوراً جواب دیا ”إنما يرجع الفقيه إذا اتسع علمه“۔ (۹) یعنی ”فقیہ اس وقت رجوع کرتا ہے جب اس کے

علم میں وسعت آتی ہے“۔

عبد اللہ بن داود خربی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات، خصوصاً سنن وفقہ کی حفاظت کی

(۱) کتاب الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۶۰)۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۳۰۱)، رقم (۳۲۹۷)۔

(۳) انکشاف (ج ۱ ص ۵۴۹)، رقم (۲۷۰۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۲۰۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) الجرح والتعديل (ج ۵ ص ۵۵)، رقم (۷۵۵۵)۔

(۷) تذکرة الحفاظ (ج ۱ ص ۳۳۸)۔

(۸) سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۴۰۲)۔

(۹) تذکرة الحفاظ (ج ۱ ص ۳۳۸)۔

خدمت کی بنیاد پر کہا کرتے تھے ”يجب على أهل الإسلام أن يدعوا الله لأبي حنيفة في صلاتهم“۔ (۱) یعنی ”اہل اسلام پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں“۔

عبداللہ بن داؤد خریبی رحمۃ اللہ علیہ بہت مشکل سے حدیثیں سناتے تھے۔ (۲)

قاضی تکی بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں نے جس وقت تمہیں دیکھا اسی وقت عزم کر لیا تھا کہ تمہیں حدیث نہیں سناؤں گا۔ (۳)

ایک مرتبہ ابوالعیناء ان کے پاس حدیثیں سننے کے لئے آئے، انہوں نے پوچھا کہ کیسے آئے؟ جواب دیا کہ حدیث سننے آیا ہوں، فرمایا کہ جاؤ! پہلے قرآن پڑھ کر آؤ، ابوالعیناء نے کہا کہ میں قرآن پڑھ چکا ہوں، فوراً امتحان لیا، انہوں نے فوراً جواب دے دیا، فرمایا کہ اچھا! اب جا کر فرائض سیکھو، انہوں نے کہا میں وہ بھی سیکھ چکا ہوں، فرائض کا امتحان بھی لے لیا، اس کے بعد کہا کہ اب ”عربیت“ سیکھ کر آؤ، جواب دیا کہ قرآن کریم اور فرائض سے پہلے ”عربیت“ کا علم حاصل کر چکا ہوں، فوراً ہی سوال داغ دیا، ابوالعیناء نے اس کا بھی کافی شافی جواب دیا۔ آخر میں فرمایا ”لو حدثت أحدًا لحدثك“ اگر میں کسی کو حدیث سناتا تو تمہیں ضرور سناتا۔ (۴)

عبداللہ بن داؤد خریبی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۵)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی اصحاب اصول خمسہ نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔ (۶)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۱) الإكمال لابن ماکول (ج ۳ ص ۲۸۵ و ۲۸۶)۔

(۲) تذکرة الحفاظ (ج ۱ ص ۳۳۸)، رقم (۳۲۰)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۴۶۶)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۱ ص ۴۶۶)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۳) الأعمش

یہ ابو محمد سلیمان بن مہران الأسدی الکوفی المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۴) منذر الثوری

یہ ابو یعلیٰ منذر بن یعلیٰ الثوری الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)
یہ محمد بن الحنفیہ، الحسن بن محمد بن الحنفیہ، الربیع بن خثیم، سعید بن جبیر، عاصم بن ضمرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے سفیان ثوری، امام أعمش، فطر بن خلیفہ، الحجاج بن ارطاة، جامع بن ابی راشد اور محمد بن سواق رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۳)

- ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة، قليل الحديث“۔ (۴)
امام یحییٰ بن معین، عجل اور ابن خراش رحمہم اللہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۵)
حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”وثقوه“۔ (۶)
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)
ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۸)

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۲۵۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۵۱۵)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۵۱۶)۔

(۴) الطبقات لابن سعد (ج ۶ ص ۳۱۰)۔

(۵) الجرح والتعديل (ج ۸ ص ۲۷۶)، رقم (۱۴۴۰۰)۔

(۶) الکاشف (ج ۲ ص ۲۹۶)، رقم (۵۶۳۵)۔

(۷) تقریب التہذیب (ص ۵۴۶)، رقم (۶۸۹۴)۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج ۷ ص ۴۸۰)۔

محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس قدر رہے کہ ان کے صاحبزادے کہتے ہیں ”لقد غلبنا هذا النبطی علی أبینا“ (۱) یعنی یہ نبطی ہمارے والد پر ہمارے مقابلہ میں غالب آ گیا۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات لی ہیں۔ (۲) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعة

(۵) محمد بن الحنفیہ

یہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے محمد بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوالقاسم ان کی کنیت ہے، ابو عبد اللہ بھی کہا جاتا ہے، ”ابن الحنفیہ“ کے نام سے معروف ہیں۔ (۳)
 ”حنفیہ“ دراصل ان کی والدہ کی نسبت ہے، جن کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا، ان کا اصل نام خولہ بنت جعفر بن قیس ہے، جنگ یمامہ میں قید ہو کر آئی تھیں۔ (۴)

یہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عمار بن یاسر، حضرت معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔
 ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ اور حسن بن محمد بن الحنفیہ، عبد اللہ بن محمد بن الحنفیہ، عمر بن محمد بن الحنفیہ، عون بن محمد بن الحنفیہ کے علاوہ سالم بن ابی الجعد، عبد اللہ بن محمد بن عقیل، عبد الاعلیٰ بن عامر ثعلبی، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن ابی طالب، ان کے بھتیجے محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب، محمد بن قیس بن مخرمہ، محمد بن نضر الہمدانی، منذر بن یعلیٰ الثوری اور منہال بن عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔ (۵)

ان کا نام اور کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر محمد اور ابوالقاسم رکھی تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”قلت: یا رسول اللہ، إن ولد لی مولود بعدک

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۵۱۶ و ۵۱۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۵۱۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۶ ص ۱۴۷ و ۱۴۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھیے تہذیب الکمال (ج ۲۶ ص ۱۴۸ و ۱۴۹)۔

أسميه باسمك وأكنيه بكنيتك؟ قال: نعم۔ (۱)

یعنی ”یا رسول اللہ! اگر آپ کے بعد میرے ہاں کوئی نومولود ہو تو آپ کے نام اور آپ کی کنیت پر اس کا نام اور کنیت رکھوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اجازت ہے۔“

امام عجل رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”تابعی ثقہ، کان رجلاً صالحاً۔“ (۲)

ابراہیم بن عبد اللہ بن الجندی رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا نعلم أحداً أسند عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أكثر ولا أصح مما أسند

محمد بن الحنفية۔ (۳)

یعنی ”محمد بن الحنفیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات بیان کرتے ہیں ہم نے ان سے بڑھ کر کثرت وصحت حدیث میں کسی کو نہیں پایا۔“

کسی شخص نے محمد بن الحنفیہ سے کہا ”ما بال أبیک کان یرمی بک فی مرام لا یرمی فیہا الحسن

والحسین؟“

یعنی ”کیا بات ہے تمہارے والد تمہیں ایسی مشکل مہمات میں بھیج دیتے ہیں جہاں حسن اور حسین کو

نہیں بھیجتے؟“

اس پر انہوں نے جواب دیا: ”لأنهما كانا خذیه وکنت یدہ، فكان يتوقى یدہ عن خذیه۔“ (۴)

یعنی ”اس لئے کہ وہ دونوں تو ان کے واسطے رخسار کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں ہاتھ کی حیثیت رکھتا ہوں

اور یہ بات فطری ہے کہ اپنے رخساروں کا بچاؤ اور دفاع ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔“

ابن سعد رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان کثیر العلم، ورعاً۔“ (۵)

(۱) سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی الرخصة فی الجمع بینہما، رقم (۵۹۶۷)، وجامع الترمذی، أبواب الأدب، باب ما

حا، فی کراہیة الجمع بین اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکنیتہ، رقم (۲۸۵۳)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۶ ص ۱۴۹)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۶ ص ۱۵۲)۔

(۵) الطبقات لابن سعد (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ”کان من أفاضل أهل

بیتہ“۔ (۱)

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، ایک دوسرے قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، بچپن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی کی۔ تاریخ وفات میں ۸۰ھ، ۸۱ھ، ۸۲ھ، ۹۲ھ اور ۹۳ھ کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ (۲)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے حالات کتاب العلم ”باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

قال: كنت رجلاً مَذَّاءً

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کثرت سے مذی خارج ہوتی تھی۔

”مذی“ وہ پانی جو بیوی کے ساتھ ملاعبت اور دل لگی کے وقت خارج ہوا کرتا ہے۔ (۳)

ثلاثی مجرد سے یہ مَذِي يَمْذِي مَذِيّاً اور ثلاثی مزید سے باب افعال اور باب تفعّل سے استعمال

ہوتا ہے، بمعنی خرج منه المذی۔ مَذَّاء: بروزن شدہ او، کثیر المذی شخص کو کہتے ہیں۔ (۴)

پھر لفظ ”مذی“ میم کے فتح، ذال کے سکون اور یاء مخففہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، بعض حضرات نے

”مَذِي“ بروزن ”غَنِي“ یعنی میم کے فتح، ذال کے کسرہ اور یاء مشدودہ کے ساتھ ضبط کیا ہے، ان میں سے پہلا

ضبط اصح اور اعلیٰ ہے۔ (۵)

(۱) کتاب الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۳۴۷)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۳۵۴)۔

(۳) النہایۃ لابن الأثیر (ج ۴ ص ۳۱۲)۔

(۴) تاج العروس (ج ۱۰ ص ۳۳۹) مادة ”مذی“۔

(۵) تاج العروس (ج ۱۰ ص ۳۳۹) مادة ”مذی“۔

فأمرت المقداد بن الأسود أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم فسأله
 سو میں نے مقداد بن الاسود کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم دریافت کرے، سو
 انہوں نے دریافت کیا۔
 آگے کتاب الغسل میں روایت آرہی ہے، اس میں ہے ”فأمرت رجلاً“ (۱) اس رجل مبہم سے مراد
 یہی حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

مذی کے متعلق سوال کرنے والا کون تھا؟

پھر یہاں سائل حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت میں سائل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قرار دیا گیا ہے۔ (۳)
 جبکہ ابن حبان (۴)، طحاوی (۵) اور اسماعیلی (۶) کی روایت میں ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
 سوال کیا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں قسم کی روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
 پہلے حضرت عمار کو پوچھنے کے لئے کہا، پھر مقداد کو حکم دیا، پھر خود پوچھا۔ (۷)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق مناسب ہے، تاہم چونکہ بعض طرق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۱) صحیح البخاری (ج ۱ ص ۴۱)، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منہ۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۷۹)، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منہ۔

(۳) سنن النسائي، کتاب الطہارۃ، باب ما یبغض الوضوء وما لا یبغض الوضوء من المذی، رقم (۱۵۴ و ۱۵۵)۔

(۴) الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان (ج ۳ ص ۱۶۳)، ذکر إيجاب الوضوء علی المذی والاعتسال علی المني، رقم (۱۱۰۱)۔

(۵) شرح معانی الآثار، کتاب الطہارۃ، باب الرجل یخرج من ذکره المذی، کیف یفعل؟ رقم (۷-۱۰)۔

(۶) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۰)، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منہ۔

(۷) الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان (ج ۳ ص ۱۶۳ و ۱۶۴)۔

کا استحقاق مذکور ہے، اس لئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوچھنے کو مجاز پر حمل کیا جائے گا کہ چونکہ امر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے بعض راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سوال کی نسبت کر دی۔ اس جواب پر نووی اور اسماعیلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جزم کیا ہے۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو حکم دیا تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مصنف“ میں نقل کی ہے:

”عائش بن انس أخو سعد بن لیث قال: نذاکر علی بن أبی طالب وعمار بن یاسر و المقداد بن الأسود: المذی، فقال علی: بی رجل مذاء، فاسألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فإني أبتحيي أن أسأله عن ذلك لِمكان ابنته مني، لولا مكان ابنته لسألته، فقال عائش: فسأل أحد الرجلین عمار أو المقداد....“۔ (۲)

یعنی ”حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم ”مذی“ کے حکم کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے، حضرت علی نے کہا کہ میں کثیر المذی شخص ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کرو، چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے پاس ہیں، اس لئے میں آپ سے دریافت کرتے ہوئے حیا محسوس کرتا ہوں، اگر آپ کی بیٹی نہ ہوتیں تو میں خود دریافت کرتا، عائش بن انس کہتے ہیں کہ پھر عمار یا مقداد میں سے کسی ایک نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔“

ابن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سائل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۳)

اس صورت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی طرف سوال کی نسبت بھی مجازی ہوگی اور کہا جائے گا کہ چونکہ

انہوں نے سوال کا قصد کیا تھا اس لئے ان کی طرف نسبت کر دی گئی، البتہ سوال مقداد ہی نے کیا تھا۔ (۴)

واللہ اعلم

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۰)، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منه۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق (ج ۱ ص ۱۵۵)، رقم (۵۹۷)۔ نیز دیکھئے سنن النسائی، کتاب الغسل والتیمم من المسحی، الوضوء من المذی، رقم (۴۳۶)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۰)، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منه۔

(۴) حوالہ بالا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جب یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مقداد نے کر لیا تو حضرت علی کی بھی ہمت ہوئی اور مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر مزید تسلی اور اطمینان کے لئے انہوں نے سوال کر لیا ہو۔

فقال: فيه الوضوء

آپ نے ارشاد فرمایا، مذی کی وجہ سے وضو ہے۔
یعنی خروج مذی موجب وضو ہے، اس سے غسل واجب نہیں۔

خروج مذی کی صورت میں جمیع ذکر کو

دھویا جائے گا یا موضع اصابت کا دھونا کافی ہے؟

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خروج مذی فقط موجب وضو ہے۔ (۱)

البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ خروج مذی کی وجہ سے صرف موضع اصابت کو دھویا جائے گا یا ذکر کے ساتھ انشیین کو بھی دھویا جائے گا؟

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خروج مذی کی صورت میں جمیع ذکر کا دھونا واجب ہے، صرف موضع اصابت کا دھونا کافی نہیں ہے۔ (۲)

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی بھی ایک ایک روایت یہی ہے۔ (۳)

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ انشیین کا دھونا بھی واجب ہے، یہی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ (۴)

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خروج مذی کی صورت میں صرف موضع

(۱) أوجز المسائل (ج ۱ ص ۴۷۳)، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من المذی۔

(۲) عمدة القاری (ج ۳ ص ۲۱۹) کتاب الوضوء، باب غسل المذی والوضوء منه۔

(۳) المغنی لابن قدامة (ج ۱ ص ۱۱۲)، باب ما ينقض الطهارة والاستنكار (ج ۱ ص ۲۸۴) باب الوضوء من المذی۔

(۴) نیل الأوطار (ج ۱ ص ۶۷) باب ماجاء فی المذی۔

اصابت مذی ہی کو دھویا جائے گا، ذکر و انشیین میں سے کسی کو عدمِ اصابت کی صورت میں دھونے کی ضرورت نہیں۔ (۱)

ذکر و انشیین کے غسل کے قائلین کا استدلال حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

”أن علياً أمر عماراً أن يسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المذي، فقال:

يغسل مذاكيره ويتوضأ“۔ (۲)

یعنی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے مذی کے بارے میں دریافت کرے، آپ نے فرمایا ذکر اور اس کے ارد گرد کے تمام مقامات کو دھولے اور وضو کر لے۔“

اسی طرح ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے ”ليغسل ذكره وأنثيه“۔ (۳)

حضرت عبد اللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”فتغسل من ذلك فرجك

وأنثيك“ (۴) یعنی ”تم مذی کی وجہ سے اپنی شرمگاہ اور انشیین کو دھو و گے۔“

شرح معانی الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی یہ حضرات استدلال کرتے ہیں

”إذا وجدت الماء فاغسل فرجك وأنثيك“۔ (۵) یعنی ”جب مذی پاؤ تو اپنی شرمگاہ اور

انشیین کو دھولو۔“

جمہور کے دلائل

۱۔ سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

(۱) عمدة القاري (ج ۳ ص ۲۱۹)، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے إحصاء الأحكام شرح عمدة الأحكام (ج ۱ ص ۶۳) كتاب الطهارة باب في

المذي وغيره۔ وشرح النووي على صحيح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۳) كتاب الطهارة، باب المذي۔

(۲) مسنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي، رقم (۱۵۵)۔ وانظر السنن لأبي داود،

كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۰۷-۲۰۹)۔

(۳) المسنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۰۸)۔

(۴) السنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۱۱)۔

(۵) شرح معانی الآثار، كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل، رقم (۱۴)۔

”تذاکر علی والمقداد وعمار..... فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ذاك المذي،

إذا وجد أحدكم فليغسل ذلك منه، وليتوضأ وضوءه للصلاة.....“ (۱)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مذی ہے، جب تم میں سے کوئی مذی پائے تو اسے دھو لے اور نماز کے لئے جس طرح وضو کیا جاتا ہے اس طرح وضو کر لے۔“

۲۔ سنن نسائی اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ذاك المذي، إذا وجد أحدكم فليغسل ذلك منه، وليتوضأ وضوءه للصلاة، أو

كوضوئه للصلاة“ (۲)

یعنی ”یہ مذی ہے، تم میں سے کسی کو اس طرح مذی سے سابقہ پڑے تو ”اسے“ دھو لے اور نماز کے لئے جس طرح وضو کرتے ہیں مکمل وضو کر لے۔“

اس حدیث کو سننے کے بعد ابن جریج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”فليغسل ذلك منه“ کے بارے میں عطاء سے پوچھا ”حيث المذي يغسل منه أم ذكره كله؟“ تو امام عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ”حيث المذي منه فقط“۔ (۳) مطلب یہ کہ جہاں مذی لگی ہے صرف اسی کو دھونا چاہئے یا جمیع ذکر کو؟ تو عطاء نے جواب دیا کہ جہاں مذی لگی ہے صرف اس کو دھویا جائے۔

۳۔ شرح معانی الآثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”كنت رجلاً مذاءً، وكانت عندي بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأرسلت

إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: توضأ واغسله“ (۴)

یعنی ”میں کثرت مذی کے عارضہ میں مبتلا تھا، چونکہ میرے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الوضوء، من المذي، رقم (۴۳۶)۔

(۲) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الوضوء، من المذي، رقم (۴۳۶)۔ والمصنف لعبد الرزاق الصنعاني (ج ۱ ص ۱۵۵)، رقم (۵۹۷)۔

(۳) دیکھئے الاستذکار (ج ۱ ص ۲۸۲)، باب الوضوء، من المذي، والتمهيد لابن عبد البر (ج ۲ ص ۲۰۵)۔

(۴) شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل؟ رقم (۵)۔

صاحبزادی تھیں اس لئے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا، آپ نے فرمایا کہ بس! وضو کر لو اور ”اُس“ کو دھولو۔

۴۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے ”..... من المني الغسل، ومن

المذي والودي: الوضوء، يغسل حشفته ويتوضأ“ (۱)۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وأما معنى غسل الذكر من المذي، فإنه يريد غسل مخرجه وما مس الأذى منه،

وهذا الأصح عندي في النظر“۔ (۲)

یعنی ”غسل الذكر من المذي“ سے مراد مخرج مذی کو اور جہاں جہاں مذی لگ جائے اس کو دھونا

ہے، یہی میرے نزدیک عقلی اعتبار سے اصح ہے۔

جمہور کی طرف سے مخالفین کا جواب

جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن میں ”ذکر“ کے ساتھ ”انثین“ کو بھی دھونے کا ذکر ہے سو جمہور

کے نزدیک یہ یا تو استحباب کے اوپر محمول ہے۔ (۳)

یا یہ حکم علا جا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے تقلص

ہو جاتا ہے اور خروج مذی کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ (۴)

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ عام طور پر وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ مذی کا معاملہ ”بول“ سے اخف ہے،

اس قدر احتیاط نہیں کرتے تھے جس قدر کرنی چاہئے تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شدت کا

حکم دیا اور فرمایا کہ ”ذکر“ کے ساتھ ”انثین“ کو بھی دھولیا کرو۔ (۵)

(۱) مصنف عبدالرزاق (ج ۱ ص ۱۵۹) کتاب الطہارۃ، باب المذي، رقم (۶۱۰)۔

(۲) التمهيد لابن عبد البر (ج ۲ ص ۲۰۸)۔

(۳) المغني لابن قدامة (ج ۱ ص ۱۱۲) باب ما ينقض الطهارة۔

(۴) شرح معاني الآثار كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل؟

(۵) مرقاة المفاتيح (ج ۱ ص ۳۳۵) باب ما يوجب الوضوء۔

ابن رسلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور نے اصل موجب کو دیکھا ہے، اس لئے کہ اصل موجب تو ”خروج خارج“ ہے لہذا اس کا حکم کسی اور محل کی طرف متجاوز نہیں ہوگا بلکہ صرف مخرج ہی سے متعلق رہے گا۔ (۱) اس بات کی تائید جمہور کے دیے ہوئے دلائل سے ہوتی ہے جن میں ”اغسلہ“ (۲) کے الفاظ ہیں، جس کی ضمیر ”مذی“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

خروج مذی کی صورت میں پانی کا

استعمال ضروری ہے یا استجمار بالا حجار کافی ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خروج مذی کی صورت میں اس کی تطہیر کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہے یا حجار کا استعمال کافی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حجار کے استعمال پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (۳)

شافعیہ کے ہاں دونوں اقوال ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں اس قول کو رائج قرار دیا ہے کہ پانی کا استعمال ضروری ہے۔ (۴)

جبکہ ”المجموع“ میں دوسرے قول یعنی اکتفا بالا حجار کے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (۵)

حنابلہ کے ہاں ایک روایت اکتفا بالا حجار کی ہے (۶)، ایک روایت ”نضح“ پر اکتفا کرنے کی ہے (۷)، جبکہ ایک روایت یہ ہے کہ غسل ضروری ہے۔ (۸)

مالکیہ کے ہاں بھی دونوں اقوال ہیں، البتہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو رائج قرار دیا ہے کہ ”غسل“ ضروری ہے۔ (۹) واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحكم۔

(۱) أوجز المسائل (ج ۱ ص ۴۷۵)۔

(۲) كما رواه الإمام عبيد بن ربيعة - كذا في الأوجز (ج ۱ ص ۴۷۵)۔

(۳) أوجز المسائل (ج ۱ ص ۴۷۳ و ۴۷۴) كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي۔

(۴) شرح النووي على صحيح مسلم (ج ۱ ص ۱۴۳) كتاب الحيض، باب المذي۔

(۵) المجموع شرح المذهب (ج ۲ ص ۱۴۴) باب الاستطابة۔

(۶) أوجز المسائل (ج ۱ ص ۴۷۴)، وفتح الباري لابن رجب (ج ۱ ص ۳۰۵)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۷) المجموع (ج ۲ ص ۵۱۰)، باب إزالة النجاسة، وفتح الباري لابن رجب (ج ۱ ص ۳۰۶)۔

(۸) المجموع (ج ۲ ص ۱۴۴) باب الاستطابة۔

(۹) دیکھئے الاستذکار (ج ۱ ص ۲۸۴) كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي۔

۵۲ - باب : ذِکْرُ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ .

باب سابق سے مناسبت

اس باب اور باب سابق میں مناسبت اس طرح ہے کہ سابق باب میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ”ندی“ کے حکم کے بارے میں سوال مذکور ہے، جبکہ اس باب میں اہلال للحدیج کا سوال مذکور ہے، دونوں میں امر دینی کے متعلق استفسار ہے۔ (۱)

ترجمة الباب کا مقصد

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مسجد میں مباحثہ کرنے کی صورت میں رفع صوت لازم آئے گا، اس سلسلہ میں یہ حضرات توقف کرتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواز پر متنبہ کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”افتاء، تعلیم و قضاء فی المسجد میں تنگی و کراہت کا مظنہ ہے، بعض اکابر کے اقوال بھی تنگی کی طرف مشیر ہیں (۳)، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان امور میں توسع مستحسن ہے، اس لئے یہاں بھی اور ابواب قضاء میں بھی توسع کیا۔ واللہ اعلم۔“ (۴)

(۱) عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۱۷)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۰)۔

(۳) چنانچہ شیخ بخاری شریف کتاب الصلاة، باب رفع الصوت فی المساجد، رقم (۵۷۹) میں ہے ”عن السائب بن یزید قال: کنت قائماً فی المسجد، فحصبی رجل، فظنرت، فإذا عمر بن الخطاب، فقال: اذهب فأنتی بهما، فحشنته بهما، قال: من أئتماء، أو من أئتماء؟ قال: من أهل الطائف، قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما، ترفعان أصواتكما فی مسجد رسول الله صلى الله علیه وسلم۔“

(۴) الأبواب والنراجم (ص ۶۰)۔

حاصل یہ ہے کہ بعض سلف کہتے تھے کہ مسجد نماز و ذکر کے لئے وضع کی گئی ہیں، تعلیم و تبلیغ مسجد کی وضع کے خلاف ہے، نیز مسجد میں جب بچے پڑھتے ہیں تو شور و شغب ہوتا ہے، مباحثہ ہوتا ہے، آوازیں بلند ہوتی ہیں، اس لئے مسجد کو اس طرح کے شور و شغب سے پاک رکھنا چاہئے۔

چنانچہ اشہب رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

”سئل مالک عن رفع الصوت في المسجد في العلم وغيره، قال: لا خير في ذلك في العلم ولا في غيره، لقد أدركت الناس قديماً يعيرون ذلك على من يكون في مجلسه، ومن كان يكون في ذلك مسجده كان يعتذر منه، وأنا أكره ذلك، ولا أرى فيه خيراً“۔ (۱)

یعنی ”امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ مسجد میں علم وغیرہ کا مذاکرہ کرتے ہوئے آواز بلند کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ علم ہو یا کوئی اور چیز، اس میں کوئی خیر نہیں، میں نے قدیم زمانے سے لوگوں کو اس پر پایا ہے کہ جس مجلس میں اس طرح ہوتا تھا اسے ناپسند کرتے تھے اور اگر اس طرح کسی کی مسجد میں ہو تو وہ اعتذار کیا کرتا تھا، میں اس کو ناپسند کرتا ہوں اور اس میں کوئی خیر نہیں پاتا“۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علم تو خود ایک مخصوص ذکر ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں درس و تدریس اور مذاکرہ میں مصروف تھے کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا گدروہاں سے ہوا، کہنے لگے ”یا ابا حنیفہ، هذا في المسجد! والصوت لا ينبغي أن يرفع فيه“ یعنی اے ابو حنیفہ! مسجد میں یہ کیسی آواز ہے؟! یہاں تو آواز بلند نہیں ہونی چاہئے!! امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”دعهم، فإنهم لا يفقهون إلا بهذا“۔ (۲)

یعنی ان کو اپنے حال پر چھوڑو، یہ لوگ اسی طرح علم اور فقہ حاصل کر پاتے ہیں، ان کو اسی طرح علم میں

(۱) جامع بیان العلم و فضله (ج ۱ ص ۵۵۴)، باب جامع في آداب العالم والمتعلم، فصل في رفع الصوت في المسجد وغير ذلك من آداب العلم، رقم (۹۲۴)۔

(۲) جامع بیان العلم و فضله (ج ۱ ص ۵۵۵)، باب جامع في آداب العالم والمتعلم، فصل في رفع الصوت في المسجد وغير ذلك من آداب العلم، رقم (۹۲۵)۔

مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ایک دوسرے کے مقابل میں پورے جوش میں ہوں گے تو ہر آدمی اپنی قوتِ فکریہ کو پوری طرح استعمال کرے گا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب اس طرح بات شروع ہوتی ہے تو اس میں جسمانی طاقت شامل ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ بولنے اور بات کرنے کے بجائے آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔

۱۳۳ : حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا نَافِعُ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ . مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهْلَ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (يُهْلُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ . وَيُهْلُ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجَحْفَةِ . وَيُهْلُ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ أَيْنَ) .
وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : وَيَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (وَيُهْلُ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ بَلَمَمٍ) . وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ : لَمْ أَفْقَهُ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ . [۱۴۵۰ ، ۱۴۵۳ ، ۱۴۵۵ ، ۶۹۱۲]

تراجم رجال

(۱) قتیبہ بن سعید

یہ ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان،

(۱) قولہ: "عن عبد الله بن عمر": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج ۱ ص ۲۰۶)، كتاب الحج، باب فرض موافقت الحج والعمرة، رقم (۱۵۲۲)، وباب ميقات أهل المدينة، ولا يهلوا قبل ذي الحليفة، رقم (۱۵۲۵)، و (ج ۱ ص ۲۰۷)، كتاب الحج، باب مهل أهل نجد، رقم (۱۵۲۷ و ۱۵۲۸)، و (ج ۲ ص ۱۰۹۱) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحط على اتفاق أهل العلم، رقم (۷۳۴۴)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب موافقت الحج، رقم (۲۸۰۵-۲۸۰۷)، و (۲۸۰۹)۔ والنسائي في سننه، في كتاب مناسك الحج والمواقيت، باب ميقات أهل المدينة، رقم (۲۶۵۲)۔ وباب ميقات أهل الشام، رقم (۲۶۵۳)، وباب ميقات أهل نجد، رقم (۲۶۵۶)۔ وأبو داود في سننه، في كتاب المناسك، باب في المواقيت، رقم (۱۷۳۷)۔ والترمذي في جامعه، في أبواب الحج، باب ما حاء في مواقيت الإحرام لأهل الأفاق، رقم (۸۳۱)۔ وابن ماجة في سننه، في أبواب المناسك، باب مواقيت أهل الأفاق، رقم (۲۹۱۴)، والدارمي في سننه، في كتاب المناسك، باب المواقيت في الحج، رقم (۱۷۹۰ و ۱۷۹۱)۔ وأحمد في مسنده (ج ۲ ص ۳)، رقم (۴۴۵۵)، و (ج ۲ ص ۴۷)، رقم (۵۰۷۰)، و (ج ۲ ص ۴۸)، رقم (۵۰۸۷)، و (ج ۲ ص ۵۵)، رقم (۵۱۷۲)، و (ج ۲ ص ۶۵)، رقم (۵۳۲۳)، و (ج ۲ ص ۸۲)، رقم (۵۵۴۲)۔

”باب إفشاء السلام من الإسلام“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) اللیث بن سعد

یہ امام لیث بن سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب ”بدء الوجدی“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر

یہ مدینہ منورہ کے مشہور عالم اور مفتی نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر القرشی العدوی العمری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)
ایک قول کے مطابق ان کا اصل تعلق ”المغرب“ سے تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اصلاً نیشاپور کے تھے،
تیسرے قول کے مطابق یہ کابل کے قیدیوں میں سے تھے، چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا تعلق طالقان سے تھا (۴)،
بہر حال کسی غزوہ میں یہ قید ہو کر آئے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید لیا۔ (۵)

ان کے والد کے نام میں بھی کئی اقوال ہیں، بعض نے ”ہرمز“ اور بعض نے ”کاؤس“ بتایا ہے۔ (۶)
یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے راوی ہیں، ان کے علاوہ حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ،
حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام سلمہ، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۸۹)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۴)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۹۸)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۹۸)۔

(۵) قال السنوي في تهذيب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۲۳)، رقم (۱۸۷): ”سُبي وهو صغير، فاشتراه ابن عمر“۔ وقال ابن أبي

حاتم في الجرح والتعديل (ج ۸ ص ۵۱۷)، رقم (۲۰۷۰/۱۵۳۷۷): ”أصابه ابن عمر في بعض غزواته“۔ والله أعلم

(۶) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۲۹۸)، وتہذیب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۲۳) نقلاً عن الحاكم في تاريخ نيسابور۔

نسيبه: قال العيني في عمدة القاري: ”نافع بن سرجس، يفتح السين المهملة وسكون الراء، وكسر الجيم وفي آخره
سين أخرى...“ وهذا سبق قلم نشأ عن سبق نظر، حيث أراد ترجمة نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر عن كتاب الجرح والتعديل
لاسن أبي حاتم، فوقع نظره إلى ترجمة نافع بن سرجس، الذي ترجم له بعده مباشرة، فكتب الاسم وضمه، ثم نقل بعد ترجمة
نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر۔ والله أعلم۔

کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اور حضرت ابن عمر کے صاحبزادگان سالم، عبداللہ اور عبید اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عبد اللہ بن عمر، عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر، زید بن واقد، حمید الطویل، ابن جریج، امام مالک، صالح بن کیسان، ابن عون، یحییٰ بن سعید، موسیٰ بن عقبہ، اسماعیل بن امیہ، ایوب بن موسیٰ، یونس بن یزید، جویریہ بن اسماء، لیث بن سعد، محمد بن عجلان، ابن ابی ذئب، ضحاک بن عثمان، سلیمان بن موسیٰ، برد بن سنان، ابن ابی رواد، عبدالرحمن بن السراج، عبید اللہ بن الأخنس، محمد بن اسحاق، اسامہ بن زید، عمر بن محمد، صخر بن جویریہ، ہمام بن یحییٰ، ہشام بن سعد، لیث بن ابی سلیم، حجاج بن ارطاة، اشعث بن سوار، اسحاق بن ابی فروة، ابو معشر نجج، عبداللہ بن نافع اور عثمان البری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بے شمار حضرات ہیں۔ (۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان ثقة کثیر الحدیث“۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أصح الأسانید: مالک عن نافع، عن ابن عمر“۔ (۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نافع کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنتا ہوں تو پھر مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ کسی اور سے وہ حدیث نہیں سنی۔ (۴)

عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مدنی تابعی، ثقة“۔ (۵)

ابن خراش کہتے ہیں ”ثقة لیل“۔ (۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ثقة“۔ (۷)

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۹، ص ۲۹۸-۳۰۳)، وسیر اعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۹۵-۹۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۳۰۳)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۳۰۴)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أی حدیث أوثق من حدیث نافع؟“ (۱)

احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان نافع حافظاً ثباتاً، له شأن، وهو أكبر من

عكرمة عند أهل المدينة“۔ (۲)

خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نافع من أئمة التابعين بالمدينة، إمام في العلم، متفق عليه، صحيح الرواية،

منهم من يقدمه على سالم، ومنهم من يقارنه به، ولا يعرف له خطأ في جميع ما

رواه“۔ (۳)

یعنی ”نافع مدینہ کے ائمہ تابعین میں سے ہیں، علم میں متفق علیہ امام ہیں، صحیح روایت کرنے والے

ہیں، بعض حضرات ان کو سالم سے بھی مقدم گردانتے ہیں اور بعض حضرات ان کا ہمسر قرار دیتے

ہیں، ان کی تمام روایتوں میں کوئی غلطی نہیں پائی گئی۔“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أجمعوا على توثيقه“۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”الإمام، المفتي، الثبت، عالم المدينة“۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:

”وقول ميمون بن مهران: كبر، وذهب عقله، قول شاذ، بل اتفقت الأمة على أنه

حجة مطلقاً“۔ (۶)

یعنی ”میمون بن مهران رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ نافع بڑھاپے کے بعد عقل و خرد سے

بے گانہ ہو گئے تھے، یہ بالکل شاذ قول ہے، پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ نافع مطلقاً حجت ہیں۔“

(۱) کتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ج ۸ ص ۵۱۷)، رقم (۱۵۳۷۷/۲۰۷۰)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۴۱۴)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج ۲۹ ص ۳۰۶)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج ۱۰ ص ۴۱۴ و ۴۱۵)۔

(۴) تهذيب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۲۴)، رقم (۱۸۷)۔

(۵) سير أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۹۵)۔

(۶) سير أعلام النبلاء، (ج ۵ ص ۱۰۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اصح قول کے مطابق ۷۱ھ میں ہوئی۔ (۲)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان وقول النبی صلی اللہ

علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

أن رجلاً قام في المسجد

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہوا۔

یہی مقصود بالترجمہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یہ شخص کون ہے؟ کسی نے بھی ان کا نام ذکر نہیں کیا۔ (۴)

”مسجد“ سے مراد مسجد نبوی ہے (۵)، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

مواقیت حج کے بارے میں حدیث میں مذکور سوال مدینہ منورہ سے سفر کرنے سے پہلے کا تھا۔ (۶)

فقال: يا رسول الله، من أين تأمرنا أن نهمل؟ (۷)

(۱) کتاب الثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۶۷)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۰۱)۔

(۳) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

(۴) قال الحافظ: ”لم أقف على اسم هذا الرجل“۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۳۰)، وقال أيضاً: ”لم يسم هذا الرجل“۔ (ہدی

المساری ص ۳۹۰)۔

(۵) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۰)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) الإهلال: هو رفع الصوت بالتلبية، يقال: أهْلُ المحرم بالحج يُهْلُ إهلالاً: إذا نوى ورفع صوته، والمُهْل: يضم الميم: موضع

الإهلال، وهو الميقات الذي يُحرمون منه، ويقع على الزمان، والمصدر: النهاية في غريب الحديث والأثر (ج ۲ ص ۹۱۰)۔

وقال العيني رحمه الله تعالى في العمدة (ج ۲ ص ۲۱۹): ”أن نهمل: أي نحرم، والإهلال في الأصل رفع الصوت،

ولكن المراد هنا الإحرام مع التلبية“۔

عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہاں سے تلبیہ پڑھنے اور احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟
 فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يهل أهل المدينة من ذي الحليفة،
 ويهل أهل الشام من الجحفة، ويهل أهل نجد من قرن
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے تلبیہ پڑھ کے احرام باندھیں گے، اہل شام
 نجفہ سے احرام باندھیں گے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

ذوالحلیفہ

تضخیر کے ساتھ، یعنی حاء کے ضمہ، لام کے فتح کے ساتھ ہے، اس کے بعد یاء مثناة من تحت ساکنہ ہے،
 اس کے بعد فاء مفتوحہ ہے، آخر میں تاء مدورہ ہے۔ (۱)
 ذوالحلیفہ مدینہ منورہ کے جنوب میں چھ یا سات میل یعنی ۹/۱۰ کلومیٹر دور ایک جگہ کا نام ہے، آج کل اس کو
 ”بئر علی“ یا ”آبار علی“ کہا جاتا ہے۔ (۲)

الجحفة

جحفہ: بالضم، ثم السكون، والفاء۔
 اہل شام اور اہل مصر اگر مدینہ منورہ سے ہو کر نہ گذریں تو ان کے واسطے میقات جحفہ ہے اور اگر مدینہ
 سے گذریں تو اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔ (۳)
 یہ نجفہ مدینہ منورہ سے چھ مراحل کے فاصلے پر مقام ”رابع“ سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً چوبیس
 کلومیٹر پر واقع ہے۔ (۴)

(۱) النظر معجم البلدان (ج ۲ ص ۲۹۵)۔

(۲) معجم البلدان (ج ۲ ص ۲۹۵)، وأطلس الحديث النبوي (ص ۱۵۰)۔

(۳) معجم البلدان (ج ۲ ص ۱۱۱)۔

(۴) معجم البلدان (ج ۲ ص ۱۱۱)، وأطلس الحديث النبوي (ص ۱۵۰)۔

اس کا اصل نام ”مہیعة“ (بفتح المیم وسكون الهاء وفتح الياء المثناة من تحت، بعدها عين مهملة مفتوحة، وبعدها تاء مدورة) تھا، ایک قوم وہاں آ کر آباد ہوئی، سیلاب نے آ کر اس کا استیصال کر دیا اس لئے اس کا نام ”جحفہ“ پڑ گیا۔ (۱)

قرن

قرن (بفتح القاف وسكون الراء المهملة، وبعدها نون)۔

یہ اہل نجد کا میقات ہے، اسی کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں، مکہ مکرمہ سے اسی کلومیٹر دور ہے۔ (۲) اس میں ”راء“ پر فتح پڑھنا غلط ہے (۳)، ”قرن“ بفتح الراء تو یمن کا ایک قبیلہ ہے، حضرت اولیس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ (۴)

وقال ابن عمر: ويزعمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ويهل أهل اليمن من يلملم، وكان ابن عمر يقول: لم أفقه هذه من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں گے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

یلملم

اس کو أَلَمَلَم بھی کہا جاتا ہے، یہ مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (۵)

- (۱) معجم البلدان (ج ۲ ص ۱۱۱)، وعسدة القاري (ج ۲ ص ۲۱۸)، والفتح الرباني (ج ۱ ص ۱۰۵)، کتاب الحج والعمرة، أبواب الإحرام ومواقفه، وصفته، وأحكامه، باب مواقيت الإحرام المكانية۔
- (۲) معجم البلدان (ج ۴ ص ۳۳۱) وأطلس الحديث النبوي (ص ۳۰۵)۔
- (۳) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۳۰)۔
- (۴) دیکھئے المجموع شرح المہذب (ج ۷ ص ۱۷۰)، کتاب الحج، باب المواقيت۔
- (۵) معجم البلدان (ج ۵ ص ۴۴۱)، وأطلس الحديث النبوي (ص ۳۷۹)۔

مواقیت احرام کی تحدید

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جزم کے ساتھ تین مواقیت کا ذکر ہے، ”ذات عرق“ کا ذکر تو بالکل نہیں ہے، جبکہ یلملم جو اہل یمن کا میقات ہے اس کا تذکرہ بلفظ ”زعم“ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس روایت میں تو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”یلملم“ کا جو ذکر فرمایا وہ میں سمجھ نہیں سکا، جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سنا ہی نہیں، البتہ دوسروں سے سنا ہے۔

چنانچہ مؤطا کی روایت میں ہے ”قال عبد الله: وبلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ويهل أهل اليمن من يلملم“۔ (۱)

صحیح مسلم اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے ”وذكر لي - ولم أسمع - أنه قال: ويهل أهل اليمن من يلملم“۔ (۲)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مواقیت کے بارے میں براہ راست محقق طور پر سنا تھا، جبکہ یلملم کے بارے میں یا تو آپ سے سنا لیکن سمجھ نہیں سکے، یا کسی اور صحابی کے واسطے سے سنا، چونکہ مرسل صحابی عن الصحابی بھی صحیح اور حجت ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ اس حدیث میں وہ چار مواقیت کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے:

”أن النبي صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن يلملم، هن لهن ولمن أتى عليهن من غيرهن، ممن أراد الحج والعمرة،“۔ (۳)

(۱) مؤطا امام مالك بشرح أوجز المسالك، كتاب الحج، باب مواقيت الإهلال، رقم (۲۲/۷۱۴)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج، رقم (۲۸۰۹)۔ ومسند المسائي، كتاب المسامك، باب ميقات أهل نجد، رقم (۲۶۵۶)۔

(۳) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۲۰۶)، كتاب الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، رقم (۱۵۲۴)۔

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے واسطے ذوالحلیفہ، اہل شام کے واسطے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے واسطے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے، یہ ان علاقوں کے باشندگان کے لئے بھی میقات ہیں اور ان لوگوں کے واسطے بھی جو حج و عمرہ کے ارادہ سے ان علاقوں سے آئیں، اگرچہ وہ ان علاقوں کے باشندے نہ ہوں۔“

اہل عراق کا میقات

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم کے میقات ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔

البتہ اہل عراق کے میقات کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ان کا میقات کیا ہے؟ اور یہ کہ اس کو کس نے مقرر کیا؟ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا۔ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، امام مالک اور ان کے تمام اصحاب کہتے ہیں کہ عراق اور اس جانب کے اہل مشرق کا میقات ”ذاتِ عرق“ ہے۔

جبکہ امام شافعی اور (ایک قول کے مطابق) سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اہل عراق مقام ”عقیق“ سے احرام باندھیں تو یہ زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ (۱)

ان میں سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اہل عراق کے میقات ”ذاتِ عرق“ کی تعیین تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے، کیونکہ عراق ان کے زمانہ میں فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عراق مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا ہی نہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب اہل عراق کے میقات کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ”لا عراق یومئذ“ (۲) کہ ”اس زمانے میں اہل اسلام کے پاس عراق تو تھا ہی نہیں۔“

(۱) الامتداد لابن عبد البر (ج ۳ ص ۳۳۴)، کتاب الحج، باب معقیت الإہلال، والمجموع (ج ۷ ص ۱۷۱ و ۱۷۲)۔

(۲) مسند أحمد (ج ۲ ص ۱۴۰)، رقم (۶۲۵۷)، ومصلف ابن أبي شيبة (ج ۸ ص ۳۶۴) کتاب المناسک و باب فی معقیت الحج، رقم (۱۴۲۶۳)۔

لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ”ذات عرق“ کی تعیین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:-

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل العراق ذات عرق“۔ (۱)

یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا ہے۔“ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

”وقت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الطائف قرن،

وهي نجد، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل اليمن يلملم، ولأهل العراق ذات عرق“۔ (۲)

یعنی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل طائف کے لئے قرن جو نجد کا علاقہ ہے، اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے۔“

جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے جس میں ”لا عراق يومئذ“ کہا تھا، جس سے یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ ”ذات عرق“ کی تحدید و توقیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہوئی، سو اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا اور اس وقت تک عراق فتح بھی نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے قیاس کر کے فرمادیا ”لا عراق يومئذ“ ورنہ کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں تو ”شام“ کا علاقہ بھی فتح نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود آپ نے ”شام“ اور ”مصر“ کے اہالی کے واسطے ”جحفہ“ کی توقیت فرمائی۔

اسی طرح ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

”منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام مديها ودينارها، ومنعت مصر إردبها

ودينارها“۔ (۳)

(۱) سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب في المواقيت، رقم (۱۷۳۹)۔

(۲) أخرجه ابن عبد البر بسنده في التمهيد، انظر فتح المالك بتوابع التمهيد لابن عبد البر (ج ۵ ص ۳۱۱)، کتاب الحج، باب مواقيت الإحلال۔

(۳) صحيح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب، رقم (۷۲۷۷)، و سنن أبي داود،

کتاب الحجاج والخی، والإمارة، باب في إيقاف أرض السواد وأرض العنوة، رقم (۳۰۳۵)، ومسند أحمد (ج ۲ ص ۲۶۲)، مسند

أبي هريرة رضي الله عنه، رقم (۷۵۵۵)۔

یعنی ”اہل عراق نے اپنے درہم اور قفیز کو روک دیا اور اہل شام نے اپنے مدی اور دینار کو روک لیا اور مصر نے اپنے اردب اور دینار کو روک لیا“ (اردب، مدی اور قفیز سب مختلف پیمانوں کے نام ہیں)۔

ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں شام و عراق فتح نہیں ہوئے تھے، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”منعت“ کے معنی ”ستمع“ کے ہیں (۱)، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از فتح پیشین گوئی فرمائی ہے کہ آئندہ جا کر عراق و شام اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوں گے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عراق و شام فتح نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ نے اس حدیث میں فرمایا کہ عراق و شام و مصر جزیہ دینا ختم کر دیں گے، اس کا ایک مطلب شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ ممالک مفتوح ہو کر وہاں کے باشندے اسلام لے آئیں گے، اس لئے وہاں سے جزیہ کا آنا بند ہو جائے گا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممالک تو اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ جائیں گے، البتہ آخر زمانے میں عجم اور کفار کا غلبہ ہوگا، عراق و شام میں جو جزیہ و خراج آیا کرتے تھے وہ نہیں آئیں گے۔ (۲) بہر صورت اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پیشین گوئی پائی گئی کہ عراق و مصر و شام اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو جائیں گے۔

اسی طرح آپ نے عراق و شام کے واسطے قبل از فتح مواقیت مقرر فرمادیں، کیونکہ یہ علاقے اہل اسلام کے ہاتھ میں عنقریب آنے والے ہیں۔

جہاں تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ”عقیق“ سے احرام باندھنے کو افضل قرار دینے کا تعلق ہے، سو اس کی وجہ ایک تو وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقُ“ (۳) یعنی ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے واسطے ”عقیق“ کو میقات قرار دیا ہے۔“

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ”ذات عرق“ میقات نہیں ہے، بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام

(۱) فتح المسائل (ج ۵ ص ۳۱۰ و ۳۱۱)، کتاب الحج، باب مواقیت الإحلال۔

(۲) دیکھئے شرح النبوی علی صحیح مسلم (ج ۲ ص ۳۹۱)، کتاب الفتن۔

(۳) مسنن أبی داود، کتاب المسائل، باب فی مواقیت، رقم (۱۷۵۰)۔

اہل علم کے نزدیک ”ذات عرق“ میقات ہے، البتہ ”عقیق“ چونکہ اس سے ذرا دور ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ”عقیق“ سے احرام باندھیں۔ (۱)

جبکہ جمہور مذکورہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں (۲) اور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ”ذات عرق“ کی تصریح آئی ہے۔

مواقیت کے بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمام تفصیلات کتاب الحج میں آئیں گی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم وعلمہ اتم وأحکم

۵۳ - باب : مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرِ مِمَّا سَأَلَهُ .

باب سابق سے مناسبت

دونوں ابواب میں مناسبت بالکل واضح ہے کہ ہر باب میں سوال کرنا اور جواب دینا مذکور ہے۔ (۳)

(۱) المجموع (ج ۷ ص ۱۷۲) کتاب الحج، باب الواقیت - وفتح المالك (ج ۵ ص ۳۱۱)۔

(۲) قال الزيلعي في نصب الراية (ج ۳ ص ۱۴)، رقم (۳۹۶۵ و ۳۹۶۴): "قال ابن القطان في كتابه: هذا حديث أخاف أن يكون

منقطعاً، فإن محمد بن علي بن عبد الله بن عباس إنما عهد يروي عن أبيه عن جده ابن عباس، كما جاء ذلك في صحيح مسلم، في صلاته عليه السلام من الليل - وقال مسلم في كتاب التمييز: لا نعلم له سماعاً من جده، ولا أنه لقيه، ولم يذكر

السحاري ولا ابن أبي حاتم أنه يروي عن جده، وذكر أنه يروي عن أبيه" - انتهى

وقال النووي في المجموع (ج ۷ ص ۱۶۹):

"رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن، وليس كما قال، فإنه من رواية يزيد بن أبي زياد، وهو ضعيف باتفاق

المحدثين"۔

وقال الحافظ في التلخيص الحبير (ج ۳ ص ۸۴۶)، كتاب الحج، باب الواقیت، رقم (۹۷۱): "قلت: في نقل

الاتفاق نظر، ويعرف ذلك من ترجمته - وله علة أخرى، قال مسلم في الكنى: لا يعلم له سماع من جده يعني محمد بن علي" -

وقال الحافظ في فتح الباري (ج ۳ ص ۳۹۰): "تفرد به يزيد بن أبي زياد، وهو ضعيف"۔

(۳) عمدة القاري (ج ۲ ص ۲۲۰)۔

ترجمة الباب کا مقصد

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جواب کا، سائل کے سوال کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر سائل کوئی سوال کرے تو سائل کے جواب میں مزید اضافہ کر دے تو یہ جائز ہے، بلکہ بعض اوقات انسب اور بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔ (۲)

مثلاً کسی مسئلہ میں تفصیلات ہیں اور ان تفصیلات کو ذکر کئے بغیر یہ ڈر ہو کہ مستفتی غلطی میں پڑ جائے گا تو اس کو بیان کر دینا مناسب ہے۔

اور اگر یہ خطرہ ہو کہ مستفتی غلط مطلب نکال کر اپنا مقصد حل کرے گا تو مسئلہ کی شقوں کو واضح کر دینا چاہئے، تاکہ وہ یہ نہ کہے کہ میں نے تو اس لفظ سے یہ مطلب سمجھا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اصولیین نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے۔ یہاں بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس قاعدہ کے معارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصولیین کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر اضافہ نہ کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جواب میں سوال کی ساری باتیں آجائیں، کوئی چیز نہ چھوٹے (۳)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم کے آخر میں یہ ترجمہ منعقد کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے علم کی ترغیب و تحریض اور اس کے مسائل سے متعلق ضرورت اور حاجت سے زیادہ تراجم منعقد کر دیے ہیں۔ (۴)

واللہ اعلم

(۱) المتواری (ص ۶۵)۔

(۲) الكنز المتواری فی معادن لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۹۴)۔

(۳) حوالہ سابقہ۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۱)، والکنز المتواری (ج ۲ ص ۳۹۵)۔

۱۳۴ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو ذَيْبٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ أَبِي عُمَرَ ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ .
 وَعَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ أَبِي عُمَرَ ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ
 الْمُحْرَمُ ؟ فَقَالَ : (لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ ، وَلَا الْعِمَامَةَ ، وَلَا السَّرَاوِيلَ ، وَلَا الْبُرُنْسَ ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ
 الْوَرَسُ أَوْ الزَّعْفَرَانُ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَيْنِ ، وَلْيَقُطْعُهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ) .
 [۳۵۹ ، ۱۴۶۸ ، ۱۷۴۱ ، ۱۷۴۵ ، ۵۴۵۸ ، ۵۴۶۶ ، ۵۴۶۸ ، ۵۴۶۹ ، ۵۵۰۹]

[۵۵۱۴]

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ آدم بن ابی ریاس خراسانی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب:

(۵) قوله: ”عن ابن عمر رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الصلاة، باب الصلاة في القميص
 والسراويل والنبان والقباء، رقم (۳۶۶)، وفي كتاب الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، رقم (۱۵۴۲)، وحزاء الصيد، باب
 ما ينهى من الطيب للمحرم والمحرمه، رقم (۱۸۳۸)، وباب ليس الحفین للمحرم إذا لم يجد النعلين، رقم (۱۸۴۲)، وفي
 كتاب اللباس، باب ليس القميص، رقم (۵۷۹۴)، وباب البرانس، رقم (۵۸۰۳)، وباب السراويل، رقم (۵۸۰۵)، وباب
 العمائم، رقم (۵۸۰۶)، وباب الثوب المزعفر، رقم (۵۸۴۷)، وباب النعال الستية، رقم (۵۸۵۲)۔ ومسلم في صحيحه، في
 كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة لبسه وما لا يباح رقم (۲۷۹۱-۲۷۹۳)۔ والنسائي في سننه، في كتاب
 المناسك، باب النهي عن الثياب المصبوغة بالورس والزعفران في الإحرام، رقم (۲۶۶۷ و ۲۶۶۸)، وباب النهي عن لبس
 القميص في الإحرام، رقم (۲۶۷۰)، وباب النهي عن لبس السراويل في الإحرام، رقم (۲۶۷۱)، وباب النهي عن أن تتقب
 المرأة الحرام، رقم (۲۶۷۴)، وباب النهي عن لبس البرانس في الإحرام، رقم (۲۶۷۵ و ۲۶۷۶)، وباب النهي عن لبس العمامة
 في الإحرام، رقم (۲۶۷۷ و ۲۶۷۸)، وباب النهي عن لبس الحفین في الإحرام، رقم (۲۶۷۹)، وباب قطعهما أسفل من
 الكعبين، رقم (۲۶۸۱)، وباب النهي عن أن تلبس المحرمه القفازين، رقم (۲۶۸۲)۔ وأبو داود في سننه في كتاب المناسك،
 باب ما يلبس المحرم، رقم (۱۸۲۳-۱۸۲۸)۔ والترمذي في جامعه، في كتاب الحج، باب ما جاء فيما لا يجوز للمحرم لبسه،
 رقم (۸۳۳)۔ وابن ماجه في سننه في كتاب المناسك، باب ما يلبس المحرم من الثياب، رقم (۲۹۲۹ و ۲۹۳۰)، وباب
 السراويل والحفین للمحرم، رقم (۲۹۳۲)۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) ابن ابی ذئب

یہ محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات اسی جلد میں کتاب العلم، ”باب حفظ العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۳) نافع

یہ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات پچھلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۴) الزہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ المعروف بابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحی“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ (۱)

(۵) سالم

یہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب: الحیا، من الایمان“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۲)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان وقول النبی صلی اللہ

علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس“ کے تحت گزر چکے ہیں۔ (۳)

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۷۸)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۳۲۶)۔

(۳) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۲۸ و ۱۲۹)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

سندِ حدیث کی وضاحت

یہاں صحیح بخاری کے دو نسخے ہیں:

ایک میں ہے ”حدثنا آدم، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن نافع عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وابن أبي ذئب عن الزهري عن سالم عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم“۔

یہاں ”وابن أبي ذئب“ جو دوبارہ آیا ہے اس کا عطف پیچھے ”حدثنا ابن أبي ذئب“ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدم بن ابی زریاس نے یہ حدیث ابن ابی ذئب ہی سے دو سندوں سے سنی ہے۔

دوسرا نسخہ وہ ہے جو متن میں مذکور ہے، یعنی ”حدثنا آدم، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وعن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم.....“۔

اس میں ”عن الزهري“ کا عطف ”عن نافع“ پر ہے، گویا ابن ابی ذئب کے نام کا دوبارہ اعادہ نہیں

کیا۔ (۱)

حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ابن ابی ذئب شیخ البخاری دو سندوں سے روایت کرتے ہیں، ایک ”عن نافع عن ابن عمر“ اور دوسری سند ہے ”عن الزهري عن سالم عن ابن عمر“ دوسری سند پہلی سند کے مقابلہ میں ایک درجہ نازل ہے، اگرچہ دونوں سندوں کے جلیل القدر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

أن رجلاً سألہ

کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا۔

یہ کون شخص تھا؟ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”لم أقف على اسمه“۔ (۲) میں ان کے نام سے

واقف نہیں ہو سکا۔

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۱)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۱)۔

ما یلبس المحرم؟ فقال: لا یلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل ولا البرنس، ولا ثوباً مسّه الورس أو الزعفران، فإن لم یجد النعلین فلیلبس الخفین، ولیقطع ما حتی یكونا تحت الکعبین۔

جو شخص احرام باندھے وہ کیا پہنے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: محرم نہ قمیص پہنے گا نہ عمامہ، نہ پانجامہ، نہ وہ کپڑا جس کے ساتھ ٹوپی بھی سلی ہوئی ہو، نہ وہ کپڑا جس میں درس یا زعفران ہو، پھر اگر پہننے کو جوتیاں (چپل) نہ ملیں تو موزے ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فصیح و بلیغ جواب

سائل نے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملبوسات کے بارے میں سوال کیا تھا کہ وہ کون سے لباس ہیں جو محرم پہن سکتا ہے؟ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ملبوسات کو دو وجہ سے ذکر کیا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ جن چیزوں کے پہننے کی اجازت ہوتی ہے ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اور جن کے پہننے کی اجازت نہیں ان کے پہننے سے ضرر ہوتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جلب منفعت سے دفع ضرر مقدم ہے، لہذا غیر ملبوسات یعنی وہ لباس جو نہیں پہننے چاہئیں، ان کے متعلق سوال کرنا چاہئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ملبوسات کی تو کوئی حد نہیں، غیر ملبوسات محدود ہیں، یعنی جس کی اجازت ہے اس کی تو کوئی حد نہیں ہے اور جس کی اجازت نہیں وہ محدود ہے، لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود کو بیان فرما دیا۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں چیزیں استعمال کرنا ناجائز ہے تو معلوم ہو گیا کہ باقی تمام چیزوں کا استعمال جائز ہے، یعنی مذکورات ناجائز اور غیر مذکورات جائز ہیں۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ہمیں سے روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی نکل آئی، کہ سائل نے تو صرف جائز ملبوسات کے

متعلق سوال کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملبوسات اور غیر ملبوسات دونوں کو بیان کر دیا، غیر ملبوسات یعنی جن کے پہننے کی اجازت نہیں منطوق حدیث سے بیان کر دیا اور ملبوسات یعنی جن کے پہننے کی اجازت ہے مفہوم حدیث سے بیان فرما دیا۔ (۱)

ترجمہ کے ساتھ مطابقت کی ایک اور تقریر بھی کی گئی ہے کہ سائل نے تو حالت اختیار کا مسئلہ پوچھا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت اضطرار کا مسئلہ بھی بیان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر کسی شخص کو نعلین نہ ملے تو وہ موزے کاٹ کر پہن لے۔ (۲)

حدیث باب سے مستنبط قاعدہ

حدیث باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، وہ تین قسم کی ہیں: ایک تو وہ چیزیں ہیں جو سائر اس میں ہیں، جیسے عمامہ، اسی کے حکم میں ٹوپی بھی ہے، اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

دوسری وہ انواع لباس ہیں جو بدن کے مطابق سلے ہوتے ہیں، جیسے سراویل، قمیص، برنس وغیرہ اور اسی کے حکم میں وہ تمام لباس آجائیں گے جو بدن کی وضع اور ہیئت کے مطابق سلے ہوئے ہوں، ان کو چاہے کسی زبان میں کچھ کہا جاتا ہو۔

تیسری نوع یہ کہ محرم نعلین پہن سکتا ہے، خفین کی اجازت نہیں، کیونکہ خفین سائر کعب ہوتی ہیں، اس سے معلوم ہو گیا کہ جو چیز بھی سائر کعب ہوگی اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی، لہذا اگر جوتا سائر کعب ہو تو اس کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ (۳)

السراویل

یہ عجمی لفظ ہے، معرب کر کے استعمال کیا گیا ہے، یہ اگرچہ جمع کے وزن پر ہے، لیکن واحد کے لئے

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۲۲۲)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۳۱)۔

(۳) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۲۲۲)۔

استعمال ہوتا ہے۔ (۱)

البُرنس

بضم الباء والنون وإسكان الراء۔

بُرنس: ہر ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جس کا سر اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، چاہے وہ جبہ ہو، یا برساتی ہو یا کوئی زرہ وغیرہ ہو۔ (۲) اسی طرح ایک خاص قسم کی ٹوپی کو بھی ”بُرنس“ کہتے ہیں، صدر اسلام میں محبدا لوگ پہنا کرتے تھے۔ (۳)

الورس

ایک زرد رنگ کی گھاس ہے، یمن میں پائی جاتی ہے، کپڑے رنگنے میں کام آتی ہے۔ (۴)
حدیث باب سے متعلق دیگر فقہی احکام کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الحج میں آئے گی۔

براعتِ اختتام

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب العلم“ کے آخر میں یہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے ”ولیقطعنہما حتی یکونا تحت الکعبین“ یہ قطع اختتام کتاب اور نہایت پردال ہے۔ (۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر ”کتاب“ کے آخر میں انسان کی زندگی کے اختتام یعنی موت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، یہاں بھی محرم کے لباس کا ذکر ہے جو میت کے کفن کے مشابہ ہے۔ (۶) واللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم

(۱) دیکھئے تہذیب الأسماء واللغات (ج ۳ ص ۱۴۸)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۲۱)۔

(۲) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۳ ص ۲۶)۔

(۳) عمدة القاری (ج ۲ ص ۲۲۱)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج ۴ ص ۱۹۰)، وعمدة القاری (ج ۲ ص ۲۲۲)۔

(۵) فتح الباری (ج ۱۳ ص ۵۴۳) آخر الكتاب۔

(۶) نکیر سنن بی (ج ۲ ص ۳۹۶)۔

هذا آخر ما أردنا إيراده في شرح كتاب العلم من الجامع
الصحيح للإمام البخاري رحمه الله تعالى،

وبه تمّ المجلد الرابع

من كتاب "كشف الباري عما في صحيح البخاري"
ويليه - بإذن الله تعالى - المجلد الخامس، وأوله: كتاب الوضوء،
والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام الأتمان
الأكملان على أفضل الكائنات، وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم
بإحسان، ما دامت الأرضون والسموات -

مصادر و مراجع

- ۱- الأبواب والتر اجم لصحیح البخاری۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۳۳۹ھ ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔
- ۲- الأبواب والتر اجم لصحیح البخاری۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲م۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
- ۳- الآثار (کتاب الآثار)۔ امام أبو حنیفۃ لعمان بن ثابت، رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۵۰ھ روایت: امام محمد بن الحسن الشیبانی، رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۸۳ھ، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
- ۴- الآثار المرفوعة (سبع رسائل) امام ابو الحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم الکنوی، رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۰۴ھ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
- ۵- الأجوبة المرضیة فی مسائل (السخاوی) عنہ من الأحادیث النبویة۔ حافظ شمس الدین محمد بس عبد الرحمن السخاوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۹۰۲ھ۔ تحقیق: دکتور محمد اسحاق محمد ابراہیم۔ دار الراية، الرياض وجدة طبع اول ۱۴۱۸ھ۔
- ۶- الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستي، رحمۃ اللہ تعالیٰ،

المتوفى ٥٣٥٤هـ - مؤسسة الرسالة، بيروت -

٧- إحكام الأحكام، شرح عمدة الأحكام امام تقى الدين أبو الفتح الشهير بابن دقيق العيد،

رحمه الله تعالى، متوفى ٥٧٠٢هـ، دار الكتب العلمية بيروت، طبع ثانی ١٤٢٦هـ / ٢٠٠٥م -

٨- أحكام القرآن، امام أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص، رحمه الله تعالى، متوفى

٥٣٧٠هـ، دار الكتاب العربي بيروت -

٩- أحكام القرآن - حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانى، رحمه الله تعالى، المتوفى

١٣٩٤هـ، إدارة القرآن كراچی -

١٠- اختصار علوم الحديث - ابو الفداء عماد الدين إسماعيل بن شهاب الدين عمر المعروف

بابن كثير، رحمه الله تعالى، المتوفى ٧٧٤هـ، دار التراث القاهرة، ١٣٩٩هـ / ١٩٧٩م -

١١- الأذكار مع الفتوحات الربانية - امام أبو زكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧٦هـ المكتبة الإسلامية -

١٢- إرشاد الساري شرح صحيح البخاري - ابو العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني

رحمه الله تعالى متوفى ٩٢٣هـ - المطبعة الكبرى الأميرية مصر، طبع سادس ١٣٠٤هـ -

١٣- إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء - حضرت شاه ولي الله محدث دهلوى رحمه الله تعالى،

المتوفى ١١٧٦هـ سهيل اكيدي لاهور -

☆- إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء مترجم - حضرت شاه ولي الله محدث دهلوى رحمه

الله تعالى، المتوفى ١١٧٦هـ، قديمى كتب خانه كراچی -

١٤- الاستيعاب فى أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة) - أبو عمر يوسف بن عبد الله بن

محمد بن عبد البر، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣هـ - دار الفكر بيروت -

١٥- أسد الغاية في معرفة الصحابة - عز الدين أبو الحسن علي بن محمد الجزري، المعروف

بابن الأثير، رحمه الله تعالى، المتوفى ٦٣٠هـ دار الكتب العلمية، بيروت -

- ١٦- أشعة اللمعات - شيخ عبد الحق محدث دهلوی، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٠٥٢هـ -
مكتبه نوريه رضويه سكهړ پاكستان -
- ١٧- الإصابه في تمييز الصحابة - شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني
المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٢هـ - دار الفكر بيروت -
- ١٨- أصول كافي - محمد بن يعقوب الكليني، متوفى ٣٢٩هـ - دار الكتب الإسلامية، تهران،
طبع ثالث ١٣٨٨هـ -
- ١٩- أضلس الحديث النبوي من الكتب الصحاح الستة، دكتور شوقي أبو خليل، دار الفكر
دمشق، طبع رابع ١٤٢٦هـ، ٢٢٠٥م -
- ٢٠- الاعتبار في النسخ والمنسوخ في الحديث، الحافظ أبو بكر محمد بن موسى الحازمي
الهمداني، رحمه الله تعالى، المتوفى ٥٨٤هـ، تحقيق: أحمد طنطاوي - دار ابن حزم - الطبعة
الأولى ١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م -
- ٢١- الاعتصام، امام أبو إسحاق إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الشاطبي، رحمه الله
تعالى، متوفى ٧٩٠هـ، دار الفكر، بيروت -
- ٢٢- أعلام الحديث - امام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي رحمه الله تعالى متوفى
٣٨٨هـ - مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى مكة المكرمة -
- ٢٣- إعلاء السنن - علامه ظفر أحمد عثمانی رحمه الله تعالى متوفى ١٣٩٤هـ - إدارة القرآن
كراچی -
- ٢٤- إكمال تهذيب الكمال، علامه علاء الدين مغلطای بن قليج بن عبد الله البكجري
الحنفي، متوفى ٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر طبع اول ١٤٢٢هـ / ٢٠٠١م -
- ٢٥- الإكمال في رفع الارتباب عن المؤلف والمختلف في الأسماء والكنى الألقاب - الأمير
الحافظ أبو نصر علي بن هبة الله المعروف بابن ماکولا، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٧٥هـ،

محمد أمين دمج، بيروت -

٢٦- ألفية الحديث- حافظ جلال الدين عبدالرحمن سيوطي، رحمه الله تعالى، متوفى ٩١١هـ، تصحيح وتشریح: شیخ أحمد محمد شاكر، رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٧٧هـ المكتبة العلمية-

٢٧- الإلماع - قاضي عياض بن موسى اليحصبي رحمه الله تعالى، متوفى ٥٤٤هـ تحقيق وتعليق: أحمد فريد المزيدي، دار الكتب العلمية -، بيروت، طبع اول ١٤٢٥هـ - ٢٠٠٤م -

٢٨- الأموال (كتاب الأموال) امام ابو عبيد القاسم بن سلام، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٢٤هـ، دار الكتب العلمية بيروت، طبع اول ١٤٠٦هـ -

٢٩- الأم (كتاب الأم) امام محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٠٤هـ، دار المعرفة، بيروت ١٣٩٣هـ - ١٩٧٣م -

٣٠- الأنساب- أبو سعد عبدالكريم بن محمد بن منصور السمعاني رحمه الله تعالى متوفى ٥٦٢هـ- دار الجنان بيروت، طبع اول ١٤٠٨هـ، مطابق ١٩٨٨م -

٣١- أوجز المسالك إلى مؤطا مالك- شيخ الحديث حضرت مولانا محمد زكريا صاحب كاند هلوى، رحمه الله تعالى، متوفى ١٤٠٢هـ مطابق ١٩٨٢م - ادارة تاليفات اشرفيه ملتان -

وبتحقيق الدكتور تقي الدين الندوي حفظه الله تعالى، دار القلم، دمشق، طبع اول ١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٣م -

٣٢- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- ملك العلماء علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني رحمه الله تعالى، متوفى ٥٨٧هـ- ايچ ايم سعيد كمپني كراچی -

٣٣- بداية المجتهد ونهاية المقتصد- علامه قاضي أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد قرطبي متوفى ٥٩٥هـ، شركة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر طبع خامس ١٤٠١هـ مطابق ١٩٨١م -

٣٤- البداية والنهاية- حافظ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير رحمه الله تعالى، متوفى ٧٧٤هـ- مكتبة المعارف بيروت، طبع ثاني ١٩٧٧م-

٣٥- البضاعة المزجاة لمن يطالع المشكاة (مطبوعه مع المرقاة) - مولانا عبد الحلیم چشتی حفظه الله تعالى - مكتبة امداديه ملتان-

٣٦- بيان القرآن- حكيم الامت حضرت مولانا اشرف علي صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفى ١٣٦٢هـ- شيخ غلام علي ايند سنز لاهور-

٣٧- تاج العروس من جواهر القاموس- أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضى الزبيدي رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٠٥هـ- دار مكتبة الحياة بيروت-

٣٨- تاريخ ابن الأثير (الكامل في التاريخ) أبو الحسن عز الدين علي بن محمد بن الأثير الجزري رحمه الله تعالى، متوفى ٦٣٠هـ، دار الكتاب العربي، بيروت-

٣٩- تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري) امام محمد بن جرير الطبري رحمه الله تعالى، متوفى ٣١٠، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، طبع رابع ١٤٠٣/١٩٨٣م-

٤٠- تاريخ ابن خلدون (كتاب العبر، وديوان المبتدأ والخبر، في أيام العرب والعجم والبربر، ومن عاصرهم من ذوي السلطان الأكبر) علامه عبد الرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمي المغربي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٨٠٨هـ، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت-

٤١- تاريخ الإسلام- حافظ شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨هـ تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت، طبع اول ١٤١٠هـ- ١٩٩٠م-

٤٢- تاريخ بغداد أو مدينة السلام- حافظ أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣هـ- دار الكتاب العربي بيروت-

- ۴۳- تاریخ الخلفاء - حافظ جلال الدین عبد الرحمن السيوطی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۹۱۱ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، بیروت، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م۔
- ۴۴- تاریخ عثمان بن سعید الدارمی، رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی، ۲۸۰ھ عن أبي زكريا يحيى بن معين، المتوفی ۲۳۳ھ، دار المأمون للتراث، ۱۴۰۰ھ۔
- ۴۵- التاريخ الكبير - امام محمد بن إسماعيل البخاري، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۲۵۶ھ۔ دار الكتب العلمية بیروت۔
- ۴۶- تحرير تقريب التهذيب، دكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷م۔
- ۴۷- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف - أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن المزني رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۷۴۲ھ۔ المكتب الإسلامي بیروت، طبع دوم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳م۔
- ۴۸- تحفة الباري، بشرح صحيح البخاري، شيخ الإسلام أبي يحيى زكريا بن محمد الأنصاري، رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۹۲۶ھ، دار الكتب العلمية / دار ابن حزم بیروت، طبع اول ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م۔
- ۴۹- تذكرة الحفاظ - حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۸ھ۔ دائرة المعارف العثمانية، الهند۔
- ۵۰- التذييل على كتاب تهذيب التهذيب - محمد بن طلعت، مكتبة أضواء السلف، الرياض، طبع اول ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴م۔
- ۵۱- ترجمان السنة - حضرت مولانا بدر عالم ميرٹھی، رحمہ اللہ تعالیٰ، ۱۳۸۵، دار الاشاعت کراچی۔
- ۵۲- تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس - حافظ أحمد بن علي المعروف

بابن حجر العسقلاني ، رحمه الله تعالى ، متوفى ٨٥٢هـ ، تحقيق : عاصم عبد الله القريوتي ،
الزرقاء ، الأردن -

٥٣ - تعليقات تقريب التهذيب - شيخ محمد عوامة حفظه الله تعالى ، دار الرشيد حلب
١٤٠٦هـ -

٥٤ - تعليقات جامع بيان العلم وفضله - أبو الأشبال الزهيري ، دار ابن الجوزي ، طبع رابع
١٤١٩هـ -

٥٥ - تعليقات تهذيب الكمال - دكتور بشار عواد معروف حفظه الله تعالى - مؤسسة الرسالة ،
طبع اول ١٤١٣هـ -

٥٦ - تعليقات الرفع والتكميل - شيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى ، متوفى ١٤١٧هـ ،
مكتب المطبوعات الإسلامية ، حلب ، طبع سوم ١٤٠٧هـ - ١٩٨٧م -

٥٧ - تعليقات علوم الحديث - دكتور نور الدين عتر حفظه الله تعالى ، دار الفكر بيروت ،
١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م -

٥٨ - تعليقات الكاشف للذهبي - شيخ محمد عوامة / شيخ أحمد محمد نمر الخطيب
حفظهما الله - مؤسسة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن - طبع اول ١٤١٣هـ - ١٩٩٢م -

٥٩ - تعليقات لامع الدراري - شيخ الحديث محمد زكريا الكاندملوي ، رحمه الله تعالى ،
المتوفى ١٤٠٢هـ - ١٩٨٢م ، كشمير بكديو چنيوت بازار فيصل آباد -

٦٠ - تعليقات معجم الصحابة - جماعة من العلماء والمحققين ، مكتبة نزار مصطفى الباز ،
مكة المكرمة / الرياض -

٦١ - تعليق التعليق - حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر رحمه الله تعالى ، متوفى
٨٥٢هـ - المكتب الإسلامي ودار عمار -

٦٢ - تفسير الطبري (جامع البيان عن تأويل آي القرآن) - امام أبو جعفر محمد بن جرير

- الطبري رحمه الله تعالى، متوفى ٥٣١٠هـ، مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار
هجر - القاهرة ١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م.
- ٦٣- تفسير القرآن العظيم - حافظ أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي
رحمه الله تعالى، متوفى ٧٧٤هـ، دار إحياء الكتب العربية.
- ٦٤- تفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن) - امام أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري
القرطبي رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧١هـ - دار الفكر بيروت.
- ٦٥- التفسير الكبير (مفاتيح الغيب) امام أبو عبد الله فخر الدين محمد بن عمر بن الحسين
الرازي، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦هـ، مكتب الإعلام الإسلامي، إيران.
- ٦٦- التفسير المظهر - قاضي محمد ثناء الله الفاني فتي، رحمه الله تعالى، ١٢٢٥هـ،
حافظ كتب خانة كوئته.
- ٦٧- تقريب التهذيب - حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله
تعالى، متوفى ٨٥٢هـ - دار الرشيد حلب ١٤٠٦هـ.
- ٦٨- التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير النذير (مع تدريب الراوي) امام أبو زكريا محي الدين
يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧٦هـ، المكتبة العلمية، المدينة المنورة.
- ٦٩- تقرير بخاري شريف - حضرت شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلوي، رحمه
الله تعالى، متوفى ١٤٠٢هـ، مكتبة الشيخ كراچی.
- ٧٠- التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من كتاب ابن الصلاح، حافظ أبو الفضل زين الدين
عبد الرحيم بن الحسين العراقي، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٠٦هـ، مكتبة سلفيه مدينه منوره.
- طبع أول ١٣٨٩هـ.
- ☆ التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من كتاب ابن الصلاح، حافظ عراقي رحمه الله تعالى،
تحقيق: دكتور أسامة بن عبد الله خياط، دار البشائر الإسلامية، طبع أول ١٤٢٥هـ / ٢٠٠٤م.

٧١- تكملة فتح الملهم- حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم-مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

٧٢- تكملة فتح الملهم- حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم، دار احیاء التراث العربی بیروت، طبع اول ١٤٢٦ھ- ٢٠٠٦م۔

٧٣- تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الكبير- حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٨٥٢ھ، دار نشر الكتب الإسلامية لاہور۔

٧٤- تلخیص المستدرک (المطبوع بذي المستدرک)- حافظ شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٧٤٨ھ- دارالفکر، بیروت۔

٧٥- التمهيد لمافي المؤطا من المعاني والأسانيد- حافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد ابن عبد البر المالكي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٤٦٣ھ- المكتبة التجارية مكة المكرمة۔

٧٦- تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك (ضمن: الحاوي للفتاوى للسيوطي) حافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٩١١ھ مکتبہ نوريہ رضويہ فيصل آباد۔

٧٧- تنوير الحوالك شرح مؤطا امام مالك، حافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٩١١ھ، دار الكتب العنسية، بیروت۔

٧٨- توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار، امام محمد بن إسماعيل المعروف بالأمير الصنعاني رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ١١٨٢ھ، دار الكتب العلمية، طبع اول ١٤١٧ھ ١٩٩٧م۔

٧٩- تهذيب الأسماء واللغات- امام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٦٧٦ھ- إدارة الطباعة المنيرية۔

٨٠- تهذيب التهذيب- حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٨٥٢ھ، دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد الدکن ١٣٢٥ھ۔

- ٧٩- تهذيب سنن أبي داود، حافظ شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر المعروف بابن القيم، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٥١هـ مطبعة أنصار السنة المحمدية ١٣٦٧هـ / ١٩٤٨م.
- ٨٠- تهذيب الكمال - حافظ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن المزني، رحمه الله تعالى متوفى ٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة طبع أول ١٤١٣هـ.
- ٨١- تيسير القاري - مولانا نور الحق بن شيخ عبد الحق محدث دهلوي رحمه الله تعالى، متوفى ١٠٧٢هـ، مطبع علوي، لكهنؤ.
- ٨٢- الثقات (كتاب الثقات) - حافظ أبو حاتم محمد بن حبان بستي رحمه الله تعالى متوفى ٣٥٤هـ دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد ١٣٩٣هـ.
- ٨٣- جامع الأصول من حديث الرسول - علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزري رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦هـ دار الفكر بيروت.
- جامع البيان عن تأويل آي القرآن (ديكته تفسير الطبري).
- ٨٤- جامع بيان العلم وفضله، حافظ أبو عمرو يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر المالكي، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣هـ - دار ابن الجوزي، طبع رابع ١٤١٩هـ / ١٩٩٨م.
- ٨٥- جامع الترمذي (سنن ترمذي) - امام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي رحمه الله تعالى متوفى ٢٧٩هـ - ايچ ايم سعيد كمپني / دار احياء التراث العربي / دار السلام.
- جامع لأحكام القرآن (ديكته تفسير القرطبي).
- ٨٦- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع - حافظ أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣هـ دار الكتب العلمية، بيروت، طبع أول ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م.
- ٨٧- الجرح والتعديل، امام أبو محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم محمد إدريس الرازي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت - طبع أول ١٤٢٢هـ / ٢٠٠٢م.

- ۸۸- جمع الوسائل فی شرح الشمائل، امام نور الدین علی بن سلطان القاری، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۰۱۴ھ، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔
- ۸۹- الجوهر النقی (بذیل السنن الکبری للبیہقی) - علامہ علاء الدین علی بن عثمان الماردینی، الشہیر بابن الترمذی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۴۵ھ، نشر السنۃ ملتان۔
- ۹۰- حاشیہ سبط ابن العجمی علی الکاشف۔ امام برہان الدین أبو الوفاء إبراهیم بن محمد سبط ابن العجمی الحلبي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۴۱ھ۔ شرکت دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، طبع اول ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲م۔
- ۹۱- حاشیہ السندي علی البخاري۔ امام أبو الحسن نور الدین محمد بن عبد النہادی السندي رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۱۳۸ھ۔ قدیمی کتب خانہ۔
- ۹۲- الحاوی الکبیر، امام أبو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردي، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۴۵۰ھ دار الفکر، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴م۔
- ۹۳- الحاوی للفتاوی - حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن أبی بکر السيوطی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۹۱۱ھ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد۔
- ۹۴- حلیۃ الأولیاء - حافظ أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ بن أحمد الأصبہانی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۴۳۰ھ دار الفکر بیروت۔
- ۹۵- خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال (خلاصۃ الخزر جی) علامہ صفی الدین الخزر جی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۹۲۳ھ کے بعد، مکتب المطبوعات الإسلامیة، بحلب۔
- ۹۶- الدراية فی تخريج أحادیث الہدایۃ۔ حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۵۲ھ، دار نشر الکتب الإسلامیة لاہور۔
- ۹۷- الدر المختار۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۰۸۸ھ۔ مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ۔

- ٩٨- الدر المنثور في التفسير بالمأثور- حافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي ، رحمه الله تعالى ، متوفى ٥٩١١ هـ مؤسسة الرسالة-
- ٩٩- ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع الحديث- علامه عبدالغنى بن إسماعيل بن عبدالغنى النابلسي رحمه الله تعالى متوفى ١٣٤٣ هـ- دار المعرفة بيروت / دار الكتب العلمية بيروت-
- ١٠٠- رد المحتار على الدر المختار- علامه محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين شافعي رحمه الله تعالى متوفى ١٢٥٢ هـ- مكتبة رشيدية كوثته-
- ١٠١- رحماء بينهم ، حضرت مولانا محمد نافع صاحب ، مدظلهم ، تخریقات ، لاهور-
- ١٠٢- الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة- علامه محمد بن جعفر الكتاني ، رحمه الله تعالى ، متوفى ١٣٤٥ هـ ، مير محمد كتب خانه كراچی
- ١٠٣- رسالة شرح تراجم أبواب البخاري (مطبوعه مع صحيح بخاري)- حضرت مولانا شاه ولي الله دهلوي ، رحمه الله تعالى متوفى ١١٧٦ هـ- قديسي كتب خانه كراچی-
- ١٠٤- الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ، علامه أبو الحسنات عبد الحی بن عبد الحليم لکهنوی ، رحمه الله تعالى ، متوفى ١٢٠٤ هـ ، مكتب المطبوعات الإسلامية حلب طبع سوم ١٤٠٧ هـ-
- ١٠٥- الروح (كتاب الروح) حافظ شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر المعروف بأبي القیم ، رحمه الله تعالى ، متوفى ٧٥١ هـ ، مكتبة نصير ، مصر-
- ١٠٦- الروح في القرآن (تالیفات عثمانی) حضرت شیخ الاسلام علامه شبیر أحمد عثمانی ، رحمه الله تعالى ، متوفى ١٣٦٩ هـ- اداره اسلامیات لاهور-
- ١٠٧- روح المسعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی- أبو الفضل شهاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمه الله تعالى متوفى ١٢٧٠ هـ- مكتبة إمدادیه ملتان-
- ١٠٨- الروض الأنف - امام أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله السهيلي ، رحمه الله تعالى ، متوفى ٥٨١ هـ مكتبة فاروقية ملتان - ١٣٩٧ هـ-

- ۱۰۹- زاد المعاد من هدي خير العباد- حافظ شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر المعروف بابن القيم رحمه الله تعالى، متوفى ۷۵۱ھ- مؤسسة الرسالة-
- ۱۱۰- زهر الرُّبى على المجتبى (مع سنن النسائي) حافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله تعالى، متوفى ۹۱۱ھ، قديمي كتب خانہ کراچی-
- ۱۱۱- السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، علامہ أبو الحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم اللکنوی، رحمه الله تعالى، متوفى ۱۳۰۴ھ، سنہیل اکیڈمی لاہور-
- ۱۱۲- سنن ابن ماجہ، امام أبو عبد الله محمد بن یزید بن ماجہ، رحمه الله تعالى، متوفى ۲۷۳ھ قديمي كتب خانہ کراچی / دار الكتاب المصري، قاهرة/ دار السلام-
- ۱۱۳- سنن أبی داود- امام أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني رحمه الله تعالى، متوفى ۲۷۵ھ- ایچ ایم سید کمپنی / دار احیاء السنۃ النبویہ / دار السلام-
- ۱۱۴- سنن الدارقطني- حافظ أبو الحسن علي بن عمر الدارقطني رحمه الله تعالى، متوفى ۳۸۵ھ- دار نشر الكتب الإسلامية لاہور-
- ۱۱۵- سنن الدارمی- امام أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمی رحمه الله تعالى، متوفى ۲۵۵ھ، قديمي كتب خانہ کراچی-
- ۱۱۶- السنن الصغرى للنسائي- امام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله تعالى، متوفى ۳۰۳ھ، قديمي كتب خانہ کراچی / دار السلام، ریاض-
- ۱۱۷- السنن الكبرى للنسائي- امام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله تعالى، متوفى ۳۰۳ھ- نشر السنة ملتان-
- ۱۱۸- السنن الكبرى للبيهقي- امام حافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي رحمه الله تعالى، متوفى ۴۵۸ھ- نشر السنة ملتان-
- ۱۱۹- سير أعلام النبلاء- حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي

رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۵۷۴۸ھ۔ مؤسسة الرسالة۔

۱۲۰۔ السیرة الحلیة۔ (إنسان العیون فی سیرة الأمين العامون) علامہ علی بن برهان الدین الحلبي

رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۱۰۴۴ھ۔ المكتبة الإسلامية بیروت۔

۱۲۱۔ السیرة النبویة۔ امام ابو محمد عبد الملك بن هشام المعافري رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی

۲۱۳ھ، مكتبة فاروقيه ملتان۔

۱۲۲۔ سيرت المصطفى۔ حضرت علامہ محمد ادريس كاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی

۱۳۹۴ھ، مكتبة عثمانیه لاہور۔

☆ شرح تراجم أبواب البخاری۔ (ويکني رسالہ شرح تراجم أبواب البخاری)۔

۱۲۳۔ شرح شرح نخبة الفكر، علامہ نور الدين علي بن سلطان القاري رحمہ اللہ تعالیٰ،

متوفی ۱۰۱۴ھ تحقيق: محمد نزار تميم وهيثم نزار تميم، دار الأرقم۔

۱۲۴۔ شرح شيخ الاسلام فارسي (مطلوعہ مع تيسير القاري)

۱۲۵۔ شرح صحيح البخاري (لابن بطال) امام أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك، المعروف

بابن بطال، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۴۴۹ھ مكتبة الرشد، الرياض ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م۔

۱۲۶۔ شرح العقائد النسفية۔ علامہ سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني رحمہ اللہ تعالیٰ،

متوفی ۷۹۱ھ۔ مكتبة حبيبه كوتہ۔

۱۲۷۔ شرح الكرماني (الكواكب الدراري)۔ علامہ شمس الدين محمد بن يوسف بن علي

الكرماني رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۷۸۶ھ، دار إحياء التراث العربي۔

۱۲۸۔ شرح مشكل الآثار، امام أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمہ اللہ

تعالیٰ، متوفی ۳۲۱ھ، مؤسسة الرسالة ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵م۔

۱۲۹۔ شرح معاني الآثار۔ امام أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي الحنفي،

رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۳۲۱ھ، مير محمد آرام باغ کراچی۔

☆ شرح معانی الآثار مع نثر الأزهار۔

۱۳۰- شرح المہذب (المجموع)، امام أبو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۶۷۶ھ، شركة من علماء الأزهر / دار الفکر، بیروت۔

۱۳۱- شرح المواہب اللدنیة، علامہ محمد بن عبد الباقي بن یوسف الزرقانی المصري المالکی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۱۲۲ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۶م۔

۱۳۲- شرح النووی علی صحیح مسلم۔ امام أبو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۷۶ھ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۱۳۳- شروط الأئمة الخمسة للحازمی، حافظ أبو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان الحازمی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۵۸۴ھ تعلیقات علامہ زاهد الکوثری، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۷۱ھ وتعلیقات شیخ عبد الفتاح أبو غدة رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۴۱۷ھ۔ (ضمن: ثلاث رسائل فی علوم الحديث) مکتب المطبوعات الإسلامية بحلب۔

۱۳۴- الشمائل المحمدية مع جمع الوسائل، امام أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۲۷۹ھ، ادارة تالیفات اشرفیہ ملتان۔

☆ صحیح ابن حبان۔ (ویکھئے الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان)۔

۱۳۵- الصحیح للبخاری۔ امام أبو عبد اللہ محمد بن إسمعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۲۵۶ھ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی / دار السلام ریاض، وبتحقیق محمد نزار تمیم وهیثم نزار تمیم، دار الارقم بن أبي الأرقم۔

۱۳۶- الصحیح لمسلم۔ امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۲۶۱ھ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی / دار السلام۔

۱۳۷- الضعفاء الکبیر (کتاب الضعفاء الکبیر) امام أبو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن

- حساد العقيلي المكي، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٣٢٢هـ، دار الكتب العربية بيروت.
- ١٣٨- الضوء اللامع في أعيان القرن التاسع، امام أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن السخاوي، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٩٠٢هـ- منشورات دار مكتبة الحياة، بيروت.
- ١٣٩- الطبقات الكبرى- امام أبو محمد بن سعد رحمه الله تعالى متوفى ٥٢٣٠هـ- دار صادر بيروت.
- ☆ طبقات المدلسين (ويكفي تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس).
- ١٤٠- ظفر الأمانى، امام أبو الحسنات عبد الحى بن عبد الحلیم اللكنوى رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٠٤هـ مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب، طبع ثالث ١٤١٦هـ.
- ١٤١- عارضة الأحوذى، امام أبو بكر محمد بن عبد الله، المعروف بابن العربى، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٤٣هـ المطبعة المصرية بالأزهر.
- ١٤٢- عقود الجواهر المنيفة فى أدلة مذهب الإمام أبى حنيفة مما وافق فيه الأئمة الستة أو أحدهم، علامه سيد محمد بن محمد الحسينى، المعروف بالمرتضى الزبيدى، رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٠٥، ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى.
- ١٤٣- لوم الحديث (مقدمه ابن الصلاح) امام حافظ تقى الدين أبو عمرو عثمان بن عبد الرحمن المعروف بابن الصلاح رحمه الله تعالى، متوفى ٦٤٣هـ تحقيق نور الدين عتر حفظه الله تعالى، دار الفكر، تصوير ١٤٠٦هـ- ١٩٨٦م.
- ١٤٤- عمدة القارى- امام بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٥هـ- ادارة الطباعة المنيرية.
- ١٤٥- فتح الباري- حافظ أحمد بن على المعروف بابن حجر العسقلانى رحمه الله تعالى متوفى ٨٥٢هـ- دار الفكر بيروت.
- ١٤٦- فتح القدير- امام كمال الدين محمد بن عبد الوحد المعروف بابن الهمام رحمه الله

تعالیٰ متوفی ۵۸۶۱ھ - مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۱۴۷- فتح المالک بتبویب التمهید لابن عبد البر علی مؤطا مالک، حافظ ابو عمر یوسف بن

عبد اللہ بن محمد بن عبد البر المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۵۴۶۳ھ مرتب: دکتور

مصطفیٰ صبیحہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۸م۔

۱۴۸- فتح المغیث، شرح ألفیۃ الحدیث، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن السخاوی

رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۵۹۰۲ھ دار الإمام الطبری، الطبعة الثانية ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲م۔

۱۴۹- فتح المغیث، امام حافظ أبو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی،

رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۵۸۰۶ھ دار الحیل بیروت۔

۱۵۰- فتح الملہم، شیخ الإسلام علامہ شبیر أحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی

۱۳۶۹ھ مکتبۃ الحجاز حیدری کراچی / مکتبہ دار العلوم کراچی / دار احیاء التراث العربی،

بیروت۔

۱۵۱- الفتوحات الربانیة شرح الأذکار النواویة، شیخ محمد بن علان الصدیقی، رحمہ اللہ

تعالیٰ، متوفی ۱۰۵۷ھ المکتبۃ الإسلامیة۔

۱۵۲- فقہ أهل العراق وحديثهم (مقدمة نصب الراية) علامہ محمد زاهد الکوثری رحمہ

اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۷۱ھ مکتب المطبوعات الإسلامیة بحلب۔

۱۵۳- فقہ اللغة ولسر العربیة - امام أبو منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعیل الثعالبی،

المتوفی ۵۴۲۹ھ، قديمی کتب خانہ کراچی۔

۱۵۴- فیض الباری - امام العصر علامہ محمد أنور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی

۱۳۵۲ھ - ربانی بکڈیو دہلی۔

۱۵۵- القاموس المحيط، امام مجد الدین محمد بن یعقوب الفيروز آبادی، رحمہ اللہ تعالیٰ،

متوفی ۵۸۱۷ھ دار الفكر بیروت ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م

۱۵۶- القاموس الوحید۔ مولانا وحید الزمان بن مسیح الزمان قاسمی کیرانوی، رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵م، ادارہ اسلامیات لاہور / کراچی۔

۱۵۷- الکاشف للذہبی۔ شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۷۴۸ھ۔ شریک دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن طبع اول ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲م۔

۱۵۸- الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۳ھ۔ ادارۃ القرآن کراچی۔

☆ الکامل فی التاریخ (دیکھئے: تاریخ ابن الأثیر)۔

۱۵۹- الکامل فی ضعفاء الرجال۔ امام حافظ أبو أحمد عبد اللہ بن عدي الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۳۲۵ھ، دار الفکر بیروت۔

☆ کتاب الآثار (دیکھئے: الآثار)

☆ کتاب الأم (دیکھئے: الأم)

☆ کتاب الأموال (دیکھئے: الأموال)

☆ کتاب الروح (دیکھئے: الروح)

۱۶۰- کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم، ادارۃ المعارف کراچی۔

۱۶۱- الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الأقاویلفی وجوہ التأویل۔ الإمام جار اللہ محمود بن عمر الزمخشري، المتوفی ۵۳۸ھ، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

۱۶۲- کشف الأستار عن زوائد البزار، إمام نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۰۷ھ مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۵ھ۔

۱۶۳- کشف الأسرار علی أصول البزدوی، علامہ عبد العزیز بن أحمد بن محمد البخاری، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۷۳۰ھ الصدف پبلشرز کراچی۔

- ۱۶۴- کشف الأسرار علی شرح المنار، امام ابوالبرکات عبد اللہ أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۷۱۰ھ، الصدف پبلشرز کراچی۔
- ۱۶۵- کشف الباری۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم۔ مکتبہ فاروقیہ کراچی۔
- ۱۶۶- کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علی السنة الناس۔ شیخ إسماعیل بن محمد العجلونی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۱۶۲ھ۔ دار إحياء التراث العربی بیروت۔
- ۱۶۷- کشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، ملا کاتب چلبی مصطفیٰ بن عبد اللہ المعروف بحاجی خلیفہ، متوفی ۱۰۶۷ھ، مکتبہ المثنیٰ بغداد، آفست فونو استنبول۔
- ۱۶۸- الکفایة فی علم الروایة، امام حافظ أبو بکر أحمد بن علی المعروف بالخطیب البغدادی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۴۶۳ھ۔ دار الكتب العلمية بیروت، ۱۴۰۹ھ۔ ۱۹۸۸م۔
- ۱۶۹- کفایة المتحفظ، امام أبو إسحاق إبراهيم بن إسماعیل بن عبد اللہ، المعروف بابن الأجدابی الطرابلسی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۶۰۰ھ تقریباً۔
- ۱۷۰- کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال۔ علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین الہندی البرہان فوری رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۹۷۵ھ۔ مکتبہ التراث الإسلامی حلب۔
- ☆کنز المتوارى فی معادن لامع الدراری وصحيح البخاری (دیکھئے تعلیقات لامع الدراری)۔
- ۱۷۱- الکنی والأسماء (کتاب الکنی والأسماء) امام حافظ أبو بشر محمد بن أحمد بن حماد الدولابی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۳۱۰ھ، المکتبہ الأثریة، تصویر حیدرآباد الدکن۔
- ۱۷۲- الکوکب الدرّی، حضرت مولانا رشید أحمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۲۳ھ إدارة القرآن کراتشي۔
- ☆الکواکب الدراری (دیکھئے شرح الکرمانی)۔
- ۱۷۳- لامع الدراری۔ حضرت مولانا مفتی رشید أحمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۲۳ھ۔ مکتبہ امدادیہ

مکہ مکرمہ / شمیر بکڈ پو، چنیوٹ بازار، فیصل آباد۔

۱۷۴- لسان المیزان۔ امام حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۵۲ھ، تحقیق: شیخ عبد الفتاح ابو غدة، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۴۱۷ھ، دار البشائر الإسلامية، طبع اول، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲م۔

۱۷۵- لقط الدرر حاشیة نزہة النظر، شیخ عبد اللہ بن حسین خاطر السمین العدوی (من علماء القرن الرابع عشر) مصطفى البابی مصر ۱۳۵۶ھ۔

۱۷۶- المؤطا۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۷۹ھ۔ دار احیاء التراث العربی۔
المؤطا لمحمد، امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۸۳ھ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

۱۷۷- المتواری علی تراجم أبواب البخاری۔ علامہ ناصر الدین أحمد بن محمد المعروف بابن المنیر الإسکندرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۶۸۳ھ۔ مظهری، کتب خانہ کراچی۔

۱۷۸- مجمع الروائد۔ امام نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۰۷ھ۔ دار الفکر بیروت۔

☆ المجموع (دیکھئے: شرح المہذب)۔

۱۷۹- المسحدث الفاصل بین الراوی والواعی، قاضی الحسن بن عبد الرحمن الرامهرمزی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۳۶۰ھ دار الفکر بیروت طبع ثالث ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴م۔

۱۸۰- المحلی۔ علامہ أبو محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۴۵۶ھ۔ المكتب التجاری بیروت / دار الکتب العلمیة بیروت۔

۱۸۱- مختار الصحاح۔ امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۶۶۶ھ کے بعد۔ دار المعارف مصر۔

۱۸۲- المراسیل (مع سنن أبی داود) امام أبو داود سلیمان بن الأشعث السجستانی رحمہ

- اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۲۷۵ھ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
- ۱۸۳- مرقاة المفاتیح۔ علامہ نور الدین علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۰۱۴ھ۔ مکتبہ امدادیہ ملتان۔
- ۱۸۴- مسائل السلوک (مطبوعہ مع بیان القرآن) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ روحہ، متوفی ۱۳۶۲ھ، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔
- ۱۸۵- المستدرک علی الصحیحین۔ حافظ أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۵۰۵ھ۔ دار الفکر بیروت۔
- ۱۸۶- مسند أبی داود الطیالسی، حافظ سلیمان بن داود بن الجارود المعروف بأبی داود الطیالسی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ متوفی ۲۰۴ھ دار المعرفة بیروت۔
- ۱۸۷- مسند أحمد۔ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۴۱ھ۔ المکتب الاسلامی / دارصادر بیروت / بیت الأفكار الدولية الرياض ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۸م۔
- ۱۸۸- مسند الحمیدی۔ امام أبوبکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ متوفی ۲۱۹ھ۔ المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ۔
- ۱۸۹- مشکاة المصابیح۔ شیخ أبو عبد اللہ ولی الدین الخطیب محمد بن عبد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۳۷ھ۔ کے بعد۔ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
- ۱۹۰- مصباح اللغات، مولانا أبو الفضل عبد الحفیظ البلیاوی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۹۱ھ، مکتبہ برہمان، دہلی۔
- ۱۹۱- المصنف لابن أبی شیبہ۔ حافظ عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبہ المعروف بأبی بکر بن أبی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۳۵ھ۔ الدار السلفیۃ بسبیئ الهند طبع دوم ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹م۔
- وبتحقیق الشیخ محمد عوامہ، حفظہ اللہ تعالیٰ، المجلس العلمی / دار قرطبہ بیروت، طبع اول ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶م۔

- ١٩٢ - المصنف - امام عبد الرزاق بن همام الصنعاني رحمه الله تعالى، متوفى ٢١١هـ - مجلس عيسى كراچی۔
- ١٩٣ - المطالب العالی، بزوائد المسانید الثمانية، حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٢هـ دار الباز مكة المكرمة۔
- ١٩٤ - معارف القرآن - مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفى ١٣٩٦ھ / ١٩٧٦م، ادارة المعارف كراچی۔
- ١٩٥ - معجم البلدان - علامہ أبو عبد الله ياقوت حموي رومي رحمه الله تعالى متوفى ٦٢٦هـ - دار إحياء التراث العربي بيروت۔
- ١٩٦ - معجم الصحابة، امام حافظ أبو الحسين عبد الباقي بن قانع البغدادى، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٥١هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة / الرياض طبع اول ١٤١٨هـ۔
- ١٩٧ - المعجم المنفصل
- ١٩٨ - معجم مقاييس اللغة - امام أحمد بن فارس بن زكريا القزويني الرازي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٩٥هـ - دار الفكر، بيروت۔
- ١٩٩ - المعجم الوسيط، دكتور إبراهيم أنس، دكتور عبد الحليم منتصر، عطية الصوالحي، محمد خليف الله أحمد، مجمع اللغة العربية، دمشق۔
- ٢٠٠ - معرفة الصحابة، الإمام الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، رحمه الله تعالى، المتوفى ٥٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ / ٢٠٠٢م۔
- ٢٠١ - المغنى - امام موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة رحمه الله تعالى متوفى ٦٢٠هـ - دار الفكر بيروت۔
- ٢٠٢ - المغنى فى ضبط أسماء الرجال، علامہ محمد طاهر الفتني رحمه الله تعالى، متوفى ٥٩٨هـ، دار نشر الكتب الإسلامية لاہور۔

- ٢٠٣- مقدمة لامع الدراري- حضرت شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب كاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ١٤٠٢/١٩٨٢ مھ-مکتبۃ إمدادیہ مکہ مکرمہ / کشمیر بکڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد۔
- ☆ مقدمہ نصب الراية (و کھنئے فقہ اہل العراق وحديثهم)۔
- ٢٠٤- السواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، (مع شرحہ للزرقانی) حافظ شہاب الدین أحمد بن محمد العسقلانی المصري الشافعي، رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ٥٩٢٣ھ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ١٤١٧ھ-١٩٩٦م۔
- ٢٠٥- الموضوعات، امام أبو الفرح عبد الرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٥٩٧ھ قرآن محل اردو بازار کراچی۔
- ٢٠٦- میزان الاعتدال فی نقد الرجال- حافظ شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ٥٧٤٨ھ-دار إحياء الكتب العربیہ مصر ١٣٨٢ھ۔
- ٢٠٧- النبراس شرح شرح العقائد- علامہ عبد العزیز بن أحمد الفرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ، ١٢٣٩ھ- کے بعد-مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ۔
- ٢٠٨- نزہۃ النظر فی توضیح لخبۃ الفکر، حافظ أبو الفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٨٥٢ھ، الرحیم اکیڈمی۔
- ٢٠٩- نصب الریۃ، حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٥٧٦٢ھ تحقیق شیخ محمد عوامۃ حفظہ اللہ، مؤسسة الريان بیروت / دار القبۃ للثقافۃ الإسلامیۃ، جدۃ، طبع اول ١٤١٨ھ-١٩٩٧م۔
- ٢١٠- النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح، حافظ أبو الفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ٨٥٢ھ، دار الراية الرياض، طبع ثانی ١٤٠٨ھ/١٩٨٨م۔
- ٢١١- النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر- علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد

- ابن الأثير الجزري رحمه الله تعالى، متوفى ۶۰۶هـ - دار إحياء التراث العربی بیروت / دار المعرفة بیروت، طبع أول ۱۴۲۲/۵ / ۲۰۰۱م -
- ۲۱۲- وفيات الأعيان - قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بابن خلكان رحمه الله تعالى متوفى ۶۸۱هـ - دار صادر بیروت -
- ۲۱۳- الهداية - امام برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني رحمه الله تعالى متوفى ۵۹۳هـ، إدارة القرآن کراچی / المصباح -
- ۲۱۴- هدى الساري (مقدمة فتح الباري) - حافظ أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى متوفى ۵۹۳هـ - دار الفكر بیروت -
- ۲۱۵- مجمع الهوامع، علامه جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي رحمه الله تعالى، متوفى ۹۱۱هـ، منشورات الرضي، قم، ایران -

